قرآن مجید کی آسان اور عام فہم تفسیر

امداد الکرم

جلد اول

الفاتحۃ ۔ الانعام

محمد امداد حسین پیرزادہ

الکرم پبلی کیشنز

اِمدادُ الکرم

قرآنِ مجید کی آسان اور عام فہم تفسیر

جلد اوّل

الفاتحہ تا الانعام

محمد امداد حسین پیرزادہ

الکرم پبلی کیشنز یو کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

فہرست مضامین

فہرست مطالب (جلد اول)

قرآن مجید کا تعارف

قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔قرآن کا لغوی معنی پڑھنا اور تلاوت کرنا ہے۔اس کا نزول عربی زبان اور قریشی لب ولہجہ میں ہوا۔ آج بھی قرآن مجید اسی زبان اور لہجہ میں محفوظ ہے جبکہ پہلی آسمانی کتابیں آج اپنی اصلی زبان اور ابتدائی حالت میں دستیاب نہیں ہیں۔

انسانی فہم وادراک بہت محدود ہے۔کامل اور بے خطا ذات فقط اللہ تعالیٰ کی ہے۔اگر بشر کی عقل کامل ہوتی تو وہ کبھی غلطی کا مرتکب نہ ہوتا، لیکن زیرک ترین اشخاص بھی لغزش کا شکار ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حضرت انسان آج تک اپنے لئے مکمل ضابطہ حیات نہیں بنا سکا۔بارہا اس نے زندگی کے میدان میں طبع آزمائی کی مگر منزلِ مراد تک نہ پہنچ سکا، بلکہ اس جدوجہد میں بعض قومیں اس قدر تباہ ہوئیں کہ ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔

انسان کی بنیادی کمزوری کے پیش نظر خالق کائنات نے اقوام عالم کی فلاح وبہبود اور رشد وہدایت کے لئے کتب اور صحیفے نازل فرمائے تاکہ وہ زندگی کی صحیح راہ پر گامزن ہوں، لیکن ہر قوم نے جلد یا بدیر تعلیمات خداوندی کو پس پشت ڈال دیا اور ان میں انسانی ہاتھ نے اس حد تک رخنہ اندازی کی کہ اصلیت مستور ہو کے رہ گئی۔

آخر کار قرآن حکیم نازل ہوا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا اور اسے مستقبل کے تمام ازمنہ واوطان کے لئے ایک ناقابل تغیر ضابطہ حیات قرار دیا۔آج چودہ صدیاں گزر چلیں اور قرآن حکیم روزِ اوّل کی طرح سالم ومحفوظ چلا آتا ہے۔اگر اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہوتی تو سورہ بقرہ گائے کی نذر ہو جاتی اور سورہ نمل کو چیونٹی کھا گئی ہوتی۔اسی لئے خدائے حکیم وعلیم نے اس کی حفاظت ہم پہ نہیں چھوڑی اور نہ ہی توراۃ وزبور کی محافظت کا اعلان کیا، کیونکہ وہ کتب محدود وقت اور متعین علاقہ کے لئے آئی تھیں مگر قرآنِ مجید کی برکات نسلی یا زمانی قیود سے مبرّیٰ اور منزہ ہیں۔قرآنِ حکیم واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ سب انسان ایک اصل رکھتے ہیں

اور نفسِ واحدہ سے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ قرآنِ مجید کا دامن ہر اس آدمی کے لئے کشادہ ہے جو اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہے۔ اس کا بتایا ہوا دین کسی گروہ کا اجارہ نہیں۔ یہ شاہراہ حیات ہے جس پر چلنے کی صدا عام ہے۔ ہر عُمر، ہر مزاج، ہر نسل اور ہر وطن کا آدمی اس شاہراہِ حیات کو اپنا سکتا ہے۔ قرآنِ کریم کے اسلوب میں یہ خوبی ہے کہ عامی ہو یا عالم ہر درجہ اور ہر دَور کا انسان بقدر فہم اور حسب ضرورت اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ ایک عام شخص اپنی ضرورت کے مطابق عقیدہ و عمل کی تعلیمات حاصل کر لیتا ہے اور ایک عالم کو سیرابیٔ طبع کے لئے معنویت کے ابدی سرچشمے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ہر لفظ معانی و اسرار کا ایک خزانہ ہے، جس کا سرمایہ ختم ہونے پر نہیں آتا۔

قرآنِ حکیم کا اسلوب کلام تمام انواع اسلوب کا جامع ہے، تاہم ان میں سے ایک بھی نہیں۔ شعر نہیں لیکن شعر کا جادو رکھتا ہے۔ خطابت نہیں لیکن خطابت کے جوش اور زیر و بم سے معمور ہے۔ نثر نہیں لیکن نثر کی تمکنت اور حسنِ ادا کا سرمایہ دار ہے۔ الغرض کسی صنف کا پابند نہیں لیکن ہر صنف کی خوبیوں اور رعنائیوں سے مالا مال ہے۔ اس کے مطالعہ کے دوران ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ سے ہمکلام پاتے ہیں۔ طبیعت میں ایک عجیب کیف و سرور اور خودی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ مہمل خیالات کی زنجیریں ٹوٹ کر گرنے لگتی ہیں۔ باطل خداؤں کی نفرت سے خون کھولنے لگتا ہے اور انسان خالقِ حقیقی کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ہر تحریر میں صاحب تحریر کی شخصیت کے خطوط مستور ہوتے ہیں۔ ایک عامی کی نگاہ چاہے اُن تک نہ پہنچ سکے لیکن ایک نکتہ دان اور صاحب نظر نقاد تصنیف سے مصنف کی مکمل شخصیت کو بھانپ جاتا ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے بھی خالقِ کائنات کا جلال و جمال نمایاں ہو جاتا ہے۔ ہر آیت زبانِ حال سے دعوٰی کرتی ہے کہ میں کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ یزداں کا کلام ہوں۔ اگر کسی کو شک ہے تو قرآن کی للکار آج تک موجود ہے:

"اور اگر تم کو اس کتاب (کے کلام اللہ ہونے) میں شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

(سورہ بقرہ: ۲۳)

چودہ صدیاں گزر چلیں، یہ چیلنج بدستور فضاؤں میں گونج رہا ہے۔ کسی حریف کو جرأت نہیں ہوئی کہ اسے قبول کرے۔ اعداء کی یہ لاجوابی آج تک باقی ہے۔ بعض جھوٹے نبی اُٹھے، انہیں جال پھیلانے کے لئے وحی اور الہام گھڑنے کی بھی سُوجھی۔ انہوں نے حتی الوسع کچھ فقرے تراش بھی لئے لیکن ان کی حیثیت یاوہ گوئی سے نہ بڑھ سکی۔

قرآنِ حکیم سے قبل جس قدر الہامی کتب آئیں، ان کی بنیادی اور اصولی تعلیمات اس میں جمع کردی گئی ہیں۔ تمام آسمانی صحیفوں کے حقائق اس میں موجود اور محفوظ ہیں۔ یہ سابقہ آسمانی کتب کا مُھَیمِن (پاسبان، محافظ، نگران، شاہد، امین) ہے اور آئندہ فلاحِ انسانی کا ضامن ہے۔ یہ کتاب ان تمام اصول وقواعد اور ہدایات کی جامع ہے جو کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے لابدی ہیں۔ اس میں قطرہ سے سمندر، ذرہ سے صحراء، عبد سے معبود، حیات سے ممات اور بعد الموت تک کے تمام احکام ومسائل مندرج ہیں۔

الغرض قرآنِ مجید ایک جامع کتاب ہے جو زندگی کے ہر میدان میں کامل رہنمائی کرتی ہے۔ قرآنِ مجید صرف کاغذ پر نقش نہیں بلکہ اس کے ہر لفظ نے عملی زندگی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قرآنِ مجید نے پہلے ایک قوم کے اندر تبدیلی پیدا کی اور پھر اس قوم نے دنیا کے ایک عظیم حصّہ کو بدل ڈالا۔ قرآنِ مجید صرف عقائد اور قصص کی کتاب نہیں بلکہ اصلاح وانقلاب کی داعی ہے۔ اس کی انقلابی صلاحیتیں آج بھی زندہ ہیں بشرطیکہ انسان خلوص نیت اور استقامت سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

جمع قرآن مجید

قرآنِ مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ سب سے بڑی سورت میں دو سو چھیاسی آیات ہیں اور سب سے چھوٹی سورت میں صرف تین آیات ہیں۔ قرآن مجید ۲۳ سالوں (۶۱۰ تا ۶۳۲ عیسوی) میں حالات کے مطابق بتدریج نازل ہوا۔

نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ نے فنِ تحریر میں ماہر صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت کو قرآن مجید کی کتابت کے لئے متعین فرما رکھا تھا، جنہیں ''کاتبانِ وحی'' کہا جاتا تھا۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور اکرم ﷺ تصریح فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھی جائے۔ اس طرح پورا قرآن مجید حضور اکرم ﷺ کی براہ راست نگرانی میں لکھا گیا لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدوّن نہیں تھیں، صرف پتوں، ہڈیوں اور پتھروں وغیرہ پر لکھی گئیں۔

حفاظتِ قرآن کا سب سے اہم ذریعہ اس کو زبانی یاد کرنا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے خود بھی قرآن مجید کو حفظ فرمایا اور صحابہ کرام ؓ کو قرآن مجید زبانی یاد کرنے کی ترغیب دی جس کے نتیجہ میں کئی صحابہ کرام ؓ نے قرآنِ مجید زبانی یاد کرلیا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سینکڑوں حفاظِ کرام جنگوں میں شہید ہو گئے، اس پر صحابہ کرام ؓ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر حفاظِ کرام کی شہادت کی یہی رفتار رہی تو قرآنِ مجید کی حفاظت کا کام مشکل ہو جائے گا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حکم سے اصل کاتبانِ وحی کی نگرانی میں قرآنِ مجید کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا جو خلیفہ وقت کے پاس محفوظ رہتا۔

قرآنِ مجید کے پہلے مخاطبین اہلِ عرب تھے۔ ہر قبیلہ کا لب ولہجہ مختلف تھا اور وہ قرآنِ مجید کو اپنے قبیلہ

کے لب ولہجہ کے مطابق پڑھتے تھے۔ چونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی اس لئے مختلف لہجوں سے کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہیں تھا، لیکن جب اسلام عرب کی حدود سے نکل کر دوسری دنیا میں پھیلنا شروع ہوا اور غیر عربی لوگوں نے مختلف عرب قبائل سے قرآنِ مجید مختلف لہجوں میں سیکھنا شروع کیا تو ظاہر ہے اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا، چنانچہ حضرت عثمانِ غنی ﷛ نے قرآنِ مجید کو قریشی لب ولہجہ میں لکھایا اور اس کی کاپیاں تمام دنیائے اسلام میں بھجوادیں، جو آج دنیا کے ہر کونے میں موجود ہے اور اس میں ذرّہ بھر بھی اختلاف یا تبدیلی نہیں ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین الرحمن الرحیم والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ کتاب جملہ علوم کی جامع ہے۔ اس کی تعلیمات کامل اور سراپا ہدایت ہیں۔ یہ عربی زبان میں ہے جو اپنی وسعت کے اعتبار سے لاجواب ہے۔

اہلِ علم نے قرآن کریم کی تفسیر میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور الفاظ ومعانی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر علم وحکمت کے بے شمار موتی نکالے ہیں جن کو تفاسیر میں لکھ کر امت مسلمہ پر عظیم احسان کیا ہے اور اہل خرد بھی انہیں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے، لیکن ایک عام آدمی میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ صرفی، نحوی اور لغوی مسائل کو سمجھ سکے، اس لئے ایک ایسی تفسیر کی ضرورت تھی جس میں قرآن حکیم کا مفہوم بالکل سادہ اور آسان لفظوں میں بیان کیا جائے اور علمی مباحث اہل علم کے لئے چھوڑ دیئے جائیں تاکہ وہ نو مسلم جو اسلامی تعلیمات سے ناآشنا ہے یا وہ نوجوان جو عربی زبان بالکل نہیں جانتا اس کا قرآن کے ساتھ ابتدائی رابطہ قائم ہو جائے اور اہل علم کی تفاسیر کو سمجھنے کے قابل ہو سکے، لہٰذا اس تفسیر سے اہل علم حضرات کی تسکین مقصود نہیں اور نہ ہی اس فقیر کے پاس اتنا علم ہے کہ اہل علم حضرات کی معلومات میں اضافہ کر سکے کیونکہ مفسرین کی تاریخ میں یہ فقیر وہ نو وارد ہے جو سب سے زیادہ کم علم ہے۔ اسی لئے میرے مخاطبین بالخصوص وہ مسلمان ہیں جو قرآن کی بالکل ابتدائی سمجھ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی خاطر بات کو آسان کرنے کے لئے میں نے بعض مقامات پر ترجمہ کی بجائے ترجمانی کا راستہ بھی اختیار کیا ہے۔

نیز قرآن کریم ایک عالمگیر، ہمہ جہت اور دائمی پیغام ہدایت ہے جو کسی وقت اور جگہ کا پابند نہیں لیکن

مفسرین نے اپنے علاقہ کی زبان، مروج علوم اور مخصوص ذہنیت کا لحاظ رکھتے ہوئے تفاسیر لکھی ہیں۔ اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قارئین کی ذہنی استعداد کے مطابق ان سے بات کی جائے۔ یورپ آج مادی ترقی کی جس راہ پر گامزن ہے پہلے کبھی نہیں تھا۔ ان کی مادہ پرستی نے مذہب اور روحانیت کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور ہماری آنے والی نسلیں بھی اس معاشرہ سے اثر لے رہی ہیں، لہٰذا یہاں بھی ایک ایسی تفسیر کی ضرورت تھی جس میں ان مسائل اور دلائل کو زیادہ اہمیت دی جائے جو اس عقل پرست معاشرہ کو متاثر کرسکیں اور اسلام کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوں۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ تسکینِ قلب کے لئے عقلی توجیہ اور ظاہری تمثیل کو پسند کرتی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھتے تھے اس کے باوجود اطمینانِ قلب کے لئے اللہ تعالیٰ سے مشاہدہ کا سوال کیا۔ (قرآن: ۲:۲۶۰) اس فطری تقاضا کے پیش نظر میں نے بعض مقامات پر بات کو آسان کرنے کے لئے کچھ مثالیں بیان کی ہیں، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر کسی مقام پر میری عقلی توجیہ قرآن وحدیث سے ٹکرائے یا قرآن کا مفہوم واضح نہ کرسکے تو وہ میری سمجھ کی کوتاہی ہے اسلام کا حکم غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی بات کے سچا ہونے کا اصل معیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے چاہے اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

اے علیم وقدیر اور رحیم وکریم خدا! تیری بے پایاں رحمتوں پر توکل کرتے ہوئے اس بے علم وناتواں بندۂ فقیر نے تیرے عظیم کلام کی تفسیر شروع کی ہے۔ یہ بے کس وبے نوا اور تہی دامن مسکین تیرے پیارے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ رحمت تھام کرعرض کرتا ہے:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

(اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لئے کشادہ فرمادے اور میرا کام میرے لئے آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ (قرآن: ۲۰:۲۵)

میں نے کئی عربی اور اردو تفاسیر سے استفادہ کیا ہے مگر زیادہ تر میری معلومات کا ذریعہ سیدی ومرشدی حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ضیاء القران ہے۔ اسی لئے میں نے اس تفسیر کا

نام ''امداد الکرم'' رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

یَااللّٰہُ! یَاغَفَّارُ! یَاتَوَّابُ!

اس حقیر اور پُر تقصیر بندے نے ترے مقدس کلام کو ایک عام ذہن تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس سے میرا مقصد فقط تیری اور تیرے پیارے حبیب ﷺ کی رضا کا حصول ہے لیکن اس میں اگر کہیں غلطی ہوئی ہے تو وہ میری کم علمی ہے۔ میں اپنی کوتاہی کا پیشگی اعتراف کرتے ہوئے توبہ کرتا ہوں۔ میری توبہ قبول فرما اور میری رہنمائی فرما تا کہ میں اس کی اصلاح کر سکوں۔

یَااللّٰہُ! یَارَحْمٰنُ! یَارَحِیْمُ!

یہ فقط ترا کرم تھا جو اس گناہگار بندے نے ترے عظیم کلام کی تفسیر شروع کی۔ اب اپنے ہی کرم کے صدقے اس کو قبول فرما اور میدانِ حشر میں اسے میرے، میرے والدین، میری اولاد، میرے اساتذہ کرام، میرے شاگرد، میرے عقیدت مند، میرے دوست، جامعہ الکرم اور مسلم چیرٹی کے معاونین اور جملہ قارئین کیلئے نجات کا ذریعہ بنا۔

یہاں میں اپنے کرم فرما حضرت علامہ محمد دین سیالوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے تفسیر امداد الکرم کے مسودہ پر نظر ثانی کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور اپنے پیارے بیٹے بختیار حیدر کے لیے بھی دعا گو ہوں جو اس تفسیر کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بھی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

اللھم ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس علیہ التحیۃ والتسلیم

احقر العباد: محمد امداد حسین پیرزادہ

یکم رجب ۱۴۲۱ھ ۳۰ ستمبر ۲۰۰۰ء (بروز ہفتہ بعد از نماز مغرب)

جامعہ الکرم، ایٹن ہال، انگلستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفاتحۃ (۱)

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا راستہ بتاتی ہے۔ سورہ فاتحہ میں اس تفصیل کو اختصار کے ساتھ بطور دیباچہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ انسان کا منشور تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا دستور حیات اللہ والوں کا نقش قدم ہے جو صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔

سورہ فاتحہ دراصل ایک جامع دعا ہے۔ اس کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت اور قرآن مجید کی فہم و فراست کے دروازے کھلتے ہیں۔ اسی لیے اس کو ابتدا میں رکھا گیا ہے تاکہ قرآن سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ سورت کتنی عظیم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا نزول دو بار ہوا (ایک بار مکہ مکرمہ میں اور دوسری بار مدینہ منورہ میں) اور ہر نماز میں اس کا پڑھنا واجب قرار پایا۔ سورہ فاتحہ کی فضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں سورہ فاتحہ جیسی کوئی سورت نہیں ہے۔ (ترمذی: ۲۸۷۵: ابواب فضائل قرآن: باب ۱)۔۔۔ یہ سب سے عظیم سورت ہے۔
(صحیح بخاری: ۵۰۰۶: کتاب فضائل قرآن باب ۹)

اٰیاتہا ۷ ١ سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۵ رکوعہا ١

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ[۱] کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں)[۲] جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۳]

[۱] اللہ خالقِ حقیقی کا ذاتی نام ہے، کسی دوسرے کے لئے استعمال نہیں ہوسکتا۔ خالق حقیقی صرف ایک ہے اور اس کا ذاتی نام یعنی اللہ بھی مُفرَد ہے، اس کی کوئی جمع نہیں ہے۔ یہ تمام اسمائے حُسنیٰ (صفاتِ باری تعالیٰ) کا جامع ہے اور بقول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم بھی یہی ہے۔

[۲] اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اپنے ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرے تاکہ اس کے نام کی برکت سے مشکلیں آسان ہوں۔ اسی لئے میں نے بسم اللہ کے ترجمہ میں بھی اللہ کے نام کو سب سے پہلے رکھا ہے تاکہ اللہ کے نام کی برکت سے اس ترجمہ کی ابتداء ہو۔ اس طرح کرنے سے انسان اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر اس کا توکل پختہ ہو جاتا ہے، نیز جب اسے ہر کام شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی عادت ہو جائے گی تو وہ ہر ایسا کام کرنے سے رُک جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو کیونکہ اسے اپنے رب سے شرم آئے گی کہ اس کا نام لے کر اس کی نافرمانی کر رہا ہے۔

''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' قرآن مجید کی آیت ہے اور دو سورتوں کو الگ کرنے کیلئے نازل ہوئی۔ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جسم میں جہاں درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ پڑھی جائے۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں: بسم اللہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

لمحہ فکریہ: انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے استفادہ کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر آنکھ، کان، ناک، منہ، ہاتھ، پاؤں، صحت، دولت وغیرہ۔ اگر ان میں سے ایک بھی ناقص ہو جائے تو یہ زندگی بوجھ بن جائے۔ اس قدر احسانوں میں ڈوبا ہوا انسان اگر کوئی کام کرتے وقت بھی اپنے محسنِ حقیقی کا نام نہ لے تو اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہوسکتی ہے۔

[۳] رحمان اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمان میں تو مبالغہ کی بھی انتہا ہے، یعنی اتنا بڑا مہربان کہ اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے رحمان کا لفظ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاتا۔

قرآن نے اللہ تعالیٰ کی جس صفت کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے وہ رحمان ہے اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، لہٰذا انسان کتنا ہی بڑا گناہگار کیوں نہ ہو اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنا چاہے تو اسے گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے حساب رحمت اس کے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے بے قرار ہے۔ رحمان ورحیم آقا تو ہر وقت مائل بہ کرم ہے، کاش ہمیں طلب صادق نصیب ہو جائے۔ آمین۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ

۱۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں [۴] جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ [۵]

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ

۲۔ بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

---

[۴] قرآن پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سب عبادت ہے اور عبادت کی جان اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، اسی لئے قرآن مجید کی ابتدا حمد سے ہو رہی ہے۔

ہر خوبی و جمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا تعریف قرآن کی ہو یا کسی نبی کی، کعبہ کی ہو یا کسی ولی کی، چاند کی ہو یا کسی پھول کی، حقیقت میں اسی ذات بے مثال کی تعریف ہے جو ہر حسن و جمال کا خالق ہے۔ اسی لئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی ہر قسم کی کامل تعریفوں کا حقیقی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی صاحب کمال کی تعریف نہ کی جائے۔ سراپا صدق وصفا حضرت ابو بکر ؓ کا حق ہے کہ انہیں صدیق اکبر کے لقب سے نوازا جائے۔ عدل و انصاف کے پیکر حضرت عمر ؓ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں فاروق اعظم کا اعزاز دیا جائے۔ اسی طرح ہر صاحب کمال کی قدر دانی ضروری ہے لیکن سب سے پہلے اس خالق حقیقی کی حمد لازم ہے جس نے اس میں اس کمال کو پیدا فرمایا۔

سورہ فاتحہ میں دعا بھی ہے اور آدابِ دعا کی تعلیم بھی یعنی جس کریم آقا کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے جا رہے ہیں پہلے اس کے اَن گنت احسانات اور بے پایاں عنایات کا اعتراف کریں اور شکرانے کے طور پر حمد وثناء کے گلدستے پیش کریں جس کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ سب سے افضل ہیں۔ اس کے بعد اپنی مغفرت کیلئے دعا کریں اور خدا کے فضل و کرم کا سوال کریں۔

حمد باری تعالیٰ مومن کی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے یعنی نعمت ملے تو شکر کے ساتھ حمد، مصیبت آئے تو صبر کے ساتھ حمد، چھینک یا پسندیدہ خواب آئے تو حمد، کھانے اور پینے کے بعد حمد، نماز کے بعد حمد، الغرض مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے۔

[۵] رب کا ایک معنی مربی ہے یعنی کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا۔ (تفسیر روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ جو انسان اپنے مرتبہ کمال کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا حقیقی رب ہے۔

عالمین، عالم کی جمع ہے جس کا معنی جہان ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص قوم، نسل یا علاقے کا رب نہیں بلکہ ساری کائنات کا رب ہے اور جو ساری کائنات کا رب ہو وہی ساری تعریفوں کا حقیقی مستحق ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ۳۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔[۶]

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ۴۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں [۷] اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔[۸]

---

[۶] اس دن کا مالک جس میں ہر انسان کو اس کے اچھے کاموں کا حسین ثواب اور برائیوں کا دردناک عذاب دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت پڑھنے والا بے عملی کا شکار ہو سکتا تھا مگر مالک روزِ جزا نے اسے متنبہ کر دیا۔ یہ سب درست ہے کہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں ،جس کو چاہے بخش دے لیکن وہ بااختیار منصف بھی ہے،کوئی مجرم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

لہٰذا اے انسان !اس فانی زندگی اور چند روزہ عیش و راحت پر مغرور ہو کر اس دن کو فراموش نہ کر جو ابدی زندگی اور حقیقی جزا و سزا کا پہلا دن ہوگا۔ اچھے کام کر اور قبولیت کے لئے اس کی رحمتوں پر امید رکھ۔ ناجائز کاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بے خوفی انسان کو بے عمل اور اس کی رحمت سے مایوسی انسان کو ظالم بنا دیتی ہے ،لہٰذا ایک طرف اس کی رحمت پر امید رکھ اور دوسری طرف اس کے غضب سے ڈر، یہی ایمان کی نشانی ہے۔اس کی مزید تشریح کے لئے حضرت عمر فاروق ؓ کا ارشاد غور طلب ہے:''اگر آسمان سے آواز آئے: اے لوگو! سوائے ایک انسان کے آپ سب لوگ جنت میں داخل ہونے والے ہیں تو مجھے اللہ تعالیٰ کے غضب سے اتنا ڈر ہے کہ وہ میں ہوں گا،اور اگر اعلان یہ ہو: اے لوگو! سوائے ایک انسان کے تم سب جہنم میں داخل ہونے والے ہو تو مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اتنی امید ہے کہ وہ میں ہوں گا''۔(کنز العمال:۳۵۹۱۶: جلد ۱۲:ص ۶۲۰) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''اگر مومن کو اللہ تعالیٰ کی سزا کا علم ہو جائے تو کوئی بھی جنت کا لالچ نہ کرے اور اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا علم ہو جائے تو کوئی بھی جنت سے مایوس نہ ہو''۔ (صحیح مسلم:۲۷۵۵:کتاب التوبۃ:باب ۴)

اللہ تعالیٰ آج بھی ساری کائنات کا مالک ہے،لیکن اس آیت میں روزِ جزا کی تخصیص شاید اس لئے ہے کہ آج جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مالک نہیں مانتے.قیامت کے دن اس کی بادشاہی کا مشاہدہ کر کے وہ بھی اس کے مالک ہونے کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

[۷] اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بعد اب عبادت کی تعلیم دی جا رہی ہے،اس ترتیب سے یہ حقیقت بھی اجاگر ہو گئی کہ اعتقاد، عمل پر مقدم ہے اور عبادت کی قبولیت عقیدے کی صحت پر موقوف ہے۔

انگریزی میں عبادت کو ورشپ (worship) کہا جاتا ہے اور آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق: خدا کے لئے عزت و احترام کے عملی مظاہرہ کا نام عبادت ہے۔

"the practice of showing respect for God"

اسلام میں بھی عبادت کا مفہوم اسی طرح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرے۔ مثال کے طور پر نماز میں انسان رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہے تو بھی عبادت ہے کیونکہ جس ذات کے لئے کھڑا ہے وہ اس کا معبود حقیقی ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک بیٹا اپنے باپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے تو یہ عبادت نہیں بلکہ احترام اور تعظیم ہے کیونکہ کوئی مسلمان بیٹا اپنے باپ کو معبود نہیں سمجھتا۔

نیز قرآن بتاتا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور برادرانِ یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا، اس کے باوجود نہ فرشتے مشرک ہوئے اور نہ ہی برادران یوسف علیہ السلام کیونکہ وہ مسجود کو معبود نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف تعظیم مقصود تھی۔ اسلام نے عبادت اور تعظیم دونوں کا حکم دیا ہے۔ عبادت اللہ تعالیٰ کی اور تعظیم اللہ والوں کی، لہٰذا عبادت اور تعظیم میں فرق نہ کرنا اور تعظیم کرنے والے پر عبادت کا الزام عائد کر کے اسے مشرک کہنا قرآن کے مزاج کے خلاف ہے۔

عبادت کے لائق صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور جو شخص کسی مخلوق (نبی، ولی یا سورج، آگ، پتھر وغیرہ) کی عبادت کرتا ہے وہ اس میں کسی خوبی یا جمال سے متاثر ہوتا ہے حالانکہ وہ حسن یا کمال اس کا ذاتی نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس میں یہ خوبی نہ رکھتا تو کوئی انسان اس سے متاثر نہ ہوتا، لہٰذا عبادت کا مستحق صاحب کمال نہیں بلکہ خالقِ کمال ہے جس نے کائنات کو حسن وکمال سے مزین فرمایا۔

عبادت کے حوالے سے حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کا قول غور طلب ہے: تیری قسم اے اللہ تعالیٰ! میں جنت کے لالچ یا دوزخ کے ڈر سے تیری عبادت نہیں کرتی بلکہ اس لئے کرتی ہوں کہ تو ہی عبادت کے لائق ہے۔

اگر حور جنت کی دل میں بسی ہے عبادت ہی کیا یہ تو سوداگری ہے

[۸] ساری کائنات کا خالق، مالک اور رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی مرضی نہ ہو تو کوئی پتہ حرکت نہ کر سکے، اس کی اجازت نہ ہو تو کوئی ستارہ چمک نہ سکے، وہی کارسازِ حقیقی ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے، اسی لئے ہم دن میں درجنوں بار بصد ادب و نیاز عرض کرتے ہیں: اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (اے ہمارے پروردگار! ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بیماری کے لئے ڈاکٹر سے مدد نہ مانگیں، دشمن کے لئے ہتھیار کا سہارا نہ لیں، دعا کے لئے کسی بزرگ کے پاس نہ جائیں۔ دراصل یہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائے ہیں۔ بلاشبہ حقیقی مددگار تو وہی ہے مگر یہ اس کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ مثال کے طور پر نماز اور صبر خدا نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے مدد لینے کا حکم دیا ہے۔ (قرآن: ۲: ۱۵۳) لہٰذا اسباب کا سہارا لینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے مدد لینا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان میں مدد کی صلاحیت نہ رکھتا تو ہمیں ان کے پاس جانے کی ضرورت نہ تھی۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ ۵۔ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔[۹]

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ ۶۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔[۱۰]

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۠ ع ۷۔ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔[۱۱]

جس طرح مخلوق کی تعریف درحقیقت خالق کی تعریف ہے اسی طرح مخلوق سے مدد لینا بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی مدد ہے کیونکہ ساری کائنات کا کارسازِ حقیقی وہی ہے۔ ہاں اگر کوئی بے وقوف یہ سمجھے کہ اللہ نہ چاہے تو بھی ڈاکٹر کی دوا اور بزرگ کی دعا شفا دے سکتی ہے تو یہ واضح شرک ہے۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے۔

[۹] سیدھے راستے سے مراد اسلام ہے اور اس دعا کا تعین قاری کے حال پر منحصر ہے۔ اگر دعا مانگنے والا گمراہ ہے تو مطلب ہوگا: ''سیدھا راستہ دکھا'' یعنی بھٹکا ہوا ہے سیدھے راستہ کا سوال کر رہا ہے۔ اگر عام مسلمان ہے تو مطلب ہوگا: ''سیدھے راستے پر چلا'' یعنی سیدھا راستہ تو جانتا ہے اس پر عمل کی توفیق مانگ رہا ہے، اور اگر پرہیزگار ہے تو مطلب ہوگا: ''سیدھے راستے پر قائم رکھ'' یعنی سیدھے راستہ پر گامزن ہے استقامت اور ترقی درجات کی التجا کر رہا ہے۔

الغرض منزل کوئی بھی ہو قدم اٹھانے سے پہلے اپنے خالق حقیقی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے تا کہ اس کی توفیق شاملِ حال ہو اور شیطان گمراہ نہ کر سکے۔

[۱۰] سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین) اختیار کریں، ان کی تقلید اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی ہی سیدھا راستہ ہے، نیز ہر انسان میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ براہ راست قرآن و حدیث کو سمجھ سکے کیونکہ بیشتر تو عربی زبان ہی نہیں جانتے، لہٰذا بزرگانِ دین کی صحبت اور پیروی سے اسلام کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اسی لئے اسلام نیک اور سچے لوگوں کی صحبت اور پیروی کی ترغیب دیتا ہے۔

حضرت عمران بن حطان بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لئے گئے تو وہ سیاہ چادر لپیٹ کر مسجد میں چھپ کر تنہا بیٹھے تھے۔ عمران بن حطان نے کہا: اے ابوذر! یہ تنہائی کیا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور نیک ساتھی تنہائی سے بہتر ہے، اچھی بات لکھوانا خاموشی سے بہتر ہے اور بری بات لکھوانے سے خاموشی بہتر ہے''۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۴۹۹۳: جلد ۴: ص ۲۵۶) کیونکہ جب انسان نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو وہاں رنگا رنگ نیکیوں کی ترغیب ملتی ہے۔

[۱۱] اس سے معلوم ہوا کہ بدعقیدہ، بدعمل اور گمراہ لوگوں سے اجتناب اور ان کے راہ و رسم سے پرہیز لازم ہے کیونکہ ان کی صحبت گمراہی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بن سکتی ہے۔

نوٹ: سورہ فاتحہ کے بعد اور اسی طرح ہر دعا کے بعد آمین کہنا سنت ہے یعنی آخر میں پھر عرض کرے: ''یا اللہ! جو دعا میں نے کی ہے، اسے قبول فرما!''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی تمام سورتوں کو مدنی کہا جاتا ہے۔ یہ قرآن کریم کی سب سے طویل سورت ہے۔ اسی لیے اس میں بیان ہونے والے مضامین کی تعداد بھی دوسری سورتوں سے زیادہ ہے۔ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت (۲۸۲) بھی اسی سورت میں ہے اور آیت الکرسی (۲۵۵) بھی اسی سورت میں ہے، جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ (ترمذی: فضائل القرآن: حدیث ۲۸۷۸)

مدینہ میں اسلام ایک باقاعدہ اسلامی ریاست کی صورت اختیار کر رہا تھا اس لیے سورہ بقرہ میں عقائد اور عبادات کے علاوہ اسلام کے سیاسی، معاشی، اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں پر بھی مختلف انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اور گزشتہ اقوام بالخصوص بنی اسرائیل کے عروج و زوال کا تذکرہ بھی کیا گیا تا کہ امت مسلمہ اس سے عبرت حاصل کرے۔ اس میں ایک گائے کا عجیب و غریب قصہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے ایک قاتل کی نشاندہی ہوئی اور اس واقعہ کی وجہ سے اس سورت کا نام بھی بقرہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سورت بقرہ کی تفسیر بارہ سال میں پڑھی اور جس دن ختم کی اس دن خوشی میں ایک اونٹ ذبح کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت کی۔ (تفسیر قرطبی: جزء اول: ص ۴۰)

سورہ بقرہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات:

۱۔ جس نے سورہ بقرہ پڑھی اسے جنت کا تاج پہنایا جائے گا۔ (بیہقی: شعب الایمان: ۲۳۸۴: باب فی تعظیم القرآن)

۲۔ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

(مشکوۃ: ۲۱۱۹: کتاب فضائل القرآن)

۳۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایسا خزانہ ہیں جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی موجود ہے۔

(مشکوۃ: ۲۱۶۹: کتاب فضائل القرآن)

۴۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کو سیکھو اور اپنے بیوی بچوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ دونوں آیتیں نماز، قرآن اور دعا کا درجہ رکھتی ہیں۔

(بیہقی: شعب الایمان: ۲۴۰۳: باب فی تعظیم القرآن)

۵۔میت کو دفن کر کے اس کی قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی پہلی پانچ آیات اور قبر کی پائنتی کی طرف کھڑے ہو کر آخری دو آیات پڑھی جائیں۔

(مشکوۃ:۱۷۱۷: باب دفن المیت)

۶۔سورہ بقرہ پڑھا کرو، اس کے پڑھنے میں برکت اور چھوڑنے میں حسرت ہے۔نیز اس کی برکت سے مکار لوگوں کا مکر و فریب اور جادو اثر نہیں کرتا۔

(مسلم:۱۸۷۴: صلاۃ المسافرین)

آیاتھا ۲۸۶ ۲ سورۃ البقرۃ مدنیۃ ۸۷ رکوعاتھا ۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ ۞ ۱۔ الف لام میم [۱]

[۱] قرآن مجید میں ۲۹ سورتیں ہیں جن کی ابتداء میں اس قسم کے حروف نازل ہوئے۔ ان کو حروف مُقَطَّعات کہا جاتا ہے۔ یہ حروف اکٹھے لکھے جاتے ہیں (الم) لیکن جدا جدا پڑھے جاتے ہیں (الف لام میم)۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان حروف کو قرآن مجید کا حصہ سمجھیں اور ان کی تلاوت کریں، البتہ ان کے معانی کی تلاش ضروری نہیں، کیونکہ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے حبیب پاک ﷺ کو عطا فرمایا۔ جبریل امین جب ان حروف کو لے کر نازل ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پہلے ہی ان سربستہ رازوں سے آگاہ ہوں۔'' اس پر جبریل امین سراپا حیرت ہو کر کہنے لگے: ''میں ابھی ان حروف کو لے کر نازل ہو رہا ہوں، ان کا معنیٰ میری سمجھ سے بالاتر ہے، آپ کیا سمجھے ہیں؟'' نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ میرے اور میرے رب کے درمیان محبت کے راز ہیں۔'' (تفسیر روح البیان: سورہ یس)

حروف مقطعات میں چند حکمتیں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ذریعہ قرآن کریم نازل فرمایا مگر اس میں کچھ راز ایسے بھی ہیں جن کا جبریل امین کو بھی علم نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے علم کی پرواز اتنی بلند ہے کہ جبریل امین کا طائر خیال بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

۲۔ قرآن مجید کے ہر حرف کی تلاوت سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ان میں حروف مقطعات بھی شامل ہیں جن کا حقیقی معنیٰ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ جانتے ہیں۔ اس سے قرآن کریم کی عظمت کا اندازہ کریں۔ یہ دنیا میں واحد کتاب ہے جس کو سمجھ کر پڑھا جائے تو بھی ثواب اور بغیر سمجھے پڑھا جائے تو بھی ثواب۔

۳۔ حروف مقطعات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ قرآن مجید کے کسی حکم پر عمل کرتے وقت اگر اس کی حکمت سمجھ آئے تو بھی ثواب اور اگر حکمت سمجھ نہ آئے تو بھی ثواب کیونکہ یہ اس حکیم و دانا خداوند قدوس کا کلام ہے جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر میدان منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنا، صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور طواف کرتے وقت رمل کی حقیقی حکمتیں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم ان پر عمل کرتے ہیں اور کمالِ اطاعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جونہی رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آئے انسان اس کی اطاعت میں فوراً اپنی گردن جھکا دے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

۲۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں [۲] یہ ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے۔ [۳]

۴۔ شیخ عبدالرحمان سے پوچھا گیا کہ اس شخص کو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ضرور ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی دوائی کھاتا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی نہیں جانتا کہ کیا کھا رہا ہے لیکن اس کا اثر ضرور ہو جاتا ہے، جس طرح دوائی انسان کی جسمانی بیماریوں کو دور کرتی ہے اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت انسان کی روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہے اور ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۵۔ اگر ایک عالم قرآن مجید کے بعض حصہ (حروف مقطعات) کو بغیر سمجھے پڑھ کر ثواب کا امیدوار ہے تو ایک ان پڑھ مسلمان کو بھی بغیر سمجھے قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب کی امید رکھنی چاہیے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے، ہرگز نہیں۔ ہر مسلمان کو اپنی استعداد کے مطابق قرآن مجید سمجھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے کیونکہ قرآن کریم کے معانی میں غور کرنے کا ثواب زیادہ ہے اور پھر اس پر عمل کرنے کا ثواب اور زیادہ۔

۶۔ قرآن مجید تمام انسانوں کیلئے ہدایت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کفار سے مخاطب ہو کر انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہے تو ظاہراً اس کا ہمارے ساتھ تعلق نہیں اور نہ ہی اس میں ہمارے لئے بظاہر کوئی فائدہ نظر آتا ہے کیونکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہلے ہی مسلمان ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے رب تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں کفار کی ہدایت کا سامان ہے۔

اسی طرح حروف مقطعات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ سے خصوصی خطاب فرمایا۔ (جیسے ایک بادشاہ اپنے ولی عہد اور شیخ طریقت اپنے خلیفہ کو خصوصی ہدایات جاری کرتا ہے) جس میں ان کی رہنمائی مقصود ہے تو چونکہ اس کا ہمارے ساتھ براہ راست تعلق نہیں اس لئے اس کا ہماری سمجھ میں نہ آنا ایک فطری امر ہے اور ہمیں ان کی سمجھ میں سرگرداں رہنا بھی ضروری نہیں، نیز اگر ہر کسی کو اس کا علم ہو جائے تو اس خطاب کی خصوصیت بے معنیٰ ہو جاتی ہے، البتہ جن امور کا تعلق ہمارے عقائد اور اعمال سے ہے قرآن مجید نے انہیں دن سے زیادہ روشن اور سورج سے زیادہ واضح کر دیا ہے اور ان میں ذرہ بھر ابہام نہیں رکھا۔

[۲] کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے۔ اس کی تعلیمات اتنی واضح اور کامل ہیں کہ کہیں بھی شک کی گنجائش نہیں۔ اس کے باوجود جو لوگ اس میں شک کرتے یا شک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یا تو اس میں غور نہیں کرتے یا پھر تعصب کا شکار ہیں۔

[۳] متقی اس خوش نصیب انسان کو کہتے ہیں جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو اور وہ ہر اس کام سے اجتناب کرے جو آخرت میں

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

۳۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں [۴] اور نماز قائم کرتے ہیں [۵] اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [۶]

اس کے لئے نقصان دہ ہو۔ ہدایت کا ایک معنیٰ ہے: کسی کو راستہ دکھانا اور دوسرا معنیٰ ہے: کسی کو راستے پر چلا کر منزلِ مقصود تک پہنچانا، لہٰذا راستہ دکھانے کے اعتبار سے قرآن مجید تمام انسانوں (کافر و مسلم) کے لئے ہدایت ہے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کے اعتبار سے قرآن کریم صرف متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے کیونکہ یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو قرآن مجید پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے ہیں۔

[۴] متقین کون ہیں؟ ان کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسانی عقل اور حواس سے معلوم نہ ہو سکیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، فرشتے، قیامت، جنت اور دوزخ وغیرہ۔ یہ سب ایسی صداقتیں ہیں جو نہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہیں اور نہ عقل سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ ان کے جاننے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ نبی کی ذات گرامی ہے۔ اس سے معلوم ہوا آج کائنات کے سارے انسانوں کا علم اکٹھا کیا جائے تو بھی ایک نبی کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی کی زبان سے نکلنے والی ہر بات برحق ہے اور اس میں اسرار و رموز کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔

[۵] متقین کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری حقوق کے ساتھ نماز کو وقت پر ادا کیا جائے اور دل کے خشوع کے ساتھ صرف خدا کی رضا کے لئے پڑھی جائے۔ اس احتیاط سے ادا کی ہوئی نماز ہی اس قابل ہے کہ اسے دین کا ستون اور مومن کی معراج کہا جائے۔

قرآن مجید میں نماز کا حکم تو ہے لیکن نمازوں کے اوقات، رکعتوں کی تعداد اور نماز پڑھنے کا طریقہ بیان نہیں ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم نماز کس طرح ادا کریں؟'' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز ادا کرو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو''۔ (بخاری: ۶۳۱: کتاب الاذان: باب ۱۸)

[۶] متقین کی تیسری نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ رزق سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہیں جیسے مال و دولت اور علم و عرفان وغیرہ اور ان نعمتوں کے ظاہری وسائل بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں، مثلاً ہاتھ، پاؤں، صحت و تندرستی اور دل و دماغ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے کہ جس کے پاس جو نعمت ہے اس میں سے ان لوگوں کی بھی مدد کرے جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ دولتمند اپنی دولت سے، عالم اپنے علم سے اور عارف اپنی معرفت سے مستحقین کی مدد کرے، نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور جس انسان کے دل میں یہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

۴۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو آپ ﷺ سے پہلے (انبیائے کرام پر) نازل کیا گیا [۷] اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ [۸]

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

۵۔ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔ [۹]

یقین پختہ ہو جائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے اور جو قارون کی طرح ان نعمتوں کو ذاتی کمال سمجھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (قرآن: ۲۸: ۷۶ تا ۸۱)

[۷] متقین کی چوتھی نشانی یہ ہے کہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن مجید اور آپ ﷺ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، البتہ پہلی کتابوں کے احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں کیونکہ ہم صرف قرآن مجید پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔

چونکہ قرآن مجید آخری کتاب اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں اس لئے آپ ﷺ کے بعد کسی نبی یا کتاب پر ایمان لانا کفر ہے، اسی لئے اس آیت میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کا ذکر ہے لیکن بعد کا کوئی تذکرہ نہیں۔

[۸] متقین کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ آخرت سے مراد ایک نئی زندگی ہے جس کی ابتدا موت کے بعد ہوتی ہے۔ اس میں موجودہ زندگی کے اعمال کا محاسبہ کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق جزا و سزا (جنت و دوزخ) کا فیصلہ ہوتا ہے جو عدل و انصاف کے عین مطابق ہوگا۔ نہ کسی کی حق تلفی ہوگی اور نہ کوئی مجرم سزا سے بچ سکے گا۔

یہ عقیدہ انسان کو ہر وقت متنبہ کرتا رہتا ہے کہ اس کی ہر حرکت ریکارڈ ہو رہی ہے اور آخرت میں اس کے متعلق باز پرس ہوگی لہٰذا آخرت پر پختہ یقین رکھنے والا کسی پر زیادتی کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن جس انسان کو اس آخری محاسبہ پر یقین نہیں وہ عیش پرستی کی خاطر سرکشی پر دلیر ہو جاتا ہے۔

آج ہم اپنی کوتاہیاں دوستوں سے چھپاتے ہیں تاکہ شرمندگی نہ ہو مگر اس دن کیا بنے گا جب ہماری برائیاں سب کے سامنے عیاں ہو جائیں گی۔ کاش آج ہم برائی کرنے سے پہلے اس دن کو یاد رکھیں جس میں ہماری چھوٹی سے چھوٹی برائی بھی پوشیدہ نہیں رہے گی۔

[۹] جن لوگوں میں گزشتہ پانچ صفات پائی جائیں وہ ہدایت یافتہ ہیں اور دونوں جہانوں میں کامیاب ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦

۶۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان لوگوں کے لئے برابر ہے چاہے آپ ﷺ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧ ع

۷۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔[۱۰]

[۱۰] کافر اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو۔ اس کے کفر کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، مثلاً اسلام کے بارے میں لاعلمی یا اس کی تعلیمات پر شکوک وشبہات وغیرہ لیکن جب اسلام کی دعوت مل جائے یا شبہات دور ہو جائیں تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ کفار کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو اسلام کو حق سمجھتے ہیں لیکن تعصب اور ضد نے ان کے ظاہری حواس اور عقل و خرد پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مذکورہ دو آیات میں اسی قسم کے کفار کا تذکرہ ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر مریض سے کہے کہ اس کی بیماری آخری مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے، لہٰذا وہ علاج کرائے یا نہ کرائے وہ صحت یاب نہیں ہو سکتا، اسی طرح جن لوگوں (جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ) کا کفر آخری مرحلہ میں پہنچ چکا تھا رب تعالیٰ نے ان کے اسلام نہ لانے کا اعلان کر دیا لیکن اس کے باوجود ایسے ضدی کفار کو اسلام کی دعوت دینے سے ان کے خلاف حجت قائم ہو جاتی ہے تاکہ قیامت کے دن وہ لاعلمی کا عذر نہ کر سکیں، نیز دعوت دینے والے کو تبلیغ کا ثواب بہر حال ہوتا ہے سننے والا عمل کرے یا نہ کرے، جیسے مؤذن کو اذان کا ثواب ضرور ملتا ہے سننے والا نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔

یہاں بعض لوگ تقدیر کا مسئلہ کھینچ لاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور اعلان کر دیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اب وہ کیسے ایمان لا سکتے ہیں؟ دراصل بات یہ ہے کہ جب ڈاکٹر نے کسی مریض کے لاعلاج ہونے کا اعلان کیا تو کیا وہ مریض ڈاکٹر کے اس اعلان کی وجہ سے لاعلاج ہوا یا اس سے پہلے اس کی بیماری آخری مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی؟ جواب بالکل واضح ہے کہ مریض اپنی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی لاعلاج ہو چکا تھا ڈاکٹر نے تو صرف اطلاع دی ہے۔ اسی طرح یہ مخصوص کفار اپنے تعصب کی وجہ سے اسلام نہ لانے کا فیصلہ کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے تو صرف ان کے عزائم کی خبر دی ہے۔

اسی طرح ایک سوال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا، پھر تو انسان بالکل مجبورِ محض ہے اور اسے کسی گناہ کی سزا دینا ظلم ہوگا۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے حضرت محمود غزنوی کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو بچپن میں بزرگوں سے سنا تھا اگرچہ کتابوں سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی لیکن مقصد کی اہمیت کے اعتبار سے اس کو بیان کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ حضرت محمود غزنوی کے متعلق یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمود غزنوی کو اتنی بصیرت

اور فراست عطا فرمائی ہے کہ وہ دوسرے انسان کے دل کی بات بتا سکتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا: مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (ترمذی: ۳۱۲۷:۷: ابواب تفسیر القرآن: سورۃ الحجر: باب ۱۶) دونو جوانوں نے اس کرامت کی تصدیق کرنے کے لئے پروگرام بنایا کہ کل عصر کی نماز کے بعد حضرت محمود غزنوی کے باغ میں ان سے ملاقات کریں گے۔ اس باغ کے اردگرد اونچی دیوار ہے اور آنے جانے کے لئے مختلف اطراف سے چار دروازے ہیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے کہ ہم کون سے دروازے سے باہر نکلیں گے، وہ کوئی نہ کوئی دروازہ ہی بتائیں گے مگر ہم مغربی کونے میں موجود درخت پر چڑھ کر دیوار کے اوپر سے چھلانگ لگا کر باہر آجائیں گے اور اس طرح اس کی یہ کرامت غلط ثابت ہوجائے گی۔ چنانچہ وہ دونوں دوست دوسرے دن حضرت محمود غزنوی کے پاس اس کے باغ میں حاضر ہوئے۔ محمود غزنوی اپنے وزراء کے ساتھ باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ ان دو دوستوں نے محمود غزنوی سے پوچھا: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم کون سے دروازے سے باہر جائیں گے؟ حضرت محمود غزنوی نے کہا: اگر میں تمہیں کہوں کہ تم شمالی دروازے سے نکلو گے تو چونکہ تم میری مخالفت کا پروگرام بنا کے آئے ہو، لہٰذا تم جنوبی دروازہ سے نکل کر میری تکذیب کی کوشش کرو گے، البتہ میں کاغذ پر لکھتا ہوں کہ تم کہاں سے باہر جاؤ گے، وہ کاغذ میں تمہارے ہاتھ میں دے دوں گا۔ آپ وہ کاغذ اپنے پاس رکھ کر باہر جائیں اور وہاں جا کر کھولیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور ہم بھی وہیں آجاتے ہیں، چنانچہ محمود غزنوی نے لکھا کہ تم کسی دروازہ سے نہیں بلکہ مغربی کونے میں موجود درخت کے ذریعہ باہر جاؤ گے اور کاغذ لپیٹ کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ اپنے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق مغربی کونے میں موجود درخت کے ذریعہ باہر نکل گئے اور جب کاغذ کھول کر دیکھا تو اس میں بھی یہی لکھا تھا۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس کاغذ نے انہیں مجبور کیا کہ وہ درخت کے ذریعہ باہر چھلانگ لگائیں یا وہ اپنی مرضی سے اپنے منصوبہ کے مطابق خود درخت کے ذریعہ باہر گئے۔ ظاہر ہے وہ اپنی مرضی سے درخت کے ذریعہ باہر گئے ان میں اس کاغذ کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے متعلق اپنے کامل علم کے ذریعہ ہر بندے کی تقدیر لکھ دی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے فلاں وقت میں فلاں کام کرے گا، اس میں تقدیر کی طرف سے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ بندے کا اپنا فیصلہ ہے اور وہ خود اس کی جزا اور سزا کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اپنے ازلی علم کے ذریعہ اسے پہلے سے قلم بند کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم اتنا کامل ہے کہ اس میں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

نیز اس آیت کے نزول کے وقت یہ متعصب کفار زندہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مستقبل میں ان کے اسلام نہ لانے کا علم دیدیا۔ یہ غیب کی خبر ہے اور حضور اکرم ﷺ کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔
(تفسیر بیضاوی: سورہ بقرہ)

امام محمد متولی الشعراوی نے اس معجزہ کی مزید وضاحت کے لئے ''سورہ لہب'' کا حوالہ دیا ہے جس میں ابولہب کے برے انجام اور کفر پر مرنے کی پیش گوئی ہے۔ یعنی ''ابولہب عنقریب شعلوں والی آگ میں جائے گا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی۔'' (قرآن: ۱۱۱: ۳۔۵)

اس سورت نے اعلان کر دیا کہ ابولہب کفر پر مرے گا اور جہنم کی آگ میں جلے گا حالانکہ وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آکر اسلام قبول کر سکتا تھا اگرچہ دکھلاوے کے لئے ہی سہی اور بعد میں قرآن کی پیش گوئی کو چیلنج کر سکتا تھا۔ دیکھ لو میں تو مسلمان ہو گیا ہوں، لہٰذا قرآن کا دعویٰ غلط ہے۔ قرآن نے خاص طور پر ابولہب اور اس کی بیوی کا ذکر کیا ہے۔ دیگر کفار

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸

۸۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ مؤمن نہیں۔[۱۱]

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

۹۔ وہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور (دراصل) وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰

۱۰۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری زیادہ کر دی[۱۲] اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔[۱۳]

مثلاً خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہاں معجزے کی بات یہ ہے کہ قرآن نے ابولہب کو چیلنج کیا کہ وہ اپنے غلط راستے کو تبدیل نہیں کرے گا اور یہ کوئی ایسا چیلنج نہیں تھا جس میں ابولہب کے عمل اور فیصلے کا اختیار نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابولہب کفر پر ہی مرے گا اور دکھلاوے کے لئے وقتی طور پر بھی اسلام قبول نہیں کرے گا۔ (امام الشعراوی: معجزات الرسول: ص ۳۰)

[۱۱] آیات نمبر ۸ تا ۲۰ میں منافقوں کے مختلف احوال بیان کئے گئے ہیں۔ منافق اس کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے لیکن دل سے منکر ہو۔ ایسے لوگ کافر ہیں بلکہ ظاہری کافر سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اسی لئے ان کے زبانی دعوئ ایمان کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔ وہ اپنی منافقت سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دراصل وہ خود خسارے میں ہیں اور احساسِ زیاں سے بھی محروم ہیں، انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ منافقت کی عمر بالکل مختصر ہوتی ہے، جونہی کسی کی منافقت کا راز فاش ہوتا ہے وہ معاشرہ میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔

[۱۲] مدینہ منورہ میں جب نبی مکرم ﷺ کو اقتدار ملا تو مخالفین غم وغصہ سے جل اٹھے۔ ان کے دلوں میں بغض وعناد کی آگ بھڑک اٹھی۔ قرآن کریم نے ان کے اس تعصب وحسد کو بیماری سے تعبیر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو مزید ترقی دے کر ان کی بیماری میں اضافہ کر دیا کیونکہ جو حق کو پھیلتے دیکھ کر جلتے ہیں انہیں جلنا ہی چاہیے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، دن بدن حضور اکرم ﷺ کی عظمتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا اور جلنے والے جلتے رہیں گے۔

[۱۳] مدینہ منورہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر کئی مطلب پرست دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے اور کئی فتنہ پرور جاسوسی کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان بتانے لگے حالانکہ وہ دل سے کافر تھے، لہٰذا اس صریح جھوٹ کی وجہ سے آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ آج بھی جو اس قسم کی منافقت کے واضح جھوٹ کا ارتکاب کرتا ہے اسے آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

١١۔ اور جب انہیں کہا جائے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

١٢۔ خبردار! بے شک وہ خود فساد پھیلانے والے ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔[١٤]

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

١٣۔ اور جب انہیں کہا جائے: ایمان لاؤ جیسے (مخلص) لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ خبردار! بے شک وہ خود بے وقوف ہیں مگر انہیں علم نہیں ہے۔[١٥]

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭

١٤۔ اور جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تو ایمان والے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس علیحدہ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اہل ایمان کے ساتھ تو ہم صرف مذاق کرتے ہیں۔

---

[١٤] کفر و اسلام میں اختلاف ایک حقیقت ہے۔ چونکہ منافقین کا رابطہ دونوں طرف ہوتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کے راز کفار پر ظاہر کر کے جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اور دن رات فتنہ و فساد پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں اور اگر انہیں کہا جائے کہ اپنی سازشوں سے لوگوں کا امن و سکون خراب نہ کرو تو کہتے ہیں: "ہم تو اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں"۔ دراصل ان کے دلوں میں جو منافقت کی بیماری ہے اس نے ان کے ذہن و ضمیر کو مردہ کر دیا ہے۔ جس طرح بعض بیمار میٹھی چیز کو کڑوی اور کڑوی کو میٹھی محسوس کرتے ہیں اسی طرح منافقین اپنے فساد کو اصلاح تصور کرتے ہیں اور کوئی فساد پھیلانے والا اپنے آپ کو فسادی کہلانے کے لئے ہرگز تیار نہیں لیکن قرآن پاک کی زبان میں ہر وہ شخص فسادی ہے جو اصلاح کی آڑ میں فساد اور اتحاد کے نام سے انتشار کی تخم ریزی کرتا ہے۔

[١٥] جو لوگ اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرتے ہیں اور پھر اسلام کی تبلیغ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں انہیں اپنے خاندان کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ حق کی سربلندی کے لئے باطل قوتوں سے ٹکراتے ہیں اور بظاہر مشکلات کا شکار نظر آتے ہیں مگر مفاد پرست اور عیش و عشرت کے دلدادہ لوگ ان مخلص مؤمنین کو بے وقوف سمجھتے ہیں حالانکہ بے وقوف تو وہ خود ہیں جو چند روزہ زندگی کے عیش و آرام کے لئے آخرت کی ابدی راحتوں سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں، لہٰذا صالحین کو اہل باطل کی بدزبانیوں سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ گمراہ اور بدعمل

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

۱۵۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس مذاق کی سزا دے رہا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔[۱۶]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

۱۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی مگر ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی اور وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے۔[۱۷]

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰

۱۷۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نور سلب کر لیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔

لوگ ہمیشہ ایسی ہی زبان استعمال کرتے ہیں، نیز مخلص لوگوں کی طرح ایمان لانے سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ہمیں صالحین کی صحبت اختیار کر کے ان جیسے کام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

[۱۶] منافقین جب مسلمانوں سے ملتے تو ایمان کا دعویٰ کرتے اور جب مخالفینِ اسلام کے پاس جاتے تو کہتے: ''اصل میں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں، مسلمانوں کا تو صرف مذاق اڑاتے ہیں''۔ اس مذاق کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ منافقین کو ان کی سرکشی کے سپرد کر دیتا ہے اور فرماتا ہے: ''لو اگر تمہیں یہی پسند ہے تو اسی میں سرگرداں رہو''۔

مثال کے طور پر دریا میں جب طغیانی آتی ہے تو جو پانی ایک دفعہ دریا سے باہر نکل جاتا ہے اس کا دریا سے ہمیشہ کے لئے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جدھر جاتا ہے شترِ بے مہار کی طرح تباہی پھیلاتا ہے۔ اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی، بس ادھر ادھر پھیل کر چند دنوں میں زمین کے اندر غرق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی انسان انسانیت کی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو وہ چند دن تباہی کا سبب بنتا ہے اور بالآخر اپنی سرکشی کے سیلاب میں ڈوب کر جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

[۱۷] حضور نبی اکرم ﷺ نے حق و باطل کو بالکل واضح کر دیا، اگر منافقین چاہتے تو ہدایت کی راہ اختیار کر کے کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی مرضی سے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کی۔ اس سودے میں انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کرنے کی سزا یہ ملی کہ ان کی فطرت میں ہدایت قبول کرنے کی جو صلاحیت تھی وہ بھی ناکارہ ہو گئی۔

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ (ہدایت کی طرف) واپس نہیں آئیں گے۔[۱۸]

اَوۡ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ ۚ یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے تیز بارش ہو رہی ہو، اس میں اندھیرے ہیں، گرج اور چمک ہے، وہ اپنے کانوں میں کڑک کے سبب موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں ڈال لیتے ہیں، اور اللہ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یَكَادُ الۡبَرۡقُ یَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِیۡهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَیۡهِمۡ قَامُوۡا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی اُچک لے جائے، جب بجلی ان کے لئے چمکتی ہے تو اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۱۹]

[۱۸] ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے تاریکی میں آگ جلائی اور جب اس کا ماحول روشن ہو گیا تو بعض لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اب روشنی کے باوجود انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ایک خاص بندے (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) نے کفر کی تاریکی میں اسلام کی شمع جلائی اور جب اسلام کی روشنی سے ماحول جگمگانے لگا، حق روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا اور اہل عقل وخرد اسلام قبول کرنے لگے تو ان بے عقل منافقین نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور اسلام کا نور دیکھنے کے باوجود کفر کی تاریکی میں سرگرداں رہے۔ ان کی عقل پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ یہ عجیب بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو حق کہنے کی جرأت نہیں کرتے اور اندھے ہیں جو حق کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا ہدایت کی طرف رجوع کرنا ممکن نہیں کیونکہ تعصب نے ان کے کانوں، آنکھوں اور زبان کو ناکارہ کر دیا ہے۔

[۱۹] یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کارواں کو سیاہ بادل گھیر لے اور زور کی بارش شروع ہو جائے۔ جب بجلی چمکے تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیں ورنہ گھپ اندھیرے میں ششدر وحیران کھڑے رہ جائیں اور جب بجلی کی کڑک کی آواز آئے تو موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ وہ موت وحیات کی اس کشمکش میں سرگرداں ہیں، نہ منزل پر پہنچنے کی امید ہے اور نہ ہی راستہ میں امن وسکون ہے۔ بس پریشانی ہی پریشانی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ (وہی اللہ تعالیٰ) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی کے ذریعہ تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے، لہٰذا جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔ [۲۰]

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اگر تم کو اس کتاب (کے کلام اللہ ہونے) میں شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سورت ہی بنالاؤ اور اللہ کے سوا اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔ [۲۱]

اسلام بارانِ رحمت کی صورت میں برسنے لگا۔ جب اسلامی فتوحات کی روشنی ظاہر ہوتی تو منافقین مسلمانوں کی طرف دوڑتے اور ظاہری فوائد حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھتے اور جب کفار کی طرف سے بغض و عناد کے بادل چڑھ آتے اور مخالفین کے لشکروں سے ٹکرانے کی نوبت آتی تو یہ منافقین اپنے گھروں میں چھپ جاتے۔ اس دوہرے معیار نے ان کی منافقت کو ظاہر کر دیا اور ان کو ہر طرف سے رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے لیے دنیا و آخرت میں پریشانی ہی پریشانی ہے۔

گذشتہ تیرہ آیات میں منافقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ ان میں غور کرنے سے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ منافقت عقیدے میں ہو یا عمل میں، دین میں ہو یا دنیا میں، مخلوق سے ہو یا خدا سے ہر حال میں نقصان دہ ہے۔ یا اللہ! ہم سب کو منافقت سے بچا اور اخلاص کی دولت عطا فرما۔ آمین!

[۲۰] اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، اس کے آرام و آسائش کے لئے زمین و آسمان بنائے، اس کی زندگی و بقا کے لئے پانی اور پھلوں کا انتظام کیا اور اس پوری کارروائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔ جب انسان کے وجود اور اس کی زندگی کے سارے وسائل کا خالق تنہا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک ذات ہے، اس کے ساتھ کسی شریک کی گنجائش نہیں ہے۔

[۲۱] جب حضور اکرم ﷺ کلام اللہ پڑھ کر سناتے تو کفار کہتے کہ یہ اپنی طرف سے بات بنا کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[۲۲]

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور (پیارے رسول ﷺ!) خوش خبری دیجئے ان کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے کہ بے شک ان کے لئے باغات ہیں[۲۳] جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جب بھی انہیں ان باغات سے کوئی پھل کھانے کے لئے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا اور انہیں صورت میں ملتا جلتا پھل دیا گیا، اور ان کے لئے ان باغات میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔

ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کفار کو چیلنج کیا کہ اگر تمہیں قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے میں شبہ ہے تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ تم سب مل کر بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے۔ اگر کفار کے بس میں ہوتا تو وہ لحظہ بھر بھی توقف نہ کرتے اور قرآن کی نظیر لا کر اسلام کے خلاف اپنی فتح کا نشان قائم کر دیتے۔ چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گزر چکا ہے منکرین اسلام آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ قیامت تک دے سکیں گے کیونکہ یہ کلام اللہ ہے، کسی انسان کے بس کا روگ نہیں کہ وہ اس جیسا کلام بنا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مستقبل کے بارے میں یہ علم عطا فرمایا کہ کوئی کافر قیامت تک قرآن کریم جیسی چھوٹی سی سورت بھی نہیں بنا سکے گا۔ یہ قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے اور حضور اکرم ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے، نیز یہ غیب کی خبر اور حضور اکرم ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔ باقی انبیائے کرام کے معجزات آج ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں مگر حضور اکرم ﷺ کا یہ معجزہ یعنی قرآن کریم آج بھی منکرین اسلام کو عاجز کرنے کے لئے موجود ہے۔

[۲۲] جہنم کی آگ میں صرف کفار ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ پتھروں کے بت بھی جلیں گے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ سمجھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جن بتوں کو تم اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہو وہ خود اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچا سکتے تمہیں کیسے بچائیں گے، لہٰذا آج وقت ہے ان جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر خالق حقیقی پر ایمان لے آؤ اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ کر لو۔

اس جہنم کی آگ بڑی نرالی ہے جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں۔ پتھروں سے تو کوئلہ نکلتا ہی ہے جو آگ جلانے کے کام آتا ہے لیکن وہ انسان بھی کسی پتھر سے کم نہیں جو معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان سے محروم رہے، لہٰذا اس سے کوئلے کا کام لیا جائے گا۔

[۲۳] منکرین قرآن کو جہنم کی آگ سے ڈرانے کے بعد ان خوش نصیب لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنائی جا رہی ہے جو قرآن پر ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ

۲۶۔ بے شک اللہ تعالیٰ جھجک محسوس نہیں فرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر چیز کی مثال بیان کرے، پس جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (قسم کی) مثال سے اللہ تعالیٰ کی کیا

جنت کیا ہے؟

جنت سے مراد وہ مخصوص باغ ہے جس میں قیامت کے دن نیک لوگ داخل ہوں گے، اس میں نہریں بہتی ہوں گی، اس کے پھلوں کی ظاہری شکل وصورت تو دنیاوی پھلوں سے ملتی جلتی ہوگی مگر ان کی خوشبو اور ذائقہ بدرجہا بہتر ہوگا اور ان باغات میں مردوں کے لیے پاکیزہ بیویاں اور عورتوں کے لئے خوبصورت شوہر ہوں گے۔ اور دونوں کی عمریں 30/33 سال کی ہوں گی۔
(ترمذی: ۲۵۴۵: ابواب صفة الجنة: باب ۱۲)

جنت میں عورتوں کو کیا ملے گا؟

اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر دلکشی اور حسن رکھا ہے اور حسن کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کوئی اس کو چاہنے والا ہو۔ اسی لیے ہر عورت کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے کوئی محبت کرنے والا خاوند مل جائے اور جنت میں ہر عورت کا خاوند ایسا حسین ہوگا جس کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جائے گا کیونکہ وہ خاوند اس کے خوابوں کی تعبیر اور اس کے دل کی خواہش کا مظہر اتم ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اور جنت میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو تمہارا جی چاہے گا اور جو تم مانگو گے} (قرآن: ۴۱: ۳۱) لہٰذا جنت میں جس طرح ہر مرد کی بیوی اس کی پسند کا مظہر اتم ہوگی اسی طرح ہر عورت کا خاوند بھی اس کے خوابوں کی تعبیر ہوگا اور دونوں ایک دوسرے سے دلی محبت کریں گے۔

جنت میں حوریں اور غلمان بھی ہوں گے جو میاں بیوی کے لئے ایک ثانوی اور اضافی سکون کا باعث ہوں گے مگر یہ دونوں انسانی جنس سے نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی خوشبو سے پیدا فرمائے گا اور جنتی میاں بیوی کی خدمت میں سرگرم رہیں گے۔ جنت میں انبیائے کرام اور مخصوص مقربین کے علاوہ ہر انسان کی انسانی جنس سے صرف ایک ہی بیوی ہو گی اور خاوند کے دل میں جو محبت اور رغبت اپنی بیوی کی ہوگی حوریں وہاں نہیں پہنچ سکیں گی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دنیا کی عورتیں حوروں سے اس قدر افضل ہوں گی جس طرح ظاہر، باطن سے افضل ہوتا ہے اور اس فضلیت کا سبب ان کے روزے اور نمازیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے چہروں پر نور پیدا کرے گا، ان کا جسم ریشم کی طرح ہوگا، ان کا رنگ گورا اور زیور سنہرا ہوگا، وہ ہمیشہ خوش رہیں گی اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ (معجم کبیر: جلد ۲۳: ص ۳۶۸)

جس عورت کا دنیاوی خاوند جنت میں گیا تو وہ ایک نئی محبت اور رغبت کے ساتھ اس کا خاوند بنے گا۔ دنیا میں خاوند کے مزاج اور کردار میں جو خامیاں تھیں وہ جنت میں ان خامیوں سے پاک ہوگا اور اگر کسی عورت کا دنیاوی خاوند اپنے مظالم کی وجہ سے جنت میں نہ جاسکا یا جو عورت شادی کے بغیر فوت ہوگئی تو کوئی جنتی نوجوان جو بغیر شادی کے فوت ہوگیا وہ اس عورت

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

مراد ہے؟[۲۴] اس (قسم کی مثالوں) سے اللہ تعالیٰ بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے، اور صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہ کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ جو اللہ سے خوب پکا وعدہ کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں اور اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔[۲۵]

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تمہیں زندگی عطا کی، پھر وہ تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

کا خاوند بنے گا اور یہ عورت اس کو دل سے پسند کرے گی۔ اسی طرح جو بچے اور بچیاں، بچپن میں فوت ہو گئے وہ جنت میں جوان ہوں گے اور ان کی آپس میں شادیاں کر دی جائیں گی۔

جس عورت نے متعدد نکاح کیے ہوں اور ہر خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہو اور جب وہ فوت ہو تو کسی خاوند کے نکاح میں نہ ہو تو جنت میں اس عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ جس خاوند کے اخلاق دنیا میں سب سے اچھے تھے وہ اس کو اختیار کر لے کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی اچھے اخلاق کے ساتھ وابستہ ہے۔ (معجم کبیر: ۱۳/۱۹۳: جلد ۲۳: ص ۳۶۸) لیکن جس عورت نے متعدد نکاح کیے ہوں اور آخری خاوند نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور وہ اس کے نکاح میں فوت ہوئی تو وہ جنت میں آخری خاوند کے نکاح میں ہوگی۔ (تبیان القرآن: جلد اول: ص ۳۳۸)

المختصر جنت میں میاں بیوی دونوں جوان ہوں گے، ان کے پسینے سے مشک جیسی خوشبو آئے گی، وہ آپس میں ایک دوسرے کو سب سے زیادہ چاہنے والے ہوں گے اور ہمیشہ خوش رہیں گے۔

[۲۴] کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اگر مکھی، مکڑی یا مچھر وغیرہ سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے ایسی مثال کو ترک نہیں فرماتا۔ اہل ایمان تو ایسی مثالوں کی افادیت کے پیش نظر ان کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں لیکن اہل کفر اپنے بغض و عناد کے باعث ان مثالوں پر اعتراض کر کے گمراہی میں ڈوبے رہتے ہیں۔

[۲۵] جو انسان صراط مستقیم کو چھوڑ کر فاسق ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسلام (فرمانبرداری) کا وعدہ کر کے توڑ دے، اللہ تعالیٰ

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور ٹھیک سات آسمان بنا دیئے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔[۲۶]

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں [۲۷] سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ [۲۸] بنانے والا ہوں، فرشتے کہنے لگے: کیا تو ایسا شخص خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون ریزیاں کرے گا؟ حالانکہ تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لئے پاکی تو ہم بیان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[۲۹]

اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا نہ کرے اور زمین میں فساد پھیلائے وہ قرآن کریم سے استفادہ نہیں کر سکتا اور ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے کیونکہ جس انسان میں مذکورہ چار عیب پائے جائیں اس کا ذہن وضمیر اتنا ناکارہ ہو جاتا ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

[۲۶] انسان بے جان تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی عطا کی، پھر موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اسے حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور لوٹایا جائے گا، نیز زمین وآسمان کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا فرمائی ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوش گوار بنا سکے۔ الغرض انسان اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے، لہٰذا ان قوی دلائل اور واضح انعامات کے ہوتے ہوئے نہ جانے کفار کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں؟ یہ واقعی بڑی عجیب بات ہے۔

[۲۷] فرشتے ایک نوری جسم والی مخلوق ہیں جو ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ قوت بخشی ہے کہ جو شکل وہ چاہیں بن جائیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے معصوم اور مکرم بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں۔

[۲۸] خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے عطا کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ اسلام دنیا میں پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے انسان کو اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا نہیں کی اور زمین وآسمان کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کر دی۔ اتنی عنایات کے ہوتے ہوئے اگر کوئی انسان اپنے خالق حقیقی کا شکر گزار بندہ نہ بنے تو اس سے بڑا بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے۔

[۲۹] اللہ تعالیٰ نے انسان سے پہلے جنوں کو زمین پر آباد فرمایا۔ جب انہوں نے آپس میں بغض وعناد کی وجہ سے فساد اور خون

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾

۳۱۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے [۳۰] پھران چیزوں کوفرشتوں پر پیش کیا اور فرمایا: اگرتم (اپنے اس خیال میں) سچے ہوتو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

ریزی کا بازار گرم کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو جنگلوں اور پہاڑوں میں بھگا دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں حضرت انسان کو خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے پہلے تجربہ کی بنیاد پر اس خدشہ کا اظہار کیا کہ انسان بھی زمین میں فساد برپا کرسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں ہم پوری طرح سرگرم ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح و تقدیس بھی کررہے ہیں، اب کی کس چیز کی ہے جس کے لئے خلیفہ کی ضرورت ہو، ہم اس کی مصلحت نہیں سمجھ سکے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بلاشبہ اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانے مگر ایک بات غور طلب ہے، فرشتے نوری مخلوق ہیں، کھانے پینے سے پاک ہیں، اس لئے انہیں کسی مشقت کی ضرورت نہیں، برائی کی صلاحیت نہیں رکھتے، لہٰذا شیطانی حملے کا کوئی خطرہ نہیں، نیکی کرنا ان کی فطرت ہے جس کے لئے انہیں کسی تکلیف کا سامنا نہیں لیکن ذرا اندازہ کریں اس انسان کا جو بھوک اور پیاس سے نڈھال ہے، نیکی کے راستے میں شیطانی وساوس کے پہاڑ ہیں اور برائی کے لئے قدم قدم پر خواہشات کے پھول سجے ہیں۔ اس قسم کی بے شمار رکاوٹوں کو ٹھکراتے ہوئے جو انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں سر رکھ کر اس کا شکر ادا کرے، اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خلافت کا مستحق اور کون ہوسکتا ہے۔ ویسے بھی انبیائے کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔

[۳۰] انبیائے کرام علیہم السلام کو علم سکھانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کو تعلیم دینے میں کوئی دیر نہیں لگتی، بس جسے چاہا صرف ارادہ سے عالم بنادیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی ساری چیزوں کے حقائق اور خواص کا علم عطا فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی) نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ہزار پیشوں کا علم بھی دیا اور فرمایا: ''اپنی اولاد کو کہنا کہ اگر تم صبر نہ کرسکو تو ان پیشوں کے ذریعہ دنیا حاصل کرو اور دین کے ذریعہ دنیا حاصل نہ کرو کیونکہ دین صرف میرے لیے خاص ہے۔ اس کے لیے خرابی اور جہنم ہے جو دین کے ذریعہ دنیا طلب کرتا ہے''۔

(البدر المنیر: امام شعرانی: ص ۲۸۹، کنز العمال: ۲۹۰۹۱: جلد نمبر ۱۰: ص ۲۰۶)

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے استحقاق خلافت کو اُجاگر کرنے کے لئے وہ چیزیں پیش فرمائیں اور فرشتوں سے ان کے نام پوچھے تو سارے فرشتوں اور شیطان نے لاعلمی کا اظہار کیا جب کہ آدم علیہ السلام نے ان کے نام بتادیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یاد دلایا: میں نے کہا نہیں تھا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے توحید ورسالت یا عبادت کا سوال نہیں کیا بلکہ

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ فرشتوں نے عرض کیا: تو پاک ہے ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

مختلف اشیاء کے نام اور اَسرار پوچھے۔ اس سے ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے صرف عبادت ہی کافی نہیں (جو فرشتوں کے پاس وافر مقدار میں تھی) بلکہ کائنات کی اَشیاء کا تفصیلی علم بھی ضروری ہے جس کو آج سائنس کا نام دیا جاتا ہے۔

کیونکہ سائنسدان اس انسان کو کہتے ہیں جو اس مادی دنیا کی کسی چیز کی حقیقت اور خاصیت کا مطالعہ کرتا ہے اور اس چیز کے ایک دو خواص کا اس نے انکشاف کر لیا لیکن اس چیز کے کتنے خواص ابھی باقی ہیں یہ کسی سائنسدان کو معلوم نہیں مگر آدم علیہ السلام تو دینی علوم کے علاوہ کائنات کی ہر چیز کی حقیقت اور اس کے تمام خواص سے آگاہ تھے، لہٰذا آج دنیا کا کوئی سائنسدان حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، بلکہ ہر سائنسدان ان کا احسان مند ہے کیونکہ ان حقائق کی اصل تو اولادِ آدم میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ جو بھی کوشش کرے گا وہ اپنی استعداد کے مطابق ان حقیقتوں کو دریافت کرتا جائے گا۔ چونکہ ان کا تعلق مادی تجربات سے ہے جس میں کافر و مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہے اس لئے جو جتنا زیادہ تجربات کرے گا وہ اتنا بڑا سائنسدان بن جائے گا۔

ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (بخاری: ۱۳۵۹: کتاب الجنائز: باب ۷۹) پیدائش کے وقت اس کا شعور بیدار نہیں ہوتا اس لئے دو تین سال کی عمر کے بعد اسے اسلام سکھانا پڑتا ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام بچے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ پیدائش کے وقت وہ جوان تھے اور ان کا شعور بیدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کے جسم میں روح داخل کی تو پہلے جسم کا اوپر والا حصہ جاندار ہوا، جسم کا نیچے والا حصہ ابھی بے جان تھا اس لئے چلنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ اس وقت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو انہوں نے ''الحمدللہ'' کے الفاظ سے اپنے کلام کی ابتداء کی۔ (تفسیر خازن: سورہ بقرہ: زیر آیت نمبر ۳۱، صحیح ابن حبان: جلد ۷: ص ۱۱) یعنی وہ فطری طور پر یہ حقیقت جانتے تھے کہ ساری تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ فرشتوں کے پاس توحید و عبادت کے جو علوم تھے وہ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں رکھ دیئے تھے اور تخلیق کے بعد جو علم سب سے پہلے سکھایا وہ سائنسی اور دنیاوی علم تھا کیونکہ دینی اور دنیاوی علوم کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔

میرے خیال میں دینِ اسلام کو نافذ کرنے اور کامیاب حکومت کرنے کے لئے سائنسی علوم بھی ضروری ہیں، کیونکہ اب گھوڑے اور تلوار کے ذریعہ جہاز اور ایٹم بم کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمان سائنسی علوم میں دلچسپی لیتے رہے اس وقت تک مسلمان دنیا میں سُپر پاور تھے اور اہل یورپ نے بھی ترقی اُس وقت کی جب انہوں نے مسلمانوں سے سائنسی علوم سیکھے اور آج پچاس سے زائد اسلامی حکومتیں کاسۂ گدائی لے کر اس لئے بھیک مانگ رہی ہیں کہ سائنسی علوم میں کنگال ہو چکی ہیں۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو، پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سب پوشیدہ چیزیں خوب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے میں وہ سب جانتا ہوں۔[۳۱]

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو[۳۲] تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر دیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

علم کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اول کو پیدا کرنے کے بعد سب سے پہلے اسے علم سکھایا اور آخری نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا پہلا لفظ پڑھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ علم کی اس قدر ترغیب کے باوجود آج مسلمان علم میں سب سے پیچھے ہیں اور غالباً اسی لئے پوری دنیا میں پریشان ہیں۔

میرے پیارے مسلمان نوجوانو! علم دین حاصل کرو تاکہ خالقِ حقیقی کے ساتھ رابطہ مضبوط ہو اور سائنسی علوم میں آگے بڑھو تاکہ دنیا میں وقار سے زندگی بسر کرسکو اور اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرسکو۔

اس سے ایک اور اشارہ بھی ملتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم اتنا وسیع تھا کہ سارے فرشتے اور شیطان آپ کے سامنے لاجواب ہو گئے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا مقام ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں، سارے نبیوں کے سردار ہیں اور شب معراج قربِ خداوندی کے اس مقام تک جا پہنچے جہاں جبریل امین بھی نہ جاسکے، لہٰذا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو فرشتوں یا شیطان کے علم سے کمتر ثابت کرنے کی کوشش کرے اسے اپنے ایمان پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

[۳۱] فرشتوں نے بظاہر تو یہ کہا کہ انسان خون ریزی کرے گا مگر ان کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ وہ ساری مخلوق سے افضل اور زیادہ علم والے ہیں، لہٰذا خلافت کے زیادہ مستحق وہی ہیں، جیسا کہ شیخ محی الدین سید عبدالقادر الجیلانی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کا دعویٰ یہ تھا: خلافت اور نیابت کے معاملہ میں آدم علیہ السلام سے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ (تفسیر الجیلانی: سورہ بقرہ (۲): زیر آیت نمبر ۳۰) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہارا ظاہر و باطن جانتا ہوں۔ اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ چونکہ شیطان بھی فرشتوں میں شمار ہوتا تھا اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا: اے فرشتو! جو تم زبان سے کہہ رہے ہو اور شیطان نے جو تکبر دل میں چھپا رکھا تھا میں سب جانتا ہوں۔

[۳۲] جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی وسعتِ علم اور اپنی کم علمی کا اعتراف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ حضرت

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر شیطان نے انہیں اس درخت کے باعث پھسلا دیا [۳۳] اور جہاں وہ تھے وہاں سے ان دونوں کو نکلوا دیا اور ہم نے کہا: اُتر جاؤ! تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور (اب) ایک خاص وقت تک تمہیں زمین میں ٹھہرنا ہے اور (وہاں سے) فائدہ اُٹھانا ہے۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو یعنی اس کے سامنے پیشانی رکھ دو، چنانچہ سب نے سجدہ کر دیا مگر شیطان انکار کر کے کافر ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم عبادت سے افضل ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عالم کا مقام عابد سے اتنا بلند ہے جتنا کہ نبی کا مقام ایک عام انسان سے بلند ہوتا ہے۔ بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ (ترمذی: ۲۶۸۲: ابواب العلم: باب ۱۹) اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ تخلیقِ آدم کے بعد سب سے پہلا حکمِ الٰہی نبی کی تعظیم کا تھا اور سب سے پہلا جرم نبی کی تعظیم سے انکار تھا جس کی وجہ سے شیطان ہمیشہ کے لئے مردود ہو گیا، لہٰذا ہر آدمی کو اہل علم کا احترام کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہیے اور شیطان کی طرح تکبر کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔

[۳۳] یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انبیائے کرام علیہم السلام بھی گناہ کر سکتے ہیں؟ اس کے متعلق میرے شیخ طریقت حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا جامع تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ عرض خدمت ہے: ''انبیائے کرام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی اطاعت بھی لازم آئے گی جس سے ہدایت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں جا بجا انبیائے کرام کی طرف ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں اور پھر ان امور پر انبیائے کرام کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے، ایسے میں مطلق عصمت کا قول کیونکر ممکن ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے ایک چیز کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے، اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اسے گناہ نہیں کہتے اور ایسے امور کا صدور عصمت انبیاء کے منافی نہیں، نیز انبیائے کرام کی عصمت آنکھ کی طرح نرم و نازک ہوتی ہے جس

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے [۳۴] تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۳۵]

میں ایک ہلکا سا بال بھی پہاڑ سے گراں محسوس ہوتا ہے۔'' (تفسیر ضیاء القرآن) یعنی معمولی نسیان اور خطائے اجتہادی بھی وہ اپنے حق میں بڑا گناہ خیال کرتے ہیں اور توبہ و استغفار میں انتہا کر دیتے ہیں۔

چونکہ انبیائے کرام نے معمولی لغزش کو انتہائی تقویٰ کی بدولت اپنے حق میں گناہ خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی لغزش کا ذکر کرتے وقت اسی لفظ کو استعمال کیا ورنہ حقیقت میں اگر نبی خود گناہ یا ظلم کرے تو دوسروں کو نیکی اور امن کی تبلیغ کیسے کر سکتا ہے۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسمیں کھا کر حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو یقین دلایا کہ اس درخت کا پھل کھانے سے تم ہمیشہ جنت میں رہو گے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قریبی اور مقبول بندوں کے لئے مخصوص کر رکھی ہے، چنانچہ قرب خداوندی کے خیال سے حکم خداوندی بھول گئے اور اس درخت کا پھل کھا بیٹھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک سے نیک انسان بھی اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ نہ سمجھے کیونکہ شیطان دوست کے لباس میں ایسے سبز باغ دکھاتا ہے کہ برائی بھی نیکی نظر آنے لگتی ہے، لہٰذا انسان کو ہر گھڑی شیطان کے وساوس سے محتاط رہنا چاہیے۔ یا اللہ! ہمیں شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ فرما۔ آمین!

[۳۴] اس لغزش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اتنا روئے کہ آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ سالہا سال تک اس کی رحمت کے دروازے کھٹکھٹاتے رہے لیکن مغفرت کی خوش خبری نہ ملی۔ آخر ایک روز حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کیسے ہوا؟ حالانکہ میں نے ابھی تک اسے پیدا نہیں کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب تو نے مجھے پیدا فرمایا میں نے اوپر سر اٹھایا تو پائے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، پس میں نے جان لیا تیرے نام کے ساتھ دوسرا نام وہی ہو سکتا ہے جو تجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے سچ کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تو نے اس کے وسیلہ سے دعا کی ہے تو میں نے تیری بخشش فرما دی اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ (البدایۃ والنہایۃ: جلد اول: ص ۸۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خشک سالی کے زمانہ میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے اس طرح دعا مانگتے: اے اللہ تعالیٰ! پہلے ہم اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اور تو بارش نازل فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما۔ پھر ان پر بارش ہو جاتی۔

(بخاری: ۳۷۱۰: کتاب فضائل اصحاب: باب ۱۱)

[۳۵] اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ اسے زمین پر خلافت کی ذمہ داری سونپی جائے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ ہم نے حکم دیا: تم سب اس جنت سے اُتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

۳۹۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اے اولادِ اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی اور تم میرے وعدہ کو پورا کرو، میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا [۳۶] اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

پہلے جنت میں شجر ممنوعہ اور شیطانی وسوسہ سے کیوں آزمایا گیا۔ میرے خیال میں اس کی ایک حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ زمین میں ہر انسان کو ممنوعات اور شیطانی ترغیبات سے واسطہ پڑنے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش اور اس کے نتائج کا عملی تجربہ کرایا تاکہ اہل زمین کو پتہ چل جائے کہ غلطی کر کے توبہ کرنے والا حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل رہا ہے جو بالآخر جنت میں جائے گا اور غلطی کر کے توبہ نہ کرنے والا شیطان کی اتباع کر رہا ہے جو بالآخر دوزخ میں جائے گا۔

[۳۶] حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسرائیل کو فرعون سے نجات دی، ان پر منّ و سلویٰ نازل کیا۔ ان میں ہزاروں انبیاء پیدا فرمائے اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب ظاہر ہوں تو ان پر ایمان لائیں گے، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا فرمائے گا۔

لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو اولادِ اسرائیل نے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نعمتوں اور وعدے کو یاد دلا رہا ہے۔ ویسے تو ہر انسان اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے: ''تو میرا رب ہے اور میں اپنی زندگی تیرے حکم کے مطابق گزاروں گا۔'' مگر آج کتنے لوگ ہیں جو اس وعدہ کے پابند ہیں۔۔۔؟ ہم سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ ہر لمحے سب کو دیکھ رہا ہے اور ہمیں ایک دن اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور ایمان لاؤ اس (قرآن) پر جو میں نے نازل کیا، یہ اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس تھی اور سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ اور تھوڑی قیمت کے بدلے میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو [۳۷] اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔ [۳۸]

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب (تورات) کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ [۳۹]

---

[۳۷] قرآن کریم تمہاری مقدس کتاب (تورات) کی تصدیق کرتا ہے جس میں تم قرآن اور صاحب قرآن کے بارے میں پڑھ چکے ہو، لہٰذا تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم قرآن کا انکار کرو اور دنیاوی مقاصد کے لئے احکام خداوندی کو فروخت کرو کیونکہ ساری دنیا کی دولت خدائی آیات کی قیمت نہیں بن سکتی۔

[۳۸] یہاں حق سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات اور علامات ہیں جو تورات میں موجود تھیں مگر علمائے یہود ان کو چھپانے اور ان میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ لوگ ان کو سن کر مسلمان نہ ہو جائیں، لہٰذا اہل اسلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا چرچا کریں تاکہ دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کمالات سے متاثر ہو کر اسلام کے قریب آئے۔ حق کو چھپانا اور اس کو باطل کے ساتھ ملانا کسی اہل علم کے شایانِ شان نہیں، چاہے وہ مسلمان ہو یا اہل کتاب۔

[۳۹] اس جگہ قرآن اگرچہ علمائے یہود سے مخاطب ہے مگر یہ ہر مذہبی رہنما کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ دوسروں کو نیکی کی دعوت دینا لیکن خود برائی میں سرگرداں رہنا، لوگوں کو حق اور ایثار کا درس دینا لیکن خود باطل اور خود غرضی کا شکار رہنا ایسا مہلک مرض ہے جو نہ صرف داعی کی ساکھ کو مجروح کرتا ہے بلکہ خود دعوت کو بھی مشکوک بنا دیتا ہے، کیونکہ لوگ کانوں سے تو حسین پیغام

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، اور بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ان عاجزی کرنے والوں کے لئے (مشکل نہیں)۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

۴۶۔ جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ [۴۰]

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اے اولاد اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی اور بے شک میں نے تم کو (اس زمانے کے) سارے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کا کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ اس کے لئے شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ [۴۱]

سنتے ہیں لیکن آنکھوں سے بدترین افعال دیکھتے ہیں۔ قول و فعل کا یہ تضاد دیکھ کر وہ بے چارے ششدر و حیران رہ جاتے ہیں اور جب انہیں مذہبی رہنماؤں سے کوئی عقیدت نہیں رہتی تو اس کے نتیجہ میں پھر خود دین سے ان کا اعتماد جاتا رہتا ہے، لہٰذا ایسے مذہبی رہنما جو دین کے ساتھ مخلص نہیں بلکہ دنیاوی مقاصد کے لئے دین کو استعمال کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرنا چاہیے۔ دنیاوی فوائد کے لئے کوئی دنیاوی لباس اختیار کریں اور دین کو دینداروں کے لئے خالص رہنے دیں، اسی میں ان کی بھلائی ہے اور اسی میں دین کی بہتری ہے۔

[۴۰] اس فانی زندگی میں ہر انسان مصائب اور مشکلات سے دو چار ہوتا ہے اور بعض دفعہ انسان مایوس ہو کر خودکشی یا ظلم کا راستہ اختیار کر لیتا ہے لیکن اسلام اس مصیبت زدہ کو صبر و نماز کی تلقین کرتا ہے، کیونکہ جب وہ ساری دنیا کے مسائل کو ذہن سے نکال کر خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہوگا تو رحمت خداوندی اس کے لئے امیدوں کے دروازے کھول دے گی۔ یہ درست ہے کہ نماز کی پابندی آسان نہیں لیکن جو خوش نصیب آخرت اور خدا کی طرف لوٹنے پر یقین رکھتے ہیں انہیں نماز سے محبت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ خدا سے ملاقات کا ذریعہ ہوگی۔

[۴۱] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں انبیائے کرام مبعوث فرمائے جن کی تبلیغ سے بنی اسرائیل ہدایت کی راہ پر گامزن ہوئے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے سارے لوگوں پر بنی اسرائیل کو فضیلت عطا فرمائی لیکن بعد میں انہوں

نے آسمانی صحیفوں میں تحریف کر کے اپنی فضیلت کے اعزاز کو ضائع کر دیا جو اب امت مسلمہ کے سر پر سجا دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اسلام قبول کر کے اس جماعت میں داخل ہو جاؤ جو سارے جہان والوں سے افضل ہے، اس طرح تم دوبارہ فضیلت کے مستحق ہو جاؤ گے۔

اور یاد رکھو اگر تم ایمان نہ لائے تو پھر قیامت کے دن کوئی شخص تمہاری مدد نہ کر سکے گا اور نہ تمہارے حق میں کسی کی شفاعت قبول ہوگی کیونکہ روزِ قیامت شفاعت صرف اسی گناہگار کے حق میں قبول ہوگی جو ایماندار ہو اور یہ اس کے ایمان ہی کا ثمر ہوگا۔ روزِ محشر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے انبیاء، علماء، شہداء، حفاظ، قرآن کی سورتیں اور کمسن بچے شفاعت کریں گے۔ نماز جنازہ اور بے شمار دعائیں شفاعت ہی کی ترجمانی کرتی ہیں: مثلاً رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (قرآن: ۱۴: ۴۱) اے ہمارے رب! قیامت کے دن میری، میرے والدین کی اور تمام مؤمنین کی مغفرت فرما۔ آمین!

شفاعت کے متعلق چند احادیث

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے، پس ہر نبی نے وہ دعا جلد مانگ لی اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔

(مسلم: ۳۳۸: کتاب الایمان: باب ۸۶)

۲۔ حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ قیامت کے دن آپ میرے لئے شفاعت کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں شفاعت کروں گا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا: اگر میں صراط پر آپ سے ملاقات نہ کر سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا: اگر میں میزان کے پاس بھی آپ سے ملاقات نہ کر سکوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین مقامات سے تجاوز نہیں کروں گا۔ (ترمذی: ۲۴۳۳: ابواب صفة الجنة: باب ۹)

۳۔ حضرت ابو امامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائے گا جن سے نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ ہی ان کو عذاب ہوگا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ (ترمذی: ۲۴۳۷: ابواب صفة الجنة: باب ۱۲)

۴۔ حضرت عثمان بن عفان ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین لوگ شفاعت کریں گے: سب سے پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ (ابن ماجة: ۴۳۱۳: ابواب الزهد: باب ۳۷)

۵۔ حضرت حسن بصری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن عثمان بن عفان ؓ قبیلہ ربیعہ

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔ [۴۲]

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تم کو بچا لیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ [۴۳]

اور قبیلہ مضر کے افراد کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ (ترمذی: ۲۴۳۹: ابواب صفۃ الجنۃ: باب ۱۲)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن روزہ اور قرآن بندہ کی شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا: اے میرے رب! اس کو کھانے اور شہوت پوری کرنے سے میں نے روک دیا تھا اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا: اس کو رات کی نیند سے میں نے روک دیا تھا اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما، پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد: جلد ۲: ص ۱۷۴)

۷۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے آباء اور امہات بھی! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے آباء بھی۔ (مسند احمد: جلد ۴: ص ۱۰۵)

۸۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کرنے والا اور شہادت دینے والا ہوں اور جس شخص کی موت حرمین میں سے کسی ایک میں واقع ہوگئی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو امن و سلامتی والوں سے اٹھائے گا۔ (کنز العمال: ۱۲۳۷۱: جلد ۵: ص ۱۳۵)

[۴۲] مفسرین لکھتے ہیں کہ نجومیوں نے فرعون کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیرے اقتدار کو ختم کر دے گا، چنانچہ اس نے حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کر دیا جائے۔ والدین کے سامنے کمسن بچوں کو ذبح کرنا واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔

[۴۳] فرعونیوں نے بنی اسرائیل پر جب مظالم کی انتہا کر دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک رات کی تاریکی میں اپنی قوم کو لے کر مصر

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۵۱)

۵۱۔ اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا اور تم ظالم تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵۲)

۵۲۔ پھر اس (ظلم) کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۵۳)

۵۳۔ اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والی قوت عطا کی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔[۴۴]

سے ہجرت کر گئے۔ جب مہاجرین کا یہ قافلہ بحر قلزم کے کنارے پر پہنچا تو پیچھے سے فرعون کا لشکر بھی ان کے تعاقب میں پہنچ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگائی تو معجزانہ طور پر سمندر کا پانی رک گیا اور درمیان میں راستہ بن گیا جس پر چل کر بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعونیوں نے بھی ان کے تعاقب میں اسی راستے پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ جب سارے فرعونی سمندر کے درمیان میں پہنچے تو رکا ہوا پانی پھر اپنی اصلی حالت پر چلنے لگا اور بنی اسرائیل کی نگاہوں کے سامنے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

[۴۴] فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر واپس آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر چالیس روز تک چلہ کشی کا حکم دیا تاکہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے انہیں تورات عطا کی جائے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کو خدا بنالیا اور اس کی پوجا شروع کر دی۔ فرعونیوں نے اپنے بادشاہ کو خدا مانا تو اللہ نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا مگر بنی اسرائیل نے تو ان سے بڑھ کر حماقت کا ثبوت دیا کہ ایک بے عقل بچھڑے کو خدا بنالیا، اب چاہیے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل پر توبہ کے دروازے بند کر دیئے جاتے اور ان سب کو سمندر میں غرق کر دیا جاتا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات اور معجزات عطا فرمائے تاکہ بنی اسرائیل ہدایت پاسکیں۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، پس تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، سو تم اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) قتل کرو، یہ تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک بہتر ہے [۴۵] پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور یاد کرو جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر دیکھ لیں، پس (اس گستاخی پر) بجلی کی ایک کڑک نے تم کو آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ [۴۶]

---

[۴۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے تو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ توبہ کرو اور اپنے قبیلہ کے ہر اس آدمی کو قتل کر دو جس نے بچھڑے کی پوجا کی کیونکہ مرتد اور باغی اسی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

[۴۶] توبہ کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (۷۰) آدمیوں کو لے کر کوہ طور کی طرف گئے۔ ان کو پہاڑ کے دامن میں چھوڑ کر خود آگے تشریف لے گئے اور رب تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے بعد ان ستر آدمیوں کو قبولیتِ توبہ کی خوش خبری سنائی، لیکن وہ ستر آدمی کہنے لگے: ہم آپ کی بات نہیں مانتے جب تک اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا دیدار کرا کے خود اس کی تصدیق نہ کرے۔

اس گستاخی پر بجلی کی ایک کڑک نے ان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور جو قوم بھی اپنے نبی کی بات نہ مانے اور اپنی طاقت سے بڑے مطالبے کرے اسے یہی سزا ملنی چاہیے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! بنی اسرائیل مجھ پر الزام لگائیں گے کہ میں نے ان کو مار دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے حتیٰ کہ ان کی عرض داشت پر مُردوں کو بھی زندہ کر دیتا ہے۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷

۵۷۔ اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کر دیا اور تم پر مَن و سلوٰی اتارا، ہم نے تمہیں جو پاک چیزیں دی ہیں ان سے کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔[۴۷]

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸

۵۸۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ، پھر اس میں تم جہاں سے چاہو جتنا چاہو کھاؤ اور دروازے سے سر جھکائے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا: ہمیں بخش دے تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیک لوگوں کو زیادہ اجر دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹ ع

۵۹۔ پس جو بات انہیں کہی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ اور کر دیا تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔[۴۸]

---

[۴۷] حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل شام کو چھوڑ کر مصر میں آباد ہو گئے تھے اور شام پر عمالقہ نے قبضہ کر لیا۔ جب بنی اسرائیل واپس لوٹے تو انہیں حکم ملا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنا وطن آزاد کرائیں لیکن انہوں نے جہاد سے صاف انکار کر دیا اور کہا: ''اے موسیٰ! آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے جہاد کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ جب وہ اس شہر سے نکل جائیں گے تو ہم اس شہر میں داخل ہوں گے۔'' اس بزدلی اور نافرمانی کی پاداش میں چالیس سال تک تیہ کے ریگستان میں سرگرداں رہے لیکن وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی کرم فرمایا۔ سخت دھوپ سے بچانے کے لئے بادل سایہ فگن رہتے، کھانے کے لئے من و سلوٰی عطا فرمایا۔ ''مَن'' ایک قسم کی قدرتی مٹھائی تھی جو آسمان سے گرتی تھی اور ''سلوٰی'' بٹیر کی قسم کے جانور تھے جن کے شکار سے وہ لطف اندوز ہوتے اور بھون کر کھاتے، مگر انہوں نے اس آسمانی نعمت کا شکر کرنے کے بجائے ظلم کا راستہ اختیار کیا اور ظلم کا نقصان بالآخر ظالم ہی کو پہنچتا ہے۔

[۴۸] بنی اسرائیل جب ریگستان اور پہاڑوں کی سخت زندگی سے گھبرا گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سرسبز و شاداب بستی پر فتح عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہوتے وقت عاجزی و انکساری اختیار کریں مگر ان ظالموں نے سرکشی اور فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا، نیز انہیں حکم دیا گیا تھا کہ شہر میں داخل ہوتے وقت حِطَّةٌ (ہمیں بخش دے) کہتے جانا مگر انہوں نے حِطَّةٌ

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی تو ہم نے فرمایا: اس چٹان پر اپنا عصا مارو تو اس چٹان سے بارہ چشمے بہہ نکلے، ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا [۴۹] اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۚ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

۶۱۔ اور یاد کرو جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے (منّ وسلویٰ) پر صبر نہیں کر سکتے، سو آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار سے سبزی، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز نکالے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم بہتر چیز کے بدلے میں ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو، کسی شہر میں چلے جاؤ جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں تمہیں مل جائے گا، اور ان پر ذلت اور غربت مسلط کر دی گئی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ [۵۰]

کے لفظ میں دانستہ تبدیلی کر کے حِنطۃٌ (گندم) کہنا شروع کر دیا یعنی ہم من وسلویٰ سے تنگ آ گئے ہیں اب ہمیں کھانے کے لیے گندم درکار ہے۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔

[۴۹] تیہ کے ریگستان میں جب بنی اسرائیل کی پیاس نے شدت اختیار کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے چٹان پر اپنا عصا مارا اور اس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے، چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اس طرح ہر قبیلہ کو علیحدہ چشمہ مل گیا۔

[۵۰] بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور انبیائے کرام کے قتل کے مرتکب ہوئے ان جرائم کی سزا کے طور پر وہ دنیاوی زندگی میں ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے جہنم رسید ہوں گے۔ اگر بعد

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ بے شک مسلمان ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی، جو بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۵۱]

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اور یاد کرو جب ہم نے طور کو تم پر اٹھا کر تم سے پختہ وعدہ لیا اور حکم دیا کہ جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامنا اور اس کے احکام کو یاد رکھنا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ پھر تم نے اپنے عہد سے منہ موڑ لیا، پس اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔[۵۲]

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ

۶۵۔ اور تم اپنی قوم کے ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جنہوں نے سبت کے قانون کی نافرمانی کی تھی تو ہم نے انہیں حکم دیا کہ تم پھٹکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔

میں پیدا ہونے والے یہودیوں کو مال اور غلبہ مل جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ (تفسیر نور العرفان)

[۵۱] یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ صرف وہی جنتی ہیں باقی سارے لوگ دوزخی ہیں لیکن اس آیت نے وضاحت کر دی کہ جنت کسی نسل کی وراثت نہیں بلکہ ہر وہ شخص اس کا مستحق ہے جس کا ایمان صحیح ہو اور عمل صالح ہو۔

[۵۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات قوم کے سامنے پیش کی تو وہ اس کے احکام اور پابندیاں دیکھ کر کہنے لگے: ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور ایسے لگتا تھا کہ ابھی ان پر گرنے والا ہے، چنانچہ بنی اسرائیل نے گھبرا کر اس وقت تورات کو قبول کر لیا اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا عہد کر لیا مگر بعد میں اس عہد کو توڑ دیا۔ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم نہ فرماتا تو وہ تباہ و برباد ہو جاتے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پس ہم نے اس سزا کو اس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنا دیا اور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت بنا دیا۔[۵۳]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، [۵۴] وہ کہنے لگے: کیا آپ ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ وہ بولے: اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ درمیانی عمر کی ہو، لہٰذا جو حکم تمہیں دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کرو۔

---

[۵۳] بنی اسرائیل میں ہفتے کا دن عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ اس روز تجارت، زراعت اور شکار وغیرہ سارے دنیاوی کام ممنوع تھے مگر بنی اسرائیل کے بعض ظالم لوگوں نے مختلف حیلے بہانوں سے جب اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کو ایسی عبرتناک سزا دی کہ انسان اس کے تصور سے ہی لرز اٹھتا ہے یعنی ان کی شکلیں بندروں جیسی بن گئیں اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیئے گئے۔

احکام خداوندی کو حیلے بہانوں کے ذریعہ تبدیل کرنے والے ان آیات میں غور کریں۔ یہ واقعات ہماری عبرت پذیری کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ آج اگرچہ ہماری شکلیں نہیں بدلتیں مگر یہ سزا بھی معمولی نہیں کہ شکل انسانوں والی ہی رہے اور کرتوت بندروں جیسے ہو جائیں۔

[۵۴] آنے والی سات آیتوں میں اس گائے کا قصہ ہے جس کی وجہ سے اس سورت کا نام بقرہ ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک نوجوان نے اپنے چچازاد بھائی کو قتل کر کے اس کی لاش دُور شہر کے دروازے پر پھینک دی اور صبح ہوتے ہی اس کے خون کا خود ہی مطالبہ کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس مقتول پر مارو، یہ زندہ ہو کر قاتل کی نشاندہی کر دے گا لیکن مدعی گائے ذبح کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کیونکہ قاتل تو وہ خود تھا، لہٰذا اس نے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ وہ کہنے لگے: اپنے رب سے ہمارے لئے دریافت کرو کہ اس کا رنگ کیسا ہو، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ وہ کہنے لگے: اپنے رب سے ہمارے لئے پوچھو کہ وہ ہمیں اس گائے کی پوری پوری کیفیت بتائے کیونکہ ہم پر گائے مشتبہ ہو گئی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور اس کو تلاش کر لیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

۷۱۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ گائے ایسی ہو جس سے زمین میں ہل چلانے اور کھیتی کو پانی دینے کی خدمت نہ لی گئی ہو، وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو، وہ کہنے لگے: اب آپ صحیح پتہ لائے، پس انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ اسے ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج

۷۲۔ اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا اور پھر ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے، اور جو تم چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ تو ہم نے فرمایا کہ گائے کے کسی ٹکڑے سے اس مقتول کو مارو، اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

حیلے بہانوں سے ٹالنے کی کوشش کی۔ اس گائے کی عمر کتنی ہے، اس کا رنگ کیسا ہے وغیرہ، بالآخر جب گائے کی مکمل نشاندہی ہو گئی اور اس کے گوشت کے ٹکڑے سے مقتول تھوڑی دیر کیلئے زندہ ہو گیا تو اس نے کہا: اسی میرے چچا زاد بھائی نے مجھے قتل کیا تھا، چنانچہ اس کے قصاص میں اس قاتل کو بھی قتل کر دیا گیا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد پھر تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت [۵۵] کیونکہ کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں بہہ نکلتی ہیں اور کئی ایسے ہیں کہ جب پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ (اے مسلمانو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ (یہود) تمہارے کہنے سے ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو کلام الٰہی سنتے تھے اور خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اسے بدل دیتے تھے۔ [۵۶]

---

[۵۵] مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کر دی۔ اس معجزہ کے مشاہدہ کے بعد اس بات کی توقع تھی کہ اب تو بنی اسرائیل کے دل پگھل جائیں گے اور ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو جائے گا مگر ان کے دل تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت نکلے کیونکہ بعض پتھروں سے تو پانی بھی نکلتا ہے اور وہ خوف خدا سے لرزتے بھی ہیں لیکن جو بدنصیب حق کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لے اس کا دل صرف پتھر کی طرح نہیں بلکہ لوہے کی طرح سخت ہے۔

[۵۶] اہل مدینہ نے یہودی علماء سے سن رکھا تھا کہ آخری نبی کے آنے کا وقت قریب ہے، چنانچہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے اسلام قبول کر لیا اور یہود کے پاس گئے کہ جس نبی کے تم منتظر تھے وہ نبی آ گیا ہے، لہٰذا اس پر ایمان لے آؤ لیکن یہود نے اپنے بیانات بدل دیے اور تورات میں بیان ہونے والے حضور ﷺ کے اوصاف کو چھپانا شروع کر دیا۔ اس پر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا: ان یہود سے ایمان کی توقع نہ رکھو کیونکہ ان کے بعض علماء خدا کے کلام کو سمجھ کر اس میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرتے ہیں تو اس قدر پتھر دل اور سرکش علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے یہودی عوام کے دل بھی سخت ہو چکے ہیں۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور جب وہ (یہودی) ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم بھی ایمان لائے ہیں[۵۷] اور جب ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم ان (مسلمانوں) کو بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولا ہے تا کہ وہ تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے حجت بنائیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، بس جھوٹی امیدوں اور وہم و گمان میں مبتلا رہتے ہیں۔

النصف

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کریں[۵۸] پس ہلاکت ہے ان کے لئے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور تباہی ہے ان کے لئے جو وہ کماتے ہیں۔

[۵۷] منافق یہودی جب مسلمانوں سے ملتے تو ایمان کا دعویٰ کرتے اور تصدیق کرتے کہ آخری نبی کی جو نشانیاں تورات میں مذکور ہیں وہ سب حضور اکرم ﷺ میں پائی جاتی ہیں اس پر دوسرے یہودی انہیں ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی باتیں بتا رہے ہو، وہ انہی باتوں سے تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے لیکن یہود کو علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب مکرم ﷺ کی معرفت اہل اسلام کو تمہاری اس شرارت سے باخبر فرما دیا ہے۔

[۵۸] ان پڑھ یہودی تو کتاب کے علم سے محروم تھے اور صرف جھوٹی امیدوں اور من گھڑت خیالات کے سہارے جی رہے

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور انہوں (یہود) نے کہا: گنتی کے چند دنوں کے سوا ہمیں آگ ہرگز نہ چھوئے گی، آپ فرمایئے: کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے تب تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی ہرگز خلاف ورزی نہ کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے؟

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ کیوں نہیں! جس نے برائی کی اور اس کی خطا نے اس کو گھیر لیا وہ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[۵۹]

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

۸۲۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی جنتی ہیں، وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا، پھر تم میں سے چند لوگوں کے علاوہ سب پھر گئے اور تم روگردانی کرنے والے ہو۔

تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم ہیں اور بالآخر ضرور نجات پائیں گے، اور قیامت کے دن ہلاکت ہوگی ان اہل علم یہودیوں کے لیے جو امیر لوگوں کو راضی کرنے کے لیے جھوٹی روایات لکھتے اور پھر ان کو تورات میں شامل کر دیتے اور اس طرح امیروں سے دنیاوی دولت حاصل کرتے۔

[۵۹] یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اگرچہ وہ برائیاں کریں پھر بھی جہنم ان پر حرام ہے۔ بالفرض انہیں سزا ملی تو بھی صرف چند روز کے لیے جہنم میں جانا ہوگا اور پھر ہمیشہ کے لیے جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔

یہ ان کی جہالت کی انتہا تھی لیکن قرآن نے بھی ان کی تردید میں ایسا مسکت اسلوب اختیار فرمایا ہے جس میں زجر و توبیخ

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾

۸۴۔ اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور ایک دوسرے کو اپنے وطن سے نہیں نکالو گے، پھر تم نے (اس کا) اقرار کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾

۸۵۔ پھر تم وہی ہو جو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور تم اپنے گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو، (نیز) ان کے خلاف گناہ اور ظلم سے (دشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آئیں تو تم ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ ان کا جلا وطن کرنا تم پر حرام کیا گیا تھا، کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا انکار کرتے ہو، سو تم میں سے جو ایسا کرتوت کرے اس کی کیا سزا ہے سوائے اس کے کہ وہ دنیا کی زندگی میں رسوا رہے اور قیامت کے دن ان کو سخت ترین عذاب میں پھینک دیا جائے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

کی بھی انتہا ہے، یعنی جنت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا کوئی معاہدہ دکھاؤ حالانکہ اصل میں تم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہو اور اب بھی اگر تم نے اس عقیدہ سے توبہ نہ کی اور اس خطا پر مُصر رہے تو پھر جنت میں جانا تو بہت دور کی بات ہے تمہیں تو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی اور ہمیشہ جہنم میں رہو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نجات کا تعلق کسی قوم یا نسل سے نہیں بلکہ جو بھی گناہ کرے اور اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو ایمان لانے کے بعد اچھے عمل کرے اور اگر کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ع ﴿٨٦﴾

۸۶۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی کو خرید لیا، سو نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔[٦٠]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾

۸۷۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے بعد لگاتار رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو روشن نشانیاں دیں اور ہم نے جبریل سے ان کی تائید کی، تو کیا ہر بار (ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو تمہاری خواہشاتِ نفس کے خلاف تھا تو تم نے تکبر کیا، بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

۸۸۔ اور یہود نے کہا: ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں، (نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی ہے، سو ان میں بہت تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔[٦١]

---

[٦٠] بنی اسرائیل کے انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی قوم سے جن عقائد، عبادات اور معاملات کا عہد لیا تھا وہ ساری چیزیں آج اسلام میں موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ جملہ انبیائے کرام کے دین کی آخری کڑی ہے۔ قرآن نے بنی اسرائیل سے کسی نئی چیز کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ وہی احکام جن کا وہ اپنے انبیائے کرام کے ساتھ معاہدہ کر چکے تھے اسلام ان کی یاددہانی اور دوبارہ تصدیق کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن جو یہود تورات کے بعض حصہ پر ایمان لائے اور بعض حصہ کا انکار کر دیا وہ اس دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں انہیں سخت ترین عذاب سے واسطہ پڑے گا جہاں ان کی کوئی مدد نہ کر سکے گا۔ اس میں ہم مسلمانوں کے لئے بھی درس عبرت ہے۔

[٦١] یہود کا دعویٰ یہ تھا کہ ان کے عقائد درست ہیں اور ان کے دلوں کی گہرائی میں انتہائی محفوظ ہیں، لہٰذا کوئی معجزہ یا قوت استدلال ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر مذہب والا یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ درست ہے اور باقی ساری دنیا غلط ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان کے مسلسل کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے ان میں سے بہت کم لوگ ہی ایمان لائیں گے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی تھی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلے سے) کفار پر فتح کی دعا مانگتے تھے [۶۲] اور جب ان کے پاس وہ نبی تشریف فرما ہوا جسے وہ جانتے تھے تو انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا [۶۳] پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

---

[۶۲] نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہود کا شیوہ یہ تھا کہ جب کبھی کفار و مشرکین سے جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے امکانات مخدوش ہو جاتے تو اس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وہ مقام کھول کر جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھ کر اس طرح دعا مانگتے: ''اے اللہ! ہم تجھے تیرے اس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کا تو نے آخر زمانہ میں بھیجنے کا وعدہ فرمایا، آج ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا فرما'' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ انہیں فتح دیتا۔ (تفسیر روح المعانی)

ناشکری کی انتہا ہے کہ جن کے صرف نام سے سرفرازیاں حاصل کی جائیں جب وہ ذات گرامی خود جلوہ گر ہو تو انکار کر دیا جائے۔ واقعی ایسی قوم اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ناراضگی کی حقیقی مستحق ہے۔

[۶۳] یہود کو اچھی طرح علم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے صرف ایک واقعہ پر غور کریں۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میرا باپ اور چچا (جو کہ دونوں یہودی عالم تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے گئے۔ بڑی دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے بعد جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا : کیا یہ وہی نبی ہے جس کی صفات ہماری کتابوں میں درج ہیں؟
والد : ہاں، اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہے۔
چچا : کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے؟
والد : ہاں۔
چچا : پھر تمہارا دلی ارادہ کیا ہے؟
والد : جب تک زندہ ہوں اس کی مخالفت کروں گا۔ (سیرت ابن ہشام: جلد دوم: ص ۱۱۹)

اس ہٹ دھرمی کا کوئی کیا علاج کرے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح پہچان لینے کے بعد بھی ایمان نہ لانا واقعی اپنی جان کو کفر

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

۹۰۔ بہت بُری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا، وہ یہ کہ وہ حسد کے مارے [۶۴] کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (کتاب) نازل فرماتا ہے، سو وہ مسلسل ناراضگی کے مستحق ہو گئے، اور کافروں کے لئے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

۹۱۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں: ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کا انکار کرتے ہیں [۶۵] حالانکہ وہ (قرآن) بھی حق ہے اور تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے، آپ فرمایئے: اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے ہو تو پھر تم اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے؟

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

۹۲۔ اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو (اپنا معبود) بنالیا اور تم ظالم تھے۔

کے ہاتھ فروخت کرنے کے مترادف ہے اور یہ بڑے خسارے والا سودا ہے۔

[۶۴] ان کے انکار کی وجہ صرف یہ حسد تھا کہ آخری نبی کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کیوں بھیجا گیا ہے اسے بھی بنی اسرائیل سے ہونا چاہیے تھا لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جسے چاہے نبوت عطا فرمادے۔

[۶۵] جب یہود کو قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو کہتے: جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے ہم اس پر ایمان لاچکے ہیں اور

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا ٭ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تمہارے سروں پر کوہ طور کو بلند کیا، (اور تمہیں حکم دیا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور (غور سے) سنو! انہوں نے (زبان سے) کہا: ہم نے سن لیا اور (دل سے کہا:) ہم نے نہیں مانا اور کفر کی وجہ سے ان کے دل بچھڑے (کی محبت) سے شرابور ہو چکے تھے، آپ فرمایئے: اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو بہت برا ہے جس کا تمہارا ایمان تمہیں حکم کرتا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ آپ فرمایئے: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دار آخرت تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہے پھر تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ [٦٦]

وہی ہمارے لئے کافی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت نہیں لیکن قرآن کریم نے ان کے اس دعویٰ کی بھی تردید کردی ہے یعنی اگر وہ اپنی کتاب پر ہی ایمان رکھتے تو انبیائے کرام کو قتل نہ کرتے اور بچھڑے کو معبود نہ بناتے۔

ان آیات میں مسلمانوں کے لئے لمحاتِ فکریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس ایمان کی تردید کردی جو انہیں احکام تورات پر عمل کی تلقین نہیں کرتا تو پھر ہمارے اس ایمان کی حیثیت کیا ہوگی جو ہمیں احکامِ قرآن پر عمل کرنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ مؤذن کی اذان کانوں میں گونجتی ہے مگر قدم مسجد کی طرف نہیں اٹھتے، نیکی کرنے کا حکم ملتا ہے مگر دل برائی کے راستے تلاش کرتا ہے۔ ایسے ناقص ایمان سے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو محفوظ فرمائے اور اس ایمانِ کامل سے سرفراز فرمائے جو برائیوں کے راستہ میں رکاوٹوں کا پہاڑ بن جائے۔ آمین!

[٦٦] یہود کہتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، لہٰذا جنت صرف انہی کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن مجید نے ان کے اس دعویٰ کا پول کھول دیا ہے، یعنی اگر تم واقعی جنتی ہو تو پھر انتظار کس چیز کا ہے۔ اس دنیا کی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے موت کی تمنا کرو، لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ جب وہ اپنے غلط عقائد اور برے اعمال کی سزا کا تصور کرتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں اور ہزاروں سال جینے کی تمنا کرتے ہیں اور

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ لیکن اپنے کرتوتوں (کی سزا) کے خوف سے وہ موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

۹۶۔ اور آپ ضرور دیکھیں گے کہ وہ سب لوگوں سے حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زندگی پر زیادہ حریص ہیں، ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار سال ہو، تو اتنی لمبی عمر بھی اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتی، اور اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ آپ فرمایئے: جو شخص جبریل کا دشمن ہے (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ جبریل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن نازل کیا [۶۷] جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور مؤمنین کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہے۔

بالفرض اگر انہیں لمبی عمر مل بھی جائے تو پھر بھی عذاب الٰہی سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ جہنم سے نجات کا ذریعہ لمبی عمر نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائل'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آیت نمبر ۹۴ (اگر صرف تم ہی جنتی ہو تو موت کی تمنا کرو) نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے یہودیوں کو جمع کر کے فرمایا: اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ایک بار کہہ دو: یا اللہ! ہمیں مار ڈال۔ قسم رب کی جو بھی کہے گا وہ یہیں گلا گھٹ کر مر جائے گا۔ یہودی گھبرا کر انکار کر گئے۔ (تفسیر در منثور) اتنا بڑا دعویٰ صرف اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہی کر سکتا ہے۔

[۶۷] یہود نے کہا کہ جبریل ہمارا دشمن ہے، وہ غضب لے کر ہم پر اترتا تھا، لہٰذا اس کی لائی ہوئی وحی کو ہم نہیں مانتے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جبریل اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہتا، وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، لہٰذا جو جبریل سے دشمنی رکھتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کافروں کا دشمن ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف واضح نشانیاں نازل کی ہیں اور ان نشانیوں کا صرف فاسق ہی انکار کرتے ہیں۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے توڑ دیا، بلکہ ان میں سے اکثر تو ایمان ہی نہیں لاتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو ان کی آسمانی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (توراۃ) کو اس طرح اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا جیسے وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔ [۶۸]

---

[۶۸] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے بھی یہی عہد لے۔ (تفسیر روح المعانی وصفوۃ التفاسیر: سورہ آل عمران: زیر آیت نمبر ۸۱) اور یہود نے یہ عہد کیا تھا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ ان پر ایمان لائیں گے۔ (تفسیر مظہری: سورہ بقرہ: زیر آیت نمبر ۱۰۰)

توراۃ میں حضور اکرم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مذکور تھیں اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود نے ان صفات کا مشاہدہ کر لیا جیسا کے اس سورت کے حاشیہ نمبر ۶۳ اور ۱۰۴ میں مذکور ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے اور اس طرح اپنی توراۃ کی تعلیمات کو بھی پس پشت ڈال دیا۔

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جس کو سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے، حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے کوئی کفر نہیں کیا [۶۹] بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، اور (انہوں نے پیروی کی اس جادو کی) جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا [۷۰] اور وہ ہر کسی کو سکھانے سے پہلے یہ واضح کر دیتے: ''ہم تو صرف آزمائش ہیں، تُو کفر نہ کر۔'' (اس کے باوجود) لوگ ان سے وہ منتر سیکھتے رہے جس کے ذریعے وہ خاوند اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ اس جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اور وہ اس چیز کو سیکھتے ہیں جو اُن کے لئے نقصان دہ ہے اور نفع بخش نہیں ہے، اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس (جادو) کا سودا کیا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بہت بُری ہے وہ چیز جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے، کاش وہ جانتے۔

---

[۶۹] یہود، شیطان کی پیروی کرتے ہوئے جادو پر عمل کرنے لگے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے حکومت کرتے رہے، لہٰذا جادو پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے (العیاذ باللہ)۔ قرآن مجید نے واضح کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جادوگروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

[۷۰] ہاروت اور ماروت کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ دونوں فرشتے نہیں بلکہ شیطان تھے (تفسیر قرطبی) اور غیر معمولی عبادت کی وجہ سے ان کو فرشتے کہا گیا جیسے ابلیس کو کثرتِ عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق وہ دونوں فرشتے تھے لیکن لوگوں کی آزمائش کے لئے جب انہیں انسانی روپ میں بھیجا گیا تو ان میں انسانی خواص

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

۱۰۳۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گار بنتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس کا) ثواب بہت اچھا ہوتا، کاش وہ جانتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اے ایمان والو! (میرے حبیب ﷺ سے کلام کرتے وقت) ''رَاعِنَا'' نہ کہو بلکہ ''اُنظرنا'' کہو[۷۱] اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سنا کرو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بھی پیدا فرما دیئے گئے (تفسیر بیضاوی) لہٰذا انہوں نے بحیثیتِ انسان جادو سکھایا، نہ کہ بحیثیتِ فرشتہ۔ اور اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، جس طرح وہ انسان کو سزا کے طور پر بندر بنا سکتا ہے اسی طرح فرشتے کو آزمائش کے طور پر انسان بھی بنا سکتا ہے۔

بہر حال قرآن کے ظاہری معنیٰ کے اعتبار سے وہ دونوں معصوم فرشتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے اور فرمانبردار تھے لیکن بابل میں جادوگری اس قدر عام ہوگئی تھی کہ لوگ نبی کے معجزہ کو بھی جادو سے تعبیر کرتے تھے اور اس کی آڑ میں نبوت کا انکار کرنے لگے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت کو انسانی شکل میں بھیجا، وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت بتاتے اور اس پر عمل کرنے سے روکتے تا کہ ان پر جادو کی حقیقت واضح ہو جائے اور وہ نبی کے معجزہ اور جادوگر کے شعبدہ میں فرق کر سکیں۔ ان دونوں فرشتوں نے ہر ایک کو صاف صاف بتا دیا کہ وہ تمہاری آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ جادو اصل میں شیطانی کرتوت ہے، جو بنی نوع انسان میں فتنہ پیدا کرتا ہے، لہٰذا تم شیطانی کام کر کے اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ بنو بلکہ جادو کی حقیقت کو سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور پرہیز گار بن جاؤ۔ ہاروت اور ماروت کی مثال کچھ اس طرح ہے، جیسے مرزا قادیانی نے انڈیا میں جب جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگ اس کے دام فریب میں آنے لگے تو علمائے اسلام نے مسلمانوں کو مرزا قادیانی کے جھوٹے دلائل سے آگاہ کیا اور وہ ساری تعلیمات بھی بتائیں جن کی وجہ سے مرزا قادیانی کا فر قرار پایا تا کہ لوگ اس کے قریب نہ جائیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مرزا قادیانی کی پیروی اختیار کرے تو اس میں علمائے اسلام کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجرم وہ انسان ہے جس نے حقیقت جاننے کے بعد کفر اختیار کیا۔

[۷۱] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حضور اکرم ﷺ کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے: ''رَاعِنَا''، اس کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی بات پوری طرح سمجھ نہیں سکے، ذرا ہماری رعایت فرمائیں اور بات کو دوبارہ سمجھا دیں مگر اس لفظ کے معنیٰ میں کئی احتمالات اور بھی تھے، جن میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی تھی، اور منافقین بے ادبی والا معنیٰ مراد لیتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آئندہ ''اُنظرنا'' (ہماری طرف نگاہِ کرم فرمائیے) کہا کرو، کیونکہ اس لفظ کے معنیٰ میں کسی فاسد احتمال کی گنجائش نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ کافروں میں سے اہل کتاب اور مشرکین پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل کی جائے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا ذہنوں سے غائب کر دیتے ہیں، تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی (دوسری) آیت لے آتے ہیں [۷۲] کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

کے متعلق ایسا لفظ بولنا بھی ممنوع ہے، جس میں بے ادبی کا احتمال ہو، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی توہین کرنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

[۷۲] اللہ تعالیٰ جب ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرماتا ہے تو اسے شریعت میں نسخ کا نام دیا جاتا ہے، جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگے بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کا قبلہ پہلے مسجد اقصیٰ تھا، بعد میں مسجد حرام بنا دیا گیا۔ احکامات میں یہ تبدیلی انسانوں کی بھلائی کے لئے کی جاتی ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے مقررہ پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔

یہاں کسی کے ذہن میں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دوسرا حکم نازل کیوں نہ فرما دیا تا کہ تبدیل کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ڈاکٹر مریض کو ایک دوائی دیتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اس دوائی کو صرف ایک ہفتہ تک استعمال کرو، اس کے بعد تمہارا اصل علاج شروع کریں گے کیونکہ فی الحال تمہاری طبیعت اصل دوائی کو برداشت نہیں کر سکتی اور تمہیں فائدے کے بجائے نقصان ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق محدود وقت کے لئے ایک حکم نازل فرمایا اور جب انسانی فطرت اصل حکم کو سمجھنے کے قابل ہو گئی تو وقتی حکم کو بدل دیا اور

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ کیا تم بھی اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسے سوال پوچھنا چاہتے ہو، جیسے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گئے؟ [۷۳] اور جس نے ایمان کو کفر سے بدلا، وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر کفر کی طرف لوٹا دیں اگرچہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے مگر ان کی یہ خواہش اس حسد پر مبنی ہے جو (مسلمانوں کے خلاف) ان کے دلوں میں ہے، پس تم (اے مسلمانو! ان سے) عفو و درگزر کرتے رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم صادر فرمائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور جو نیکیاں تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، ان کا ثمر اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور پاؤ گے، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

یہ عین حکمت ہے، نیز اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

[۷۳] بنی اسرائیل احکام خداوندی سے جان چھڑانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لایعنی سوال کرتے تھے، جیسے: "ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔" اور ایسے سوالات کے پیچھے جب بدنیتی اور سرکشی کارفرما ہو تو اس کا نتیجہ کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہود اپنی اس کجروی کے باعث ایمان سے محروم ہو چکے تھے، اور ان کی خواہش ہے کہ مسلمان بھی ان کے نقش قدم پر چل کر گمراہ ہو جائیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں کو بھی اس قسم کے لایعنی سوالات کرنے پر اکساتے ہیں، لیکن قرآن مجید مسلمانوں کو اس روش کے قدرتی انجام سے ڈراتا ہے تاکہ یہود کی سازشوں میں آ کر اپنا ایمان ضائع نہ کریں، بلکہ ان کے حسد و شر کے جواب میں عفو و درگزر سے کام لیں اور اس وقت کا

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے، یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں، آپ (انہیں) فرمایئے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

۱۱۲۔ ہاں جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور وہ مخلص بھی ہو، تو اس کا اجر اس کے رب کے ہاں موجود ہے، نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ اور یہودی کہتے ہیں: عیسائی حق پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ وہ سب آسمانی کتابیں پڑھتے ہیں، اس قسم کے دعوے وہ لوگ (کفار و مشرکین) بھی کرتے ہیں، جن کے پاس (آسمانی کتاب کا) علم نہیں ہے [۴۷] سو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ فرمائے گا، جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

انتظار کریں جب اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ نافذ فرما دے یعنی مسلمانوں کو ان سے جہاد کی اجازت مل جائے اور یہودیوں کو ذلیل و خوار کرکے مدینہ سے نکال دیا جائے۔

[۴۷] یہودی کہتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں اور عیسائی گمراہ ہیں۔ عیسائیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہودی گمراہ ہیں۔ اسی طرح کفار و مشرکین میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں دوسرے سب لوگ گمراہ ہیں، حالانکہ ان میں سے کسی کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے نہ تو کوئی دلیل ہے اور نہ ہی وہ کسی منطق کے قائل ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کے ساتھ مزید بحث کرنے کی بجائے ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہی قیامت کے دن ان کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَهُمۡ اَنۡ یَّدۡخُلُوۡهَاۤ اِلَّا خَآئِفِیۡنَ ۬ؕ لَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ وَّ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے [۷۵] (حالانکہ) ان کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ ڈرتے ہوئے مساجد میں داخل ہوتے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

وَ لِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ٭ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، سو جس طرف بھی تم رخ کرو، وہیں اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہے [۷۶] بے شک اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

---

[۷۵] عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے اسے ویران کیا اور کفار مکہ نے بیت اللہ میں مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا حالانکہ انہیں مذہبی عبادت گاہوں کا احترام کرنا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے سرکشی کی اور آخر وہ وقت آ گیا، جب عیسائیوں نے اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے بیت المقدس کی کنجیاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں اور کفار مکہ نے بھی فتح مکہ کے روز اپنی رسوائی کا اعتراف کرتے ہوئے بیت اللہ کی کنجیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اگرچہ یہ آیات عیسائیوں اور کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئیں، لیکن آج بھی جو آدمی مساجد کو غیر آباد کرنے کی کوشش کرے، وہ ظالم ہے، اسے اپنے برے انجام سے ڈرنا چاہیے۔ یا اللہ! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم مساجد کو تیری عبادت سے آباد رکھیں۔ آمین!

[۷۶] مسلمانوں کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا، جب بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا، تو یہود نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہاری پہلی نمازوں کا کیا بنے گا؟ تو قرآن نے اس کی وضاحت فرما دی کہ کوئی مسلمان بیت المقدس یا بیت اللہ کی دیواروں کو سجدہ نہیں کرتا اور نہ ہی دیواریں سجدہ کے قابل ہیں، مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جلوہ صرف بیت المقدس یا بیت اللہ میں نہیں، بلکہ اس کا نور تو کائنات کے ہر ذرہ کو حاوی ہے، جدھر بھی رخ کیا جائے، اودھر اللہ تعالیٰ کا جلوہ موجود ہے، لیکن ہم سجدہ اُس طرف کرتے ہیں، جدھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔ پہلے بیت المقدس کی طرف حکم تھا اور اب بیت اللہ کی طرف حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم اور سب سے زیادہ علم والا ہے، لہٰذا جو مناسب سمجھتا ہے حکم دیتا ہے کوئی اس کے حکم کو چیلنج نہیں کر سکتا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، حالانکہ وہ (اولاد سے) پاک ہے [۷۷] بلکہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اس کی ملکیت ہیں، سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اور جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اسے صرف اتنا حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اور بے علم لوگ (مشرک) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود ہمارے ساتھ کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، [۷۸] ان سے پہلے (گمراہ) لوگ بھی ان کی سی باتیں کیا کرتے تھے، ان سب کے دل ملتے جلتے ہیں، بے شک ہم نے اہل یقین کے لئے نشانیاں صاف صاف بیان کردی ہیں۔

---

[۷۷] عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور مشرکین، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتے (خدا کی پناہ) لیکن اس آیت نے وضاحت کردی کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے، وہ ساری کائنات کا واحد خالق اور بلاشرکتِ غیر مالک ہے اور اس جہانِ آب وگل کی ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے۔

[۷۸] مشرکین نے مطالبہ کیا کہ خدا ہم سے کلام کرے یا ہمیں کوئی ایسی نشانی دکھائے، جس کے بعد شک کی گنجائش نہ رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی فرمائی کہ مشرکین کے اس قسم کے لایعنی مطالبات کوئی نئی بات نہیں، بلکہ گمراہ لوگوں کا مزاج ہمیشہ ایک جیسا رہا ہے۔ یہود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی قسم کے مطالبات کرتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل عقل کے لئے تو ہدایت کا ایک ادنیٰ اشارہ بھی کافی ہوتا ہے مگر حسد کے ماروں کو روشن معجزات بھی نظر نہیں آتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ زندگی کا صادق کردار سورج کی طرح روشن ہے، لیکن دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل جہنم کے متعلق آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اور یہود و نصاریٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دین کی پیروی کریں، [۷۹] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے: اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور اگر (بفرضِ محال) علم کے باوجود آپ (مراد عام مسلمان) نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو پھر آپ (مراد عام مسلمان) کے لئے اللہ تعالیٰ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی دوست و مددگار نہیں ہوگا۔

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

۱۲۱۔ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اس کے منکر ہیں تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اے اولادِ اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی، اور بے شک میں نے تم کو (اس زمانے کے) سارے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔

[۷۹] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی اکثریت مسلمان نہ ہوئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی؛ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا ہے، اور یہود و نصاریٰ کو یقین ہو گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق ہے لیکن سرکشی و ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ کبھی بھی اسلام قبول نہیں کریں گے، بلکہ ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام کو چھوڑ کر ان کے من گھڑت دین کی پیروی اختیار کر لیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ناممکن ہے، کیونکہ اس وقت روئے زمین پر حق صرف اسلام میں ہے، اور جو شخص بھی اسلام کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کرے گا، اس کا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا، لیکن وہ خوش نصیب مؤمن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوں گے جو

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ اور اس دن سے ڈرو، جب کوئی شخص کسی کا کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ اس کے لئے معاوضہ قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی شفاعت فائدہ دے گی اور نہ ہی وہ مدد کئے جائیں گے۔ [۸۰]

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب تعالیٰ نے چند باتوں میں آزمایا تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سب کو پورا کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں تمام انسانوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اور میری اولاد سے بھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچتا۔ [۸۱]

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ اور یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ بنایا، اور (لوگوں کو حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لو، اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو تاکید کی کہ میرے اس گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ [۸۲]

قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔

[۸۰] ان دو آیات کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے، اسی سورت کا حاشیہ نمبر ۱۴ ملاحظہ ہو۔

[۸۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود اور ذبح اسماعیل علیہ السلام وغیرہ سے اس لئے آزمایا تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واقعی امامت (پیشوا بننے) کے مستحق ہیں، اور فطری جذبہ کے تحت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے بھی نبی بنائے جانے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی اولاد سے جو ظالم ہوں گے وہ تو اس نعمت کے اہل نہیں ہیں، البتہ جو نیک اور فرمانبردار ہوں گے ان میں سے بعض کو شرفِ نبوّت سے سرفراز کیا جائے گا۔ اس آیت کے ضمن میں اہل علم لکھتے ہیں کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو نبی نہیں بناتا۔

[۸۲] بیت اللہ کو پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عمارت گرد و غبار سے اور اس کی فضا کفر و شرک سے پاک ہوتا کہ عبادت

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۝۱۲۶

۱۲۶۔ اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن والا شہر بنا دے اور اس شہر کے باشندوں میں سے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لائیں ان کو ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے [۸۳] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس نے کفر کیا، میں اسے بھی تھوڑا سا فائدہ اٹھانے دوں گا، پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کر دوں گا، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔ [۸۴]

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝۱۲۷

۱۲۷۔ اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور دعا بھی کر رہے تھے:) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما! بے شک تو ہی سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

کرنے والے کا دل اور نگاہ، دونوں کو سکون ملے اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنے خالقِ حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساجد کو پاک صاف رکھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور انبیائے کرام کی سنت ہے، نیز مساجد کے متولی صالح اور پرہیزگار لوگ ہونے چاہییں۔

[۸۳] آج سے ہزاروں سال پہلے شہر مکہ کا تصور اپنے دماغ میں حاضر کریں، جہاں سبزے کا نام ونشان نہ ہو، وہاں پھل کہاں سے آئیں؟ لیکن آج دنیا کا کوئی پھل ایسا نہیں جو مکہ مکرمہ میں دستیاب نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو قدرتِ خداوندی ایسے کرشمے دکھاتی ہے، جو بظاہر ہماری عقل میں نہیں آتے۔

[۸۴] اس سے پہلے نبوّت کا سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: کوئی ظالم نبوّت کا اہل نہیں لیکن جب رزق کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صرف مؤمن نہیں بلکہ ظالم اور کافر کو بھی اس چند روزہ زندگی میں رزق دیا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ رزق کا دروازہ کافر اور مؤمن، دونوں کے لئے کھلا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کا پروردگار ہے، لہٰذا اگر دنیا میں کسی کے پاس رزق کی فراوانی ہے، تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رزق تو کافروں کو بھی دیتا ہے لیکن راضی صرف اس سے ہوتا ہے جو اس پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اے ہمارے رب! اور ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول (ﷺ) مبعوث فرما [۸۵] جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، کتاب و حکمت سکھائے اور پاک کرے، [۸۶] بے شک تو غلبہ (اور) حکمت والا ہے۔

---

[۸۵] حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں مل کر کعبہ کی تعمیر کر رہے ہیں اور رب تعالیٰ سے دعائیں بھی مانگ رہے ہیں، آخر میں عرض کرتے ہیں: یا اللہ! ہم دونوں کی اولاد سے ایک عظیم الشان رسول بھیج! چنانچہ اس دعا کے صلے میں آپ دونوں کی اولاد سے صرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا، جس کا اسم گرامی محمد مصطفی ﷺ ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمر ہوں۔ (مسند احمد: جلد ۴: ص ۱۲۷)

[۸۶] جس جلیل القدر نبی کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا مانگ رہے ہیں، اس کے فرائض کیا ہوں گے؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفسِ تلاوت یعنی قرآن مجید کے صرف الفاظ کی تلاوت بھی بجائے خود ایک مستقل عبادت ہے۔ اگر قرآن مجید کے الفاظ بدل دیئے جائیں خواہ معانی بالکل وہی رہیں پھر بھی ان بدلے ہوئے الفاظ کو قرآن نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ان کے پڑھنے سے نماز ادا ہو سکتی ہے، لہٰذا قرآن مجید کے جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ ہر مسلمان کو اپنی استعداد کے مطابق قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے کیونکہ قرآن مجید کے معانی میں غور کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی تعلیم دے یعنی قرآن مجید کے معانی اور احکام سمجھائے۔

۳۔ حکمت کی تعلیم دے اور حکمت سے مراد حدیث ہے یعنی احکام قرآن پر عمل کرنے کا طریقہ سکھائے جیسے نماز پڑھنے کا حکم تو قرآن مجید میں ہے مگر اس پر عمل کرنے کا طریقہ حدیث پاک بتاتی ہے۔ حکمت حضور اکرم ﷺ کی ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے۔ (قرآن ۴: ۱۱۳)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اور دین ابراہیم سے وہی انحراف کرسکتا ہے جو بے وقوف ہو، [۸۷] اور بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا تھا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے فرمایا: (میری اطاعت میں) سر تسلیم خم کردو تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: میں نے رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ

۱۳۲۔ اور اسی دین کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور یعقوب علیہ السلام نے (بھی یہی کہا:) اے میرے بچو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان رہنا۔

۴۔ لوگوں کو پاک کرے یعنی حسن دلائل سے ان کے عقائد کو شکوک وشبہات سے پاک کرے تاکہ حق وباطل کا فرق واضح ہو جائے، روحانی تصرف سے ان کے دلوں کو نفسانی خواہشات سے پاک کرے تاکہ ان کے دل تجلیات الٰہی کا آئینہ بن سکیں اور ظاہری تربیت سے ان کے اطوار کو لایعنی خصائل سے پاک کرے تاکہ ان کے حسن کردار سے متاثر ہو کر کافروں کو اسلام کی دولت نصیب ہو۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نبی صرف ڈاکیہ یا قاصد ہوتا ہے، لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی اور ڈاکیہ یا قاصد میں بہت فرق ہے، کیونکہ ڈاکیے کو تو سرے سے علم ہی نہیں ہوتا کہ لفافے کے اندر کیا ہے اور قاصد بھی پیغام کے اسرار ورموز سے ناواقف ہوتا ہے مگر نبی تو اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اور مخلوق کا معلم اعظم ہوتا ہے جو لوگوں کو پاک کرتا ہے، انہیں خدا کا پیغام سمجھاتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔

[۸۷] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوّت کے لئے چن لیا اور لوگوں کی رہنمائی کے لئے ان پر وہ دین نازل فرمایا جو فطرت کے عین مطابق ہے، لہٰذا اس دین کا انکار صرف وہی کرسکتا ہے جو عقل وخرد سے محروم ہو۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ کیا تم اس وقت موجود تھے، جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی [۸۸] جب یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم اس ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کا معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہی ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے بھی وہی ہوگا جو تم نے کمایا اور ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ [۸۹]

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ اور (یہودی) کہتے ہیں: یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں:) عیسائی بن جاؤ، تو ہدایت پا جاؤ گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے: میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو حق پرست تھے، اور مشرک نہیں تھے۔ [۹۰]

---

[۸۸] یہود کا یہ دعویٰ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے موت کے وقت اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی، قرآن مجید ان کے اس دعویٰ کی تردید کر رہا ہے کہ تم خود تو وصیت کے وقت موجود نہیں تھے، لہٰذا اپنا ریکارڈ درست کر لو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی دین کی وصیت کی تھی جو اس وقت دین ابراہیم تھا اور اب اس کا نام اسلام ہے۔

[۸۹] یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا: چونکہ وہ انبیائے کرام کی اولاد ہیں لہٰذا ان کی نجات یقینی ہے۔ قرآن مجید نے ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے۔ یعنی اگرچہ تم ان کی اولاد ہو مگر حقیقت میں تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان مقدس ہستیوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر قربان کر دیا اور تم احکام خداوندی کو اپنی ذات کے لئے تبدیل کر دیتے ہو، لہٰذا تمہیں ان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، وہ مقدس ہستیاں اپنا دنیاوی وقت پورا کر کے اب اللہ تعالیٰ کے قرب میں پہنچ چکی ہیں۔ تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، تم تو اس بات کے جوابدہ ہو کہ تم خود کیا کرتے تھے، لہٰذا تم اپنی فکر کرو۔

[۹۰] یہود مسلمانوں کو کہتے کہ یہودی بن جاؤ تو ہدایت پالو گے اور عیسائیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ تم عیسائی بن جاؤ تو کامیاب ہو جاؤ

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ (اے مسلمانو!) تم کہو: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر جو موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے [۹۱] (بلکہ سب پر ایمان رکھتے ہیں) اور ہم اسی (ایک اللہ تعالیٰ) کے فرمانبردار ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ پس اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ انحراف کریں تو (ظاہر ہے) وہ مخالفت پر کمر بستہ ہیں، تو عنقریب ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہاری حمایت میں آپ کو کافی ہو جائے گا اور وہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

گے۔ دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی عیسائی اور یہودی ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس پر قرآن حکیم نے اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیا کہ تمہاری اس شرک آلود یہودیت اور عیسائیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی واسطہ نہیں، وہ تو حق پرست تھے اور شرک سے ہمیشہ دور رہے۔

[۹۱] مسلمان سب انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی نبی علیہ السلام کا انکار نہیں کرتے کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ایک ہی دین کی تبلیغ کی جس کی آخری شکل کا نام اسلام ہے، لہٰذا یہود و نصاریٰ کو بھی یہی دین قبول کر لینا چاہیے اور اس طرح خلوص سے ایمان لانا چاہیے، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے ہیں، کیونکہ ان کا کردار ایمان کا معیار ہے، لیکن اگر وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں تو مسلمانوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو گا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہود کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور عیسائی علاقوں پر بھی اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ (اہل کتاب سے کہو کہ ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟ [۹۲] اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ آپ فرمایئے: کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا رب بھی؟ [۹۳] اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، اور ہم تو اسی کے لئے مخلص ہیں۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰۔ کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے، آپ ﷺ فرمایئے: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ [۹۴] اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اس گواہی کو چھپایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے

---

[۹۲] جو انسان یہود و نصاریٰ کا مذہب اختیار کرتا، اسے رنگدار پانی سے غسل دیا جاتا اور اس کے بعد اعلان کر دیا جاتا کہ اس پر یہودیت یا عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے اور اب یہ پکا یہودی یا عیسائی بن گیا ہے۔ اس پر قرآن مجید کہتا ہے یہ بھی کوئی رنگ ہے جو چند گھنٹوں کے بعد اتر جائے اور انسان پھر ویسا ہی نظر آئے جیسا پہلے تھا، بلکہ انسان کو تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا رنگ چڑھانا چاہیے جو سب سے بہتر ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کا رنگ کسی پر چڑھ جاتا ہے تو صرف ظاہر نہیں اس کا باطن بھی جگمگانے لگتا ہے اور اس کی زندگی میں ایسا انقلاب آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نمرود کی جلتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگانا اور اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلانا اسے آسان نظر آتا ہے اور یقیناً یہ منظر دیکھ کر فرشتے بھی اس کے مقدر پر رشک کرتے ہوں گے۔

[۹۳] (اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم ہمارے ساتھ اس لئے جھگڑا کرتے ہو کہ ہم ایک خدا کی عبادت کیوں کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے حالانکہ تمہیں بھی اسی ایک خدا کی عبادت کرنی چاہیے کیونکہ وہ ہم سب کا رب ہے اور اگر تم اس کی عبادت نہیں کرتے تو پھر تمہیں تمہارے شرک کی سزا ملے گی اور ہمیں ہماری توحید پرستی کا اجر ملے گا۔

[۹۴] (اے گروہ یہود و نصاریٰ!) تم کہتے ہو کہ یہ انبیائے کرام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی

بے خبر نہیں ہے۔[۹۵]

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہی ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے بھی وہی ہوگا جو تم نے کمایا اور ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔[۹۶]

ع ۱۶

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے: ان (مسلمانوں) کو اپنے اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر وہ (پہلے) تھے؟ آپ فرمایئے کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں [۹۷] وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

فرماتا ہے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کا علم زیادہ ہے یا تمہارا؟

[۹۵] (اے علمائے یہود و نصاریٰ!) تم جانتے ہو کہ یہ انبیائے کرام یہودی یا عیسائی نہیں تھے کیونکہ یہودیت اور عیسائیت کی ابتدا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوتی ہے، جبکہ ان انبیائے کرام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود تم ان شہادتوں کو چھپاتے ہو تو پھر تم سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

[۹۶] اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۸۹ ملاحظہ ہو۔

[۹۷] جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہ تھی کہ امت مسلمہ کا قبلہ خانہ کعبہ بنایا جائے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنے سے پہلے بتادیا کہ نادان لوگ تبدیلی قبلہ پر اعتراض کریں گے تو آپ انہیں فرمایئے گا کہ کسی سمت میں بذات خود یہ فضیلت نہیں کہ وہ قبلہ بن سکے بلکہ قبلہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور سیدھا راستہ اسی کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرے۔ نیز مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جس سمت کو چاہے قبلہ بنادے کوئی اس کے حکم کو چیلنج نہیں کرسکتا۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ

۱۴۳۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو، [۹۸] اور (اے رسول ﷺ!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے اسے ہم نے اس لئے قبلہ بنایا تھا تا کہ ہم دیکھ لیں (دنیا کو دکھا دیں) کہ کون رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا

---

[۹۸] (اے امت مسلمہ!) جس طرح ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہیں سیدھے راستے کی توفیق بخشی اور تم نے میرے حبیب مکرم ﷺ کی اطاعت میں فوراً رخ بدل لیا اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا۔ لوگوں کے لئے تمہارا کردار ایک معیار اور نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب تم نبی آخر الزمان ﷺ کی سچی اطاعت اختیار کرو کیونکہ تمہارے لئے میرے حبیب مکرم ﷺ کا کردار معیار حق ہے۔

نیز قیامت کے دن پہلی امتوں کے کفار کو جب اپنا انجام بد نظر آئے گا تو بہانہ سازی کی کوشش کریں گے: ''یا اللہ! ہمیں کسی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں پہنچایا''۔ اس وقت امت مصطفیٰ گواہی دے گی: یا اللہ! یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچایا تھا لیکن جب وہ کفار اعتراض کریں گے کہ یہ مسلمان تو اس وقت موجود ہی نہ تھے تو مسلمان جواب دیں گے: اے اللہ! تیرے حبیب مکرم ﷺ نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اس پر نبی آخر الزمان ﷺ اپنی امت کی صداقت اور عدالت کی گواہی دیں گے کہ میری امت سچی گواہی دے رہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ اس دنیا میں بھی اپنی امت کے احوال پر آگاہ ہیں، چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے، پس وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں، تمہارے ایمان کے درجوں کو، تمہارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ (تفسیر فتح العزیز)

کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر میری اُمت کے (نیک کاموں کے) اجر پیش کئے گئے حتیٰ کہ اس کوڑا کرکٹ کا اجر بھی جس کو انسان مسجد سے باہر نکال پھینکتا ہے، اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا کوئی آیت دی گئی ہو اور اس نے اس کو بھلا دیا۔

(ترمذی: ۲۹۱۶: ابواب فضائل القرآن: باب ۱۹)

ایک اور موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیاحت کرنے والے ہیں، وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے، تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لئے حدیث

لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

ہے؟[۹۹] اور بے شک یہ (قبلہ کا بدلنا) بہت مشکل تھا مگران پر (مشکل نہیں تھا) جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا [۱۰۰] بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

۱۴۴۔ بے شک ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، اب اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو[۱۰۱] اور (اے

بیان کی جاتی ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، جو نیک عمل میں دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جو برا عمل میں دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

(مجمع الزوائد: جلد ۹: ص ۲۴، البدایۃ والنہایۃ: جلد ۵: ص ۲۷۵، الجامع الصغیر: جلد اول: ص ۵۸۲)

بے انتہا اور لاتعداد شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے ہمیں اس سراپا رحمت نبی اکرم ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ جب ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو حضور اکرم ﷺ بھی اس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں اور ''ہماری مشقت حضور اکرم ﷺ پر گراں گزرتی ہے۔'' (قرآن: ۹:۱۲۸) اور جب ہم گناہ کرتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ ہمارے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد: جلد ۹، ص ۲۴) آج ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ بھی حضور اکرم ﷺ سے اسی محبت کا مظاہرہ کرے جو آپ ﷺ کو اپنی امت سے ہے۔

[۹۹] تبدیلی قبلہ میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کون خوش نصیب ہیں جو بلا چون و چرا حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ کون ہیں جو حجت بازی میں وقت ضائع کرتے ہیں۔ تبدیلی قبلہ کے حکم پر فوراً عمل کرنا آسان نہیں تھا مگر جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔

[۱۰۰] بعض صحابہ کرام ؓ کو یہ خیال گزرا کہ ان نمازوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی تھیں۔ اس آیت میں انہیں تسلی دی جا رہی ہے کہ ان نمازوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا شامل تھی کیونکہ وہ قبلہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر فرمایا تھا، لہٰذا ان نمازوں کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔

[۱۰۱] حضور اکرم ﷺ کی پسند کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر فرما دیا۔ اس وقت آپ ﷺ مسجد بنی سلمہ میں نماز

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لیا کرو، اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق ہے [۱۰۲] اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

ظہر کی امامت فرما رہے تھے۔ دو رکعتیں پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ آپ ﷺ نے دوران نماز ہی بیت المقدس سے منہ پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ کوئی پیشگی اعلان نہیں ہوا تھا، مگر صحابہ کرام ؓ کی کمالِ اطاعت کا اندازہ کریں حضورِ اکرم ﷺ کے رخِ انور پھیرتے ہی تمام صحابہ کرام ؓ گھوم کر دوسری طرف آپ کے پیچھے آ گئے۔ اس دن سے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین مشہور ہو گیا۔ مدینہ کی دوسری مساجد میں بھی جہاں جہاں جماعت ہو رہی تھی جب یہ حکم پہنچا تو اسی لمحہ تمام صحابہ کرام ؓ نے اپنے رخ کعبہ شریف کی طرف پھیر لئے۔

مقامِ مصطفیٰ علیہ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاء کی رفعتوں کا اندازہ کرنے کے لئے اس آیت پر دوبارہ غور کرتے ہیں۔ تحویل قبلہ کی خواہش تہ دل میں جنم لیتی ہے۔ قبولیت کے لئے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھتی ہیں، اگرچہ دورانِ نماز نگاہیں اوپر اٹھانا سخت ممنوع ہے لیکن پیارے حبیب مکرم ﷺ کی یہ ادا بھی اتنی پسند آئی ہے کہ ہمیشہ کے لئے قرآن مجید کا حصہ بن جاتی ہے۔ رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے اور تحویل قبلہ کا وعدہ نازل ہوتا ہے۔ اس وعدہ میں تاکید بھی ہے یعنی قبلہ ضرور بدلے گا اور حضورِ اکرم ﷺ کی پسند کا پاس بھی یعنی قبلہ اسے بنائیں گے جو آپ کو پسند ہوگا۔ اب وعدہ کی تکمیل دوسری نماز تک مؤخر بھی ہو سکتی تھی تاکہ پہلے تحویل قبلہ کا باقاعدہ اعلان ہو جائے لیکن حضورِ اکرم ﷺ کی پسند میں تاخیر گوارا نہ ہوئی۔ اسی وقت حکم نازل ہوا: میری نماز بعد میں مکمل کرنا پہلے اپنی پسند پوری کرلو، چنانچہ دو رکعتوں کے بعد دورانِ نماز آپ ﷺ نے کعبہ شریف کی طرف رخ پھیر لیا اور صحابہ کرام ؓ گھوم کر دوسری طرف آپ ﷺ کے پیچھے آ گئے اور اس ساری کارروائی سے نماز میں کوئی خلل یا تعطل واقع نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ کی پسند پر عمل بھی نماز کا حصہ بن گیا۔ اب اس بلندیٔ درجات کو انسان کیسے بیان کرے جس میں خالقِ حقیقی خود طالبِ رضائے حبیب ﷺ ہو جائے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)

[۱۰۲] پہلی کتابوں میں حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی جن علامات و صفات کا ذکر تھا ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ امام القبلتین ہوں گے (تفسیر روح المعانی) لہٰذا اہل کتاب کو یقین ہے کہ یہ تحویل قبلہ برحق ہے اور آپ کی صداقت کی دلیل ہے لیکن وہ تعصب اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں اس لئے ان کے سامنے جتنے بھی دلائل پیش کئے جائیں وہ ہدایت سے محروم رہیں گے۔

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل لائیں پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں، اور (بفرض محال) اگر علم کے باوجود آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ بھی ظالموں میں سے ہوجائیں گے۔[۱۰۳]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (اہل کتاب) اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں [۱۰۴] اور بے شک ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

۱۴۷۔ یہ (رسالتِ محمدی) تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے (تو اے مخاطب!) تو شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔[۱۰۵]

---

[۱۰۳] اس آیت میں بظاہر خطاب حضورِ اکرم ﷺ کو ہے لیکن اصل میں امت کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف اہل کتاب کی پیروی کی تو وہ ظالم ہوجائے گا۔ (تفسیر قرطبی)

[۱۰۴] اہل کتاب جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اسی طرح وہ حضورِ اکرم ﷺ کو بھی پہچانتے ہیں لیکن تعصب کی وجہ سے جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ علمائے یہود میں سے عبداللہ بن سلام نے جب اسلام قبول کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب حضورِ اکرم ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ عبداللہ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کی جو صفات تورات میں بیان فرمائی ہیں ان کی روشنی میں جب میں نے حضورِ اکرم ﷺ کو دیکھا تو فوراً اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہوں بلکہ حضورِ اکرم ﷺ کی معرفت مجھے اپنے بیٹے سے بھی زیادہ تھی کیونکہ میرے بیٹے کے بارے میں میری بیوی خیانت کرسکتی ہے لیکن حضورِ اکرم ﷺ کے اوصاف تورات میں اس قدر واضح ہیں کہ ان میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس جواب پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے اور عبداللہ بن سلام کی پیشانی چوم لی۔ (تفسیر الحسنات و البحر المحیط)

[۱۰۵] اس آیت میں بھی بظاہر خطاب حضورِ اکرم ﷺ کو ہے لیکن اصل میں امت کو تاکید کی جارہی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸۔ اور ہر قوم کے لئے ایک سمت (مقرر) ہے وہ اسی کی طرف منہ کرتی ہے، پس تم نیکیوں میں دوسروں سے آگے بڑھو، [۱۰۶] تم کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ اور جہاں سے بھی آپ باہر نکلیں تو اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰۔ اور جہاں سے بھی آپ باہر نکلیں تو اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف پھیر لیا کریں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لیا کرو تاکہ لوگوں کے لئے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں، سو تم ان سے نہ ڈرو اور (صرف) مجھ سے ڈرا کرو [۱۰۷] تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

رسالت برحق ہے، لہٰذا یہود کی سازشوں میں آکر شک میں نہ پڑنا۔

[۱۰۶] ہر قوم کے لئے ایک سمت مقرر تھی جس کی طرف منہ کر کے وہ عبادت کرتی تھی، اسی طرح امت مسلمہ کا قبلہ خانہ کعبہ مقرر ہوا مگر یہ کوئی جھگڑنے کی بات نہیں ہے کہ کون کس طرف رُخ کرتا ہے، اصل بات تو یہ ہے کہ نیکیوں اور بھلائیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے کیونکہ آخرکار ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور وہ ہم سب کو دوبارہ زندہ کرنے اور میدان قیامت میں اکٹھا کرنے پر قادر ہے اور اس دن سوال یہ نہیں ہوگا کہ سمتِ قبلہ کیا تھی بلکہ سوال یہ ہوگا کہ تم نے کس حد تک اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی۔

[۱۰۷] تحویل قبلہ کوئی معمولی حکم نہیں تھا، اس کی اہمیت کے پیش نظر تین دفعہ اس حکم کو دہرایا گیا تاکہ کسی کو شک نہ رہے، البتہ ظالم لوگ تو اعتراض کریں گے کہ اسلام کیسا مذہب ہے، کبھی ایک قبلہ کبھی دوسرا لیکن ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، صرف اللہ تعالیٰ

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

۱۵۱۔ اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ [۱۰۸]

فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

۱۵۲۔ سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا [۱۰۹] اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

سے ڈرنا چاہیے تاکہ اس کی طرف سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے۔

[۱۰۸] اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بے شمار احسان فرمائے، ان میں سے ایک عظیم احسان نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جو قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، کفر و شرک اور گناہوں سے پاک کرتے ہیں، کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور ان چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں جو ہم نہیں جانتے تھے۔ اس آیت کی مزید تشریح کے لئے اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۸۶ ملاحظہ ہو۔

[۱۰۹] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا عاجز بندہ اپنے محسن حقیقی کو یاد نہ کرے تو اور کیا کرے، یہ تو اس کا فرض ہے جو اسے ہر حال میں ادا کرنا چاہیے لیکن اس فرض کی یاد دہانی میں جو ترغیب کا ابر کرم برس رہا ہے اس کا صدور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ہو سکتا ہے یعنی ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔'' اس سے بڑھ کر بندہ کی عزت افزائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خالق و مالک اسے اپنی یاد سے سرفراز فرمائے۔ اس کی شانِ بندہ نوازی کے بحر بیکراں سے ایک اور موتی ''حدیث قدسی'' ملاحظہ فرمائیں:

''میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر بندہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے دل میں یاد کروں گا، اگر مجمع میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کروں گا، اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاؤں گا، اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک آئے تو میں ایک قدم اس کے نزدیک ہو جاؤں گا، اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاؤں گا۔'' (بخاری: ۷۴۰۵: کتاب التوحید: باب ۱۵)

یہ ہے وہ فضل و کرم جس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ یہ ترغیب کا وہ انداز ہے جس کی مثال انسانی بس کا روگ نہیں۔ یہ ہے وہ وعدہ جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ تاریخ انسانیت نے وہ وقت دیکھا جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں یاد کیا اور ساری دنیا میں مسلمانوں کا طوطی بولنے لگا، پھر ایسا وقت بھی آیا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، [۱۱۰] بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (ان کی زندگی کو) سمجھ نہیں سکتے۔ [۱۱۱]

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف سے، بھوک سے، (تمہارے) مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا اور جسے اللہ تعالیٰ نظر انداز کر دے اس کا حشر وہی ہوتا ہے جو آج ہمارا ہو رہا ہے۔ کاش اس ارشادِ خداوندی کو دل کی آنکھوں سے دوبارہ پڑھیں: ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

حضرت ابوعثمان نے ایک دفعہ کہا کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرتا ہے۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا جب بھی کوئی اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اس وقت اس کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد فرما رہا ہے۔ اس یقین سے ذکر کا لطف اور زیادہ ہو جائے گا۔

[۱۱۰] اس فانی زندگی میں ہر انسان مصائب اور مشکلات سے دوچار ہوتا ہے اور بعض دفعہ انسان مایوس ہو کر خودکشی یا ظلم کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، لیکن اسلام اس مصیبت زدہ کو صبر اور نماز کی تلقین کرتا ہے کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مصائب پر صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اس کے شامل حال ہو جائے گی اور جب وہ ساری دنیا کے مسائل کو ذہن سے نکال کر خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہو گا تو رحمت خداوندی اس کے لئے امیدوں کے دروازے کھول دے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ نماز پڑھتے۔''

(مسند احمد: جلد ۵: ص ۳۸۸)

[۱۱۱] غزوہ بدر میں کئی مسلمان شہید ہوئے تو بعض لوگ ان کے بارے میں افسوس کرنے لگے کہ وہ قتل ہو کر اپنی زندگی کی لذتوں سے محروم ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی فانی زندگی قربان کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶

۱۵۶۔ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷

۱۵۷۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔[۱۱۲]

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

۱۵۸۔ بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے تو اسے ان دونوں (صفا و مروہ) کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں[۱۱۳] اور جو خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک

انہیں ایک خاص قسم کی پاکیزہ زندگی عطا فرماتا ہے جس کا صحیح ادراک ہمارے شعور سے بالاتر ہے، لہٰذا انہیں مردہ نہ کہو، نیز شہیدوں کو غسل اور کفن نہیں دیا جاتا کیونکہ شہادت نے ان کے اجسام اور زیب تن کپڑوں کو بھی پاک کر دیا ہے۔ شہید کی عظمت کے لئے ایک حدیث پاک ملاحظہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جو ایک بار جنت میں داخل ہو جائے اور پھر وہاں سے نکلنے کی تمنا کرے اگرچہ اسے تمام دنیا بخش دی جائے، ہاں صرف شہید اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ وہ دنیا میں لوٹایا جائے اور دس مرتبہ پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو کیونکہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ شہید کی کیا قدر ہے۔''

(بخاری: ۲۸۱۷: کتاب الجہاد: باب ۲۱)

[۱۱۲] آزمائش کی مشکل گھڑی میں جو لوگ اپنے مالک حقیقی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور صبر کا راستہ اختیار کرتے ہیں یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

[۱۱۳] حضرت ہاجرہ (ہاجر) نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ پر چکر لگائے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی نیک بندی کی یہ ادا پسند آگئی اور حج و عمرہ کرنے والوں پر صفا و مروہ کے چکر لازمی قرار دے دیئے۔ زمانہ جاہلیت میں کفار صفا و مروہ پر بتوں کی پوجا کرتے تھے، اس لئے بعض مسلمانوں کو ان پہاڑیوں کی تعظیم گراں گزری کیونکہ اس میں کفار کے مشرکانہ فعل کے ساتھ کچھ مشابہت تھی۔ اس پر ان کے اطمینان کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان کفار کے بتوں کا خیال نہ کریں بلکہ حضرت ہاجرہ کی سنت کا پاس رکھیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صفا و مروہ کی سعی کریں جس طرح کفار نے کعبہ میں بھی بت رکھے تھے لیکن اس سے کعبہ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا اور اب بھی اس کا طواف جاری ہے۔

شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان خوب جاننے والا ہے۔ [۱۱۴]

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾

۱۵۹۔ بے شک جولوگ ہمارے نازل کیے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم نے اپنی کتاب میں سب لوگوں کے لئے انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ [۱۱۵]

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

۱۶۰۔ البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور (حقیقت کو) ظاہر کر دیا تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں۔

صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، اس کی حقیقی وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ ان پر حضرت ہاجرہ (ہاجر) کے مقدس قدم لگے ہیں جن کی وجہ سے یہ پہاڑیاں قابل تعظیم بن گئی ہیں۔ اگر یہ وجہ درست ہو تو جہاں حضرات انبیائے کرام کے قدم لگیں یا ان کے مقدس اجسام موجود ہیں وہ تو بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار پائیں گی اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ اس آیت کی تفسیر بھی مسجد اقصیٰ (فلسطین) میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہے جس کو مختلف انبیائے کرام نے تعمیر کیا اور اسی مسجد میں شب معراج تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا فرمائی۔

(مسجد اقصیٰ (فلسطین) بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز فجر یکم ذوالقعدۃ ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۶ جنوری ۲۰۰۱ء)

مگر یہ سوئے اتفاق ہے کہ اس وقت یہ مسجد یہودیوں کے قبضہ میں ہے اور ہر دروازے پر اسلحہ سے لیس یہودی فوج موجود ہے جن کی اجازت کے بغیر مسجد میں داخلہ ممکن نہیں ہے۔ خدا کرے ساری دنیا کے مسلمان آپس میں اتحاد کریں، اپنی دولت مشترکہ اور افواج مشترکہ کا انتظام کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ادا کرتے ہوئے القدس کو دوبارہ آزاد کرائیں۔ آمین!

[۱۱۴] انسان جو بھی نیکی کرے چاہے وہ فرض ہو یا نفل، چھوٹی ہو یا بڑی، اللہ تعالیٰ اس کا بہتر اجر عطا فرماتا ہے اور کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوتی بلکہ ایک دن وہ اپنا حسین رنگ دکھاتی ہے۔

[۱۱۵] اس آیت میں بنی اسرائیل کے ان علماء کا ذکر ہے جو نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کو چھپاتے اور احکام

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲۔ وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ اور تمہارا خدا ایک خدا ہے اور اس رحمٰن و رحیم خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

ع ۱۹ / ۱۱ / ۳

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

۱۶۴۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں [۱۱۶] اور رات و دن کی گردش میں، اور جہازوں میں جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھائے سمندر میں چلتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا جس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں، اور بادل میں جو زمین و آسمان کے درمیان حکم کا پابند ہے (ان

خداوندی کو اپنی خواہشات کے مطابق تبدیل کر دیتے۔ ظاہر ہے ایسے علماء جہنم کے مستحق ہیں۔ آج بھی اگر کوئی عالم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو چھپائے اور احکام شریعت میں تحریف کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، ہاں اگر وہ سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

[۱۱۶] پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان ہے کہ وہ صرف ایک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس آیت میں توحید خداوندی کے ایسے عام فہم دلائل کا ذکر ہے جن کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں یعنی زمین و آسمان کی تخلیق، لیل و نہار کی گردش، شمس و قمر کی روشنی، بارش کا پانی، زمین کی ہریالی اور کائنات میں ہر طرف بے مثال نظم و ضبط ایسے واضح دلائل ہیں جو ایک خالق حقیقی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ (توحید خداوندی کے عقلی دلائل کے لئے فقیر کی تصنیف ''اسلامی عقائد'' ملاحظہ فرمائیں۔)

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

سب میں) عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ اور کچھ لوگ اوروں کو اللہ تعالیٰ کا مد مقابل بناتے ہیں، [۱۱۷] ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے، اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں، [۱۱۸] اور کاش! یہ ظالم (اب) جان لیتے (جو یہ اس وقت جانیں گے) جب عذاب کو (قیامت کے دن) دیکھ لیں گے کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ (خیال کرو) جن کی (اس دنیا میں) پیروی کی گئی جب وہ (آخرت میں) اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے [۱۱۹] اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تمام وسائل منقطع ہو جائیں گے۔

[۱۱۷] جو نادان ان واضح دلائل پر غور نہیں کرتے اور اپنے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر بتوں اور جھوٹے سرداروں کی محبت کا دم بھرتے ہیں قیامت کے دن وہ اپنے عذاب کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے مگر اس وقت کا اقرار بے سود ہوگا۔ کاش! وہ اسی دنیا میں اپنے خالقِ حقیقی پر ایمان لے آئیں۔

[۱۱۸] والدین، اہل و عیال اور مال و جاہ سے محبت انسانی فطرت ہے۔ اسلام ان سے محبت کی ترغیب دیتا ہے لیکن مؤمن سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے تاکہ جب کبھی یہ محبتیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں رکاوٹ بنیں تو مؤمن پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب آجائے اور وہ ان محبتوں کی پرواہ کئے بغیر اطاعت ربانی میں سرگرم عمل ہو جائے، نیز انبیاء، آلِ پاک، صحابہ کرام اور صالحین سے محبت بھی مؤمن کے ایمان کا حصہ ہے اور یہ محبتیں مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو اور زیادہ راسخ کرتی ہیں۔

[۱۱۹] قیامت کے دن بت اور مشرکین کے جھوٹے سردار اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے۔ اس وقت جھوٹے خداؤں کے پیروکار کہیں گے: کاش! ہمیں ایک بار پھر واپس دنیا میں جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزاری کا اعلان کر دیتے مگر قیامت سے پہلے تو یہ ساری دنیا ہی ختم ہو جائے گی، پھر وہ واپس کہاں جائیں گے، لہٰذا وہ ظالم اپنے دنیاوی اعمال پر

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاهُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

۱۶۷۔ اور پیروی کرنے والے کہیں گے: کاش! ہمیں (دنیا میں) لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزاری کا اعلان کر دیتے جیسے وہ (آج) ہم سے بیزار ہو گئے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا جو ان کے لئے باعث حسرت ہوں گے، اور وہ (کسی صورت میں) آگ (کے عذاب) سے نہ نکل سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸۔ اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال اور پاکیزہ ہیں [۱۲۰] اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹۔ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے۔ [۱۲۱]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، [۱۲۲] اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

پچھتائیں گے اور ہمیشہ آگ میں جلتے رہیں گے۔

[۱۲۰] حلال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو شریعت نے حرام نہ قرار دیا ہو اور طیب سے مراد وہ عمدہ چیزیں ہیں جو گلی سڑی اور گندی نہ ہوں۔ حلال چیزیں کھانے سے انسان کی روحانیت مضبوط ہوتی ہے اور طیب چیزیں کھانے سے انسان کی جسمانی صحت پر برے اثرات نہیں پڑتے۔

[۱۲۱] شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، لہٰذا ہر انسان کو شیطان کی پیروی سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ انسان کو برائی اور بے حیائی کی دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

[۱۲۲] اگر باپ دادا ہدایت یافتہ ہوں تو ان کی پیروی انبیاء کرام اور صالحین کی سنت ہے اور انسان کو جنت میں لے جاتی ہے،

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

۱۷۱۔ اور کفار کی مثال ان (جانوروں) کی طرح ہے جن کو کوئی (چرواہا) پکارے تو وہ خالی پکار اور آواز کے سوا اور کچھ نہیں سنتے، [۱۲۳] یہ (کفار) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر (جس کا کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار، (بہا ہوا) خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو [۱۲۴] لیکن جو شخص مجبور ہو جائے [۱۲۵] جبکہ وہ سرکش اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (بقدر

اور اگر باپ دادا گمراہ ہوں تو ان کی پیروی شیطان کا دھوکہ ہے اور انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔

[۱۲۳] کفار کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو اپنے چرواہوں کے پیچھے چلتے ہیں اور بغیر سمجھے ان کی آواز پر حرکت کرتے ہیں اور جب ان (کفار) کو حق کی طرف بلایا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا جانوروں کو پکارا جا رہا ہے جو فقط آواز سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ بس کفار کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے جیسے وہ بہرے ہیں سچی بات سننے کا حوصلہ نہیں رکھتے، وہ گونگے ہیں حق بات کہنے کی جرأت نہیں کرتے، اندھے ہیں حق کو دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتے اور بے عقل ہیں حق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

[۱۲۴] اس آیت میں چار چیزوں کا ذکر ہے جو حرام ہیں: (۱) مردار، وہ مرا ہوا جانور جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو (۲) بہا ہوا خون (۳) خنزیر (۴) اور وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے بجائے غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا اس کے ذبح کرنے سے غیر اللہ کی عبادت مقصود ہو تو ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے اور غیر اللہ کی عبادت بھی مقصود نہ ہو تو ایسے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے اگرچہ صدقہ، عقیقہ، ولیمہ، قربانی یا ایصال ثواب کے لئے اسے کسی بھی نام سے پکارا جائے۔

[۱۲۵] اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور بھوک کی وجہ سے اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو وہ ان حرام چیزوں سے بقدر

ضرورت کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں ، بے شک اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًاۙ اُولٰٓىٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کے بدلے میں حقیر سا معاوضہ لیتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں [۱۲۶] اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا اور مغفرت کے بدلے عذاب کو، (تعجب ہے) کس چیز نے انہیں آگ (کے عذاب) پر اتنا صابر بنا دیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

۱۷۶۔ یہ سزا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ، اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ دور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں۔

ضرورت کھا سکتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی بحال رکھ سکے، اور اس کی مجبوری کے باعث اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔

[۱۲۶] اس آیت کا نزول اگرچہ یہود کے متعلق ہے لیکن آج بھی اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو چھپائے اور اس کے بدلے میں دنیاوی منفعت حاصل کرے تو اس کی سزا بھی یہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم اور دردناک عذاب کی مستحق ہوگی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر احکام خداوندی میں اختلاف کیا اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ حیرت ہے کہ کس چیز نے اسے جنت کو چھوڑ کر آگ کے عذاب پر صابر بنا دیا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ نیکی صرف یہی نہیں کہ تم (نماز میں) اپنے رُخ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرلو [۱۲۷] بلکہ اصل نیکی تو اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ، روزِ قیامت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا پسندیدہ مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور پورا کرنے والے اپنے وعدوں کو جب وہ وعدہ کرتے ہیں اور تکلیف، سختی اور جہاد میں صبر کرنے والے، یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی لوگ متقی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ

۱۷۸۔ اے ایمان والو! تم پر مقتولین کا قصاص (بدلہ) لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت، [۱۲۸] ہاں جس قاتل کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث)

---

[۱۲۷] اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے ایک سمت مقرر فرمائی جس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جائے تاکہ اس میں مرکزیت اور اجتماعیت قائم رہے، مگر نیکی صرف یہی نہیں کہ انسان نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلے، ٹھیک ہے یہ بھی ایک نیکی ہے لیکن اصل نیکی تو اللہ تعالیٰ کے سارے احکام کی پیروی ہے یعنی اس آیت میں جن عقائد و معاملات اور اخلاق و عبادات کا ذکر کیا گیا ہے ان سب کی پابندی سے ہی انسان اصل نیکی کا مستحق قرار پاتا ہے۔

[۱۲۸] اسلام سے پہلے عرب میں اگر کوئی شخص قتل کردیا جاتا تو اس کے وارث قاتل کے کئی اور بے گناہ آدمی بھی قتل کردیتے، اسی طرح کسی آزاد آدمی کو غلام قتل کردیتا تو غلام کے بدلے غیر قاتل آزاد آدمی کا سر قلم کردیا جاتا جو کہ سراسر ظلم تھا، چنانچہ قرآن کریم نے اس ظالمانہ رسم کو ختم کرکے حکم دیا کہ قاتل ہی قصاص میں قتل کیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، لیکن اسلام میں قصاص لینے اور دیگر حدود قائم کرنے کا حق صرف حکومت وقت کو حاصل ہے۔ کوئی انسان قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے [۱۲۹] تو مقتول کا وارث دستور کے مطابق خون بہا طلب کرے اور قاتل نیکی کے ساتھ اس کو ادا کر دے، [۱۳۰] یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے [۱۳۱] اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ اور اے عقل مند لوگو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے [۱۳۲] تاکہ تم (قتل کرنے سے) پرہیز کرو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ

۱۸۰۔ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آجائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے

---

[۱۲۹] قاتل نے قتل کر کے پیار و محبت کے سارے رشتے توڑ دیئے۔ مقتول کے وارث اب اسے زندہ دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے اور ان کا غصہ بھی بے جا نہیں لیکن قرآن کریم نے بھائی کا لفظ بول کر غضب ناک وارثوں کو یاد دلایا ہے کہ قاتل واقعی مجرم ہے مگر ہے تو وہ تمہارا اسلامی بھائی، لہٰذا اگر تم کچھ معاوضہ لے کر یا معاوضہ لئے بغیر اپنے خطا کار بھائی کو معاف کر دو تو وہ تمہارا احسان مند ہوگا اور پھر سے دونوں خاندانوں میں امن و سکون لوٹ آئے گا۔

[۱۳۰] مقتول کے وارث اگر قصاص (قتل کے بدلے قتل) معاف کر کے دیت (قتل کا معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں تو انہیں احسن طریقہ سے دیت طلب کرنی چاہئے اور قاتل کو بھی ان کے احسان کی قدر کرتے ہوئے طے شدہ معاوضہ جتنا جلد ہو سکے خوشی کے ساتھ ادا کر دینا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رعایت اور خصوصی رحمت ہے۔

[۱۳۱] فریقین کی باہمی صلح کے بعد جس نے زیادتی کی یعنی مقتول کے وارث نے معاف کرنے یا دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو قتل کر دیا تو دنیا میں وہ قتل کا مستحق ٹھہرے گا اور آخرت میں اسے دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا۔

[۱۳۲] قصاص میں پورے معاشرہ کی زندگی ہے، اگر ایک قاتل کو اس کے جرم کے بدلے میں قتل کر دیا جائے تو دوسرے مجرم اپنا برا انجام دیکھ کر باز آجائیں گے اور اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی، نیز جن ممالک نے قتل کی سزا منسوخ کر دی ہے وہاں قتل و غارت کی رفتار ترقی پذیر ہے کیونکہ وہ ایک قاتل (مستحق قتل) کی جان بچا کر بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں۔

الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

ساتھ وصیت کرے، [۱۳۳] ایسا کرنا پرہیزگاروں کے لئے ضروری ہے۔

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ پھر جو اس وصیت کو سن لینے کے بعد تبدیل کر دے تو اس کا گناہ صرف تبدیل کرنے والوں پر ہوگا، [۱۳۴] بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ پھر جس کو وصیت کرنے والے سے کسی طرفداری یا گناہ کا اندیشہ ہو، پس وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، [۱۳۵] بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

۱۸۳۔ اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے [۱۳۶] جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا

---

[۱۳۳] عرب میں دستور یہ تھا کہ مرنے والا جس کے لئے چاہتا، جتنا چاہتا وصیت کر دیتا۔ اس میں اپنے بیگانے اور امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں تھی اور اگر اسے وصیت کا موقع نہ ملتا تو اکثر اس کے بیٹے ہی وارث بن جاتے۔ ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار اس کی وراثت سے بالکل محروم رہتے اور بعض دفعہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے۔ اس پر قرآن مجید نے مرنے والے مسلمانوں پر فرض قرار دیا کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کا انتظام کریں، لیکن جب سورۃ النساء میں میراث کے احکام نازل ہوئے اور ہر ایک کا حصہ اللہ تعالیٰ نے متعین فرما دیا تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، لہٰذا اب وصیت کرنا فرض نہیں، البتہ وراثت کے تیسرے حصہ سے رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے یا ان لوگوں کے لئے وصیت کی اجازت ہے جن کا وراثت میں حصہ نہیں ہے۔ (تفصیلات کے لئے سورۃ النساء کی آیات سات تا بارہ ملاحظہ کریں)۔

[۱۳۴] اگر مرنے والے نے دستور کے مطابق وصیت کی تھی اور بعد میں کسی نے اس کو تبدیل کر دیا تو اس کا گناہ صرف وصیت تبدیل کرنے والے کو ہوگا کسی اور سے باز پرس نہیں ہوگی۔

[۱۳۵] اگر کسی کو وصیت کرنے والے سے خطا یا زیادتی کا اندیشہ ہو تو وہ وصیت کرنے والے کو عدل و انصاف کی تلقین کرے لیکن اس کے باوجود اگر وہ غلط وصیت کرے تو جو شخص اس وصیت کو شریعت کے موافق تبدیل کر دے اور وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے ہیں۔

[۱۳۶] روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے۔ شریعت میں روزے کی تعریف یہ ہے کہ انسان عبادت کی نیت سے صبح

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔[۱۳۷]

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴۔ یہ (روزے) گنتی کے چند دن ہیں، لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو [۱۳۸] تو وہ اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے، اور جن لوگوں کے لئے روزہ رکھنا مشکل ہو تو (ان کے ایک روزے کا) فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، [۱۳۹] اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو یہ اس کے لئے زیادہ بہتر ہے، اور تمہارے حق میں بہتر کام یہی ہے کہ تم روزہ رکھو اگر تم جانتے ہو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

۱۸۵۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور (اس میں) ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی نشانیاں

صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل زوجیت سے اجتناب کرے۔ پہلی امتوں پر بھی روزے فرض تھے لیکن ان کی تعداد اور کیفیت مختلف تھی۔

[۱۳۷] روزے کی حالت میں حلال چیزیں نہ کھانے سے انسان کے اندر ضبطِ نفس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ حرام چیزوں سے بچنے کا حوصلہ ملتا ہے اور بالآخر انسان تقویٰ کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے، نیز بھوک اور پیاس کا تجربہ انسان کے دل میں غریبوں سے ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

[۱۳۸] صرف ماہِ رمضان کے روزے فرض ہیں لیکن اگر کوئی شخص بیمار ہے یا مسافر (ستانوے (۹۷) کلومیٹر سے زائد سفر پر) ہے تو اس کو افطاری کی اجازت ہے اور اتنے روزے رمضان کے علاوہ قضا کر لے اور اگر مرض یا سفر میں روزہ رکھنا مشکل نہ ہو تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔

[۱۳۹] جن لوگوں کے لئے روزہ رکھنا دشوار ہو جیسے بوڑھا، دائمی مریض وغیرہ تو ان کے لئے اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلا دیں اور اگر کوئی ہر روزے کے بدلے ایک کے بجائے زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو یہ اس کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔

فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ہیں، [۱۴۰] پس تم سے جو کوئی اس ماہ (رمضان) کو پائے تو وہ ضرور اس کے روزے رکھے، اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا اور تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو، اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶۔ اور (اے رسول مکرم ﷺ!) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو (انہیں بتا دو کہ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں، [۱۴۱] دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، [۱۴۲] پس لوگوں کو چاہیے کہ وہ

[۱۴۰] قرآن کریم لوگوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور اس نے حق و باطل کے راستے بالکل واضح کر دیے ہیں۔ اس عظیم نعمت (قرآن کریم) کے نزول کا آغاز ماہِ رمضان میں ہوا، اور اس کی برکت سے ماہِ رمضان کا رتبہ بھی بلند ہوگیا، لہٰذا جو انسان اپنی زندگی میں ماہِ رمضان پائے تو وہ پورا مہینہ روزے رکھے اور اس طرح نزول قرآن پر اپنے محسن حقیقی کا شکر ادا کرے اور روزے کی برکتوں سے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرے۔

[۱۴۱] بعض صحابہ کرام ؓ نے حضورِ اکرم ﷺ سے پوچھا کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پیارے حبیب مکرم ﷺ! ان کو فرمایئے: ''میں بالکل قریب ہوں۔'' کتنا روح پرور جملہ ہے، جس دکھ درد کے مارے اور مصائب میں گھرے ہوئے انسان کو علم ہوجائے کہ اس کا رب اس کے بالکل قریب ہے بلکہ اس کے دل میں پنہاں خیالات کو جانتا ہے، زبان پر آنے والے الفاظ کو سنتا ہے، جسم پر آنے والے حوادث کو دیکھتا ہے، وہ مہربان ہے اور مشکلات کو آسان کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے تو اس پریشان حال انسان کے دماغ سے مایوسی کے بادل چھٹ جاتے ہیں، امیدوں کا ابر کرم برسنے لگتا ہے اور مصائب کے ہجوم میں بھی صراطِ مستقیم پر بڑھتا چلا جاتا ہے۔

[۱۴۲] کئی دفعہ انسان دعا کرتا ہے لیکن قبولیت کے آثار دکھائی نہیں دیتے، اس کی ایک وجہ تو حضورِ اکرم ﷺ نے واضح

میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠

۱۸۷۔ تمہارے لئے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو، [۱۴۳] اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، پس اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا، [۱۴۴] سو اب تم ان سے مباشرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید

فرمادی ہے کہ ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے مگر اس کا کھانا اور لباس سب حرام کی کمائی سے ہے، اس کے پیٹ میں جو غذا ہے وہ بھی حرام ہے تو ایسے حرام خور کی دعا قبول ہونے کے لائق نہیں۔

(مسلم: ۲۳۴۶: کتاب الزکوٰۃ: باب ۱۹)

نیز مقبول دعا کے ظہور کی بھی مختلف صورتیں ہیں: مثلاً یا تو وہی چیز ملتی ہے جس کی دعا کی یا دنیا میں اس سے بہتر چیز ملتی ہے یا اس دعا کے بدلے میں کوئی بڑی مصیبت اس سے ہٹا دی جاتی ہے یا آخرت میں اس قدر ثواب اس کے لئے محفوظ کر دیا جاتا ہے (اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر کتنا مہربان ہے ذرا اندازہ لگائیں)، بعض دفعہ بندہ ایسی چیز کی دعا کرتا ہے جو انجام کار اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی مانگی ہوئی چیز اسے عطا نہیں فرماتا بلکہ اس کے بدلے میں کسی آنے والی مصیبت کو ٹال دیتا ہے یا اس کا ثواب آخرت کے لئے محفوظ کر لیتا ہے اور اس اجر و ثواب کی کثرت کو دیکھ کر بندہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کوئی بھی دعا پوری نہ ہوئی ہوتی اور آخرت میں اس کے اجر عظیم سے لطف اندوز ہوتا۔

(مستدرک للحاکم: ۱۸۱۹: جلد اول: ص ۶۷۱)

[۱۴۳] قرآن کریم نے میاں بیوی کے باہمی تعلقات کو لباس سے تعبیر کیا ہے۔ لباس انسان کے جسمانی عیب کو جانتا ہے لیکن لوگوں کی نگاہوں سے چھپاتا ہے، لباس انسان کے حسن و جمال کو نکھارتا ہے، لباس انسان کو سردی گرمی کے اثرات سے بچاتا ہے اور چین و آرام پہنچاتا ہے اور جو میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے لباس کے تقاضے پورے کریں یعنی خامیوں کی پردہ پوشی کریں، خوبیوں کی داد دیں، پاکیزگی کی حفاظت کریں اور مشکلات سے بچائیں ان کا گھر اسی دنیا میں جنت نظیر بن جاتا ہے اور اسلام ہر گھر کو اسی طرح مثالی گھر دیکھنا چاہتا ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

دھاگہ (رات کے) سیاہ دھاگہ سے ممتاز ہو جائے، [۱۴۵] پھر رات تک روزے کو پورا کرو، اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو اپنی بیویوں سے (کسی وقت بھی) مباشرت نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان (کو توڑنے) کے قریب نہ جانا، [۱۴۶] اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

۱۸۸۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک رسائی حاصل نہ کرو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم ناجائز طور پر کھا سکو [۱۴۷] حالانکہ تم جانتے ہو۔

---

[۱۴۴] ابتدا میں حکم یہ تھا کہ رمضان کی راتوں میں بھی عورتوں کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی لیکن بعض صحابہ کرام ؓ سے اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کی خطا سرزد ہو گئی، وہ اس پر نادم ہو کر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال بیان کر دی، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش معاف کر دی ہے اور آئندہ کے لئے رمضان کی راتوں میں صبح صادق تک مباشرت کی اجازت دے دی تاکہ تم اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہو سکو اور وہ اولاد جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دی ہے اس کو طلب کر سکو۔

[۱۴۵] اس میں روزے کی ابتدا اور انتہا کا وقت بتایا جا رہا ہے۔ صبح صادق سے روزے کی ابتدا ہوتی ہے یعنی جب رات کی تاریکی میں صبح کی سفیدی ظاہر ہو جائے اور روزے کی انتہا رات کے آنے تک ہے یعنی جب سورج غروب ہو جائے، لہٰذا صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزے کا وقت ہے۔ اس کے علاوہ انسان کے لئے کھانے، پینے اور عمل زوجیت کی اجازت ہے، لیکن جو انسان اعتکاف میں بیٹھ جائے اسے رات کو بھی عمل زوجیت کی اجازت نہیں ہے، البتہ کھانے پینے پر کوئی پابندی نہیں۔

[۱۴۶] روزہ اور اعتکاف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حدود اور قاعدے مقرر فرما دیئے ہیں ان سے تجاوز نہ کیا جائے کیونکہ ان کی پابندی سے ہی انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو کہ روزے اور نزول قرآن کا اصل مقصد ہے۔

[۱۴۷] دوسرے لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنا ہر صورت میں حرام ہے چاہے براہ راست کسی کا حق غصب کیا جائے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹۔ لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمائیے: یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، [۱۴۸] اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے داخل ہو [۱۴۹] لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، [۱۵۰] کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

یا حاکم کو رشوت دے کر کسی کی حق تلفی کی جائے۔

[۱۴۸] چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ یہ ایک عوامی اور عالمگیر کیلنڈر ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے اوقات اور تاریخوں کا تعین کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر حج کے مہینوں کا علم تو تمام اہل عرب کے لئے بہت اہم تھا کیونکہ ان مہینوں میں وہ لڑائیاں بند کر دیتے، کسی پر زیادتی نہ کرتے، تجارتی قافلے محفوظ ہو جاتے اور امن کی وجہ سے کاروبار فروغ پاتے۔

[۱۴۹] اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب حج کے لئے احرام باندھ لیتے اور اگر کسی کام کی غرض سے گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پیچھے سے دیوار پھلانگ کر یا اس میں سوراخ کر کے داخل ہوا کرتے اور اس کو بہت بڑی نیکی سمجھتے۔ قرآن کریم نے ان کی اس لایعنی حرکت کی تردید کر دی کہ ایسی فضول رسموں کا نیکی سے کوئی تعلق نہیں۔ اصل نیکی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے، لہٰذا اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

[۱۵۰] کفارِ مکہ تیرہ سال تک مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے لیکن مسلمان صبر کے پہاڑ بن کر برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تو وہاں بھی کفار کے مظالم میں کمی نہ آئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت فرمائی تا کہ وہ کفار کے مظالم کا جواب طاقت سے دے سکیں۔

اگر کفر و اسلام کی پہلی تین جنگوں کے محل وقوع پر غور کیا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کفار اور ان کے حلیف مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ان کے گھر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں نے مدافعت کے لئے مجبوراً تلوار اٹھائی، مثلاً جنگِ بدر مدینہ سے

نوے میل کے فاصلہ پر، جنگِ احد چند میل کے فاصلہ پر اور جنگِ احزاب مدینہ کے دروازے پر لڑی گئی۔ کفار کے ان جارحانہ عزائم کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت عطا فرمائی مگر وہ بھی کتنے حسین انداز میں:

۱۔ جہاد کی اجازت ہے مگر صرف حق کی سربلندی کے لئے۔ لوٹ مار، نسلی تعصب، ہوسِ ملک گیری وغیرہ اسلام کے نظریۂ جہاد سے فروتر ہیں۔

۲۔ جہاد کی اجازت ہے مگر صرف ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ جنگ کریں یا جنگ کرنے کی تیاری میں مصروف ہوں۔

۳۔ جہاد کی اجازت ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ کسی پر زیادتی نہ کی جائے یعنی عورت، مریض، بچے، بوڑھے، مذہبی رہنما حتیٰ کہ جانور اور پھلدار درختوں کو بھی بلا ضرورت نقصان نہ پہنچایا جائے۔

اسلام پر دہشت گردی اور طاقت کا الزام لگانے والے اس آیت میں دوبارہ غور کریں۔ اس صفحۂ ہستی پر اسلام پہلا مذہب ہے جو دشمن کے ساتھ تبادلۂ طاقت کے وقت بھی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے تاکہ کسی غیر مجرم کو قتل نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام کے دور میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں دونوں اطراف سے قتل ہونے والوں کی کل تعداد صرف ایک ہزار چودہ (۱۰۱۴) تھی جن میں دو سو پچپن (۲۵۵) مسلمان اور سات سو اُنسٹھ (۷۵۹) کافر تھے

(شریعت: اسلامی قانون از عبدالرحمن دوئی: ص ۴۴۴)

The battles of the Prophet in the 10 years of military activities in the Madinan period, the total loss of life incurred was 255 Muslims only as against 759 enemies of Islam.

(Shari'ah the Islamic law by Abdul Rahman Doi page 444).

لیکن دوسری طرف آج کی ترقی یافتہ اقوام کا کارنامہ ملاحظہ کریں، پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) اور دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں یعنی صرف دس سالوں میں پینسٹھ ملین (65,000,000) لوگوں کو ختم کیا گیا۔

(انسائیکلوپیڈیا ہچن سن)

An estimated 10 millions lives were lost in world war 1 (1914 to 1918) and an estimated 55 millions lives were lost in world war 2 (1939 to 1945).

(The Hutchinson Encyclopedia edition 1999).

جبکہ زخمی اور بے گھر ہونے والوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ دہشت گرد اسلام ہے

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱۔ اور ان (کافروں] کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ [۱۵۱] اور ان کو نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اور مسجد حرام کے پاس ان سے جنگ نہ کرو یہاں تک کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سو اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے جنگ کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳۔ اور ان سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی جائز نہیں۔

جو کسی نہتے پر تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا یا ہوسِ ملک گیری کے وہ بے رحم حکمران ہیں جو معصوم بچوں، لاچار بوڑھوں، اور آباد بستیوں کو بموں سے اڑا دیتے ہیں...؟

نیز آج اسلام امریکہ اور یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ترقی پذیر ہے۔ یہاں کے اصل باشندے بھی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام طاقت اور دولت کے زور سے پھیلا تھا تو آج طاقت اور دولت تو امریکہ اور یورپ کے پاس ہے۔ مسلمان تو یہاں ایک مزدور اور محکوم کی حیثیت سے آئے ہیں تو پھر یہاں کے اصل باشندوں کو اسلام کی طرف کس چیز نے مائل کیا۔ ظاہر ہے یہ طاقت اور دولت نہیں بلکہ اسلام کی وہ فطری اور سنہری تعلیمات ہیں جو عقل سلیم کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔

[۱۵۱] اور جب کفار مکہ جنگ چھیڑ دیں تو جہاں کہیں انہیں پاؤ قتل کر دو اور جیسے انہوں نے تمہیں مکہ مکرمہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تم بھی انہیں وہاں سے نکال دو کیونکہ مکہ مکرمہ جیسے مقدس شہر میں انہوں نے کفر و شرک اور فتنہ و فساد کا ایسا بازار گرم کر رکھا ہے جو قتل سے بھی زیادہ برا ہے، البتہ مسجد حرام کے احترام کا خیال رکھنا، اس کے قریب کفار پر تلوار نہ اٹھانا لیکن اگر وہ وہاں بھی قتال شروع کر دیں تو تم بھی اپنے دفاع کے لئے تلوار اٹھا لو اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھو جب تک فتنہ و فساد ختم نہ ہو

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹۴

۱۹۴۔ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور ساری حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہونا چاہیے، [۱۵۲] سو جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرلو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ڔ وَاَحْسِنُوْا ڔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۹۵

۱۹۵۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو [۱۵۳] اور اچھے کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ

۱۹۶۔ اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے پورا کرو، [۱۵۴] پھر اگر تم روک لئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیج دو) اور اپنے

جائے۔ اور اگر یہ کافر اتنے گناہ کے بعد بھی جنگ سے باز آجائیں اور کفر سے توبہ کرلیں تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دروازہ کھلا ہے۔

[۱۵۲] قبائل عرب اکثر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے مگر محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے مہینے زیارتِ کعبہ کے لئے مخصوص تھے۔ اس لئے ان چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں جنگ وجدال اور لوٹ مار نہ کرتے تاکہ زائرین کعبہ امن وامان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکیں لیکن ذوالقعدہ چھ ہجری میں جب مسلمان زیارت کعبہ کے لئے گئے تو اہل مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو روک دیا اور آئندہ سال آنے کی اجازت دی، چنانچہ ذوالقعدہ سات ہجری میں جب مسلمان دوبارہ زیارتِ کعبہ کے لئے گئے تو کفار نے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ حرمت والے مہینے سب کے لئے برابر ہیں، اگر کفار ان کا احترام کریں تو تم بھی کرو اور اگر وہ ان کا پاس نہ کریں اور تمہارے ساتھ جنگ شروع کردیں تو تم بھی مدافعت کے لئے تیار ہو جاؤ۔

[۱۵۳] اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دولت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور بخل کرکے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، نیز اس کام سے بچو جو انسان کو تباہی کی طرف لے جائے۔

[۱۵۴] حج اور عمرہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا چاہیے اور جب احرام باندھ لیا جائے تو پھر اس کا پورا کرنا ضروری ہے

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے، [۱۵۵] پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو (جس کی وجہ سے وہ سر منڈالے) تو وہ فدیہ کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، [۱۵۶] پھر جب تمہیں امن نصیب ہو جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ملائے تو جو اسے میسر ہو قربانی کرے، [۱۵۷] اور جو قربانی نہ کر سکے وہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات روزے جب تم گھر لوٹ آؤ، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ رعایت اس کے لئے ہے جس کے اہل و

چاہے نفلی حج وعمرہ ہو۔

[۱۵۵] جو مسلمان حج وعمرہ کا احرام باندھ لے اور راستہ میں بیمار ہو جائے یا دشمن راستہ روک لے اور ایام حج میں اسے مکہ مکرمہ جانا مشکل نظر آئے تو وہ قربانی کا جانور یا اس کی قیمت کسی کے ہاتھ حرم شریف روانہ کر دے اور لے جانے والے کے ساتھ ایک تاریخ مقرر کر لے۔ جس دن وہ حرم شریف میں قربانی ذبح کرے گا، اس دن وہ سر منڈا کر یا بال کٹا کر احرام کھول دے اور یہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے کہ قربانی کے جانور کو ذبح کے لئے حرم شریف بھجوایا جائے، البتہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل) کا مسلک یہ ہے کہ وہیں راستہ میں ہی قربانی ذبح کر کے احرام کھول دے۔

[۱۵۶] مناسک حج ادا کرنے کے بعد سر منڈایا جاتا ہے لیکن اگر بیماری یا سر درد کی وجہ سے کسی کو پہلے سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے تو سر منڈالے اور فدیہ کے طور پر تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا بکری ذبح کر دے، ان تین چیزوں میں سے جو آسان ہو اختیار کرے۔

[۱۵۷] حج کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اِفراد : یعنی صرف حج کیا، اس میں قربانی واجب نہیں اور اہل مکہ یہی حج کرتے ہیں، انہیں حج تمتع یا قران کی اجازت نہیں۔
۲۔ تمتع : پہلے عمرہ ادا کیا اور احرام کھول دیا، پھر آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر حج کیا۔
۳۔ قِران : حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا، پہلے عمرہ ادا کیا لیکن احرام بدستور رہا یہاں تک کہ حج کیا۔

عیال مسجد حرام کے قریب رہنے والے نہ ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

۱۹۷۔ حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، [۱۵۸] جو شخص ان میں حج کی نیت کر لے تو وہ حج کے دوران بے حیائی، گناہ اور جھگڑا نہ کرے، [۱۵۹] اور جو تم نیک کام کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، اور زادِ راہ تیار کرو [۱۶۰] اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیزگاری ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ

۱۹۸۔ اگر (حج کے ساتھ ساتھ) تم اپنے رب کا فضل (رزق) بھی تلاش کرو تو اس میں کوئی حرج

قرآنِ کریم کی اس آیت میں حج کی آخری دونوں صورتوں کی طرف اشارہ ہے جن میں حج کے ساتھ عمرہ کا نفع بھی شامل ہے اور یہ رعایت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مکہ میں رہنے والے نہیں بلکہ دور دراز کی مسافتیں طے کر کے آتے ہیں۔ آخری دونوں صورتوں میں قربانی واجب ہے اور یہ اس لئے ہے تاکہ وہ حج کے ساتھ عمرہ کے نفع اٹھانے کا شکریہ ادا کرے، اور اگر کوئی شخص قربانی نہ دے سکے تو وہ ایام حج میں دسویں ذوالحجہ سے پہلے تین روزے رکھے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے، خواہ مکہ مکرمہ میں رکھے یا واپس اپنے شہر جا کر رکھے۔ اس طرح دس روزے رکھنے سے اس کی طرف سے قربانی کا بدلہ ادا ہو جائے گا۔

[۱۵۸] حج کے مہینوں سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔

[۱۵۹] بے حیائی، گناہ اور جھگڑا کرنا ہر وقت اور ہر جگہ ممنوع ہے لیکن احرام کی حالت میں ان کا گناہ بہت سخت ہے اور جو خوش نصیب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کرے اور حج کے دوران بے حیائی اور گناہ سے بچا رہے تو وہ حج کے بعد گناہوں سے یوں پاک ہوگا جیسے وہ اپنی ولادت کے وقت گناہوں سے پاک تھا۔ (بخاری: ۱۵۲۱: کتاب الحج: باب ۴)

[۱۶۰] زمانہ جاہلیت میں یمن کے لوگ حج کے لئے نکلتے تو زادِ راہ ساتھ نہ لاتے اور اس کو بہت بڑی نیکی اور توکل کی علامت تصور کرتے لیکن جب مکہ پہنچتے تو بھیک مانگنا شروع کر دیتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ زادِ راہ لے کر چلا کرو، دوسروں پر بوجھ بننا کوئی نیکی نہیں، نیز اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ جیسے دنیوی سفر کے لئے انتظام خورد و نوش ضروری ہے اسی طرح سفرِ آخرت کے لئے بہترین توشہ تقویٰ ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

نہیں، [۱۶۱] پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو [۱۶۲] اور اس طرح اس کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے، اگرچہ اس سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹۔ پھر تم بھی وہیں سے واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آتے ہیں [۱۶۳] اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا

۲۰۰۔ پھر جب تم حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرو، [۱۶۴] اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب!

---

[۱۶۱] حج کے دنوں میں تجارت یا مزدوری کر کے روزی کمانا جائز ہے، اس سے حج کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی یعنی انسان حج کے لئے جائے اور ضمناً تجارت یا مزدوری بھی کر لے تو کوئی حرج نہیں لیکن صرف تجارت کی غرض سے حج کرنا کسی پرہیزگار مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

[۱۶۲] ذوالحجہ کی نویں (۹) تاریخ کو میدانِ عرفات میں ٹھہرنا حج کا اہم ترین رکن ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد وہاں سے مشعر حرام یعنی مزدلفہ میں واپس آنے کا حکم ہے۔ وہاں آ کر مغرب وعشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھیں اور اپنے رب کا شکر ادا کریں جس نے گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن فرمایا۔

[۱۶۳] حج کا معروف طریقہ یہ تھا کہ نویں (۹) ذوالحجہ کو منٰی سے عرفات جاتے تھے اور رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے مگر قریش دوسرے لوگوں کے ساتھ عرفات نہ جاتے بلکہ مزدلفہ میں ہی ٹھہرے رہتے اور وہیں سے واپس آجاتے اور اس میں اپنے خاندان کا امتیاز اور بڑائی سمجھتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قریش کو حکم دیا کہ تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ عرفات جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب برابر ہیں۔

[۱۶۴] زمانہ جاہلیت میں اہل عرب حج سے فارغ ہو کر اپنے باپ دادا کے کارنامے اور بڑائی بیان کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ

لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

ہمیں دنیا میں ہی (سب کچھ) دیدے، [۱۶۵] اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

۲۰۱۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما [۱۶۶] اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

۲۰۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد تم اپنے باپ دادا کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اور جتنا اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

[۱۶۵] مشرکین نہ تو آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی آخرت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اس لئے آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں اور ان کے اچھے کاموں کا بدلہ بھی انہیں اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔

[۱۶۶] یہ ایک مختصر اور جامع دعا ہے جو دونوں جہان کی اچھائی، بھلائی، نیکی، خوبی، عزت اور بہتری کو شامل ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کون سی دعا مانگا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا اکثر مانگا کرتے تھے وہ یہ ہے: (اللهم آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار) اے اللہ! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (ابوداؤد: ۱۵۱۹: کتاب الصلاۃ: باب ۳۶۱)
حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور اسے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کی ہے؟ تو مریض عرض کرنے لگا: جی ہاں، میں یہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ! جو عذاب تو مجھے آخرت میں دینے والا ہے وہ دنیا میں ہی دے دے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تو اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، لہٰذا تو یہ کیوں نہیں کہتا: اللهم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی۔

(امام بخاری: الادب المفرد: ص ۲۱۴، مسلم: ۶۸۳۵: کتاب الذکر: باب ۷، کنز العمال: ۳۹۰۴: جلد ۲: ۶۱۹)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۰۳

۲۰۳۔ اور ان گنتی کے چند ایام میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو، [۱۶۷] اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر کوئی سزا نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴

۲۰۴۔ اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جس کی گفتگو دنیاوی زندگی کے بارے میں آپ کو اچھی لگتی ہے اور وہ اپنے دل کے خلوص پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے [۱۶۸] حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو دشمن ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵

۲۰۵۔ اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کر دے اور کھیتوں اور نسلِ انسانی کو تباہ کر دے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

---

[۱۶۷] دسویں ذوالحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنے کے بعد حاجی احرام سے فارغ ہو جاتا ہے اور تیرہ ذوالحجہ تک منیٰ میں جمار کو پتھر مارے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی صرف دو دن کے بعد یعنی بارہویں ذوالحجہ کو مکہ واپس آجائے تو بھی درست ہے اور اگر ایک دن مزید تقویٰ اختیار کرتے ہوئے ٹھہر جائے اور تیرہویں کو مکہ واپس آئے تو بھی جائز ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک افضل یہی ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی جمار کر کے واپس مکہ آئے۔ بہرحال جتنے دن منیٰ میں قیام کرے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کثرت کرے اور آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کرے۔

[۱۶۸] ان تین آیات میں منافقین کے احوال کا بیان ہے کہ جب سامنے آتے ہیں تو بڑی میٹھی باتیں کرتے ہیں، اپنے اسلام اور خلوص کو ثابت کرنے کے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ جب اسے کچھ اختیار ملے یا واپس منافقین کے پاس جائے تو فتنہ و فساد پھیلانے اور قتل و غارت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اسے فتنہ و فساد سے روکا جائے تو اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے ناجائز حربوں پر اُتر آتا ہے اور ایسے لوگوں کی سزا جہنم ہے جو کہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اس کے برعکس جو اسلام میں مخلص ہیں اور رضائے الٰہی کی طلب میں اپنا تن من دھن قربان

وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

۲۰۶۔ اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو غرور اسے گناہ پر اُکساتا ہے، پس اس کے لئے جہنم کافی ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

۲۰۷۔ اور لوگوں میں وہ بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾

۲۰۸۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ [۱۶۹] اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾

۲۰۹۔ پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت غالب حکمت والا ہے۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع

۲۱۰۔ کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں کی صورت میں آئے اور (عذاب کے) فرشتے بھی آ جائیں اور ان کا فیصلہ ہی کر دیا جائے، اور (بالآخر) سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔[۱۷۰]

کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ بہت ہی مہربان ہوگا۔

[۱۶۹] سِلم سے مراد اسلام ہے اور اسلام مکمل نظامِ حیات ہے جو انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے، لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہو سکتی ہیں جب اس کو ماننے والا ہر فرد اس کے ہر حکم پر عمل کرے اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلے کیونکہ شیطان انسان کا ایسا کھلا دشمن ہے جو ہر گھڑی اس کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

[۱۷۰] اسلام کی حقانیت پر روشن اور واضح دلائل کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لاتے گویا وہ اس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ عذابِ الٰہی کے بادل ان پر چھا جائیں اور فرشتے ان کی ہلاکت کے حکم کے ساتھ نازل ہوں اور ان کا کام تمام کر دیں۔

سَلْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

۲۱۱۔ بنی اسرائیل سے پوچھئے: ہم نے ان کو کتنی واضح نشانیاں دی تھیں؟ اور جو قوم اللہ تعالیٰ کی نعمت مل جانے کے بعد اس کو بدل ڈالے تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔[۱۷۱]

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

۲۱۲۔ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں [۱۷۲] حالانکہ قیامت کے دن پرہیزگاروں کی شان کافروں سے بلند ہوگی، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

۲۱۳۔ (ابتدا میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے، (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوگیا) تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کردے، اور اس میں صرف ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی، انہوں نے روشن

---

[۱۷۱] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتاب عطا فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کئی روشن نشانیاں ظاہر فرمائیں لیکن جب بنی اسرائیل نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور احکام خداوندی کو اپنی خواہش کے مطابق بدل دیا تو ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے حتیٰ کہ بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل کی تاریخ پر غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔

[۱۷۲] کفار آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، لہٰذا دنیاوی زندگی ہی ان کا سب کچھ ہے، اسی سے محبت کرتے ہیں اور اسی کو بہتر بنانے میں لگے رہتے ہیں اور اسی کے گھمنڈ میں غریب مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ قیامت کے دن ایمان والوں کا مرتبہ کفار سے بہت بلند ہوگا۔

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

دلائل آنے کے باوجود محض باہمی سرکشی کی وجہ سے یہ اختلاف کیا تھا، [۱۷۳] پس اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف میں ایمان والوں کو اپنی توفیق سے حق بات کی ہدایت بخشی، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

۲۱۴۔ کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ [۱۷۴] حالانکہ ابھی تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں (ایمان والوں) پر آئے تھے، ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ لرز اُٹھے حتیٰ کہ (اس وقت کا) رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے پکار اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

---

[۱۷۳] ابتدا میں لوگ ایک ہی دین پر تھے جس کی تبلیغ حضرت آدم علیہ السلام نے کی، پھر جب نسلِ انسانی میں اضافہ ہوا تو ان میں اختلافات پیدا ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ ان کے اختلافات کو ختم کیا جائے، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اختلافات پیدا کرنے والے لوگ بھی وہ تھے جو آسمانی کتاب کو سمجھتے تھے اور ان کے اختلاف کی وجہ بھی کوئی غلط فہمی نہ تھی بلکہ حسد اور سرکشی کے باعث سیدھا راستہ چھوڑ بیٹھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمانی کتاب سے بھی ہدایت انہی لوگوں کو مل سکتی ہے جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اپنے آپ کو حسد اور سرکشی سے دور رکھتے ہیں۔

[۱۷۴] مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اسلام لانے کے بعد یہ نہ سمجھیں کہ بس اب وہ جنتی ہو گئے ہیں اور مزید کسی عمل کی ضرورت نہیں بلکہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے امتیوں کے حالات کا جائزہ لیں، انہیں ایمان کے تحفظ کے لئے باطل کے پہاڑوں سے ٹکرانا پڑا، ان کے جسموں کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا، پھر بھی وہ ایمان پر ثابت قدم رہے، جیسا کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں چادر کو تکیہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے، ہمیں مشرکین کی طرف سے بہت تکلیف پہنچی تھی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

۲۱۵۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟[۱۷۵] آپ فرمایئے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کے مستحق تمہارے والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر ہیں، اور جو بھی نیکی تم کرتے ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

۲۱۶۔ تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے، [۱۷۶] اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناگوار ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز

اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ بھی تھے جن کی ہڈیوں سے گوشت اور پٹھے لوہے کی کنگھیوں سے اتارے گئے، لیکن یہ تکلیف بھی انہیں اپنے دین سے ہٹا نہ سکی اور سر کے درمیان آری رکھ کر دو ٹکڑے کیا جاتا تھا، یہ چیز بھی انہیں اپنے دین سے نہ پھیر سکی۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو مکمل کرے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ (بخاری: ۳۸۵۲: کتاب مناقب الانصار: باب ۲۹) اسی طرح حق کی سربلندی کے لئے تمہیں بھی مصائب اور مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔ ان آزمائشوں میں اگر تم ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا تو پھر واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد اور جنت تمہارا استقبال کرے گی۔

[۱۷۵] اس سے مراد نفلی صدقات ہیں یعنی اپنی ضرورت سے بچا ہوا حلال اور پاک مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کرو کہ سب سے پہلے والدین کی خدمت کرو اور پھر قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی سرپرستی کرو۔ اگر سارے لوگ اسلام کے اس سنہری اصول پر عمل کریں تو دنیا میں کہیں بھی کوئی غریب نظر نہ آئے۔

اس آیت کی ترتیب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے بعد پہلے اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کی جائے اور پھر قوم کے دوسرے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے، کیونکہ ایک بھائی کے دروازے پر کار کھڑی ہو اور دوسرے کے پاس سواری کے لئے سائیکل بھی نہ ہو تو آپ خود سوچیں کہ اس غریب بھائی اور اس کے بیوی بچوں پر کیا گزرتی ہوگی، لہٰذا امیر بھائی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے عزیز و اقارب تو علاج کے لئے بھی مجبور ہوں اور غیروں پر اس کی خیرات کی بارش برس رہی ہو۔

[۱۷۶] آیت نمبر ۱۹۰ کے حاشیہ نمبر ۱۵۰ میں جہاد کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر ملاحظہ کریں یعنی جب دشمن حملہ کر دے یا حملہ کرنے کی

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶ ع

اچھی لگے حالانکہ وہ تمہارے لئے بُری ہو، اور (حقیقتِ حال) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۱۷

۲۱۷۔ لوگ آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں، [۱۷۷] آپ فرمایئے: اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور حرم میں رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے، اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ حالتِ کفر ہی میں مر جائے تو یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

تیاری میں مصروف ہو تو پھر جہاد فرض ہے اگر چہ تمہیں دشوار نظر آئے۔ اس مثال سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرو چاہے وہ تمہیں ناگوار گزرے کیونکہ انجام و نتیجہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ حق کی سربلندی کے لئے ہر تکلیف کا آخرت میں تو اجر عظیم ملے گا لیکن اس دنیا میں بھی وہ قربانی رنگ لاتی ہے۔ مثال کے طور پر جہاد تمہیں دشوار نظر آتا ہے مگر ہو سکتا ہے اس کے نتیجے میں تمہیں فتح و نصرت اور عزت و سربلندی مل جائے اور جہاد کے بجائے گھر میں بیٹھ رہنا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے مگر ہو سکتا ہے اس کے نتیجہ میں دشمن تم پر غالب آ جائے اور تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

[۱۷۷] اہل عرب چار مہینوں (محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ) کا احترام کرتے اور ان میں جنگ و جدال نہ کرتے تاکہ زائرین کعبہ امن و امان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔ اسلام نے بھی ان مہینوں کی حرمت کو برقرار رکھا۔ یکم رجب کو مسلمانوں کے ایک فوجی دستے کے ہاتھوں ایک کافر قتل ہو گیا۔ مسلمانوں کے خیال میں یہ گزشتہ ماہ کی تیسویں تاریخ تھی لیکن

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

۲۱۸۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾

۲۱۹۔ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے: ان دونوں میں بڑی خرابی ہے [۱۷۸] اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے، اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ فرمائیے کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو،

درحقیقت رجب کا ماہِ حرام شروع ہو چکا تھا، چنانچہ کفارِ مکہ نے طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ یہ کیسے مسلمان ہیں جو ماہِ حرام میں بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے۔ کفارِ مکہ کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ٹھیک ہے ماہِ حرام میں قتل کرنا گناہ ہے۔ غلط فہمی کی بنا پر مسلمانوں سے ایک قتل ہو گیا تو تم نے شور مچانا شروع کر دیا لیکن تمہیں اپنے جرائم نظر نہیں آتے۔ جس پاک سرزمین پر جانور کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں تم نے وہاں کے اصلی باشندوں کو اس حد تک ستایا کہ وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ کعبہ کسی کی جائیداد نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کی تعمیر سے لے کر آج تک کسی کو کعبہ کی زیارت سے روکا نہیں گیا مگر تم نے مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روکا۔ اس قسم کے فتنہ پرور افعال تو قتل سے بھی بڑے گناہ ہیں، لہٰذا دیدہ دانستہ ایسے سنگین جرائم کرنے والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ایک نادانستہ قتل پر شور مچائیں جو محض غلط فہمی کی بنا پر واقع ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ کفارِ مکہ ماہِ حرام کی حرمت کے لئے اعتراض نہیں کر رہے بلکہ انہیں تو اسلام سے عداوت ہے اور ان کی ہر ممکن کوشش ہے کہ تمہیں اسلام سے دور کر دیں، مگر یاد رکھنا جس کسی نے اسلام کو چھوڑا اور کفر پر مر گیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ جس طرح اسلام قبول کرنے سے گزشتہ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسی طرح مرتد ہونے سے ساری نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، لہٰذا اگر کوئی حاجی مرتد ہو جائے، پھر توبہ کر لے تو وہ دوبارہ حج کرے کیونکہ پہلا حج ارتداد کے ساتھ ختم ہو گیا۔

[۱۷۸] خمر سے مراد ہر وہ شراب ہے جو انسانی عقل کو ضائع کر دے اور اس کے ہوش و حواس قائم نہ رہیں۔

میسر سے مراد ہر قسم کا جوا ہے، جس میں ایک انسان کو تو بغیر محنت کے بہت سی دولت مل جاتی ہے جبکہ کئی نادان پوری زندگی کی کمائی ضائع کر بیٹھتے ہیں، پھر ساری عمر بھیک مانگتے ہیں اور اس بُرے فعل پر پچھتاتے رہتے ہیں۔

عرب میں شراب پانی کی طرح پی جاتی، اس لئے ان کا ایک دم شراب چھوڑ دینا مشکل تھا، چنانچہ حرمتِ شراب کا حکم بتدریج نازل ہوا اور اس سلسلہ کا یہ پہلا حکم ہے جس میں شراب سے نفرت دلانے کی ابتدا کی گئی تا کہ ذہن اس کی حرمت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کے نزول کا سبب یہ بنا کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ، حضرت معاذ بن جبل ؓ اور کچھ انصار ؓ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ شراب عقل کو زائل کرتی ہے اور مال کو ضائع کرتی ہے۔ اس کے بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے؟ (تفسیر روح المعانی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ '' شراب اور جوا دونوں میں بڑی خرابی ہے اگر چہ اس میں کچھ عارضی فائدے ہیں مگر دین و دنیا کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔'' اس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے شراب پینا چھوڑ دی۔

پھر ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو نشہ میں امام صاحب نے قرآن کے الفاظ غلط پڑھ ڈالے جن کو بقائی ہوش وحواس اس طرح پڑھنے سے کفر لازم آ جاتا، چنانچہ دوسرا حکم نازل ہوا کہ '' نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔'' (سورۃ النساء: آیت نمبر ۴۳)

اس کے بعد شراب کا استعمال بہت کم ہو گیا، پھر ایک دعوت پر شراب پیش کی گئی اور نشہ کی حالت میں لڑائی جھگڑا اس حد تک ہوا کہ لوگ زخمی ہو گئے اور جب یہ واقعہ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں بیان کیا گیا۔ (مسلم: ۶۲۳۸: کتاب فضائل الصحابۃ: باب ۵) تو اس پر شراب کے متعلق آخری حکم نازل ہوا کہ شراب ناپاک اور شیطانی عمل ہے اس سے اجتناب کرو۔ (سورۃ المائدہ: آیت نمبر ۹۰)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورِ اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مدینہ کی گلیوں میں منادی کر دو: '' خبردار! بے شک شراب حرام کر دی گئی۔'' اس منادی کے سننے کی دیر تھی کہ جس کے ہاتھ میں جام تھا اس نے زمین پر دے مارا، جس کے گھر میں شراب کے مٹکے تھے اس نے سر بازار توڑ دیئے اور مدینہ کی گلیوں میں شراب گندے پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ (تفسیر قرطبی) اطاعتِ قرآن وسنت کی ایسی مثال دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی جس کا مظاہرہ صحابہ کرام نے کیا۔ اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا کا تبصرہ بھی ملاحظہ کریں: '' ساتویں صدی عیسوی میں اسلام نے شراب پر پابندی لگانے کے لئے بڑا امتیازی اقدام کیا۔ قرآن نے شراب سے منع کیا اور غلامانِ مصطفیٰ نے شراب سے مکمل جدائی اختیار کر لی۔''

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: پندرھواں ایڈیشن: ۱۹۹۵)

"Quite a different kind of religious control was adopted in the 7th century in Islam: The Qur'an simply condemned wine, and the result was an effective

prohibition wherever the devout followers of Muhammad(pbuh) in Arabia and other lands prevailed." (Encyclopedia Britannica: 15th edition:1995)

اب ذرا امریکہ اور دیگر حکومتوں کے متعلق بھی اسی انسائیکلو پیڈیا کا اقتباس ملاحظہ کریں۔

''زمانہ قدیم سے حکومتیں شراب پر پابندی لگاتی رہی ہیں لیکن اکثر ان کی کوششیں مطلوبہ نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہی ہیں۔اس سلسلہ میں سب سے بڑی مشہور ناکامی تو امریکی حکومت کو ہوئی جب اس نے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۳ء تک شراب پر پابندی لگانے کی بھرپور کوشش کی مگر آخرکار ناکام ہوگئی۔''

"Govermental efforts to control alcoholic beverages go back as far as recorded history.The laws often failed to produce the desired effects.The most resounding failure was that in the United States from 1919 to 1933."

(Encyclopedia:ibid)

شراب پینے سے انسان وقتی طور پر لطف و سرور حاصل کرتا ہے۔عارضی طور پر غم واندوہ اور تھکاوٹ سے نجات مل جاتی ہے لیکن نشہ کی حالت میں کسی سے بات کرے تو اس کی گفتگو لایعنی ہوگی۔کسی سے معاملہ کرے تو نقصان اٹھائے گا۔گھر میں جائے تو بیوی اور بیٹی میں تمیز کرنا مشکل ہوگا،محفل میں جائے تو جھگڑا کرے گا،کار چلائے تو حادثہ کرے گا،نماز میں کھڑا ہو تو قرآن غلط پڑھے گا،شراب کی عادت پوری کرنے کے لئے رقم نہ ہو تو چوری کرے گا،الغرض عقل کے زوال کے ساتھ اس سے کوئی بھی حیوانی کام ممکن ہوسکتا ہے۔

شراب کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کے لئے بھی انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مطالعہ کریں،آپ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ شراب پینے والے صرف اپنی صحت اور دولت کا نقصان نہیں کرتے بلکہ پورے خاندان،حکومت اور معاشرہ کے لئے بھی بے شمار مشکلات پیدا کردیتے ہیں۔اسلام جو شرافت اور امن وسلامتی کا مذہب ہے وہ اس خباثت کو کیسے برداشت کرسکتا ہے۔اس لئے شراب کے متعلق اسلام کا حکم بالکل واضح ہے۔پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا:

''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' (مسلم:۵۲۱۹: کتاب الاشربۃ: باب ۷)

ایک دفعہ لندن کے قریب ونڈسر کالج میں اسلام کے متعلق مجھے لیکچر کا موقع ملا۔سوال وجواب کے وقفہ میں ایک عیسائی خاتون نے پوچھا کہ اسلام شراب پینے سے کیوں منع کرتا ہے؟ میں نے کہا: اس ملک (برطانیہ) میں شراب پینے کی اجازت ہے لیکن ایک ڈرائیور کار چلانے سے پہلے شراب کیوں نہیں پی سکتا؟ اس خاتون نے جواب دیا کہ ڈرائیور پر اپنی جان، اپنی کار، سواریوں اور سڑک پر چلنے والی دوسری ٹریفک کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، چونکہ شراب عقل کو زائل کردیتی ہے اور انسان اپنی ذمہ داری محسوس کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اس لئے ڈرائیور کو شراب پینے کی اجازت نہیں۔ میں نے کہا:

[۱۷۹] اسی طرح اللہ تعالیٰ (اپنے) احکام کو تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔

فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

۲۲۰۔ دنیا اور آخرت (کے کاموں) میں، اور آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، [۱۸۰] فرمایئے: ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے، اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون بھلائی کرنے والا ہے اور کون برائی کرنے والا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑی حکمت والا ہے۔

آپ کے خیال میں انسان صرف اسی وقت ذمہ دار ہے جب وہ کار چلا رہا ہو مگر اسلام کے نزدیک انسان ہر وقت ذمہ دار ہے۔ چاہے گھر میں ہو یا بازار میں، کار میں ہو یا کالج میں۔ اس پر وہ خاتون کہنے لگی کہ جب انسان رات کو سونے لگے اب تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں مگر اسلام تو اس وقت بھی شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں نے کہا: اگر تو رات کو گیارہ بجے شراب پی کر سو جائے اور خدانہ کرے کسی وجہ سے رات کو بارہ بجے تیرے گھر میں آگ لگ جائے تو مجھے بتا اب تو کیا کرے گی؟ تو خود تو نشہ میں مدہوش ہے۔ تجھے تو اپنی خبر نہیں اب تو خود بھی جلے گی، تیرے بچے بھی جلیں گے، تیرا گھر بھی جلے گا اور اگر تو شراب کے نشہ میں مدہوش نہ ہوگی تو آگ لگنے سے جونہی تجھے دھواں یا آگ کی حرارت محسوس ہوگی تو اٹھ کر باہر بھاگے گی، شور مچائے گی، لوگ اکٹھے ہوں گے، فائر بریگیڈ آئے گا، تو خود بھی بچے گی، تیرا گھر بھی بچے گا، اس پر وہ خاتون اجتماع میں کھڑی ہو کر کہنے لگی: (It does make sense) واقعی اسلام کا یہ حکم درست معلوم ہوتا ہے۔

[۱۷۹] زکوٰۃ کا فرض ادا کرنے کے بعد بھی اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو اسے غریب اور محتاج بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے، لیکن اعتدال کا خیال رکھے۔ اتنا دے جتنا وہ خوشی اور آسانی سے دے سکتا ہے یعنی اتنی سخاوت نہ کرے کہ کل اسے خود دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا پڑے اور اتنی کنجوسی بھی نہ کرے کہ پڑوس میں غریب لوگ بھوک سے مر رہے ہوں اور اس کا مال خزانوں میں بے کار پڑا ہو۔

[۱۸۰] بعض لوگ یتیموں کا مال خورد برد کرنے کے لئے انہیں اپنے ساتھ شریک کرتے۔ جب ان کے لئے قرآن مجید میں سخت وعید نازل ہوئی تو صحابہ کرام ڈر گئے اور یتیموں کی ہر چیز علیحدہ کر دی حتیٰ کہ یتیم کا کھانا بچ جاتا تو اسے بھی استعمال نہ

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۵

۲۲۱۔ اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، [۱۸۱] اور مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک عورت) تمہیں بہت پسند ہو، اور (اپنی عورتوں کے) نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور بے شک ایک ایماندار غلام (آزاد) مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک مرد) تمہیں بہت پسند ہو، یہ لوگ (مشرک) تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

کرتے اور وہ خراب ہو جاتا اور اس طرح الگ الگ کھانا پکانے میں بڑی مشقت بھی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم یتیم کی بھلائی کے ارادے سے ان کا کھانا اور کاروبار مشترک رکھو تو کوئی حرج نہیں۔ قرآن میں سخت وعید تو ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کا مال ناحق ہضم کر جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں بھی یتیموں کا ہر مال علیحدہ رکھنے کی مشقت میں ڈال دیتا لیکن وہ بڑی حکمت والا ہے اور ہر ایک کی نیت کو جانتا ہے۔

[۱۸۱] ظہورِ اسلام کے وقت اسلام اور کفر کا نظریاتی اختلاف تو کھل کر سامنے آ گیا لیکن خاندانی تعلقات کا یکدم توڑ دینا مناسب نہیں تھا، اس لئے ابتدائی دور میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان شادیاں ہوتی رہیں لیکن مدینہ منورہ میں جب اسلامی سلطنت قائم ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اب کوئی مسلمان مرد یا عورت کسی کافر عورت یا مرد سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ کفار ان اعمال کی ترغیب دیتے ہیں جو انسان کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور اسلام ان اعمال کی تلقین کرتا ہے جو انسان کو جنت کا مستحق بناتے ہیں، لہٰذا دونوں کی راہیں جدا ہیں، ان کا ایک ساتھ چلنا ممکن نہیں ہے۔

نوٹ: اہل کتاب عورت کے ساتھ شادی کا حکم سورۃ المائدہ آیت نمبر پانچ میں ملاحظہ کریں۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

۲۲۲۔ اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرمایئے کہ وہ ایک گندگی ہے، پس حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہا کرو [۱۸۲] اور ان کے نزدیک نہ جاؤ (عملِ زوجیت نہ کرو) یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

۲۲۳۔ تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے (نیک اعمال) آگے بھیجو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو، اور (اے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم!) مومنوں کو خوش خبری دو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

۲۲۴۔ اور نیکی، پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچنے کے لئے تم اللہ تعالیٰ کی قسموں کو رکاوٹ نہ بناؤ، [۱۸۳] اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

---

[۱۸۲] یہود کے ہاں جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تو اس کے ساتھ بالکل قطع تعلق کر لیا جاتا حتیٰ کہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا، لیکن عیسائی حالتِ حیض میں کوئی پرہیز نہ کرتے حتیٰ کہ جماع سے بھی باز نہ آتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس آیت میں وضاحت کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حائضہ عورت سے جماع کے سوا کوئی چیز منع نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۵۸: کتاب الطہارۃ: باب ۱۰۲)

یعنی حالتِ حیض میں میاں بیوی کا ایک ساتھ بیٹھنا، کھانا، پینا وغیرہ سب جائز ہے۔ صرف جماع کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۸۳] مثال کے طور پر اگر بعض نادان اللہ کے نام کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ فلاں رشتہ دار سے کلام نہیں کریں گے یا فلاں کے ساتھ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

۲۲۵۔ اللہ تعالیٰ تمہاری غیر ارادی قسموں پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا [۱۸۴] لیکن ان قسموں پر گرفت کرے گا جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

۲۲۶۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم اٹھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینوں کی مہلت ہے، [۱۸۵] اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

۲۲۷۔ اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا

۲۲۸۔ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، [۱۸۶] اور ان کے لئے جائز نہیں ہے

بھلائی نہیں کریں گے یا ناراض بھائیوں میں صلح نہیں کرائیں گے، پھر اگر کوئی انہیں اس پر نظر ثانی کی ترغیب دے تو وہ کہتے ہیں: ہم نے یہ کام نہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے، لہٰذا اب اگر ہم یہ کام کریں تو ہماری قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو نیکی نہ کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ بلکہ جو بھی کوئی ایسی قسم کھائے جس میں کسی کی حق تلفی یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو اسے اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہیے جو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا تین دن روزے رکھنا ہے۔

[۱۸۴] یعنی غیر ارادی اور عادت کے طور پر جو قسمیں زبان سے نکل جاتی ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، البتہ دیدہ دانستہ جھوٹی قسم کھانے پر اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے گا۔

[۱۸۵] اگر کوئی شخص قسم اٹھالے کہ اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا تو اگر چار ماہ کے اندر اس نے قسم توڑ دی تو اس کا نکاح بحال رہے گا اور مرد کو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اگر چار ماہ گزرنے پر بھی قسم نہ توڑے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے، لہٰذا از خود نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اسلام اس ظلم کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت نکاح میں بھی رہے اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم رہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتی ہیں، اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں اگر وہ اصلاح کا ارداہ کرلیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے لئے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، [۱۸۷] البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

---

[۱۸۶] جس عورت کو طلاق ہو جائے اسے فوراً دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس پر ضروری ہے کہ تین حیض گزرنے تک صبر کرے اور اپنی اندرونی کیفیت (حمل یا حیض) صحیح صحیح بتادے تاکہ اگر حاملہ ہو تو نئے پیدا ہونے والے بچے کا نسب متعین ہو جائے۔ اس مدتِ انتظار کو شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ عدت کے دوران اگر خاوند کی نیت نیک ہو اور وہ طلاق سے رجوع کرلے تو یہ زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ اس نے تیسری بار طلاق نہ دی ہو۔

عدت کی مذکورہ مدت اس عورت کے لئے ہے جس کے ساتھ خاوند نے جماع کیا ہو، وہ جوان اور غیر حاملہ ہو۔ دیگر عورتوں کی عدت مختلف ہے مثلاً:

☆ اگر کسی عورت کو جماع سے پہلے ہی طلاق مل جائے تو اس کے لئے کوئی عدت نہیں۔ جب چاہے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ (قرآن کریم: ۳۳:۴۹)

☆ جس مطلقہ عورت کو کم عمری یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ (قرآن: ۶۵:۴)

☆ مطلقہ عورت اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے (چاہے دوسرے دن ہی وضع حمل ہو جائے)۔ (قرآن: ۶۵:۴)

☆ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (قرآن: ۲:۲۳۴) ہر قسم کی عورت کو خاوند کے غم میں یہ مدت پوری کرنی چاہیے سوائے حاملہ کے کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔

[۱۸۷] جس طرح بیویوں پر شوہروں کے حقوق ہیں اسی طرح شوہروں پر بھی بیویوں کے حقوق لازم ہیں۔ ہر فریق ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرے۔ خاوند حسنِ سلوک میں آگے بڑھے اور بیوی اطاعت میں پیش قدمی کرے، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد اپنی فضیلت کا غلط استعمال کرے بلکہ قرآن نے اسے متنبہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ بہت غالب اور حکمت والا ہے، اگر تو نے بیوی پر زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ کی سزا سے تجھے

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱ ع

نعمت ہے اس کو یاد کرو اور (یاد کرو) جو کتاب و حکمت اس نے تم پر نازل کی، جس سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲

۲۳۲۔ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو [۱۹۲] جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں، اس فرمانِ الٰہی کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ حکم تمہارے لئے بہت صاف اور بہت پاکیزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا

۲۳۳۔ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، [۱۹۳] یہ (حکم) اس (باپ) کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے، اور ان ماؤں کا مناسب طریقہ سے کھانا اور کپڑا بچے کے باپ کی ذمہ داری ہے، ہر شخص کو اس کی حیثیت کے

---

[۱۹۲] یعنی رجعی طلاق والی عورت جب اپنی عدت پوری کر لے اور دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے، جبکہ میاں بیوی نیک نیتی کے ساتھ دوبارہ آپس میں شادی کرنے پر راضی ہوں تو عورت کے وارثین اس نکاح کی اجازت دے دیں اور روکنے کی کوشش نہ کریں۔

[۱۹۳] جس عورت کو طلاق ہو جائے اور اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ ہو، اگر بچے کا باپ کسی اور دودھ پلانے والی کا انتظام نہ کر سکے تو ماں پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے اور اس عرصہ میں بچے کے باپ پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق بچے کی ماں کے کھانے اور لباس کا انتظام کرے اور اگر بچے کا باپ فوت ہو جائے تو جو اس کی جگہ بچے کا وارث ہو وہ یہ اخراجات برداشت کرے۔

مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

مطابق تکلیف دی جائے گی، کسی ماں کو اس کے بچے کے باعث اور کسی باپ کو اس کے بچے کے باعث تکلیف نہ دی جائے [۱۹۴] اور (بچے کے) وارث پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے، پس اگر (ماں باپ) باہمی رضا مندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر تم (کسی اور عورت سے) اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو، پھر بھی تم پر کوئی حرج نہیں ہے [۱۹۵] بشرطیکہ تم طے شدہ معاوضہ مناسب طریقے سے ادا کر دو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

۲۳۴۔ اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن روکے رکھیں، [۱۹۶] پھر وہ جب اپنی عدت پوری کر لیں تو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے بارے میں جو کریں اس میں تم پر کوئی حرج نہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

[۱۹۴] مثال کے طور پر ماں خود بچے کو دودھ پلانا چاہتی ہو تو بچے کو اس سے زبردستی نہ چھینا جائے اور اگر باپ کسی اور عورت کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو تو بچے کی ماں کو اس کی مرضی کے خلاف دودھ پلانے پر مجبور نہ کرے۔ اسی طرح اگر باپ دوسری عورت کا انتظام نہ کر سکے تو ماں دودھ پلانے سے انکار نہ کرے اور نہ ہی اس کی حیثیت سے زیادہ معاوضے کا مطالبہ کرے۔ الغرض ماں باپ دونوں کو ایک دوسرے کے حالات کے مطابق رواداری اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ کسی کی دلآزاری نہ ہو۔

[۱۹۵] بچے کا باپ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوا سکتا ہے بشرطیکہ طے شدہ معاوضہ دستور کے مطابق ادا کر دے۔ اسی طرح جب بچے کی ماں کی عدت گزر جائے تو وہ بھی دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے کیونکہ وہ اب اس کی بیوی نہیں رہی۔

[۱۹۶] جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس مدت میں نہ تو وہ نکاح کرے اور نہ ہی زیب و

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

۲۳۵۔ اور تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان عورتوں کو اشارہ سے پیغامِ نکاح دو یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو، [۱۹۷] اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ عنقریب (عدت کے بعد) تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن تم (عدت کے دوران) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ لینا مگر یہ کہ شریعت کے مطابق ان سے بات کرو، اور اس وقت تک عقدِ نکاح کا عزم نہ کرو جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال بہتر جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشش والا حلم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

۲۳۶۔ تم پر کوئی حرج نہیں اگر تم ان عورتوں کو طلاق دے دو جن کو تم نے چھوا بھی نہیں اور ان کا مہر بھی مقرر نہیں کیا، تم انہیں کچھ خرچہ دو، [۱۹۸] خوشحال اور تنگدست اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مناسب طریقہ سے یہ خرچہ دیں کیونکہ یہ نیک لوگوں پر لازم ہے۔

زینت کرے بلکہ اپنے خاوند کی وفات پر سوگ کرے اور ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

[۱۹۷] جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس عورت سے دورانِ عدت نہ تو نکاح کی صراحۃً بات کی جائے اور نہ ہی اس سے نکاح کے متعلق کوئی خفیہ معاہدہ کیا جائے۔ ہاں اشارہ کنایہ سے اپنے ارادے کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن پھر بھی بہتر یہی ہے کہ عدت گزرنے کا انتظار کرو۔

[۱۹۸] اگر کسی نے مہر مقرر کئے بغیر نکاح کیا اور جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اس پر مہر دینا لازم نہیں، البتہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ عورت کو دے دے کیونکہ نیک لوگوں پر لازم ہے کہ وہ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کریں۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

۲۳۷۔ اور اگر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو اور تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو مقرر کردہ مہر سے نصف دے دو، [۱۹۹] مگر یہ کہ عورتیں کچھ معاف کر دیں یا مرد زیادہ دے دیں، اور اگر مرد زیادہ دے دیں تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں احسان کو نہ بھلایا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

۲۳۸۔ سب نمازوں کی پابندی کرو، [۲۰۰] اور خصوصاً درمیانی نماز کی [۲۰۱] اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے قیام کرو۔

---

[۱۹۹] اگر کسی نے نکاح کے وقت مہر مقرر کیا اور جماع سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر دینا لازم ہے اور اگر ہو سکے تو عورت اپنے حصے کا آدھا معاف کر دے یا مرد آدھے سے بھی زیادہ ادا کر دے اور تقویٰ کے زیادہ قریب تو یہ ہے کہ مرد آدھے حصے کی بجائے پورا حق مہر ادا کر دے۔

[۲۰۰] اس آیت کا پہلا اور آخری لفظ نماز کے ظاہری اور باطنی آداب کو حاوی ہے یعنی نمازیں پڑھو اور ساری پڑھو --- ہمیشہ پڑھو اور ان کے صحیح اوقات میں پڑھو --- حضورِ دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ --- عاجزی اور انکساری کے ساتھ --- الغرض جسم طہارتِ ظاہری سے آراستہ ہو --- طبیعت اکل حلال کی خوگر ہو --- زبان پر خدا کا ذکر ہو --- دل میں خدا کا خوف ہو --- اور یہ ساری ادائیں سنّت مصطفی ﷺ کے تابع ہوں --- اس طرح پڑھی گئی نماز کی کیا شان ہے --- یہ نماز دین کا ستون ہے (شعب الایمان) --- ایمان کا ثبوت ہے (مسند امام احمد) --- روز قیامت کا نور ہے (مسند امام احمد) --- جنت کی چابی ہے (مسند امام احمد) --- اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے (قرآن)۔ یا اللہ! ہمیں ایسی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما جو تیری بارگاہ میں قبول ہو۔ آمین!

[۲۰۱] درمیانی نماز سے مراد نمازِ عصر ہے اور اس کے خصوصی ذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عصر کے وقت عموماً انسان کاروبار اور دیگر دنیاوی معاملات میں مصروف ہوتا ہے، لہٰذا اسے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ یہ سارے کام عارضی ہیں اور یہیں رہ جائیں گے۔ اٹھو! نماز پڑھو جو قبر اور حشر میں بھی تمہارے ساتھ رہے گی۔

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۹﴾

۲۳۹۔ پس اگر تم حالتِ خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو)، [۲۰۲] پھر جب تم حالتِ امن میں ہو تو اللہ تعالیٰ کی یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔

وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِىۡ مَا فَعَلۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۴۰﴾

۲۴۰۔ اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جایا کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے [۲۰۳] اور گھر سے نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس چیز کا کوئی گناہ نہیں ہے جو کچھ وہ دستور کے مطابق اپنے معاملے میں کریں، اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾

۲۴۱۔ اسی طرح مطلقہ عورتوں کو مناسب طور پر کچھ خرچ دینا چاہیے، یہ پرہیزگار لوگوں پر واجب ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

۲۴۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

---

[۲۰۲] اگر کسی کو نماز کے وقت میں دشمن یا درندہ وغیرہ نظر آ جائے جس سے اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو تو وہ پیادہ یا سوار نماز پڑھ سکتا ہے۔ اشارے سے رکوع اور سجود کرے تاکہ خطرہ سے بھی محتاط رہے اور اگر قبلہ کی طرف منہ کرنے پر قادر نہ ہو تو جدھر بھی رخ ہو نماز پڑھ لے۔ یہ آیت ایک طرف تو نماز کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ جان کا خطرہ ہو تو بھی نماز معاف نہیں ہے اور دوسری طرف اسلام کی نرمی پر گواہ ہے کہ جس طرح آسانی ہو اسی طرح نماز ادا کر لو، تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے۔

[۲۰۳] ابتدائے اسلام میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال تھی جو بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۲۳۴ سے منسوخ کر دی گئی، لہٰذا اب چار ماہ دس دن ہے۔ عدت کے دوران مطلقہ یا بیوہ عورت کے اخراجات خاوند یا خاوند کی وفات کی صورت میں خاوند کے رشتہ داروں پر لازم ہیں۔ عدت میں ایک حکمت یہ بھی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورت حاملہ تو نہیں، تو چونکہ وہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۠ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

۲۴۳۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے [۲۰۴] تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ، پھر انہیں زندہ فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

۲۴۴۔ اور اللہ کی راہ میں لڑائی کرو [۲۰۵] اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

۲۴۵۔ ہے کوئی جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دے؟ [۲۰۶] تو اللہ تعالیٰ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے، اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی فرماتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

خاوند کے نسب کی حفاظت میں بیٹھی ہے اس لئے اس کے اخراجات کا ذمہ دار بھی خاوند ہے۔

[۲۰۴] موت ایک عالمگیر صداقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے قرآن مجید نے ایک گزشتہ قوم کی مثال بیان کی ہے کہ وہ موت سے بچنے کے لئے گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کر دی اور کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ زندہ کر کے واضح کر دیا کہ موت سے بھاگنا ممکن نہیں ہے۔

[۲۰۵] اس وضاحت کے بعد کہ موت سے فرار ممکن نہیں اب مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ جان نے تو آخر ایک دن جانا ہی ہے لیکن کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کی جان دین کی سربلندی میں کام آ جائے۔

[۲۰۶] جو انسان حلال کی کمائی سے خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دے یعنی اس کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو کئی گنا زیادہ کر دے گا اور دونوں جہاں میں اس کو برکتوں سے مالا مال فرمائے گا۔ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی راہ میں فراخ دلی سے خرچ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ کرنے کا وعدہ فرما رہا ہے اور بخل نہ کرو ممکن ہے وہ ناراض ہو جائے اور تمہیں محتاج و کنگال بنا دے۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے کتنا اجر و ثواب ملتا ہے، ایک حدیث پاک کا مفہوم مثال کے طور پر ملاحظہ کریں:

"جو انسان حلال کی کمائی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک کھجور کے دانے کے برابر خیرات کرے، اللہ تعالیٰ اسے قبول

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

۲۴۶۔ کیا آپ نے موسیٰ علیہ السلام (کی وفات) کے بعد بنی اسرائیل کے اس گروہ کو نہیں دیکھا؟ جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، [۲۰۷] نبی نے کہا: کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم جہاد نہ کرو، انہوں نے کہا: ہمارے لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے، مگر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب نے منہ پھیر لئے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ

۲۴۷۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے امیر مقرر فرما دیا ہے، [۲۰۸] وہ کہنے لگے: وہ ہم پر حکمران کیسے ہو سکتا

فرما کر اس کی تربیت کرتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اس کھجور کے دانے کا ثواب اُحد پہاڑ سے بھی بڑا ہو جائے گا۔''

(بخاری: ۱۴۱۰: کتاب الزکوۃ: باب ۸)

[۲۰۷] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ عمالقہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور فلسطین کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا۔ بنی اسرائیل کے سرداروں کی ایک جماعت نے اس زمانے کے نبی حضرت سموئیل علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم عمالقہ سے جہاد کر کے اپنے علاقے آزاد کرائیں۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر جہاد فرض کرے اور تم جہاد سے منہ موڑ جاؤ۔ اس پر وہ کہنے لگے: یہ نہیں ہو سکتا، عمالقہ نے ہمیں گھروں سے نکالا، ہمیں بچوں سے جدا کیا، لہٰذا اب ہم ضرور جہاد کریں گے لیکن جب جہاد فرض ہوا تو گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کو اس لئے سنایا جا رہا ہے تا کہ وہ بنی اسرائیل کی بزدلی، کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے عبرت حاصل کریں۔

[۲۰۸] بنی اسرائیل کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جب ان کا امیر مقرر کر دیا تو وہ اعتراض کرنے لگے کہ یہ غریب اور ایک

يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

ہے؟ حالانکہ ہم اس سے زیادہ حکومت کے مستحق ہیں اور اس کو تو مالی فراخی بھی نہیں دی گئی ، نبی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب فرمایا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے ، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے ، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ۧ

۲۴۸۔ اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی بادشاہی (امیر مقرر ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا[۲۰۹] جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہے اور آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کا بقیہ ترکہ ہے ، اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اگر تم مؤمن ہو تو اس میں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔

عام آدمی ہے یہ ہمارا امیر کیسے بن سکتا ہے؟ اس پر حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرا انتخاب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو امیر مقرر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جسے چاہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے، نیز امارت وقیادت کے لئے نسل اور مال نہیں بلکہ علم وشجاعت کی ضرورت ہوتی ہے اور ان صفات کے اعتبار سے طالوت تم سب سے ممتاز ہے۔

[۲۰۹] طالوت کے انتخاب پر بنی اسرائیل نے جب نشانی کا مطالبہ کیا تو حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے سامنے طالوت کے پاس فرشتے وہ صندوق واپس لائیں گے جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے۔ اس صندوق میں حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات ہیں جن کی وجہ سے آپ کے دلوں کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ جب فرشتے اس بیل گاڑی کو لے آئے جس پر یہ صندوق رکھا ہوا تھا تو بنی اسرائیل نے نعرہ تکبیر بلند کیا، ان کے حوصلے بلند ہوگئے اور انہیں طالوت کے امیر بننے کا بھی یقین ہو گیا۔ (تفسیر جامع البیان)

صندوق میں حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی لاٹھیاں ، ان کے کپڑے اور تورات کے ٹکڑے تھے۔ (تفسیر جامع البیان) بنی اسرائیل جب دشمنوں سے جنگ کرتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ

سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعا کرتے۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے، ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، مشکلات دور ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تائید سورۃ یوسف میں بھی موجود ہے یعنی "جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر رکھی گئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی"۔ (قرآن:۱۲:۹۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رحمتِ عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اشیاء کا احترام کرتے اور ان کو حصولِ برکت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر:

۱۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتیں اور اس جبہ کے وسیلہ سے بیماروں کے لئے شفا طلب کی جاتی۔ (مسلم:۵۴۰۹: کتاب اللباس: باب ۲)

۲۔ جنگِ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہو گئی۔ انہوں نے مجاہدین کو کہا کہ اس کو تلاش کرو۔ بعد از تلاشِ بسیار وہ ٹوپی مل گئی (اس پر مجاہدین نے اعتراض کیا کہ جنگ کی شدت میں اس بوسیدہ ٹوپی کی تلاش چہ معنی دارد؟) تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ٹوپی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک ہے اور میں جس جنگ میں بھی اس ٹوپی کے ساتھ شریک ہوا مجھے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

(مستدرک: امام حاکم:۵۲۹۹: جلد ۳: ص ۳۳۹: مناقب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)

۳۔ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا جس کو وہ اپنے لباس میں رکھتے تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری: ابن حجر عسقلانی: مقدمہ:۴۸۱)

۴۔ حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال ہے جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یا ان کے گھر والوں کی طرف سے ملا تھا تو انہوں نے کہا: میرے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال ہونا مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری:۱۷۰: کتاب الوضوء: باب ۳۳)

۵۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جب واپس مکہ گیا تو اس نے قریش سے کہا: اے میری قوم! خدا کی قسم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی وغیرہ کئی بادشاہوں کے پاس وفود لے کر گیا ہوں۔ بخدا! میں نے کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم نہیں دیکھی جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اس کو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا، پھر اس لعاب کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیتے تو سب اس کام کو کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لئے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتے جیسے وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡٓ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۙ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝

۲۴۹۔ پھر جب طالوت فوج لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے، جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرا ساتھی نہیں اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرا ساتھی ہے، البتہ جو اپنے ہاتھ سے ایک چلّو پی لے (اس پر کوئی حرج نہیں) لیکن سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے خوب پانی پیا، [۲۱۰] پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ ایمان والے اس دریا سے گزر گئے تو کہنے لگے: آج جالوت اور اس کی فوج کے ساتھ لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، جو لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ ایک دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے والے ہیں، انہوں نے کہا: بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹا گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا، [۲۱۱] اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور جب آپ ﷺ بات کرتے تو آپ ﷺ کے سامنے سب خاموش ہو جاتے اور آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے آپ ﷺ کو گھور کر نہ دیکھتے۔ (بخاری: ۲۷۳۱: کتاب الشروط: باب ۱۵) لہٰذا مسلمانوں کا مقابلہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے، مگر اہل مکہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔

[۲۱۰] جنگ کے دوران مجاہدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھوک، پیاس اور دیگر تکالیف کو صبر کے ساتھ برداشت کریں، نیز اطاعتِ امیر ہر حال میں ضروری ہے لیکن دشمن کے مقابلے میں تو اس کی اہمیت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے، چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لئے طالوت نے کہا: اس نہر سے پانی پینے کی اجازت نہیں ہے۔ جس نے پانی پیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا، ہاں اگر پیاس کی شدت ہو تو ایک آدھ چلّو پینے کی اجازت ہے، لیکن ہوا یہ کہ اکثریت نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور طالوت کی فوج سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ صرف چند مخلصین اس امتحان میں کامیاب ہوئے جن کی تعداد ۳۱۳ بتائی گئی ہے جو کہ اصحاب بدر کی تعداد ہے۔

[۲۱۱] ان مخلص اہل ایمان نے جب جالوت کے لشکرِ جرار کو دیکھا تو اپنی قلیل تعداد کے پیشِ نظر کہنے لگے کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ

وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۵۰﴾

۲۵۰۔ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوج کے سامنے آگئے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں صبر دے، ہم کو ثابت قدم رکھ اور قومِ کفار پر ہمیں فتح دے۔[۲۱۲]

فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَاٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ

۲۵۱۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے کفار کو شکست دے دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا، [۲۱۳] اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکومت اور حکمت سے نوازا اور جتنا چاہا علم بھی عطا فرمایا، اور اگر اس طرح اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ

ہمارے بس کا روگ نہیں لیکن ان میں سے زیادہ پختہ ایمان والوں نے کہا کہ کامیابی کا دارومدار تعداد کی کثرت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہوتا ہے اور تاریخ انسانیت میں ایسا بار ہا ہوا ہے کہ تھوڑے سے اہل ایمان بہت سے بے دینوں پر غالب آجاتے ہیں۔

[۲۱۲] میدانِ جہاد میں اہل ایمان کی دعا ملاحظہ کریں: پہلے اپنے لئے صبر و استقامت کی دعا کی اور پھر دشمن کی شکست کا سوال کیا۔ اس دعا کی ترتیب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی طرف سے خلوصِ نیت کے ساتھ پہلے صبر و استقامت کا مظاہرہ ہونا چاہیے، پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت شاملِ حال ہوتی ہے اور دشمن پر فتح نصیب ہوتی ہے۔ ہر دور میں اہلِ ایمان کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ مادی اسباب کے ساتھ ساتھ نصرتِ الٰہی کے لئے دعا مانگتے ہیں، اور دعا مانگتے ہی اہلِ ایمان کے دلوں میں ایسی جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شہید یا غازی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں اور دعا مؤمن کا ایسا ہتھیار ہے جس کا کفار کے پاس کوئی جواب نہیں اور یہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ ہے۔ کیونکہ
''دعا مؤمن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے اور زمین و آسمان کا نور ہے۔''

(الترغیب والترہیب: کثرۃ الدعاء، مستدرک للحاکم: جلد اول ص ۶۶۹)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ شدائد اور مصائب میں اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ خوشحالی کے ایام میں کثرت سے دعا کیا کرے۔

(ترمذی: ۳۳۸۲: کتاب الدعوات: باب ۹)

[۲۱۳] چنانچہ یہ مٹھی بھر مجاہدین صبر و استقامت کے ساتھ میدانِ جنگ میں اُتر پڑے اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دشمن کے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

کرتا تو زمین برباد ہو جاتی [۲۱۴] لیکن اللہ تعالیٰ سارے جہانوں پر فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

۲۵۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلاوت کرتے ہیں، اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

۲۵۳۔ یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے خود کلام فرمایا اور بعض کے درجے بلند کئے، [۲۱۵]

لشکرِ جرار کو شکست دیدی۔ اس جنگ میں نمایاں کردار حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے جنہوں نے جالوت جیسے طاقتور پہلوان اور سامانِ جنگ سے لیس جرنیل کو منجنیق سے پتھر مار کر ہلاک کر دیا حالانکہ اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کم سن اور بیماری کی وجہ سے کمزور بھی تھے اور یہ جذبہ فلسطینی بچوں میں آج بھی نمایاں ہے جو اسرائیلی ٹینکوں اور گولیوں کے مقابلے میں صرف پتھر کے ٹکڑوں سے دادِ شجاعت دیتے ہیں۔

[۲۱۴] اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب کوئی ظالم قوم ظلم و ستم کی انتہا کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ ایک اور قوم کے ذریعہ اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا اہلِ زمین پر خاص فضل ہے کیونکہ اگر ایک ہی سرکش قوم ہمیشہ برسرِ اقتدار رہتی تو کمزور لوگوں کا جینا دوبھر ہو جاتا اور ساری زمین ظلم و فساد سے بھر جاتی۔

(سورہ حج کی آیات نمبر ۳۸ تا ۴۰ میں بھی اس سنتِ الٰہیہ کا ذکر کیا گیا ہے)

[۲۱۵] جس طرح نفسِ انسانیت میں سب انسان برابر ہیں مگر صلاحیتوں کے اعتبار سے ہر ایک کا مرتبہ مختلف ہے اسی طرح نفسِ نبوت میں سب نبی برابر ہیں لیکن کمالات و مراتب کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور سب سے افضل نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے:

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند فرمایا۔ (قرآن: ۹۴:۴)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوضِ کوثر عطا فرمایا۔ (قرآن: ۱۰۸:۱)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرایا۔ (قرآن: ۱۷:۱)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے نبی بنایا۔ (قرآن: ۲۵:۱)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا۔ (قرآن: ۳۳:۴۰)

☆ آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا۔ (قرآن:۲۱:۱۰۷)

☆ آپ ﷺ کو چشم دید گواہ بنایا۔ (قرآن:۴۸:۸)

☆ آپ ﷺ کی رضا چاہنے کا اعلان فرمایا۔ (قرآن:۲:۱۴۴)

☆ آپ ﷺ کو قرآن کا علم دیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ (قرآن:۱۶:۸۹)

☆ آپ ﷺ کو نور بنا کر بھیجا۔ (قرآن:۵:۱۵)

☆ آپ ﷺ کی امت کو ساری امتوں سے افضل بنایا۔ (قرآن:۳:۱۱۰)

☆ آپ ﷺ کے دین کو گزشتہ ادیان کے لئے ناسخ قرار دیا۔ (قرآن:۳:۸۵)

☆ آپ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن کی ہر سورت (اور ہر آیت) کو معجزہ بنایا جس کی مثل نہ کوئی لا سکا ہے اور نہ آئندہ لا سکے گا۔ (قرآن:۲:۲۳)

نیز حدیث پاک میں ہے کہ:

☆ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ (ترمذی:۳۶۱۶:ابواب المناقب:باب ۱)

☆ آپ ﷺ تمام انبیائے کرام کے امام ہیں۔ (مسند احمد: جلد اول:ص ۱۳۸)

☆ آپ ﷺ سب رسولوں کے سردار ہیں۔ (ابن ماجۃ:۹۰۶:ابواب اقامۃ الصلوات:۲۵)

☆ آپ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مسند احمد: جلد ۴:ص ۶۶)

☆ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ﷺ شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی شفاعت قبول ہوگی۔
(ابن ماجۃ:۴۳۰۷:ابواب الزھد:باب ۳۷)

☆ تمام زمین آپ ﷺ کے لئے مسجد بنادی گئی یعنی کسی بھی پاک جگہ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔
(بخاری:۳۳۵:کتاب التیمم:باب ۱)

الغرض تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں جو کمالات متفرق طور پر پائے جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ سارے کمالات آپ ﷺ کی ایک ذات میں اکٹھے کر دیے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو جنت کے خازن رضوان نے کہا: یا محمد! آپ کو بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جو علم انفرادی طور پر عطا فرمایا وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمادیے ہیں، لہٰذا آپ کا علم تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ ہے۔ (مواہب لدنیہ: جلد اول: ص ۱۲۷) اور مزید ایسی عظمتیں بھی عطا فرمائی ہیں جن میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔ بلاشبہ سارے انبیائے کرام علیہم السلام ہدایت کا نور پھیلاتے ہیں، مگر فضیلت کے حوالے سے آپ ﷺ سورج کی طرح ہیں اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام ستاروں کی مانند ہیں۔ (قصیدۃ البردۃ)

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو واضح نشانیاں دیں اور ہم نے روح القدس (جبرائیل) سے ان کی مدد فرمائی، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان رسولوں کے بعد والے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے [٢١٦] لیکن انہوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض مؤمن رہے اور بعض نے کفر اختیار کیا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٥٤﴾

٢٥٤۔ اے ایمان والو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لئے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لئے) شفاعت ہوگی، [٢١٧] اور کافر ہی ظالم ہیں۔

تنبیہ: کسی نبی کی فضیلت اس طرح بیان نہ کی جائے جس سے کسی دوسرے نبی کی توہین ہو کیونکہ وہ سارے اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور سب کی تعظیم لازم ہے۔

[٢١٦] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اگر وہ چاہتا تو کوئی بھی اختلاف اور جھگڑا نہ کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا بلکہ اس نے حق و باطل کے راستے بالکل واضح کر دیئے ہیں اور ہر انسان کو اپنی مرضی کا راستہ منتخب کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ اب بعض تو اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مؤمن بن جاتے ہیں اور بعض اس کا غلط استعمال کر کے کافر بن جاتے ہیں۔

[٢١٧] زندگی اور دولت دونوں آزمائش ہیں نہ زندگی ہمیشہ رہے گی اور نہ ہی دولت، لہٰذا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی دولت سے نوازا ہے اسے چاہیے کہ مرنے سے پہلے پہلے اپنی دولت کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے نیکیاں خریدے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا قرب حاصل کرے، کیونکہ اللہ والوں کی دوستی قیامت کے دن بھی قائم رہے گی (قرآن: ٤٣:٦٧) اور اللہ کی اجازت سے وہ شفاعت بھی کریں گے۔ (قرآن: ٢:٢٥٥)

لیکن جن لوگوں نے کفر کر کے ظلم کا راستہ اختیار کیا قیامت کے دن نہ تو کوئی دوستی ان کے کام آئے گی اور نہ ہی کوئی شفاعت انہیں فائدہ دے گی۔ (قرآن: ٧٤:٤٨)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

۲۵۵۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، [۲۱۸] وہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے (عیاں) ہے اور جو ان کے پیچھے (مخفی) ہے، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی (حکومت) زمین اور آسمانوں کو محیط ہے اور ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو تھکاتی نہیں ہے اور وہی سب سے بلند عظمت والا ہے۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙۗ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

۲۵۶۔ دین میں کوئی جبر نہیں، [۲۱۹] بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے، اس لئے جو شخص شیطان کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

---

[۲۱۸] اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ یہ قرآن کریم کی تمام آیتوں سے افضل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا جامع بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ہمیشہ سے از خود زندہ اور قائم ہے۔ نیند اور اونگھ سے پاک ہے۔ اس کی کرسی (حکومت) زمین اور آسمانوں کو محیط ہے۔ نظام کائنات اس کی تدبیر سے رواں دواں ہے اور اس کی نگہبانی اس کے لئے دشوار نہیں ہے۔ اس کی بارگاہِ ذوالجلال میں صرف وہی شفاعت کر سکے گا جسے اجازت ہوگی۔ اس کائنات کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا علم کائنات کے ہر ذرہ کو محیط ہے اور مخلوق صرف اتنا ہی علم رکھتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے۔

آیت الکرسی کی فضیلت میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے اس کی موت کے بعد جنت میں داخل ہونے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۳۹۵: جلد ۵: ص ۴۵۸)

[۲۱۹] دین میں جبر نہیں یعنی کسی کو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے کیونکہ قرآن کریم نے حق اور باطل کے راستے بالکل واضح کر دیئے

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۠﴿۲۵۷﴾

۲۵۷۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے دوست شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکال لے جاتے ہیں، یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

۲۵۸۔ (پیارے نبی ﷺ!) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا [۲۲۰] اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سلطنت دی تھی، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا: میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال لا، یہ سن کر کافر کے ہوش اڑ گئے، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

ہیں اب جو اپنی مرضی سے شیطان کو ٹھکرا دے اور حق کو مان لے تو اللہ تعالیٰ اس کو نور کی ایسی شاہراہ پر گامزن کر دیتا ہے جو اسے بالآخر جنت میں لے جاتی ہے اور جو شیطان کی اتباع کرتا ہے وہ تاریکیوں میں سرگرداں ہو کر جہنم میں گر جاتا ہے۔

[۲۲۰] عراق کے بادشاہ نمرود نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو خدا ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر نمرود نے کہا: اگر میں رب نہیں ہوں تو پھر تیرا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے کہا: یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں، چنانچہ اس نے ایک ایسے قیدی کو بلایا جس کو قتل کا حکم ہو چکا تھا اور اسے آزاد کر دیا اور ایک بے گناہ آدمی کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ظلم سے شرابور اور عقل سے بہت دور اس توجیہ کو دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر نمرود ششدر و حیران رہ گیا اور کسی قسم کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً

۲۵۹۔ یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی پر گزرا در آنحالیکہ وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی، وہ شخص کہنے لگا: اللہ تعالیٰ اس بستی (کے باشندوں) کو ہلاک ہونے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ [۲۲۱] تو اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کے لئے مار دیا، پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا اور پوچھا: کتنی مدت تو یہاں ٹھہرا رہا؟ وہ کہنے لگا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ تو ایک

---

[۲۲۱] ایک نبی (حضرت عزیر علیہ السلام) ایک ایسی آبادی کے پاس سے گزرے جو تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان ہلاک شدہ لوگوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر موت طاری کر دی اور سو سال کے بعد زندہ کر کے فرمایا: تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے رہے؟ وہ کہنے لگے: ایک آدھ دن۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں بلکہ تمہیں اور تمہارے گدھے کو تو مرے ہوئے سو سال گزر چکے ہیں۔ گدھے کا گوشت ختم ہو چکا ہے۔ اس کی ہڈیاں آپ کے سامنے بکھری پڑی ہیں لیکن کھانے پینے کی چیزیں بالکل تازہ ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کے سامنے ان ہڈیوں سے گدھے کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اس مشاہدہ کے بعد نہ صرف اس نبی کو اطمینان قلب حاصل ہوا بلکہ اس واقعہ نے دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ حقیقت مزید اجاگر کر دی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے وہ لاکھوں سال بعد قیامت کے دن بھی زندہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت اور قدرت کی ایک مثال

اس سو سال میں کئی موسم بدلے، سردیاں اور گرمیاں آئیں، بارشیں اور آندھیاں آئیں، جنگلی درندوں اور فضائی پرندوں کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان احوال سے متاثر ہو کر گدھے کا جسم تو ختم ہو گیا مگر اسی جگہ کھانے پینے کی چیزیں کیسے تر و تازہ رہیں؟ حالانکہ مردے کا جسم ختم ہونے میں کافی دیر لگتی ہے جبکہ کھانے پینے کی اشیاء چند گھنٹوں میں خراب ہو جاتی ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی سنت تو یہی ہے جو گدھے کے ساتھ ہوا لیکن اگر وہ چاہے تو اس کی قدرت یہ بھی ہے کہ حوادثِ زمانہ کے باوجود کھانا بالکل تر و تازہ رہے۔ اسی طرح قبروں میں عام انسانوں کے اجسام تو ختم ہو جائیں گے مگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مقدس جسموں کو مٹی نقصان نہیں پہنچا سکے گی، وہ بالکل صحیح و سلامت رہیں گے۔ اس کا ثبوت حدیث کی کئی کتابوں میں موجود ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن

لِلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

سو سال تک ٹھہرا رہا ہے، اب ذرا اپنی کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ جو ابھی تک باسی نہیں ہوئیں اور اپنے (مرے ہوئے) گدھے کو بھی دیکھ تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنائیں، (مردہ گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھ ہم انہیں کیسے جوڑتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر جب حقیقت اس کے سامنے بالکل واضح ہوگئی تو اس نے کہا: مجھے علم ہوگیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

۲۶۰۔ اور یاد رکھو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا؟ [۲۲۲] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے؟ عرض کی: کیوں نہیں، لیکن (یہ سوال اس لئے ہے) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے، فرمایا: چار پرندے لیں، پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لیں، پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیں، پھر انہیں بلائیں، وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے، اور جان لیں بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

جمعہ ہے۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے''۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسام کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (ابن ماجہ: ۱۰۸۵: ابواب اقامۃ الصلاۃ: باب ۷۹)

[۲۲۲] حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گزر ایک ایسے مردے پر ہوا جس کا گوشت درندے اور پرندے کھا چکے تھے، صرف ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: یا اللہ! مجھے یہ دیکھنے کا شوق ہے کہ مُردوں

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

۲۶۱۔ جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جو سات خوشے اگائے اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں، [۲۲۳] اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

کو کس طرح زندہ کیا جائے گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: میں اس پر پختہ یقین رکھتا ہوں لیکن صرف کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا علم تھا مگر اس کے باوجود اس لئے سوال کیا تا کہ دوسرے لوگوں کو بھی پتہ چل جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ زندگی پر ایمان رکھتے تھے صرف کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چار پرندے لو، ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لو تا کہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان سکو کہ یہ وہی پرندے ہیں اور ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کے ٹکڑے آپس میں ملا دو۔ اس کے بعد ان ملے ہوئے ٹکڑوں کو پہاڑوں پر پھینک دو اور پھر انہیں اپنی طرف بلاؤ۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیلِ حکم کر کے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ گوشت کے ٹکڑے، ہڈیاں اور پر اکٹھے ہوئے اور دوبارہ زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اسی طرح قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ندا بلند ہوگی تو زمین کے ہر گوشے سے انسان زندہ ہو کر اکٹھے ہو جائیں گے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کا ایمان امتی کی نسبت بہت بلند ہوتا ہے، کیونکہ امتی صرف اپنے نبی سے سن کر ایمان لاتا ہے لیکن نبی صرف سن کر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اسے مشاہدہ بھی کراتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: خبر اور مشاہدہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (مسند احمد: جلد اول: ص ۲۷۱)

[۲۲۳] اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جو انسان ایک پونڈ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا اجر و ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے حالانکہ دیگر عام نیکیوں کا اجر و ثواب دس گنا سے شروع ہوتا ہے۔ (قرآن: ۶: ۱۶۰) اس سے آپ راہِ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

محنت و مشقت سے کمائی ہوئی دولت کا خرچ کرنا مشکل تو ہے لیکن اس مال سے پورے معاشرے کی دینی اور دنیاوی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ یعنی ایک طرف فقیر، مسکین، محتاج اور مجبور لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو دوسری طرف جہاد، رفاہِ عامہ، تعلیم دین، اشاعتِ اسلام، مساجد اور مدارس کے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔ بہر حال یہ تو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ابتدائی ثواب ہے، پھر جس قدر کسی کا خلوص بڑھتا جائے گا اسی حساب سے اس کا اجر بھی بڑھتا جائے گا حتیٰ کہ جس کا اخلاص بے حساب ہو گا اس کا اجر بھی بے حساب ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ واسع ہے، اس کے خزانے اور دستِ عطا میں بڑی وسعت ہے اور وہ علیم ہے، ہر ایک کے اخلاص اور ارادے کو بخوبی جانتا ہے اور اسی اعتبار سے اجر و ثواب عطا

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

۲۶۲۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں [۲۲۴] ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

۲۶۳۔ اچھی بات کرنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے، [۲۲۵] اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بہت بردبار ہے۔

فرماتا ہے۔

[۲۲۴] جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور خرچ کرنے کے بعد نہ تو کسی پر احسان جتاتے ہیں اور نہ ہی ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے غریب کی دلآزاری ہو تو ایسے خوش نصیب لوگ اپنے رب تعالیٰ سے اجر عظیم پائیں گے اور ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں گے۔ اس مفہوم سے ملتی جلتی ایک حدیث پاک ملاحظہ کریں:

جنگ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان ﷜ ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان دیناروں کو حرکت دے کر فرمایا: آج کے بعد عثمان جو کچھ کرتا رہے اس کو نقصان نہیں دے گا۔ (ترمذی: ۳۷۰۱: ابواب المناقب: باب ۱۸) نیز حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی: اے میرے رب! میں عثمان سے راضی ہو گیا ہوں تو بھی عثمان سے راضی ہو جا! (تفسیر کبیر)

[۲۲۵] کسی سائل کے ساتھ خندہ پیشانی سے گفتگو کرنا اور اگر سائل کے منہ سے کوئی نازیبا بات نکل جائے تو اس سے درگزر کرنا اس صدقہ و خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد احسان جتایا جائے یا کسی سائل کی دلآزاری کی جائے، لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ سائل کا خوشی سے استقبال کیا جائے، اپنی گنجائش کے مطابق اس کی ضرورت پوری کی جائے اور پھر اس پر احسان نہ جتایا جائے، اور اگر مالی مدد کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو سائل کے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے یہ بھی نیکی ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پاکیزہ اور اچھی بات کرنا بھی صدقہ ہے۔ (مسلم: ۲۳۳۵: کتاب الزکوٰۃ: باب ۱۶) اور اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔ (مسلم: ۶۶۹۰: کتاب البر: باب ۴۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

۲۶۴۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، اس کی مثال اس چکنی چٹان کی طرح ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس چٹان کو بالکل صاف کر دیا، [۲۲۶] ایسے ریاکار اپنی کمائی (نیکی) سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۭبِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

۲۶۵۔ اور جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو ثابت قدم رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اونچی زمین پر اس باغ کی طرح ہے جس پر زور کی بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگنا دے، [۲۲۷] اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہو تو اسے شبنم ہی کافی ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

---

[۲۲۶] ریاکار اور منافق کے صدقات کی مثال اس مٹی کی طرح ہے جو گرد و غبار کی صورت میں چٹان پر چھا گئی لیکن جونہی زور کی بارش ہوئی تو ساری مٹی زائل ہو گئی اور چٹان بالکل خالی رہ گئی۔ اسی طرح قیامت کے دن جب عدل و انصاف کی بارش برسے گی تو ریاکار کے صدقات زائل ہو جائیں گے اور اس کا نامہ اعمال بالکل خالی رہ جائے گا۔ ریاکار کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے بندے! تیری ریاکاری والی عبادت میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ میرے حضور قبولیت تک پہنچ سکے اور نہ ہی آج وہ تمہیں فائدہ دے گی۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۶۸۰۸) لہٰذا ان کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم یہ کام کرتے تھے اور آج ان سے جا کر ان اعمال کا اجر طلب کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۶۸۳۱: جلد ۵: ص ۳۳۳) یعنی نہ میرے لئے تم نے یہ اعمال کئے اور نہ ہی میرے پاس ان کا اجر ہے۔

[۲۲۷] مخلص مؤمن کے صدقات کی مثال اس باغ کی طرح ہے جو بلند جگہ پر زرخیز زمین میں واقع ہے۔ بارش زیادہ ہو یا کم وہ

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾

۲۶۶۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں، اس کے لئے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں، پھر اس کو بڑھاپا آ جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں تو اچانک اس باغ میں ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے، [۲۲۸] اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔

باغ ہر دو صورت میں پھل دیتا ہے۔ اسی طرح صاحبِ اخلاص مؤمن کا صدقہ زیادہ ہو یا کم، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اجر و ثواب کا جو باغ لگا ہوا ہے وہ سدا بہار اور ہمیشہ بار آور رہے گا۔

اس میں ان مخلص مسلمانوں کی دلجوئی کا سامان بھی ہے جو اپنی تنگدستی کی بناء پر زیادہ صدقہ نہیں دے سکتے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے رزق حلال سے ایک کھجور کے دانے کے برابر (یعنی صرف ایک دو پیسہ بھی خرچ کرے) قیامت کے دن اس کا اجر وثواب احد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔

(بخاری: ۱۴۱۰: کتاب الزکوٰۃ: باب ۸)

[۲۲۸] ریاکاری کے نقصانات کو مزید اُجاگر کرنے کے لئے ایک اور مثال دی جارہی ہے، جیسے ایک آدمی محنت اور دولت خرچ کر کے ایک حسین باغ لگاتا ہے، اس میں میٹھے پانی کی نہریں اور ہر قسم کے پھلدار درختوں کا انتظام کرتا ہے۔ اتنے میں وہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے، اس کے اعضاء مزید مزدوری کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ اس کے بچے بھی ابھی چھوٹے ہیں جو بوڑھے باپ کی مدد کرنے کے بجائے خود پرورش کے محتاج ہیں، لیکن بوڑھے باپ کو اطمینان ہے کہ اب وہ اپنی زندگی بھر کی محنت کا ثمر کھائے گا۔ اس پھلدار باغ کی آمدنی سے اس کا بڑھاپا آرام سے گزرے گا اور بال بچوں کی پرورش کے لئے بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی لیکن ان حالات میں اگر اچانک آگ بگولا آئے اور اس کی عمر بھر کی کمائی (باغ) کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ اب بوڑھے میں اتنی طاقت نہیں کہ دوبارہ باغ لگا سکے اور بچے بھی کمائی کرنے کے قابل نہیں تو ذرا اندازہ کرو اس بوڑھے پر کیا گزرے گی اور اس کی حسرت کا کیا حال ہوگا؟ یہی حال اس شخص کا ہوگا جو قیامت کے روز اپنے صدقات پر نجات کی امید لگائے بیٹھا ہو، پھر اچانک اسے معلوم ہوا کہ اس کے صدقات تو ریاکاری اور احسان جتانے کی وجہ سے ضائع ہو چکے ہیں، اب دوبارہ دنیا میں آ کر نیکی کرنے یا میدان حشر میں کسی سے نیکی ملنے کا بھی امکان نہیں ہے تو اندازہ کرو اس کی حسرت کا کیا حال ہوگا؟ روزِ قیامت کی اس محرومی سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آج اپنے اعمال کو ریاکاری سے بچالیں تاکہ روزِ قیامت ان کے اجر وثواب سے فیض یاب ہو سکیں۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

۲۶۷۔ اے ایمان والو! اپنی کمائی سے عمدہ چیزیں (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس سے بھی خرچ کیا کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے [۲۲۹] اور اپنی کمائی سے ایسی ردی چیز خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کئے بغیر لینے والے نہیں ہو، اور خوب جان لو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہر تعریف کے لائق ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

۲۶۸۔ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے [۲۳۰] اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

۲۶۹۔ وہ جسے چاہے دانائی عطا فرماتا ہے اور جسے دانائی عطا کی گئی تو بے شک اسے بہت بھلائی دیدی گئی، اور صرف عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

---

[۲۲۹] اہل ایمان کی تربیت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہتر سے بہتر انعامات سے نوازا ہے، لہٰذا جب اس کی راہ میں خرچ کرنے کی باری آئے تو عمدہ اور پاکیزہ چیزیں خرچ کر کے اس کی رضا حاصل کرو۔ ردی اور غلط طریقے سے کمائی ہوئی چیزیں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو کیونکہ جو چیزیں تمہیں اپنے لئے پسند نہیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو کیسے پسند آئیں گی۔ ویسے بھی کسی کا عمدہ اور کارآمد عطیہ وصول کر کے اس کو ردی اور بے کار ہدیہ دینا کسی باشعور انسان کو زیب نہیں دیتا۔

[۲۳۰] اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا خیال آئے تو اکثر شیطان غربت کا خوف دلاتا ہے۔ کیوں خرچ کرتے ہو، سنبھال کر رکھو کل تمہارے ہی کام آئے گا، اور دوسری طرف بُرے کاموں کو اس طرح بنا سنوار کر پیش کرتا ہے کہ انسان بے دریغ خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے، لہٰذا شیطان کے وساوس سے بچو اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تلاش کرو تا کہ وہ تمہارے لئے حکمت و بصیرت کے دروازے کھول دے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

۲۷۰۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو یا نذر مانتے ہو [۲۳۱] تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

۲۷۱۔ اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے لیکن اگر خفیہ طور پر حاجتمندوں کو دیدو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، [۲۳۲] اور (صدقہ کی برکت سے) اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ گناہ مٹا دے گا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

---

[۲۳۱] اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں مشکل سے نجات مل گئی تو میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا صدقہ دوں گا یا فلاں نیک کام کروں گا، اس کو نذر کہتے ہیں اور اس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن اگر کسی معصیت یا ناجائز کام کی نذر مان بیٹھے تو اس سے توبہ کرے اور اسے پورا نہ کرے۔

[۲۳۲] مفسرین لکھتے ہیں کہ فرضی صدقات ظاہر کر کے دینے افضل ہیں اور نفلی صدقات چھپا کر دینے افضل ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

☆ خفیہ طور پر صدقہ دینے والا ریاکاری کے خطرہ سے محفوظ رہتا ہے اور لینے والے کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی، نیز قیامت کے دن جن لوگوں کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(بخاری: ٦٦٠: کتاب الاذان: باب ٣٦)

☆ لیکن اگر کہیں ایسی صورت پیش آ جائے جس کو چند حضرات پورا نہ کر سکیں تو پھر علانیہ صدقہ دینا اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا افضل ہے تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو جیسے غزوات کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ نے اپیل فرمائی اور صحابہ کرام ؓ نے علانیہ طور پر ایک دوسرے سے زیادہ دینے کی کوشش کی۔ (صحاح ستہ) اسی طرح آج بھی جہاد، مساجد، مدارس، ہسپتال، اشاعتِ دین، اور خدمت خلق وغیرہ کے عظیم منصوبوں کے لئے علانیہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینا افضل ہے بشرطیکہ نیت میں ریاکاری نہ ہو بلکہ دوسروں کو ترغیب دینا مقصود ہو۔

☆ فرضی صدقات مثلاً زکوٰۃ کو علانیہ دینے میں بڑی حکمتیں ہیں۔ سب سے پہلے تو دینے والے کا فرض ادا ہوا اور اس کا مال پاک ہو گیا۔ دیگر لوگوں کو بھی زکوٰۃ دینے کی ترغیب ہوئی اور اس کے اس علانیہ فعل کی ترغیب سے جو بھی زکوٰۃ ادا کرے گا اس کا ثواب اس کو بھی ملے گا، نیز لوگوں کا اعتماد بھی بحال رہے گا اور بدگمانی پیدا نہیں ہوگی یعنی لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دولت سے نوازا ہے تو یہ بھی بخل نہیں کرتا بلکہ زکوٰۃ ادا کر کے اپنے محسن حقیقی کا شکر ادا کرتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

۲۷۲۔ انہیں سیدھی راہ پر چلانا آپ کی ذمہ داری نہیں [۲۳۳] لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے، اور تم جو عمدہ چیز خرچ کرتے ہو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے، اور تم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہی خرچ کرتے ہو، اور تم جو اچھی چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے ان کا تم کو پورا اجر دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہیں ہوگی۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

۲۷۳۔ ان صدقات کے مستحق وہ فقیر لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں، [۲۳۴] زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتا ہے، آپ ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں

☆ زکوٰۃ کے علاوہ دیگر فرضی اعمال یعنی نماز، روزہ، حج وغیرہ کے علانیہ کرنے میں بھی یہی حکمتیں ہیں اور غالباً اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ (مسلم: ۱۸۲۵: صلاۃ المسافرین: باب ۲۹) یعنی نماز پڑھنے کے لئے گھر سے نکلنا، مسجد میں جانا، وہاں لوگوں کے سامنے جماعت میں شریک ہونا وغیرہ یہ سب اگرچہ اظہارِ نماز تو ہے مگر یہی ضروری ہے۔ الغرض خفیہ اور علانیہ دونوں طرح نیک اعمال کرنا اچھا ہے اور ضرورت کے مطابق کبھی خفیہ افضل ہو جاتا ہے اور کبھی علانیہ کی فضیلت بڑھ جاتی ہے۔

[۲۳۳] مسلمانوں کے جو رشتہ دار تبلیغ کے باوجود ایمان نہ لائے مسلمان ان کو صدقہ دینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم نے تبلیغ کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب ان کا ہدایت قبول کرنا یہ تمہاری ذمہ داری نہیں، لہٰذا محض کفر کی وجہ سے کسی کو بھوکا مرتے دیکھنا اسلام کی شانِ رحمت کے خلاف ہے۔ تم ان کے کفر کو نہ دیکھو بلکہ انسانیت کے ناطے سے اپنے خالقِ حقیقی کو راضی کرنے کے لئے ان کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس انسانی ہمدردی کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا، لیکن یاد رہے یہ اجازت صرف نفلی صدقات کے لئے ہے، تاہم، فرضی صدقات صرف مسلمانوں کا حق ہیں کسی غیر مسلم کو نہ دیئے جائیں۔

[۲۳۴] حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں تین چار سو کے قریب ایسے مہاجر تھے جو تاریخ میں اصحابِ صفہ ؓ کے نام سے

کرتے، اور جو مال تم خرچ کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

۲۷۴۔ جو لوگ رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تو ان کے رب کے ہاں ان کے لئے اجر ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ

۲۷۵۔ جو لوگ سود [۲۳۵] کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو، [۲۳۶] ان کی یہ حالت

مشہور ہیں۔ یہ خوش نصیب مسجد نبوی میں رہائش پذیر تھے اور دین کا ہر کام کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ جنگ کا اعلان ہوتا تو یہ صف اول میں ہوتے۔ امن کا زمانہ ہوتا تو یہ علم دین حاصل کرتے اور دوسروں تک پہنچاتے۔ دینی خدمات میں اس قدر مصروف رہتے کہ انہیں اپنی معاش پیدا کرنے کی فرصت ہی نہ ملتی لیکن فقر و تنگدستی کے باوجود کسی کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے، جیسے گزرتی صبر و شکر سے گزار دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ عام مسلمانوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائی کہ یہ مخلص حضرات خاص طور پر تمہارے صدقات کا بہترین مصرف ہیں لیکن یہ حکم اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب بھی جو لوگ اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کر دیں اور کسب معاش کے لئے وقت نہ نکال سکیں تو ان کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ دینی علوم پڑھنے اور پڑھانے میں ہمہ وقت مصروف رہنے والے حضرات بھی اس آیت کے ضمن میں آسکتے ہیں۔

[۲۳۵] کسی ضرورتمند کو اس شرط پر رقم قرض دی جائے کہ وہ مدتِ معینہ کے بعد اصل زر کے ساتھ معین زیادتی بھی واپس کرے گا۔ مثال کے طور پر ۱۰۰ پونڈ اس شرط پر قرض دیئے جائیں کہ ایک سال کے بعد ۱۲۰ پونڈ واپس کرے گا تو اس بیس پونڈ کی زیادتی کو سود کہا جاتا ہے۔

[۲۳۶] سود خور کو بغیر مشقت کے گھر بیٹھے ہوئے جب وافر مقدار میں دولت میسر آجاتی ہے تو شیطان اسے معصیت کے سبز باغ دکھاتا ہے اور وہ شیطانی کاموں (یعنی شراب، معصیت، بے حیائی وغیرہ) میں سرگرم ہو جاتا ہے اور دیکھنے والوں کو اس کے احوال سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس پر شیطان کا غلبہ ہو چکا ہے، اور میدانِ حشر میں بھی اس کی پاگلانہ کیفیت اور ناشائستہ

مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ

اس لئے ہوگی کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ تجارت سود کی مانند ہے [۷۲۳] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کیا، سو جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ (سود

حرکات کو دیکھ کر سارے لوگ دور سے پہچان لیں گے کہ یہ وہ بدنصیب ہے جو دنیا میں احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سود کھایا کرتا تھا۔

[۷۲۳] اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا مگر سود خور اس حکم الٰہی کے برعکس تجارت اور سود کو برابر سمجھتا ہے۔ اس فرق کو واضح کرنے کے لئے میں اپنے شیخ طریقت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں:

''تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے، پھر محنت کرتا ہے، اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں صرف کرتا ہے اور وقت خرچ کرتا ہے۔ اس کے باوجود نفع یقینی نہیں۔ اسے نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی، لیکن سود خور جو صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا ہے۔ نہ وقت، نہ محنت، نہ کاوش۔ وہ یقینی نفع کا خواستگار کیوں ہو۔ اسلام نے سرمایہ دار کے لئے دو ہی راستے تجویز کئے ہیں، یا تو اپنے بھائی کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ بطور قرض حسن دے ورنہ کاروبار میں شریک ہوجائے اور نفع ونقصان میں حصہ دار بنے۔ اس کے لئے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔'' (تفسیر ضیاء القرآن: سورہ بقرہ: زیر آیت نمبر ۲۷۵)

مسلم ممالک میں بینک کا سود

سود کے حق میں جدید مفکرین کی رائے یہ ہے کہ

۱۔ نجی ضروریات کے لئے سود کے بغیر قرض دیا جائے۔

۲۔ کاروباری لوگوں سے سود لیا جائے کیونکہ وہ بہت منافع کماتے ہیں۔

۳۔ جو آدمی لمبی مدت کے لئے بینک میں رقم رکھے اسے سود ملنا چاہیے کیونکہ افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت گرجاتی ہے اور دس سال بعد اس کی قدر آدھی سے بھی کم رہ جاتی ہے۔

سود کے خلاف اس فقیر کی رائے یہ ہے کہ

۱۔ نجی ضروریات (کھیتی باڑی کے لئے ٹریکٹر وغیرہ کی خریداری یا ذاتی مکان کی توسیع ومرمت وغیرہ) کے لئے قرض حسن دیا جائے، اور جو لوگ اتنے غریب ہوں کہ اپنی اولاد کی تعلیم اور اپنے بال بچوں کے علاج کے لئے بھی پریشان ہوں تو ان کے لئے بینک اپنے منافع سے ایک خصوصی فنڈ قائم کرے جس سے صدقات وعطیات کے طور پر ایسے مجبور لوگوں کی مدد کی جائے۔

۲۔ کاروباری لوگوں کو اسلامی تجارت (مضاربت) کے لئے رقم دی جائے جس میں بینک باقاعدہ حصہ دار ہو۔ اس طرح

وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝

سے) باز آ گیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا تھا وہ اس کا ہو گیا، [۲۳۸] اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اور جو شخص دوبارہ سود کھانے لگے تو وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

بینک اس کاروبار کے منافع سے اپنے اخراجات بھی نکالے اور رقم کے اصل مالک کو بھی منافع سے طے شدہ حصہ دے۔

۳۔ اسلام میں اصل قوتِ خرید کاغذ کی کرنسی نہیں بلکہ سونا اور چاندی ہیں، لہٰذا جن ممالک کی کرنسی مستحکم نہیں ہے ان کے سود سے بچنے کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ دس سال قبل جس نے ایک ہزار پونڈ جمع کرائے اس وقت اگر ایک پونڈ کی قدر نوے پنس تھی اور آج چالیس پنس رہ گئی ہے تو اسے نوے پنس کے اعتبار سے پچاس فی صد زیادہ دیا جائے۔

یا دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دس سال قبل جس نے ایک ہزار پونڈ جمع کرائے اس وقت ایک ہزار پونڈ کا جتنا سونا بازار میں دستیاب تھا سونے کی وہ مقدار اس کے کھاتہ میں لکھ دی جائے اور دس سال بعد سونے کی اسی مقدار کی جو قیمت بازار میں ہے اسے واپس کر دی جائے، مثلاً دس سال پہلے اگر ایک ہزار پونڈ کا بیس گرام سونا ملتا تھا اور آج تین ہزار پونڈ کا بیس گرام سونا ملتا ہے تو اسے ایک ہزار کی بجائے تین ہزار پونڈ واپس کئے جائیں۔ اس طرح انسان سود اور افراطِ زر دونوں کے اثرات سے بچ سکتا ہے۔ (حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

غیر مسلم ممالک میں بینک کا سود

غیر مسلم ممالک میں چاہے مسلمان امن میں ہوں یا حالتِ جنگ میں وہاں امیر مسلمان کاروبار کے لئے اور غریب مسلمان اپنی رہائش کا مکان خریدنے کے لئے سود دینے پر مجبور ہیں، غیر مسلم انہیں سود کا ایک پنس بھی معاف نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اگر مسلمان سود نہ لیں تو بینک والے سود کی یہ رقم کسی غیر مسلم چیریٹی کو دیدیتے ہیں جو اسلام کے خلاف بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے بینکوں میں عرب مسلمانوں کے سرمایہ پر لاکھوں ڈالرز سود بنتا ہے جو غیر مسلم چیریٹیز لے جاتی ہیں حالانکہ یہ سود اگر کسی غریب مسلم ملک کو دیا جائے تو اس کے بہت سے قرضوں کا مداوا ہو سکتا ہے، لہٰذا غیر مسلم ممالک میں بینکوں سے سود لے کر کسی غریب اسلامی ملک یا مسلم چیریٹی کو دینے کے حق میں اگر علمائے اسلام کوئی راہ نکال سکیں تو اس سے کئی غریب مسلمانوں کا فائدہ ہو سکتا ہے۔ (حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

[۲۳۸] حرمتِ سود کا حکم ملتے ہی جس نے توبہ کر لی تو اس سے پہلے جو سود وہ لے چکا تھا وہ اس کے لئے جائز ہو گیا اور اس کا واپس کرنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر گنجائش ہو اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے واپس کر دے تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے، تاہم اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اب اگر حلال سمجھتے ہوئے دوبارہ سود کھانے لگے تو کفر کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اگر حرام سمجھتے ہوئے سود کھانے لگے تو جرم کے مطابق سزا کا مستحق ہو گا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

۲۷۶۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، [۲۳۹] اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

۲۷۷۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور نماز قائم رکھی اور زکوۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

۲۷۸۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مؤمن ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

۲۷۹۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو [۲۴۰] اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تم کو مل جائیں گے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

---

[۲۳۹] سود خور خودغرض ہوتا ہے اس لئے اس کی معاشرہ میں عزت نہیں ہوتی اور اس کی موت کے ساتھ ہی اس کا نام بھی مٹ جاتا ہے۔ سود خور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اس لئے دنیا میں وہ سکونِ قلب سے محروم رہتا ہے اور آخرت میں رضائے خداوندی سے محروم ہوگا۔ اس کے برعکس صدقہ وخیرات کرنے والا دنیا میں غریبوں کی دعائیں لیتا ہے، باعزت زندگی گزارتا ہے، مرنے کے بعد لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتا ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت والے دن جس انسان کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ملے گا وہ وہ خوش نصیب ہوگا جس نے صدقہ کر کے کسی مجبور انسان کی ضرورت پوری کی ہوگی۔ (الترغیب والترہیب: جلد دوم: ص ۴۶)

[۲۴۰] ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مقروضوں پر جو سود باقی رہ گیا ہے حرمت کے بعد اب اسے معاف کر دو ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے تمہیں اعلانِ جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود خور کے علاوہ کسی مجرم کو اعلانِ جنگ نہیں دیا، لہٰذا یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے فوراً توبہ کر لو اور تمہیں اصل مال مقروضوں سے واپس مل جائیں گے۔ اس حکم کے بعد نہ تم مقروضوں سے سود لے کر ظلم کرو اور نہ ہی مقروض تمہارے مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کریں بلکہ مقروضوں کا فرض ہے کہ وقت

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

۲۸۰۔ اور اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے خوشحال ہونے تک مہلت دو، اور اسے معاف کر دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

۲۸۱۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ

۲۸۲۔ اے ایمان والو! جب تم کسی مقرر مدت کے لئے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو، [۲۴۱] اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا ہے اس کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، لہٰذا اسے لکھنا چاہیے اور جس شخص پر قرض ہے لکھوانا اس کی ذمہ داری ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے جو اس کا رب ہے اور قرض سے کچھ بھی کمی نہ کرے، پھر اگر مقروض نادان ہو یا کمزور ہو یا وہ خود لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی (سرپرست) عدل سے

پر پورا قرض واپس کر دیں۔ اگر مقروض تنگدست ہو اور وقت پر قرض واپس نہ کر سکے تو اسے مزید مہلت دیدو اور اگر ایسے مسکین کو بالکل معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ آج تم تنگدست کو معاف کر دو کل روزِ قیامت اگر تمہارے نامہ اعمال میں نیکیوں کی تنگدستی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کی برکت سے تمہیں معاف کر دے گا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی تنگدست مقروض کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ترمذی: ۱۳۰۶: ابواب البیوع: باب ۶۷)

[۲۴۱] دنیاوی زندگی میں قرض کا لین دین انسان کی ضرورت ہے لیکن اس کے طریق کار میں بے احتیاطی سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں جو بالآخر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے اس آیت میں (جو کہ قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے) قرض کے بارے میں ضروری ہدایات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ قرض کے معاملہ میں مدت کا تعین کیا جائے تا کہ فریقین کو علم ہو کہ یہ قرض کب واپس ہو گا۔
۲۔ قرض تھوڑا ہو یا زیادہ بہر صورت اس کی ساری تفصیلات ایک دستاویز کی شکل میں لکھ دی جائیں اور اس تحریر کی کاپی ہر فریق کو دے دی جائے تا کہ گواہ کے فوت ہونے یا کسی شبہ کے پڑنے کی صورت میں یہ تحریر کام آسکے۔ اس تحریر کا مضمون قرض لینے والے کی ذمہ داری ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے ایک قسم کا اقرار نامہ ہے جس کی اسے پابندی کرنا ہو گی۔ لیکن اگر مقروض کسی وجہ سے خود لکھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا وارث اس تحریر کا انتظام کرے۔

نیز کاتب کے لئے ضروری ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ ہر چیز واضح الفاظ میں لکھے جس میں کسی ابہام کی گنجائش نہ ہو اور فریقین میں سے کوئی بھی کاتب کو غلط لکھنے پر مجبور نہ کرے۔

۳۔ اس دستاویز پر دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بھی بنا لیا جائے تا کہ دستاویز ضائع ہونے کی صورت میں یہ گواہ کام آسکیں، اور دو عورتیں اس لئے کہ عدالت میں اگر ایک عورت گھبرا جائے یا کوئی بات بھول جائے تو دوسری عورت اس کو تسلی دے اور اسے یاد دلا دے۔ گواہ بناتے وقت یہ احتیاط ضروری ہے کہ وہ قابل اعتماد ہوں جو سچی گواہی دیں کیونکہ جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے، نیز گواہوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بلا وجہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں کیونکہ فیصلے کا دار و مدار ان کی گواہی پر ہے، اور فریقین میں سے کوئی بھی انہیں جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہ کرے۔
۴۔ اگر سفر میں لین دین کا معاملہ ہو جائے اور کاتب یا گواہ میسر نہ ہوں تو ایسی صورت میں خریدنے والا قیمت کی جگہ اپنی کوئی چیز بیچنے والے کے پاس گروی رکھ دے، جب وہ قیمت ادا کرے تو اپنی گروی شدہ چیز واپس لے لے۔ یہاں حالتِ سفر میں گروی رکھنے کا ذکر ہے لیکن اگر حضر میں بھی ایسی صورت پیش آجائے تو بھی گروی رکھ کر کوئی چیز خریدنا درست ہے۔
۵۔ یہاں پر قرض کے لین دین میں قرآن مجید نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے۔ اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ فرق کیوں ہے؟ اس فرق کی وجہ معلوم کرنے کے لیے پہلے جدید تحقیق پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ عورت اور مرد کے جسمانی اور نفسیاتی فرق کے بارے میں ماہرین نے ٹائم میگزین میں تفصیلی بحث کی ہے، اس کے چند نکات ملاحظہ کریں:
۱۔ اگرچہ لڑکیاں عام طور پر ریاضی اور فضائی مباحثہ میں لڑکوں سے کم مہارت رکھتی ہیں لیکن شمار کرنا اور اچھے سلیقے سے گفتگو کرنا وہ لڑکوں سے پہلے سیکھ لیتی ہیں۔

۲۔ جب چھوٹے بچوں اور ان کی ماؤں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے تو لڑکے اس رکاوٹ کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ لڑکیاں گھبرا کر رونا شروع کر دیتی ہیں۔

۳۔ دباؤ کی صورت میں عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ گھبرا جاتی ہیں اور اس کا سبب وہ مخصوص ہارمون ہیں جو صرف عورت کے جسم میں ہوتے ہیں۔

الغرض فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مرد اور عورت کا یہ فرق کوئی نقص نہیں ہے، بلکہ ہم سب انسان ہیں اور اس لحاظ سے ہم سب

رِجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى

لکھوا دے، اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم گواہ پسند کرتے ہو تا کہ ایک عورت اگر بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرا دے، اور گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں، اور قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک اسے لکھنے سے اکتایا نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کارروائی بڑی انصاف والی ہے اور گواہی کو بہت درست رکھنے

برابر ہیں مگر یکساں نہیں ہیں۔ہم انصاف صرف اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہم اس بنیادی فرق کو پہچانیں اور اس کا احترام کریں۔

(Time Magazine, New York,1972,Male & Femal: Differences between Them)

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان جسمانی بناوٹ کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے، مثلاً: ناکامی کی صورت میں مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ آسانی سے بے حوصلہ اور دل شکستہ ہو جاتی ہیں۔

(Encyclopedia Britannica,1984,Women)

جدید تحقیقات نے عورت کی جس فطری کمزوری کی آج نشاندہی کی ہے اسلام نے چودہ سو سال پہلے اعلان کر دیا تھا کہ عورت مرد کی نسبت زیادہ گھبرا جاتی ہے اس لیے اسے ایک ساتھی کی ہر وقت ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کرے اور گھبراہٹ کے وقت اس کو تسلی دے، نیز جدید تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت علم ریاضی میں بھی مرد کی نسبت کمزور ہے، اسی لیے قرآن مجید نے صرف مالی معاملات کی گواہی میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر قرار دیا ہے جب کہ کئی دیگر مسائل ایسے بھی ہیں جن میں صرف ایک ہی عورت کی گواہی معتبر ہے، مثلاً رضاعت کے بارے میں حسن اور زہری نے کہا: بچے کی رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: روایت نمبر ۱۵۴۳۳: جلد ۸: ص ۳۳۴)

قرآن مجید نے دو عورتوں کی گواہی کے بارے میں جو وجہ بیان کی ہے وہ اس صنف نازک کی فطرت کے عین مطابق ہے۔آیئے تعصب سے ہٹ کر ذہنی حقائق کی روشنی میں اس کا تجزیہ کرتے ہیں:

اگر قرض کے معاملات میں اختلاف پیدا نہ ہو تو گواہوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور اگر اختلاف پیدا ہو جائے تو

اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَلَّا تَكۡتُبُوۡهَا ؕ وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيۡدٌ ؕ وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌ بِكُمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸۲﴾

والی اور تمہیں شک وشبہ سے زیادہ بچانے والی ہے، ہاں اگر آپس میں تمہارا لین دین نقد تجارت کی شکل میں ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور جب تم آپس میں خرید وفروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور (یاد رکھو کہ) کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارا گناہ ہو گا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

۲۸۳۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی کاتب نہ ملے تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو، پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے اس کا دل گناہگار ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

دونوں میں سے ہر گروہ اپنے آپ کو صحیح سمجھتا ہے اور اپنے موقف سے دست بردار ہونا اپنی توہین خیال کرتا ہے اور بعض دفعہ حالات ایسا رخ بھی اختیار کر جاتے ہیں کہ دونوں گروہ لڑنے مرنے پر آ جاتے ہیں۔ اب مردوں کے اس پر جوش اور اشتعال انگیز ماحول میں جب ایک عورت کو گواہی کے لیے بلایا جائے گا تو اس کا گھبرانا اور بھول جانا ایک فطری امر ہے، تو ایسے حالات میں اسلام نے عورت کی توہین نہیں کی بلکہ اس کا فطری تقاضا پورا کیا ہے تاکہ دوسری عورت اس کو تسلی دے اور اسے اصل حقیقت یاد دلا دے، تو یہ فرق ضرورت کی وجہ سے ہے فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اسی طرح آج بھی عدالتوں میں جب مخالف وکیل جرح کرتا ہے اور اسے بہکانے اور بھلانے کے لیے سخت تنقید کرتا ہے تو عورت کا جذبات میں آ کر گھبرا جانا ایک فطری امر ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

۲۸۴۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے، اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا، [۲۴۲] پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

۲۸۵۔ رسول (اکرم ﷺ) اس (کتاب) پر ایمان لائے [۲۴۳] جو ان کی طرف ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی اور مؤمن (بھی ایمان لائے)، یہ سب اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور تیری

---

[۲۴۲] اگر کوئی انسان اپنے دل میں برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل کرنے کا عزم بھی کر لے لیکن آخر کار اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکے تو اس ارادے پر اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنے مخالف کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، پھر پستول لے کر اس کے گھر چلا گیا اور وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ اس کا مخالف تو ایک دن پہلے ہی فوت ہو چکا ہے یا اس کے اردگرد پہرہ اتنا مضبوط ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکا تو اس صورت میں اگرچہ اس پر قتل کی سزا تو واجب نہیں ہوگی لیکن اس ارادہ قتل پر محاسبہ ضرور ہوگا۔ اس کے برعکس اگر کسی انسان کے دل میں غیر ارادی طور پر وسوسہ پیدا ہو لیکن وہ اسے پسند نہیں کرتا یا اس کے دل میں بُرائی کا خیال آئے لیکن خوفِ خدا اسے عمل کرنے سے روک دے تو ایسے خیالات پر گرفت نہیں ہوگی بلکہ ثواب کی اُمید ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو انسان نیکی کا ارادہ کرے اور اس نے ابھی وہ نیکی نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکمل نیکی کا ثواب لکھ لیتا ہے، اور اگر وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کے لئے دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھ لیتا ہے، اور اگر وہ گناہ کا ارادہ کرے، پھر اس گناہ کا ارادہ ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ گناہ کا ارادہ کرے اور اس گناہ کو عملاً کر گزرے تو اللہ تعالیٰ اس کا صرف ایک گناہ لکھتا ہے۔ (بخاری: ۷۵۰۱: کتاب التوحید: باب ۳۵)

[۲۴۳] اللہ تعالیٰ نے جو قرآن کریم نازل فرمایا اس پر رسول اکرم ﷺ خود اور دیگر مؤمن ایمان لائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی

طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٝ وَاغْفِرْ لَنَا ٝ وَارْحَمْنَا ٝ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۸

۲۸۶۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا، جو نیک کام اس نے کیا اس کا اسے فائدہ ملے گا اور جو بُرا کام اس نے کیا اس کا اسے نقصان پہنچے گا، اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ فرما، [۲۴۴] اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا، اے ہمارے پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو، ہم سے درگزر فرما، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مالک ہے، کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

طرف سے نازل ہونے والا سچا کلام ہے۔ سارے اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ ایسا نہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کردیں بلکہ سب کو مانتے ہیں۔

نیز سارے مؤمن اللہ تعالیٰ کا کلام عقیدت سے سنتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی بخشش کے طلبگار رہتے ہیں۔ سارے اہل ایمان اس بات پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں کہ سب کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے، جس دن ہر شخص کو اس کی نیکیوں کا اجر ملے گا اور برائیوں کی سزا ملے گی۔

[۲۴۴] اللہ تعالیٰ بہت ہی مہربان ہے اور اپنی رحمت کو تقسیم کرنے کے لئے کہیں دعا مانگنے کی ترغیب دیتا ہے، کہیں دعا قبول کرنے کی امید دلاتا ہے اور اس آیت میں دعا مانگنے کا سلیقہ بتا رہا ہے کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے سوال کیا جائے اور کیا مانگا جائے۔ اس دعا میں دنیا و آخرت کی بھلائی موجود ہے، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''سورہ بقرہ کی آخری دو آیات مجھے عرش کے نیچے جو (خصوصی رحمتوں کا) خزانہ ہے اس سے عطا فرمائی گئی ہیں اور یہ وہ انعام عظیم ہے جو اور کسی نبی کو نہیں دیا گیا''۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۱۵۱)

جب بھی جبریل امین یہ دعائیہ کلمات تلاوت کرتے تو حضور اکرم ﷺ آمین یا رب العالمین فرماتے۔ یعنی اے

سارے جہانوں کے رب! اس دعا کو قبول فرما! (تفسیر در منثور)

اے ہمارے پروردگار! اس وقت بارہ ربیع الاول اور سوموار کی صبح صادق طلوع ہو رہی ہے۔ آج سے ۱۴۷۵ برس پہلے یہی وہ مبارک ساعت تھی جس میں تو نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو اس روئے زمین پر جلوہ گر فرمایا اور اس کے ذریعہ کفر کی تاریکیوں میں اسلام کا سورج طلوع فرمایا۔ تیرے فضل و کرم سے اس گناہگار فقیر کو بھی یہ شرف حاصل ہوا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر اسی مبارک ساعت میں مکمل کر رہا ہے اور اس سورہ کی آخری دعا پر آمین کہتے ہوئے آخری جملہ کی دوبارہ بھیک مانگ رہا ہے۔ اے ہمارے رب! اس بابرکت گھڑی میں آنے والی بابرکت ہستی ﷺ کے صدقے امت مسلمہ کی حالت زار پر رحم فرما، ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، مظلوم مسلمانوں کو آزادی عطا فرما، تمام مسلم ممالک کو آپس میں اتفاق اور اتحاد نصیب فرما تا کہ مسلمان عزت سے زندگی گزار سکیں اور اکیسویں صدی میں اسلام کی بہتر نمائندگی کر سکیں۔

انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کی ابتداء ۳۰ ستمبر ۲۰۰۰ء (یکم رجب ۱۴۲۱ھ) بروز ہفتہ بعد از نماز مغرب جامعہ الکرم (انگلستان) میں ہوئی، اور سورہ بقرہ کی تفسیر کی تکمیل آج ۴ جون ۲۰۰۱ء (۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ) بروز سوموار صبح صادق کے وقت قبل از نماز فجر جامعہ الکرم (انگلستان) میں ہو رہی ہے۔

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ اٰلِ عِمرٰن (۳)

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی تمام سورتوں کو مدنی کہا جاتا ہے۔ اس سورت کا نام آلِ عمران ہے کیونکہ اس میں عمران کی بیوی (حنّہ)، ان کی بیٹی حضرت مریم اور ان کے نواسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کا بیان ہے۔

مضامین کی ایک جھلک

اس سورت میں بڑے واضح انداز میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے وہ صرف ایک ہے، اس کا نام دین اسلام ہے۔ گزشتہ انبیائے کرام بھی اسی دین کے علمبردار تھے۔

اس سورت میں یہودی اعمال اور عیسائی عقائد کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔ عیسائی علماء کے ساتھ مناظرہ بھی ہوا جس سے عاجز آ کر وہ مباہلہ پر آمادہ ہوئے اور بالآخر مباہلہ سے بھی دستبردار ہو گئے کیونکہ انہیں علم ہو گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔

اس میں توحید، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت کو بیان کیا گیا ہے اور حج کی فرضیت کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔ امت مسلمہ کو بہترین امت فرمایا گیا اور اس کو عظیم ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا کہ وہ آپس میں اتحاد سے رہیں۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔

اس سورت میں جنگ بدر کا مختصر اور جنگ اُحد کا مفصل ذکر ہے۔ جنگِ اُحد میں سات سو صحابہ کرام میں سے صرف چالیس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ سزا دی کہ جیتی ہوئی جنگ کو ہار میں بدل دیا اور کافر غالب آ گئے۔ آج ہم دن رات سینکڑوں احکام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہے کہ کفر غالب ہے اور مسلمان ہر جگہ ذلت و رسوائی کا شکار ہیں۔ اس تکلیف دہ صورتِ حال سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ احکام اسلام پر عمل کریں اور ایمان کے تقاضے پورے کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مومن ہو۔

(سورہ آل عمران: آیت نمبر ۱۳۹)

اس سورت کی فضیلت کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران (روشن اور اجر والی سورتیں ہیں) پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے روز بادلوں کی طرح (سایہ فراہم کرتی ہوئی میدان حشر میں) آئیں گی یا پرندوں کی جماعتوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت کریں گی (یعنی ان کی شفاعت کے لیے جھگڑا کریں گی اور دوزخ کے فرشتوں کو قریب نہیں آنے دیں گی)۔ (صحیح مسلم: ۱۸۷۴: کتاب صلاۃ المسافرین: باب ۴۲)

اٰیاتہا ۲۰۰ ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں/کرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ ۝۱

۱۔ الف لام میم۔[۱]

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲

۲۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ ہے سب کو قائم رکھنے والا ہے۔[۲]

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝۳

۳۔ اس نے آپ ﷺ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔

مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

۴۔ اس (قرآن) سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور اسی نے قرآن نازل فرمایا، بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝۵

۵۔ بے شک زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۶

۶۔ وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

---

[۱] الف لام میم : یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے درمیان محبت کے ایسے راز ہیں جن کو جبریل امین بھی نہیں جانتے۔ مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ ہو۔

[۲] اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ تک زندہ رہے گا۔ ساری کائنات اپنی زندگی اور نشوونما میں اس کی محتاج ہے لیکن وہ کسی کا

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا

۷۔ وہی ہے جس نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل فرمائی، اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں جو اس کتاب کی بنیاد ہیں [۳] اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن کی متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنیٰ کی تلاش ہے حالانکہ ان کا صحیح معنیٰ اللہ تعالیٰ کے

محتاج نہیں ہے۔ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے پہلی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور قرآن مجید بھی اسی نے نازل فرمایا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور حق و باطل کا فرق بھی واضح کرتا ہے۔

[۳] محکم آیات

یہ وہ آیات ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہو اور ان کے الفاظ یا معانی میں کسی اِشکال یا تاویل کی گنجائش نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ ایک ہے، قرآن مجید سچی کتاب ہے، نماز فرض ہے، وغیرہا۔ محکم آیات ہی قرآن مجید کی بنیاد اور اسلام کو سمجھنے کا سرچشمہ ہیں۔

متشابہ آیات

یہ وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح نہ ہو اور ان کے الفاظ یا معانی میں اِشکال یا تاویل کی گنجائش ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، چہرے، عرش اور کرسی کی کیفیت، قیامت اور دجال کے آنے کا وقت وغیرہا۔ ایسی چیزیں ہمارے حواس کی دسترس سے بالاتر ہیں، لہٰذا ان کی تفصیلات میں سرگرداں رہنا کوئی دانشمندی نہیں۔ اسی لئے اہل علم کہتے ہیں: ''متشابہ آیات کے معانی ہماری عقل میں آئیں یا نہ آئیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ آیات محکم ہوں یا متشابہ، یہ سب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں۔'' لیکن فتنہ پرور لوگ ان آیات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو محکم آیات کے منافی ہوتی ہیں اور اس طرح وہ سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے مکروہ دھندے میں مصروف رہتے ہیں۔

ایک مثال سے اس کو مزید آسان کرنا چاہتا ہوں: پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ایک چرواہا اہل دیہات کو پکارتا ہے کہ پہاڑ کی دوسری طرف سے شیر کی طرح کا کوئی درندہ آرہا ہے، لہٰذا تم اپنی حفاظت کا بندوبست کرلو۔ اب جو لوگ چرواہے کی بات سنتے ہی اپنے تحفظ کی فکر کریں گے وہ محفوظ رہیں گے اور جو بے وقوف آپس میں یہ بحث شروع کردیں کہ وہ کونسا درندہ ہوسکتا ہے، وہ کس رفتار سے آرہا ہے، اس کا رنگ کیسا ہے، وہ جنگلی گدھا تو نہیں وغیرہا۔ ظاہر ہے یہ لوگ اصل مقصد یعنی اپنی حفاظت سے غافل ہوکر فضول بحث میں سرگرداں رہیں گے، اتنی دیر میں وہ درندہ پہنچ آئے گا اور انہیں چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

اسی طرح جو مسلمان متشابہ آیات پڑھتے ہی ان پر ایمان لے آتے ہیں اور محکم آیات پر عمل کرنے میں مصروف رہتے ہیں وہ فلاح پا جاتے ہیں اور جو متشابہ آیات کی تاویلوں میں سرگرداں رہتے ہیں اور محکم آیات سے غافل رہتے ہیں، جو نہی

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

سوا کوئی نہیں جانتا[۴] اور پختہ علم والے کہتے ہیں: ''ہمارا تو ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں''، اور صرف عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

۸۔ اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بہت زیادہ دینے والا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ع

۹۔ اے ہمارے رب! بے شک تو سب لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝

۱۰۔ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے نہ بچاسکیں گے[۵] اور وہ جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں۔

ان کی موت آتی ہے تو سوائے حسرت کے انہیں کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔

[۴] متشابہ آیات کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کوئی انسان اپنے عقل وفکر سے ان کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا، البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے فضل وکرم سے ان کا علم عطا فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی)

اس کی تصدیق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ملاحظہ ہو جو آپ نے سید المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی: اے اللہ تعالیٰ! عبد اللہ بن عباس کو دین کی سمجھ اور تاویل (متشابہ آیات کی تفسیر) کا علم عطا فرما۔

(مسند احمد: جلد اول: ص ۲۶۶)

اور اسی دعا کے اثر سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان سے ہوں جو متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔

(تفسیر روح المعانی)

[۵] کفار کو ان کے کفر کی سزا ضرور ملے گی۔ مال اور اولاد انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچاسکتے جس طرح فرعون کو اس کا

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱

۱۱۔ ان کا طریقہ بھی آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے، جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲

۱۲۔ کافروں کو کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے، [۶] اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

۱۳۔ یقیناً تمہارے لئے ان دو گروہوں میں عبرت کی نشانی تھی جو (میدانِ بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے [۷] ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا، مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کافروں کی تعداد دگنی ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی نصرت سے سرفراز فرماتا ہے، یقیناً اس واقعہ میں آنکھ والوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

لشکر اور خزانے نہ بچا سکے اور اپنے گناہوں کے سبب سارے پانی میں غرق ہو گئے۔

[۶] یہاں کافروں سے مراد یہود ہیں جو اسلام کے خلاف سازشوں میں سرگرم تھے، چنانچہ قرآن کی یہ پیش گوئی بہت جلد پوری ہوئی اور یہود ہر جگہ شکست کھا گئے۔

[۷] یعنی جنگ بدر میں کفار کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی، اس کے باوجود کفار شکست کھا گئے۔ یہ قدرتِ خداوندی کی کھلی نشانی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کامیابی کا دارومدار تعداد کی کثرت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ لوگوں کے لئے ان کی مرغوب چیزیں یعنی عورتیں، بیٹے، سونے اور چاندی کے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتی مزین کر دی گئی ہیں، [۸] یہ سب دنیوی زندگی کے سامان ہیں اور اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ آپ فرمایئے: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ متقی لوگوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے ہاں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، متقی ان میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے سرفراز ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے، سو ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ یہ لوگ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، (اللہ تعالیٰ کی) فرمانبرداری کرنے والے، (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

---

[۸] اہل و عیال اور مال و دولت سے محبت ایک فطری امر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ دنیاوی زندگی عارضی ہے، صرف اسی میں کھو کر نہ رہ جائے۔ اس سے بہتر ٹھکانا جنت ہے جس کی نعمتیں دائمی ہیں اور سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو تخلیق انسانیت کا اصل مقصد ہے، لہٰذا دنیوی ساز و سامان سے استفادہ کیا جائے تا کہ یہ عارضی زندگی خوشگوار گزرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ صبر و صداقت، اطاعت و سخاوت اور عبادت و تقویٰ کا راستہ اختیار کیا جائے تا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ عدل وانصاف کو قائم کرنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے، [۹] علم ہو جانے کے باوجود اہل کتاب نے باہمی حسد کی وجہ سے اختلاف کیا، اور جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ پھر بھی اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں اور میرے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے، اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجئے: کیا تم نے اسلام قبول کر لیا، پس اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

---

[۹] تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے جس دین کی تبلیغ کی اس کا نام اسلام ہے۔ حالات کے پیش نظر بعض احکام مختلف رہے مگر بنیادی اور اصولی تعلیمات ہر زمانہ میں ایک ہی تھیں، یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت ہی کا نام اسلام ہو گیا۔ اب حضور اکرم ﷺ کی پیروی چھوڑ کر کوئی بھی دوسرا دین اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سب نبیوں کا دین ایک تھا تو پھر یہ مختلف مذاہب کیسے بن گئے؟ اس آیت میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کا اختلاف کسی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ان کے بغض وعناد نے انہیں منتشر کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر اگر یہود حسد نہ کرتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو آج دنیا میں کوئی یہودی نہ ہوتا۔ اسی طرح

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور انبیائے کرام کو ناحق قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے عدل وانصاف کا حکم کرنے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں[۱۰] تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا وآخرت میں ضائع ہوگئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ علم دیا گیا، جب وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ یہ کتاب ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کردے تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے درآنحالیکہ وہ روگردانی کرنے والے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں نہ چھوئے گی اور ان کی خود ساختہ باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پس ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

عیسائی حضرت محمد مصطفی ﷺ پر ایمان لے آتے تو آج نہ کوئی عیسائی ہوتا اور نہ یہودی بلکہ سارے مسلمان ہوتے لیکن باہمی حسد وسرکشی نے ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا ہے۔

[۱۰] یہود اپنی سرکشی اور گمراہی میں اتنے دور چلے گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبیوں کو قتل کرتے اور اس کے باوجود یہ یقین بھی

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ (اے حبیب ﷺ یوں) عرض کرو: اے اللہ تعالیٰ! اے سب ملکوں کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے [۱۱] جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے [۱۲] اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے [۱۳] اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

رکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور جنتی ہیں۔ جہنم کی آگ ان کے قریب نہیں آئے گی لیکن قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ اس قدر بدترین گناہ کرنے والوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ وہ جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

[۱۱] یعنی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ شاہ کو گدا بنائے یا گدا کو شاہ بنا دے۔ کسی کو عزت سے سرفراز فرمائے یا اس پر ذلت مسلط کر دے۔ سارے اختیارات کا اصل مالک وہی ہے لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ عزت کی بلندی اسی قوم کو نصیب ہوتی ہے جو جہد مسلسل میں سرگرم رہتی ہے اور ذلت کی گہرائی میں وہی قوم گرتی ہے جو سستی اور غفلت کا شکار ہوتی ہے۔ (قرآن: ۱۳:۱۱)

[۱۲] اس سے مراد موسمی تغیرات ہیں یعنی کبھی رات اتنی لمبی ہوتی ہے کہ دن کا کچھ حصہ رات میں شامل ہو جاتا ہے اور کبھی دن اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ رات کا کچھ حصہ دن میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان مختلف موسموں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اگر ہمیشہ ایک ہی موسم رہتا تو انسان اکتا جاتا اور زمینی پیداوار میں بھی تنوع پیدا نہ ہوتا۔

[۱۳] اس کائنات میں قدرت خداوندی کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جن کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی مثال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ مرغی سے مردہ انڈہ اور پھر مردہ انڈے سے زندہ مرغی نکالتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ ایمان والوں کو چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں [۱۴] اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں مگر یہ کہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو [۱۵] اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ فرما دیجئے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کے علم میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع

۳۰۔ جس دن ہر شخص اپنی نیکیوں اور برائیوں کو موجود پائے گا، اس دن وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس دن کے درمیان لمبا عرصہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

[۱۴] وہ کافر جو اسلام سے بغض رکھتے ہیں اور اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں ان کے ساتھ دوستی قائم کرنا سخت منع ہے کیونکہ اس طرح وہ راز معلوم کر کے یا غلط مشورے دے کر مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچائیں گے لیکن وہ کافر جو معتدل مزاج ہیں اور اہل ایمان کو بالواسطہ یا بلا واسطہ تنگ نہیں کرتے ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔ (قرآن: ۶۰:۸) نیز ان کے ساتھ لین دین، رفاہِ عامہ کے کاموں میں باہمی تعاون اور مشترکہ دشمن کے دفاع میں باہمی معاہدہ کرنے کی اجازت ہے، بلکہ ان کے ساتھ حسن اخلاق کا ایسا معاملہ کیا جائے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔

[۱۵] یعنی اگر کوئی مسلمان کفار کے نرغہ میں آ جائے اور اسے اپنے نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو اس بے بسی کے عالم میں اسلام نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ ایسا طرزِ عمل اختیار کر لے جس کے ذریعہ وہ کفار کے شر سے محفوظ رہ سکے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ آپ ﷺ فرمایئے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو [۱۶] اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ آپ ﷺ فرمایئے: اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت کرو [۱۷] پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

---

[۱۶] یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو اس کے احکام پر عمل کر کے دکھاؤ اور اس کا ایک حکم یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور تم اپنی کتابوں کے حوالے سے مجھے اچھی طرح پہچانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں، لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ صرف وہی قوم کر سکتی ہے جو میری اتباع کرے، حتیٰ کہ ''اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔'' (مسند احمد: جلد ثالث: ص ۳۳۸) ''اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہوگا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے ہوگا۔'' (بخاری: ۳۴۴۹: کتاب احادیث الانبیاء: باب ۴۹)

یہود و نصاریٰ کے لئے لمحۂ فکریہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے حضورِ اکرم ﷺ کی اتباع لازم ہے تو یہود و نصاریٰ پر تو بہ طریق اولیٰ لازم ہے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی پیروی کریں۔

مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ

یہود و نصاریٰ اتباعِ محمدی کر کے اللہ تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہیں تو جو پہلے ہی مسلمان ہیں اگر وہ خلوصِ نیت سے اتباعِ محمدی میں سرگرم ہو جائیں تو وہ بہ طریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہیں اور کسی مخلوق کا اس سے اونچا مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا خالق و مالک اسے اپنا محبوب بنا لے۔ یا اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنے حبیب مکرم ﷺ کی سچی غلامی نصیب فرما۔ آمین!

[۱۷] گزشتہ آیت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کے لئے حضورِ اکرم ﷺ کی اتباع لازم ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، لہٰذا جو لوگ حدیث اور سنت کا انکار کرتے ہیں وہ اس آیت میں دوبارہ غور کریں کیونکہ وہ قرآن کے حکم کا انکار کر رہے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾	۳۳۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان اور عمران کے خاندان کو تمام جہان والوں سے چن لیا۔
ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۚ ﴿۳۴﴾	۳۴۔ ان میں سے بعض، بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

حدیث اور سنت کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیروی کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ (قرآن: ۳۳:۲۱) نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار قرآن مجید کی عملی تصویر ہے۔ (مسلم:۱۷۳۹:صلوٰۃ المسافرین: باب ۱۸)

کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: قرآن مجید میں نمازِ حضر اور نمازِ خوف کا ذکر ہے لیکن نمازِ سفر کا ذکر نہیں ہے (کیونکہ سورہ النساء آیت نمبر ۱۰۱ میں اس نمازِ سفر کا ذکر ہے جس میں کفار کے ستانے کا خطرہ ہو۔ پُرامن حالات میں نمازِ سفر کا ذکر نہیں ہے) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم تو کچھ نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، پس ہم تو وہی کرتے ہیں جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔

(ابن ماجۃ:۱۰۶۶:ابواب اقامۃ الصلوۃ: باب ۷۳)

یعنی قرآن میں اگر چہ مطلق نمازِ سفر کا حکم نہیں ہے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازِ سفر پڑھنا اور ہمیں پڑھنے کا حکم دینا ہمارے لئے کافی ہے کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ (قرآن: ۵۳:۴) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت درحقیت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ (قرآن: ۴:۸۰) اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت کو اسلام سے خارج کر دیا جائے تو قرآن مجید پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے احکام تو ہیں مگر ان پر عمل کرنے کی صحیح صورت سنت نبوی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اے انسان! اپنے آپ کو درِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پہ جھکا دے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام کا عملی سرچشمہ ہیں اور اگر کوئی نادان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اسلام کو سمجھنا چاہے تو وہ ابولہب تو بن سکتا ہے لیکن ایمان کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ‌ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝٣٥

۳۵۔ جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب تعالیٰ! جو میرے پیٹ میں ہے اسے میں نے تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانی ہے [۱۸] سو میری طرف سے (یہ نذرانہ) قبول فرما، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى‌ۚ وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝٣٦

۳۶۔ پھر جب اس نے بچی کو جنا تو کہنے لگی: اے میرے رب تعالیٰ! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا، اور لڑکا اس لڑکی کی مانند نہیں تھا، اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا‌ ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ

۳۷۔ پس رب تعالیٰ نے اس لڑکی کو اچھی طرح قبول فرمایا، اس کو عمدہ طریقہ سے پروان چڑھایا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اس کا کفیل بنایا، [۱۹] جب زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کے پاس اس کی عبادت گاہ میں جاتے تو اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں (موجود) پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم!

[۱۸] عمران کی بیوی حَنّہ نے جب حمل کی گرانی محسوس کی تو نذر مانی کہ پیدا ہونے والے بچے کو گھر کے کاموں سے آزاد کر کے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دے گی۔ انہیں لڑکے کی امید تھی لیکن جب لڑکی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگیں: اے میرے پروردگار! میرے ہاں تو بچی (مریم) پیدا ہوئی ہے اور یہ صنف نازک تیرے گھر کی خدمت کیسے کر سکے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے جس لڑکے کے لئے دعا کی تھی وہ اس بچی کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بچی کل اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے افضل خاتون ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بنے گی۔

[۱۹] اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم کا سرپرست مقرر کیا گیا۔ آپ علیہ السلام جب بھی حضرت مریم کی خبر گیری کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کے عبادت خانے میں رنگا رنگ کے غیر موسمی پھل موجود پاتے یعنی "گرمیوں کے پھل سردی

يَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

تمہارے پاس یہ (رزق) کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی، [۲۰] عرض کی: اے میرے رب تعالیٰ! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔

فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيۡ فِي الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ پس فرشتوں نے انہیں آواز دی جبکہ وہ عبادت خانے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ آپ کو یحیٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا، سردار، معصوم، نبی اور صالحین سے ہوگا۔''

کے موسم میں اور سردیوں کے پھل گرمی کے موسم میں اور یہ جنت کے پھل تھے۔'' (تفسیر روح المعانی) چونکہ یہ پھل بازار میں دستیاب نہیں تھے اس لئے ازراہِ تعجب پوچھا: اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ تو کہنے لگیں: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے ہیں۔ اس آیت سے اولیائے کرام کی کرامات کو بھی ثابت کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت مریم نبی نہیں تھیں اور بے موسم کے پھلوں کا آپ کے پاس پایا جانا آپ کی کرامت تھی۔

[۲۰] حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کی بیوی دونوں اتنے بوڑھے ہو چکے تھے کہ اولاد پیدا ہونے کا عام وقت گزر چکا تھا لیکن جب انہوں نے حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل دیکھے تو ان کے دل میں بھی پاکیزہ اولاد کی آرزو پیدا ہوئی اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: ''یا اللہ تعالیٰ! تو قادرِ مطلق ہے، جیسے تو نے حضرت مریم کو بے موسمی پھلوں سے نوازا ہے ہمیں بھی بڑھاپے کے باوجود پاکیزہ اولاد عطا فرما۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، انہیں یحیٰ جیسے بیٹے کی خوشخبری دی۔ ان کی تسلی کے لئے نشانی بھی بتائی اور آخر میں ان کے ذریعہ پوری دنیائے انسانیت کو یہ تلقین فرمائی کہ جب کسی کی دلی آرزو پوری ہو تو اسے اپنے محسنِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے شکر میں سرگرم ہونا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو سلامت رکھے اور مزید نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی مقدس جگہ یا اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب بندے کے پاس دعا مانگنا زیادہ مقبولیت کا باعث

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ زکریا علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب تعالیٰ! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

۴۱۔ زکریا علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب تعالیٰ! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے، فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں کے ساتھ کوئی بات نہ کر سکو گے، اور اپنے رب تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا، تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں سارے جہان کی عورتوں پر برتری عطا فرمائی۔ [۲۱]

ہے، کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اسی جگہ دعا مانگی جہاں بے موسمی پھلوں کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے کے باوجود بیٹا عطا فرمایا، لہٰذا مسلمانوں کو ایسے مقامات پر دعا کرنے سے منع نہ کیا جائے جن مقامات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے ساتھ ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ، غارِ حرا، انبیائے کرام، شہدائے عظام اور اولیائے کرام کے مزارات وغیرہا۔

[۲۱] حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور اس نعمت کے شکرانے کے لئے اطاعت و عبادت کی تاکید فرمائی، لہٰذا جس کسی پر جتنا بڑا احسان ہو اس کو اسی قدر زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سارہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف براہ راست اور بذریعہ ملائکہ وحی نازل فرمائی۔ یہ ان خوش نصیب خواتین کی بزرگی اور عظمت کی دلیل ہے، لیکن اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ خواتین نبی تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو صرف مردوں کے لئے مخصوص رکھا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مقامات پر واضح ارشاد فرمایا ہے:

يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ۝۴۳

۴۳۔ اے مریم! اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

ہم نے آپ ﷺ سے پہلے مرد ہی (نبی بنا کر) بھیجے ہیں جن کی طرف ہم نے وحی کی۔

(قرآن: ۱۲:۱۰۹، قرآن: ۱۶:۴۳، قرآن: ۲۱:۷)

اور جمہور اہل اسلام کی تحقیق بھی یہی ہے کہ کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: سورہ یوسف: زیر آیت نمبر ۱۰۹) قرآن مجید میں پچیس انبیائے کرام کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔ ان میں کسی عورت کا نام شامل نہیں ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی کسی عورت کے نبی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ حکیم و خبیر ہے، اس کا کوئی بھی کام حکمتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ ممکن نہیں، البتہ اس کی حکمتوں کے حوالے سے ایک بات کا ذہن میں ہونا ضروری ہے کہ انبیائے کرام کی طرف جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ ان کی تبلیغ کرتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ رسولوں کی ذمہ داری صرف یہی ہے کہ وہ (احکامِ الٰہی کو) صاف صاف پہنچا دیں۔ (قرآن: ۱۶:۳۵)

۲۔ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے ہیں۔ (قرآن: ۳۳:۳۹)

مذکورہ خوش نصیب خواتین کی طرف آنے والی وحی کا تعلق تبلیغ سے نہیں بلکہ ان کی رہنمائی اور عزت افزائی سے تھا، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اگر اپنی وحی لوگوں کو بتا دیتیں کہ فرعون کے محلات میں اس کا بیٹا ہے تو کئی مشکلات پیدا ہو جاتیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی۔

ویسے بھی تبلیغ کے لئے عورت اگر تنہا باہر نکلے گی تو اس کی جسمانی کمزوری اور جنسی دلکشی کے باعث کئی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ نبی اپنی قوم کا امام اور خطیب ہوتا ہے، اگر اس مقام پر ایک خوبصورت عورت کو کھڑا کیا جائے تو بعض ذہنوں میں شیطانی وساوس کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے جو عبادت اور اطاعت میں انتشار پیدا کر دیتا ہے، نیز ماہانہ ایام، حمل، وضع حمل اور بچوں کی پرورش ایسے مراحل ہیں جن سے تبلیغی سرگرمیاں متاثر ہو سکتی ہیں اور اگر خاوند عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت ہی نہ دے تو پھر تبلیغ احکام کا کیا بنے گا جبکہ مرد اس قسم کے عوارض سے پاک ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لئے تبلیغ احکام آسان ہے۔

نیز جہاں تک غیر انبیاء پر نزولِ ملائکہ کا تعلق ہے تو وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہل استقامت مسلمانوں پر بھی نازل ہوتے ہیں اور انہیں دنیا و آخرت میں اپنی دوستی اور تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ (قرآن: ۴۱:۳۰۔۳۱) اور اسی طرح جہاں تک مطلق وحی کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی اور زمین کی طرف بھی وحی نازل فرمائی ہے۔ (قرآن: ۱۶:۶۸، قرآن: ۹۹:۵) تو اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ شہد کی مکھی اور زمین بھی نبی ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی فرماتے ہیں، [۲۲] اور آپ ﷺ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لئے) اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان (مجاوروں) میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور آپ ﷺ ان کے پاس نہ تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمہ [۲۳] کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مقربین سے ہوگا۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور پختہ عمر میں بھی اور نیکوں میں سے ہوگا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ مریم نے کہا: اے میرے رب تعالیٰ! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا، فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو وہ صرف اتنا ہی کہتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

---

[۲۲] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی کو غیب کی خبریں وحی فرماتا ہے اور لفظ نبی کا معنیٰ بھی یہی ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کے ذریعے غیب کی خبر دینے والا''۔ (المنجد)

[۲۳] اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کلمہ کن (ہو جا) سے پیدا فرمائی اور اکثر ان کو اسباب کے ساتھ منسلک کر دیا ہے، لیکن حضرت

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾

۴۸۔ اور اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت [۲۴]، تورات اور انجیل سکھائے گا۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ

۴۹۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا [۲۵] کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب تعالیٰ کی نشانی لایا

عیسیٰ علیہ السلام کو ظاہری سبب (باپ) کے بغیر صرف کلمہ کن سے پیدا فرمایا اس لئے آپ کو کلمۃ اللہ (اللہ کا کلمہ) کہا جاتا ہے۔ آپ کے ہاتھ پھیرنے سے مریض تندرست ہو جاتے اس لئے آپ کو مسیح کہا گیا ہے اور آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی اس لئے آپ کی نسبت ماں کی طرف (مریم کا بیٹا) کی گئی ہے۔

[۲۴] کتاب سے مراد کتابت یعنی لکھنا اور حکمت سے مراد علم فقہ یعنی شریعت عیسوی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث پاک ہو کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے جب واپس زمین پر تشریف لائیں گے تو وہ قرآن وحدیث کے ماہر اور شریعت اسلامیہ کے مجتہد ہوں گے حالانکہ کسی سے نہ پڑھیں گے۔ (تفسیر نعیمی)

[۲۵] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب انسانوں کے لئے نبی نہ تھے بلکہ ان کا دائرۂ نبوت بنی اسرائیل تک محدود تھا اور آپ نے اپنے حواریوں کو بھی یہی حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل سے باہر کسی کو تبلیغ نہ کریں۔ موجودہ بائبل بھی قرآن مجید کے فرمان کی تصدیق کرتی ہے:

۱۔ میں صرف بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (متی:۱۵:۲۴)

"I am not sent but unto the lost sheep of the house of Isreal."

(Matthew:15:24:The Holy Bible:printed by Collins:London)

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو حکم دیا: غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کی طرف جانا۔ (متی:۱۰:۶-۵)

"These twelve Jesus sent forth, and commanded them, saying, Go not into the way of the Gentiles, and into any city of the Samaritans enter ye not : But go rather to the lost sheep of the house of Israel"

(Matthew:10:5-6:Ibid)

بائبل کے مذکورہ حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ عیسائی کسی کو تبلیغ کرنے کا حق نہیں رکھتے سوائے بنی اسرائیل کے کیونکہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اور اسی کا اپنے حواریوں کو حکم دیا، مگر یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک نبی آخر الزمان حضرت

مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹

ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی طرح ایک صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، [۲۶] اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

۵۰۔ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے تاکہ تمہارے لئے بعض چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں [۲۷] اور میں تمہارے پاس تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے نشانی لایا ہوں، سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

محمد ﷺ مبعوث نہیں ہوئے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد ہر ایک کے لئے آپ ﷺ پر ایمان لانا لازم ہے۔

[۲۶] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی جس کی وجہ سے حضرت مریم کو ہر طرف سے طعنوں کا سامنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے واضح اور عظیم معجزات عطا فرمائے تاکہ لوگ آپ کی عظمت کا انکار نہ کر سکیں اور حضرت مریم کو بھی اطمینان مل جائے کہ جس طرح اس کے بیٹے کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوئی اسی طرح اس کی شان بھی نرالی ہے یعنی وہ مٹی کے پرندوں میں جان ڈال کر اُڑا لیتے، مادرزاد اندھے کو بینا، کوڑھی کو تندرست اور مردہ کو زندہ کر دیتے اور غیب کی خبریں دیتے تھے۔ اس قدر عظیم معجزات کے ظہور پر قوی اندیشہ تھا کہ لوگ آپ کو خدا سمجھنے لگیں اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح اعلان کر دیا کہ یہ معجزات اگرچہ مجھ سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں لیکن ان کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے، میں اُس کی اجازت سے یہ معجزات دکھا رہا ہوں۔

[۲۷] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت کی نشانیاں لے کر آیا ہوں، للہذا تم

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بے شک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے، سو تم اس کی عبادت کرو، [۲۸] یہ سیدھا راستہ ہے۔

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون میرے مددگار ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اے ہمارے رب! جو تو نے نازل فرمایا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کی پیروی کی، پس تو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ ع

۵۴۔ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی [۲۹] اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، نیز میں تورات کی بھی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی سچی کتاب ہے لیکن بنی اسرائیل پر ان کی سرکشیوں کی سزا کے طور پر جو چیزیں وقتی طور پر حرام کی گئی تھیں یا وہ چیزیں جو علمائے یہود نے بعد میں اپنی طرف سے حرام کر کے تورات کی طرف منسوب کر دی تھیں میں ان کو حلال کر کے تمہارے لئے آسانیاں پیدا کروں گا۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی)

[۲۸] ہر زمانے کے حالات اور تقاضے الگ تھے اس لئے مختلف انبیائے کرام کی شریعت (عبادات و معاملات) میں اختلاف رہا مگر سب انبیائے کرام کی بنیادی دعوت صرف ایک تھی جس کو اس آیت میں اختصار کے ساتھ سمو دیا گیا ہے یعنی "سب کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے چاہے عام انسان ہو یا نبی اور سیدھا راستہ صرف اسی کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔" موجودہ بائبل بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: دور ہو جا، اے شیطان! کیونکہ مقدس صحیفے کہتے ہیں کہ تو صرف اپنے پروردگار خدا کی عبادت کر اور صرف اسی کی فرمانبرداری کر۔ (متی کی انجیل: ۴:۱۰)

" Get out of here, Satan," Jesus told him, " The scriptures say, "Worship only the Lord God, Obey only him."

(Matthew:4:10:The living Bible:British Edition 1975)

[۲۹] مکر سے مراد خفیہ تدبیر ہے اور یہ تدبیر اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، مثلاً اگر کوئی ظالم کسی کو قتل کرنے کی تدبیر کرے تو وہ

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسٰىٓ إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ

۵۵۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! یقیناً میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا [۳۰] اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں اور آپ کے

مجرم ہے اور پولیس والے اسے گرفتار کرنے اور سزا دینے کی تدبیر کریں تو یہ عین انصاف ہے۔ اسی طرح یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی بری تدبیر کی مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچانے اور زندہ آسمان پر اٹھانے کی اچھی تدبیر فرمائی۔

اس واقعہ میں مفسرین کا قدرے اختلاف ہے۔ میں تفسیر خازن، تفسیر قرطبی، روح المعانی اور تفسیر روح البیان کے حوالے سے اس کا مختصر مفہوم نقل کرتا ہوں:

یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے سے انکار کردیا، نیز بادشاہِ وقت کے ساتھ سازش کی اور آپ علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے رات کے وقت ایک جماعت روانہ کردی۔ اسی رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو فرمایا کہ آج رات صبح صادق سے پہلے آپ میں سے ایک حواری چند درہموں کے بدلے مجھے فروخت کردے گا۔ جب حواری اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے تو ایک منافق حواری نے یہود کے ساتھ تیس درہم پر معاملہ طے کیا اور انہیں لے کر اس گھر میں گیا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما تھے اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ پھولوں کے ساتھ کانٹے اور مخلصین کے ساتھ منافق اکثر رہتے ہیں، چنانچہ اس منافق حواری نے یہود کو اس گھر کے اردگرد کھڑا کیا اور خود قتل کرنے کے ارادے سے اندر داخل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اُٹھا لیا اور اس منافق حواری کا چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنادیا۔ یہ ششدر و حیران رہ گیا کہ اب کیا بنے گا، اس سوچ و بچار میں کافی دیر گزر گئی، یہود سمجھے کہ اندر دونوں میں لڑائی شروع ہے اس لئے تاخیر ہو رہی ہے، اور جب یہ منافق باہر نکلا تو یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں اسے پکڑ لیا۔

اس نے بہت شور مچایا میں تمہارا ساتھی ہوں مگر انہوں نے کہا: تو عیسیٰ (علیہ السلام) ہے، تو نے اندر ہمارا ساتھی قتل کردیا ہے اور اب ہمیں دھوکہ دینا چاہتا ہے، چنانچہ یہود نے اسے سولی پر چڑھا دیا۔ بعد میں یہود کہنے لگے: اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے۔ اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہیں تو پھر ہمارا ساتھی کہاں گیا؟ اس پر ان کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا اور بعض نے بعض کو قتل کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہترین تدبیر فرما کر یہود کو مناسب سزا دی یعنی قتل کرنے کے ارادے سے اندر داخل ہونے والے کو سولی پر چڑھوا دیا اور قتل کی سازش کرنے والوں کو آپس میں لڑا دیا۔

[۳۰] یہود نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: میں آپ کو آپ کی پوری عمر تک

الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پیروکاروں کو قیامت تک کافروں پر غالب کرنے والا ہوں، پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کو میں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کو اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر دے گا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مانند ہے، [۳۱] اس نے اسے مٹی سے بنایا، پھر اسے فرمایا: ہو جا تو وہ ہو گیا۔

پہنچا کر وفات دوں گا اور میں آپ کو آسمانوں پر اٹھا لوں گا تاکہ یہودی آپ کو شہید نہ کر سکیں۔ (تفسیر کبیر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت نہیں آئی، وہ قیامت سے پہلے زمین پر لوٹ آئیں گے۔ (جامع البیان) نیز یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو الزامات عائد کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان سب الزامات کی تردید فرما دی اور عیسائیوں کو یہود پر ایسا غلبہ عطا فرمایا جو قرب قیامت تک جاری رہے گا۔

[۳۱] عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے اور دلیل یہ دیتے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔ قرآن کریم نے بڑا سادہ اور واضح جواب دیا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ان کے خدا ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کی پیدائش ماں اور باپ دونوں کے بغیر ہوئی۔ دراصل دونوں کی مثال

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق یہی ہے، پس تو شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم خود بھی آتے ہیں اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی لے آتے ہیں تم خود بھی آؤ اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی لے آؤ، پھر ہم سب عاجزی سے التجا کریں [۳۲] اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں۔

ایک جیسی ہے اور دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔ دونوں نہ خدا ہیں اور نہ ہی خدا کے بیٹے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ہیں، لہٰذا کسی مسلمان کو شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۳۲] میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید کے واضح دلائل کے باوجود اگر عیسائی ہٹ دھرمی سے کام لیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے پر اصرار کریں تو آپ ان سے مزید مناظرہ نہ کریں بلکہ مباہلہ کی دعوت دیں یعنی فریقین اپنے اپنے بال بچوں کو ایک میدان میں لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی سے دعا کریں کہ ان میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ امام حسین، امام حسن، فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ عنہم کو لے آئے اور انہیں فرمایا: جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ عیسائیوں نے جب اہل بیت کے نورانی چہرے دیکھے تو ان کے سردار پادری نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! یقیناً میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا، لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو اور اگر کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔ (تفسیر خازن) چنانچہ عیسائیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا اور سالانہ جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور خنزیر بنا دیے جاتے، ان کی وادی کو آگ گھیر لیتی اور نجران کو اس کے باشندوں سمیت تباہ و برباد کر دیا جاتا۔

(تفسیر خازن)

یہ واقعہ اسلام کی تصدیق اور عیسائیت کی تردید کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ بے شک یہی سچا واقعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی غالب حکمت والا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع

۶۳۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ تعالیٰ فسادیوں کو خوب جاننے والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

۶۴۔ آپ کہیے: اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے [۳۳] یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو: گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ [۳۴]

کے لئے ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتا ہے یعنی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں ذرہ برابر بھی شبہ ہوتا تو میدانِ مباہلہ میں تشریف نہ لاتے اور اگر عیسائیوں کو اپنے عقیدہ کی سچائی کا یقین ہوتا تو مباہلہ سے انکار نہ کرتے۔

یہ واقعہ دسویں ہجری میں نجران کے وفد کے ساتھ پیش آیا، مباہلہ میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کیلئے تشریف لائیں کیونکہ دوسری صاحبزادیاں اس وقت انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دوسری ہجری میں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آٹھویں ہجری میں اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے نویں ہجری میں انتقال فرمایا۔

[۳۳] اہل کتاب کو دعوت دی جا رہی ہے کہ آؤ ایک ایسے عقیدے پر اتفاق کر لیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی پہلی آسمانی کتابیں اور قرآن مجید اس پر متفق ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

[۳۴] یہود کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی کہتے کہ آپ عیسائی تھے حالانکہ یہودیت اور عیسائیت کی ابتدا

هَاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ سنو! تم لوگ ان باتوں میں بحث کر چکے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا، پھر اب ان باتوں میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں؟ [۳۵] اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ خالص مسلمان تھے، اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔ [۳۶]

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ نزدیک وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو ان پر ایمان لائے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اہل کتاب کا گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

تورات اور انجیل کے نزول کے بعد ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کتابوں کے نزول سے بہت پہلے گزر چکے تھے، پھر وہ یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں اور یہ اتنی واضح حقیقت ہے جس کو معمولی عقل رکھنے والا آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

[۳۵] قرآن کریم اہل کتاب کو تنبیہ کر رہا ہے کہ تمہیں اپنے دین کے متعلق کچھ نہ کچھ علم تھا اس کے باوجود تم نے اپنے دین میں ایسے بے بنیاد عقائد شامل کر لئے جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی تو پھر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جن کے متعلق تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے۔

[۳۶] یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مشرکین عرب پتھر کے بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر قسم کے شرک سے پاک صرف ایک خدا کی عبادت کرتے تھے، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوست اور قریبی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ان کی اتباع کریں اور آج دین ابراہیم علیہ السلام کے اصل پیروکار مسلمان ہیں جو صرف ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ دین

يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ۝۷۰

۷۰۔ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ [۳۷]

يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۱ ع

۷۱۔ اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور کیوں حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَقَالَتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝۷۲

۷۲۔ اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا: مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے تم صبح کے وقت اس پر ایمان لاؤ اور شام کے وقت اس کا انکار کردو، [۳۸] شاید وہ (مسلمان بھی اپنے دین سے) پھر جائیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کریں کیونکہ وہ خالص توحید پرست اور ہر قسم کے شرک سے پاک تھے۔ (قرآن: ۱۶: ۱۲۳)

[۳۷] یہاں قرآن مجید اہل کتاب کو تنبیہ کر رہا ہے کہ تمہاری کتابوں میں حضورِ اکرم ﷺ کی جن علامات کا ذکر ہے تم نے خود ان کا مشاہدہ کر کے حضورِ اکرم ﷺ کو پہچان لیا ہے گویا تم آپ ﷺ کی نبوت کے خود گواہ بن چکے ہو۔ اس کے باوجود تم حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ قیامت کے دن تمہارے پاس اس منافقت کا کیا جواب ہوگا؟

[۳۸] یہود نے آپس میں مشورہ کیا کہ چند خاص یہودی صبح کے وقت مسلمان ہو جائیں اور شام کو اسلام چھوڑنے کا اعلان کر دیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں کہ یہ لوگ اسلام کیوں چھوڑ گئے ہیں۔ ممکن ہے اسلام میں کچھ خامیاں ہوں جن کو دیکھ کر یہ واپس اپنے مذہب میں چلے گئے ہیں، نیز جو لوگ اسلام قبول کرنے کی تیاری کر رہے ہیں وہ بھی بدظن ہو جائیں گے کہ جس دین کو اس کے ماننے والے چھوڑ رہے ہیں وہ دین شاید سچا نہ ہو۔

یہود نے اس سازش کے لئے جن ساتھیوں کو تیار کیا انہیں درج ذیل تین باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرائیں:

۱۔ اسلام کو صرف ظاہری طور پر قبول کرنا اور اپنے ہم مذہب کے علاوہ کسی کی بات پر یقین نہ کرنا۔

۲۔ یہ یقین رکھنا کہ جو نعمتیں تمہیں دی گئی ہیں وہ کسی دوسری قوم کو نہیں ملیں۔

۳۔ اور یہ بھی یقین رکھنا کہ قیامت کے دن تمہارے خلاف کوئی حجت قائم نہیں کر سکے گا کیونکہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے پیارے اور لاڈلے ہیں۔

یہ بڑی خطرناک سازش تھی اور نفسیاتی طور پر اس کا بہت برا نتیجہ نکلتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قبل از وقت اس سازش سے آگاہ کر دیا اور اس طرح یہود کا یہ مکر بھی کامیاب نہ ہو سکا، نیز قرآن مجید نے یہ اعلان کر دیا کہ ہدایت اور فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، جب تک اس نے چاہا فضل اور ہدایت کو بنی اسرائیل میں رکھا اور جب چاہا بنی اسماعیل میں منتقل کر دیا۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور تم صرف اس شخص کی بات مانو جو تمہارے دین کا پیروکار ہو، آپ فرمائیے کہ اصل ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے (اور یہ بھی نہ ماننا کہ) جو کچھ تم کو دیا گیا ہے اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے یا کوئی تمہارے رب کے پاس تمہارے خلاف حجت قائم کر سکتا ہے، آپ فرمائیے: فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر تو انہیں خزانے کا امین بنائے تو وہ تجھے واپس کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو وہ تجھے واپس نہیں کریں گے مگر جب تک تو ان کے سر پر کھڑا رہے، اس کی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ ان جاہلوں (غیر یہودی لوگوں) کے معاملہ میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی [۳۹] حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ پر دانستہ جھوٹ کہتے ہیں۔

---

[۳۹] بعض یہودی یہ کہتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں اور غیر یہودی لوگوں کے اموال ان کے لئے حلال ہیں کیونکہ ساری مخلوق ان کی غلام ہے اور اگر کوئی اپنے غلاموں کا مال کھالے تو کسی کو اس سے باز پرس کا حق نہیں ہے۔ (صفوۃ التفاسیر) قرآن مجید نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں، تورات میں کہیں اس بد دیانتی کی اجازت نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے پیارے تو وہ لوگ ہیں جو دیانتدار ہوں اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کریں۔ یہود کا یہ دعویٰ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہود نے جھوٹ کہا ۔۔۔ امانت ہر صورت میں واپس کی

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ ہاں کیوں نہیں! جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور پرہیزگار بنا تو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، [۴۰] اور اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے کلام کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جائے گی چاہے وہ کسی نیکوکار کی ہو یا بدکار کی۔ (ابن کثیر) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص امانتدار نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۳۵) اس سے معلوم ہوا کہ جس کسی سے معاملہ کیا جائے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہر صورت میں دیانتداری، سچائی اور وعدہ وفائی سے کام لیا جائے۔ ہجرت والی نازک رات میں بھی ہمارے پیارے نبی ﷺ نے جس امانت و دیانت کا مظاہرہ کیا تاریخ انسانیت اس کی مثال لانے سے قاصر ہے یعنی متعصب کافر حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے لئے تلواریں لے کر دروازے پر کھڑے تھے اور آپ ان کی امانتوں کی واپسی کو یقینی بنا رہے تھے۔ اسلام کی اشاعت میں حضور اکرم ﷺ کی صداقت و امانت نے نمایاں کردار ادا کیا۔ آج پھر اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے پیارے نبی کی سنتوں کو زندہ کریں اور صداقت و امانت کا ایسا عملی مظاہرہ کریں کہ دوسرے لوگ متاثر ہو کر اسلام کے قریب آجائیں اور اگر مسلمان بددیانتی اور دھوکہ بازی کریں اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ معاہدوں کا احترام نہ کریں تو پھر مسلمانوں کا انجام کیا ہوگا ۔۔۔ ؟

[۴۰] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور احکام کو دنیاوی منفعت پر قربان کر دیتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ان کے لئے قرآن مجید نے درج ذیل پانچ سزاؤں کا ذکر کیا ہے جن میں سے کوئی ایک سزا بھی اہل ایمان کو تنبیہ کے لئے کافی ہے:

۱۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوں گے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی محبت بھری گفتگو سے محروم ہوں گے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہوں گے۔
۴۔ گناہ کی آلائشوں سے انہیں پاک نہیں کیا جائے گا۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب (تورات) پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑ لیتے ہیں تا کہ تم ان کی اس مروڑ کو بھی کتاب کا حصہ خیال کرنے لگو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے [۴۱] اور وہ کہتے ہیں: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے، اور وہ دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ﴿۷۹﴾

۷۹۔ کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ [۴۲] بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم سب اللہ والے بن جاؤ جیسا کہ تم دوسروں کو کتاب کی تعلیم دیتے تھے اور خود بھی اسے پڑھتے تھے۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۗ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

۸۰۔ اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟

۵۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

[۴۱] اس آیت میں بعض یہود کی ایک اور خیانت کا بیان ہے یعنی تورات کی وہ آیات جو ان کے مفادات کے منافی ہوتیں، بالخصوص جن آیات میں حضور اکرم ﷺ کی صفات کا ذکر ہوتا، ان کے اعراب اور حروف کو خلط ملط کر دیتے تا کہ ان آیات کا معنی بدل جائے اور سننے والے کو محسوس ہو کہ یہ بھی تورات کا حکم ہے، حالانکہ اس نئے معنی کا تورات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

[۴۲] جس انسان کو اللہ تعالیٰ کتاب، حکمت اور نبوت سے سرفراز فرمائے وہ کسی کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیتا بلکہ سب کو یہی تبلیغ کرتا ہے کہ اللہ والے بن جاؤ اور ہر آسمانی کتاب اسی توحید کی تعلیم دیتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ لیا [۴۳] کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کرلیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کرلیا؟ انہوں نے کہا: ہم نے اقرار کرلیا، فرمایا: پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

---

[۴۳] حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بن جائے اور ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تائید و نصرت کرے، نیز تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے یہی عہد اپنی اپنی امت سے بھی لیا۔'' (تفسیر روح المعانی، صفوۃ التفاسیر) اب اگر اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھیجتا تو پہلی کتابوں کا بیان غلط ہو جاتا اور اہل کتاب کے پاس اس پیش گوئی کا کوئی جواب نہ ہوتا، لہٰذا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اہل کتاب کی اپنی ضرورت ہے تاکہ گزشتہ انبیائے کرام اور ان کی مقدس کتابوں کی تصدیق ہو جائے، اور جو اہل کتاب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے وہ دراصل اپنے انبیائے کرام اور اپنی کتابوں کی تکذیب کر رہے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر آج تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لئے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۳۳۸) اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے کہ ''نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔'' (روح المعانی)

شب معراج تمام انبیائے کرام علیہم السلام بیت المقدس میں اکٹھے ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں اسلامی شریعت کے مطابق نماز ادا کر کے اس عہد کی عملی توثیق کر دی اور جس نبی کی امت نے اس عہد سے روگردانی کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائی تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہوگئی۔

اہل علم حضرات نے اس آیت سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا جواز ثابت کیا ہے کیونکہ اس آیت میں حضور

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ پھر اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائیں تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق خوشی سے یا مجبوری سے اللہ ہی کے سامنے جھکی ہوئی ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ آپ ﷺ فرمائیے: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے [۴۴] اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

اکرم ﷺ کی آمد اور ان پر ایمان لانے کے پختہ وعدہ کا تذکرہ ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ گزشتہ انبیائے کرام کو حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور بزرگی کا علم ہو جائے اور آج محافل میلاد النبی ﷺ کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ مسلمان اکٹھے ہو کر حضور اکرم ﷺ کی عظمتوں کے گیت گائیں اور اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس نے سب سے عظیم رسول ہمیں عطا فرمایا۔

اس آیت میں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو فرمایا کہ اگر حضور اکرم ﷺ ان کے زمانہ میں تشریف لائیں تو ان کو حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے، اس کو علم تھا کہ حضور اکرم ﷺ حضرات انبیائے کرام کے زمانہ میں نہیں آئیں گے تو پھر اس عہد لینے میں کیا حکمت تھی؟ دراصل اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام انبیائے کرام کو حضور اکرم ﷺ کے اس خصوصی مقام و مرتبہ کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

[۴۴] مسلمان سب انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی نبی کا انکار نہیں کرتے کیونکہ تمام انبیائے کرام نے ایک ہی دین کی

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے تو اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ خود یہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے [۴۵] اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آ چکی تھیں، اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ۙ

۸۷۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ۙ

۸۸۔ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تبلیغ کی جس کی آخری شکل کا نام اسلام ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، لہٰذا جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کی پیروی کرے تو اس کا یہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا اور آخرت میں سوائے خسارے کے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

[۴۵] جو لوگ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی نشانیوں کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور اس کے باوجود کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان کے ایمان لانے کی توقع عبث ہے بلکہ وہ لعنت کے مستحق ہیں اور ہمیشہ اسی لعنت کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾

۹۰۔ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی [۴۶] اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

۹۱۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے ان میں سے اگر کوئی شخص زمین بھر سونا بطور فدیہ دے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، [۴۷] ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

---

[۴۶] جو لوگ سچے دل سے توبہ کر لیں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا انسان ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (ابن ماجۃ: ۴۲۵۰: ابواب الزھد: باب ۳۰) لیکن جو لوگ انجام سے بے خبر اور خوف الٰہی سے بے فکر ہو کر دن رات گناہوں میں مشغول رہتے ہیں یہاں تک کہ موت کا فرشتہ آ جاتا ہے اور زندگی سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور زندگی کی آخری سانس میں توبہ کرنے لگتے ہیں تو ایسی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ (قرآن: ۴: ۱۸)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک جان کنی کا وقت نہ آئے۔ (ترمذی: ۳۵۳۷: کتاب الدعوات: باب ۹۸) لہٰذا توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے کیا خبر آئندہ گھڑی میں موت آنے والی ہو اور توبہ کی مہلت ختم ہو جائے۔

[۴۷] جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں فوت ہو گئے وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے اور وہ اگر زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر عذاب جہنم سے بچنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس سونا نہیں ہوگا اور اگر بالفرض کسی کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں تو وہ بھی رد کر دیئے جائیں گے اور کوئی ان کی شفاعت بھی نہیں کرے گا کیونکہ شفاعت اہل ایمان کے حق میں قبول ہوگی۔ کافر و مشرک شفاعت کے مستحق نہیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک کافر (جبکہ اسے اپنے کفر کا برا انجام سامنے نظر آ رہا ہوگا) سے کہا جائے گا: اگر تیرے پاس زمین بھر سونا ہو تو کیا تو دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے اسے فدیہ میں دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا: ہاں! اس سے کہا جائے گا: تو نے جھوٹ کہا، تجھ سے تو دنیا میں اس سے بہت آسان بات (اللہ پر ایمان لانے) کا مطالبہ کیا گیا تھا (مگر تو ایمان نہ لایا تو زمین بھر سونا کیسے خرچ کرے گا؟)۔ (مسلم: ۷۰۸۵/۷۰۸۶: کتاب المنافقین: باب ۱۰)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ تم (درجۂ کمال کی) نیکی ہرگز نہ پاسکو گے حتی کہ (راہ خدا میں) ان چیزوں سے خرچ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ [۴۸]

کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ نزولِ تورات سے پہلے سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے [۴۹] سوائے اس کے جس کو یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، (پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ) فرمایئے: اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ۔

فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، پس تم ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے پاک تھے، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

---

[۴۸] ہر وہ کام جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خوشنودی کا مستحق بنادے وہ نیکی ہے۔ اس نیکی کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے، فرائض سے ہو یا نوافل سے، البتہ درجہ کمال کی نیکی صرف اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب انسان اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔ چاہے اس چیز کا تعلق انسان کی ذات سے ہو یا مال ومتاع سے یعنی میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے کا وقت آجائے تو جان کی بازی لگادے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو اپنے پسندیدہ مال سے ایثار کردے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ معمولی چیز کا خرچ کرنا جائز نہیں یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ جو چیز بھی کسی کے کام آسکتی ہے اس کا صدقہ کرنا یقیناً درست ہے اور اس کے معیار کے مطابق اجر وثواب بھی ملے گا لیکن یاد رہے جو کچھ بھی خرچ کیا جائے، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، معمولی ہو یا عمدہ، اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہونی چاہیے۔ اگر ریاکاری یا نام ونمود کا ارادہ ہو تو کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مال کی حقیقت اور انسان کی نیت دونوں بخوبی جانتا ہے۔

[۴۹] یہود نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جبکہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ دینِ ابراہیمی میں حرام تھا۔ اس آیت میں یہود کے اعتراض کی

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ ۹۶۔ بے شک سب سے پہلا عبادت خانہ [۵۰] جو لوگوں

تردید ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں بلکہ حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے بیماری کی وجہ سے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا تھا اور ان کی اولاد نے غلط فہمی کی وجہ سے ان کا استعمال حرام سمجھ لیا۔ دراصل یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور اگر تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو تورات لے آؤ اور اس سے اپنا دعویٰ ثابت کرو لیکن وہ گھبرا گئے اور انہیں تورات لانے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تورات میں وہی لکھا ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل بھی ہے کیونکہ ظاہری تعلیم کے اعتبار سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے، آپ نے آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا تھا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس یقین سے یہ مطالبہ کرنا کہ تورات میں یہ بات نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر روشن دلیل ہے۔

[۵۰] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجدِ حرام۔ میں نے عرض کی: اس کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجدِ اقصیٰ۔ میں نے پھر پوچھا: ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس سال۔
(بخاری: ۳۴۲۵: کتاب الانبیاء: باب ۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجدِ حرام کے پہلے معمار حضرت آدم اور مسجدِ اقصیٰ کے پہلے معمار حضرت آدم علیہ السلام کے کوئی فرزند تھے۔ طوفانِ نوح کے بعد جب یہ مسجدیں شہید ہو گئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجدِ اقصیٰ کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں کعبہ منہدم ہو گیا تھا اور پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی تعمیر نو کی تو اس وقت اس کے دو دروازے تھے، ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف اور دونوں دروازوں کی چوکھٹ زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھی، ایک دروازے سے لوگ کعبہ میں داخل ہوتے تھے اور دوسرے سے باہر نکلتے تھے۔

قریش کی تعمیر کعبہ

زمانہ جاہلیت میں قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی، آپ نے اس تعمیر میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے کندھوں پر پتھر اٹھا کر لاتے رہے۔ قریش کے سارے قبائل پیار و محبت کی فضا میں کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے لیکن جب حجرِ اسود رکھنے کا وقت آیا تو ان میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا کیونکہ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ اعزاز ان کے سردار کو ملے اور حالات اتنے کشیدہ ہو گئے کہ ہر لحہ لڑائی چھڑ جانے کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر ایک روز اس جھگڑے کا تصفیہ کرنے کے لئے سب سردار مسجد حرام میں اکٹھے ہوئے اور اس بات پر اتفاق کیا کہ ہم سب یہ رات یہیں بسر

کریں اور کل سب سے پہلے اس دروازہ سے جو آدمی مسجد میں داخل ہو اس کا فیصلہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔ دوسری صبح سب سے پہلے اس دروازہ سے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ مسجد میں داخل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر سارے لوگ بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ کو سارا ماجرا سنایا، نبی کریم ﷺ نے ایک چادر منگائی، اس کو زمین پر بچھا کر اس کے درمیان میں حجر اسود رکھ دیا اور ہر خاندان کے ایک ایک سردار کو بلا کر فرمایا: سب مل کر اس چادر کو چاروں اطراف سے پکڑ لو اور اوپر اٹھاؤ، چنانچہ سب نے مل کر حجر اسود کو اوپر اٹھایا اور جب حجر اسود اپنی مقررہ بلندی تک پہنچ گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو اٹھا کر اپنے مقام پر نصب کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس حکیمانہ فیصلے کو دیکھ کر فتنہ و فساد کی فضا ختم ہو گئی اور سب لوگوں کے دلوں میں مسرت اور شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

قریش نے اس تعمیر میں دو تبدیلیاں کیں، ایک تو وسائل کی کمی کے باعث کعبہ کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جس کو حجر یا حطیم کہا جاتا ہے، اور دوسری تبدیلی یہ کی کہ اپنے لئے امتیازی حقوق رکھنے کے لئے کعبہ کا مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازے کی چوکھٹ زمین سے بلند کر کے اس پر ایک چوکیدار مقرر کر دیا تاکہ قریش کی اجازت کے بغیر کوئی کعبہ میں داخل نہ ہو سکے، حالانکہ اس سے پہلے سارے لوگ ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے باہر جا سکتے تھے۔

کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ

صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۱۲۶ کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تاکہ حطیم بھی کعبہ میں شامل ہو جائے اور کعبہ کے دو دروازے ہوں، ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر آئیں مگر آپ ﷺ نے اس اندیشہ کے پیش نظر اپنا ارادہ ترک کر دیا کہ قریش کا زمانہ کفر بالکل قریب ہے، وہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور ابھی وہ اس مقام پر نہیں پہنچے کہ اسلامی افعال کی حکمت کو سمجھ سکیں اور افضل اور ادنیٰ میں فرق کر سکیں، نیز وہ زمانہ جاہلیت سے ہی کعبہ کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور انہیں یہ بھی فخر ہے کہ قریش (یعنی ان کے باپ دادا) نے اس کی تعمیر کی ہے، لہٰذا اگر کعبہ کی اس تعمیر کو منہدم کیا گیا تو وہ کہیں گے کہ ان کے باپ دادا کی نشانی کو ختم کر دیا گیا ہے اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام سے ہی منحرف ہو جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اچھے کاموں کے کرنے میں جب یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کی اچھائی سمجھ نہیں سکیں گے اور کسی بڑے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے کام کو ترک کر دینا بہتر ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کام فرض و واجب نہ ہو کیونکہ جو امور فرض و واجب ہیں ان کا انجام دینا بہر صورت لازم ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کعبہ

جب مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق بنایا جائے، چونکہ اس وقت قریش نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور کعبہ کو

گرانے سے ان کی گمراہی کا اندیشہ تھا مگر اب تو وہ اندیشہ ختم ہو گیا ہے، لہٰذا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو شہید کر کے اسی طرح تعمیر کیا جیسے نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی۔

پھر جب حجاج بن یوسف نے مکہ پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور کعبہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے تو حجاج بن یوسف نے کعبہ کو پھر قریش کی تعمیر کے مطابق بنا دیا اور آج کعبہ اسی تعمیر کے مطابق موجود ہے۔ علامہ عینی نقل کرتے ہیں کہ عباسی خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک سے پوچھا کہ وہ کعبہ کو شہید کر کے نبی کریم ﷺ کی خواہش کے مطابق تعمیر کرنا چاہتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا تو امام مالک نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کعبہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بناؤ کہ ہر بادشاہ اس کو گراتا اور بناتا رہے، اس طرح لوگوں کے دلوں سے کعبہ کا رعب اور دبدبہ نکل جائے گا۔

(عمدۃ القاری: جلد ۲: ص ۲۰۴: زیر حدیث نمبر ۱۲۶)

کعبہ کتنی بار تعمیر ہوا؟

تعمیر کعبہ کے متعلق مختلف روایات ہیں یعنی پانچ بار تعمیر ہوا یا دس بار مگر علامہ عینی کہتے ہیں کعبہ سات بار تعمیر ہوا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے کعبہ کو فرشتوں نے تعمیر کیا۔ (دیگر روایات کے مطابق سب سے پہلے کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا اور اس تعمیر میں فرشتے بھی شامل تھے کیونکہ وہ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی تعمیر میں حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتے دونوں شریک تھے، بہر حال انسانوں میں کعبہ کے سب سے پہلے معمار حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔)

۲۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

۳۔ پھر عمالقہ نے

۴۔ پھر جرہم نے

۵۔ پھر قریش نے اور نبی کریم ﷺ بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔

۶۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے

۷۔ اور پھر حجاج بن یوسف نے تعمیر کیا۔ (عمدۃ القاری: جلد ۲: ص ۲۰۴: زیر حدیث نمبر ۱۲۶)

حجر اسود

حجر اسود کے متعلق روایات مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نیچے تشریف لائے تو حجر اسود کو اپنی بغل میں اپنے ساتھ لائے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حجر اسود بعد میں حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا اور یہ سفید موتی کی طرح چمکدار تھا، اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تو جبریل امین کے کہنے پر اس کو کعبہ میں نصب کر دیا گیا۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلد اول: ص ۲۱۸)

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۚ‏ ﴿۹۶﴾

کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بڑا برکت والا[۵۱] اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ‌ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ

۹۷۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، [۵۲] ان میں سے ایک مقامِ ابراہیم ہے، [۵۳] اور جو بھی اس میں داخل

پھر طوفان نوح میں حجر اسود کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ کی دیواریں بلند کیں تو جبریل امین نازل ہوئے اور حجر اسود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کیا۔ (سبل الهدیٰ والرشاد: جلد اول: ص ۱۸۲)

غلاف کعبہ

جس شخص نے کعبہ کو سب سے پہلے غلاف پہنایا وہ جناب عدنان تھے۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلد اول: ص ۲۵۰، ضیاء النبی: جلد اول: ص ۴۰۱)

جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔

[۵۱] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے، اور مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجۃ: ۱۴۱۳: اقامۃ الصلوات: باب ۱۹۸) کعبہ کی برکتوں کے لئے ایک حکایت ملاحظہ کریں۔ کعبہ تین اشخاص کی سفارش کر کے انہیں جنت میں لے جائے گا، پہلا شخص جس نے حج کیا، دوسرا جو حج کے لئے نکلا مگر کعبہ تک نہ پہنچ سکا اور تیسرا وہ جس کے دل میں حج کی خواہش تھی مگر وسائل نے ساتھ نہ دیا۔ (نزہۃ المجالس: جلد اول: ص ۱۵۳)

[۵۲] واضح نشانیوں سے مراد مقام ابراہیم، حجر اسود، آب زمزم، صفا و مروہ، منیٰ اور عرفات وغیرہ ہیں۔ یہاں گھر سے مراد صرف کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے کیونکہ مقامِ ابراہیم کا پتھر بھی ایک نشانی ہے اور وہ خانہ کعبہ کے اندر نہیں بلکہ باہر ہے۔

[۵۳] مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان ہیں۔ اب وہ پتھر خانہ کعبہ سے چند فٹ کے فاصلہ پر ایک شیشے کے حجرہ میں محفوظ ہے اور اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندوں کی ادائیں اور ان سے تعلق رکھنے والی چیزیں بھی پیاری ہوتی ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ میں مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کا حکم دیا ہے اور اس آیت میں مقام ابراہیم کو ایک واضح نشانی قرار دیا ہے اور غور سے دیکھا جائے تو حج کی ساری عبادات

الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

ہو وہ محفوظ ہو جاتا ہے [۵۴] اور اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو [۵۵] اور جو شخص اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ آپ ﷺ فرمائیے: اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ

۹۹۔ آپ فرمائیے: اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے اسے کیوں روکتے ہو جو ایمان لا چکا ہے، تم اس راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اس راہ کی

اللہ والوں کی پیاری یادیں ہیں، وہ قربانی ہو یا جمرات کو پتھر مارنا، میدانِ عرفات ہو یا صفا و مروہ۔

[۵۴] اس سے مراد صرف عمارت کعبہ یا مسجد حرام نہیں بلکہ کعبہ کے اردگرد کی سرزمین میلوں تک حرم شمار ہوتی ہے اور اس سارے علاقہ میں امن کا یہ عالم ہے کہ انسان کو قتل کرنا تو بڑی بات ہے جانور تک کا شکار بھی جائز نہیں۔ جو انسان حدودِ حرم میں داخل ہو جائے اسے بڑے سے بڑے دشمن کا بھی خطرہ نہیں رہتا اور پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں کافر بھی حرم شریف کا احترام کرتے اور اس علاقہ میں کسی پر زیادتی نہیں کرتے تھے۔

[۵۵] اس سے معلوم ہوا کہ حج ہر اس انسان پر فرض ہے جو کعبہ جانے کی طاقت رکھتا ہو یعنی سفر کرنے پر قادر ہو، راستہ پُر امن ہو اور صحت و تندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ کرو کیونکہ یہ غربت اور گناہوں کو اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے زنگ کو مٹاتی ہے اور حج مقبول کی جزا صرف جنت ہے۔
(ترمذی: ۸۱۰: ابواب الحج: باب ۲)

نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص سفر، خرچ اور سواری کا مالک ہو جس کے ذریعہ وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس کا کوئی افسوس نہیں خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ وہ نصرانی ہو کر مرے۔ (ترمذی: ۸۱۲: ابواب الحج: باب ۳) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے ''کفر'' سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت اور اس کی تاکید میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ حج چھ ہجری میں فرض ہوا۔ (حاشیۃ الطحطاوی) اس کی فرضیت قطعی ہے اور عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔

اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

سچائی کے) گواہ ہو [۵۶] اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں گے [۵۷]

وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

۱۰۱۔ اور اب تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی موجود ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھامے گا تو اسے سیدھے راستہ کی ہدایت دی جائے گی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے [۵۸] اور مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ [۵۹]

---

[۵۶] تورات و انجیل کے حوالہ سے اہل کتاب کو علم تھا کہ اسلام دین حق ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انکار کرتے اور سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ ان دونوں آیات میں اہل کتاب کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم دیدہ دانستہ حق کو چھپا کر چند لوگوں کو تو فریب دے سکتے ہو لیکن کل روز محشر اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے، وہ تو تمہارے ظاہر و باطن کو یکساں دیکھ رہا ہے۔

[۵۷] اہل کتاب کے مکر و فریب اور وساوس کا ذکر کرنے کے بعد اب مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اہل کتاب کی ہر ممکن کوشش یہ ہے کہ وہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں لیکن تم ان کی سازشوں سے ہشیار رہو اور دین اسلام کو مضبوطی سے تھامے رکھو، یہی صراط مستقیم ہے۔

[۵۸] اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے اور مقصد یہ ہے کہ احکام خداوندی پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے میں حسب استطاعت پوری کوشش کی جائے۔ درج ذیل آیات بھی اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں: اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تمہاری استطاعت ہے۔ (قرآن: ۱۶:۶۴) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ (قرآن: ۲۸۶:۲)

[۵۹] یعنی تمہیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو۔ موت کا وقت ہمارے علم میں نہیں ہے، لہٰذا کسی

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اور تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو [۶۰] اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد رکھو جو اس نے تم پر فرمائی جب تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی، پس تم اس کے کرم سے بھائی بھائی بن گئے [۶۱] اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچالیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے [۶۲] جو اچھائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

لمحہ میں بھی نافرمانی کی جرأت نہ کی جائے، ممکن ہے وہی لمحہ ہماری موت کے لئے مقرر ہو۔

[۶۰] اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن میں ہدایت ہے اور اتحاد میں طاقت ہے۔ جس قوم کے پاس صرف طاقت ہو وہ ظالم بن جاتی ہے اور جس کے پاس صرف ہدایت ہو وہ مظلوم رہتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن جیسی سراپا ہدایت کتاب دے کر متحد ہونے کا حکم دیا ہے تاکہ مسلمان نہ ظالم بنیں اور نہ مظلوم بلکہ عزت و وقار کے ساتھ ہدایت کا نور پھیلائیں۔ قرآن وحدیث میں اتحاد و اتفاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ جمعہ، حج اور عیدین کے اجتماعات اسی اتحاد کے عملی نمونے ہیں، جن میں بادشاہ اور غلام، گورا اور کالا گھٹنے کے ساتھ گھٹنا ملا کر ایک ہی صف میں بیٹھتے ہیں اور اسلامی مساوات واتحاد کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

[۶۱] اسلام سے پہلے قبائل عرب انتشار کا شکار تھے۔ معمولی باتوں پر قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے اور پھر صدیوں تک ایک دوسرے کی عداوت میں سرگرم رہتے۔ اسلام نے ان کے دلوں میں محبت کا ایسا انقلاب پیدا کیا کہ وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے، نیز کفر وشرک کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ میں گرنے والے تھے مگر اسلام نے انہیں جنت کے راستہ پر گامزن کر دیا۔ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا انتشار تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ ہدایت سے محروم تھے لیکن نزولِ قرآن کے بعد مسلمانوں کا انتشار لمحۂ فکریہ ہے ۔۔۔؟

درسِ قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

[۶۲] نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض کفایہ ہے۔ پوری امتِ مسلمہ کا یہ اہم ترین فریضہ ہے کہ وہ کچھ ایسے لوگ تیار کرے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود اختلاف کیا [٦٣] اور ان لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

جو دینی علوم سے مالا مال ہوں، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، دورِ حاضر کے تقاضوں سے باخبر ہوں، علم و حکمت کے استعمال پر قادر ہوں اور پیغام اسلام کو قابل فہم اور قابل عمل انداز میں پیش کرنے کے خوگر ہوں تاکہ مسلمان عمل میں سرگرم رہیں اور غیر مسلم قبولِ اسلام یا کم از کم احترام اسلام کی طرف راغب ہوں۔

۱۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ تم اس سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ (ترمذی: ۲۱۶۹: ابواب الفتن: باب ۹)

۲۔ نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے، خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور عام لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ (ترمذی: ۳۰۵۸: تفسیر القرآن: باب ۱۸)

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا امتِ مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گی تو وہ ایسے عذاب اور زوال کا شکار ہوگی کہ کسی کی دعا بھی قبول نہ ہوگی، لیکن اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ لوگ ہدایت قبول نہ کریں، اپنی خواہشات کے غلام بن جائیں اور داعی کے لئے مشکلات اور خطرات پیدا کر دیں تو پھر داعی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی فکر کرے اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔

[٦٣] اہل کتاب نے اپنے انبیائے کرام سے دین حق کی واضح تعلیمات حاصل کیں مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد انہوں نے دین کے اصولوں کو چھوڑ دیا اور غیر ضروری مسائل کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ فرقے بنا لئے، جس کی پاداش میں قیامت کے دن انہیں بڑے عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ اس مثال سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرقہ بندی سے منع فرما رہا ہے تاکہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں، لیکن صد افسوس! سمرقند، بخارا، تاشقند و قرطبہ کا زوال ہم نے تاریخ میں پڑھا۔ بوزنیا، چیچنیا، کشمیر، فلسطین اور افغانستان کے مظالم ہم نے ٹی وی پر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اس کے باوجود ہمارے انتشار میں کمی نہیں آئی۔ اپنی انا کی تسکین اور مفاد پرستی نے ہمیں اس حد تک اندھا کر دیا ہے کہ دشمن گھر کے دروازے پر دستک دے رہا ہے اور ہم گھر کے اندر آپس میں دست و گریباں ہیں۔ اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ جس دن بعض چہرے سفید اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، [۶۴] سو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا تھا؟ پس اب تم اپنے کفر کا عذاب چکھو۔

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ‌ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ [۶۵]

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

۱۰۹۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اور سارے کام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ

۱۱۰۔ تم بہترین امت ہو [۶۶] جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی

[۶۴] قیامت کے دن مومنین کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ ایمان کے نور و ثواب میں ہمیشہ پُرسکون رہیں گے جب کہ کفار کے چہرے سیاہ ہوں گے اور وہ کفر کی تاریکی و سزا میں بے قرار رہیں گے۔

[۶۵] اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے، اس کو کسی پر زیادتی یا کسی کی حق تلفی کی ضرورت نہیں بلکہ وہ تو مہربان ہے اور آیات سنا کر سیدھا راستہ دکھاتا ہے تاکہ لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کر کے نجات پائیں لیکن اس کے بعد بھی جو لوگ جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کریں وہ اپنے اوپر خود ظلم کر رہے ہیں اور جو ظلم کرتے ہیں آخر انہیں ظلم کے انجام سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔

[۶۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہترین اُمت قرار دیا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں یعنی بہترین وہ ہیں جو پہلے ایمان لا کر خود امن کا پیکر بن جائیں اور

برائی کا خاتمہ کر کے لوگوں کو امن مہیا کریں۔ جس طرح تاریکی اور بیماری کے خاتمے سے روشنی اور تندرستی از خود آ جاتی ہے اسی طرح برائی کے خاتمے سے نیکی کا دور دورہ ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اپنے ہاتھ (طاقت) سے برائی کو روکے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس برائی کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجے کا ایمان ہے۔ (مسلم: ۱۷۷: کتاب الایمان: باب ۲۰) یعنی ایمان کا ابتدائی تقاضا یہ ہے کہ انسان برائی کو دل سے ناپسند کرے اور اس کو روکنے کی منصوبہ بندی کرے۔ ایمان کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ انسان برائی کو زبان سے روکنے کی کوشش کرے۔ اس کو آپ تبلیغ کا نام دے سکتے ہیں جس طرح حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اسلام کی تبلیغ فرمائی، اور ایمان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کو طاقت سے روکا جائے اور غالباً اسی لئے مسلمانوں کو بہترین امت کہا گیا ہے مگر اس کے لئے سیاسی غلبہ اور مادی برتری کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی احکام کا نفاذ ہو جس میں ہر قوم اور ہر مذہب کا انسان پُرامن زندگی گزارے اور کوئی برائی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کی بہترین مثال مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا قیام تھا جس کے حصول کے لئے حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی، جنگ اُحد میں پیشانی زخمی کرائی اور جنگ خندق میں پیٹ پر پتھر باندھے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے ۔۔۔ شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

ترے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ایرانی ۔۔۔ لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اسی سورت کی آیت نمبر ۱۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مؤمن ہو۔ آج مسلمانوں کا غلبہ کہاں ہے، وہ تو اپنے ممالک میں بھی آزاد نہیں ہیں، طاقتور حکومتیں جو چاہتی ہیں مسلمان ممالک میں وہی کچھ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان ایمان کے اعلیٰ درجے سے محروم ہو چکے ہیں یعنی وہ لوگوں کو نیکی کی دعوت تو دے سکتے ہیں مگر نیکی کا حکم دینے کی طاقت نہیں رکھتے جس کے نتیجے میں بہترین اُمت آج دنیا میں دہشت گرد کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' اس دور کی مشہور روایت ہے، اور آج کی لاٹھی صرف ایٹم بم اور میزائل ہی نہیں بلکہ اصل طاقت اقتصادی اور سائنسی ترقی میں ہے۔ اس میدان میں مسلمان مجرمانہ غفلت کا شکار ہیں۔ آج دنیا کی ایک چوتھائی زمین اور وسائل کے مالک مسلمان ہیں۔ ایک ارب سے زائد افرادی قوت اور ۵۷ اسلامی ریاستیں ہیں۔ مذہبی رہنما اپنی مساجد میں، حکومتی سربراہ مسند اقتدار پر اور امام کعبہ حج کے اجتماعات میں نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود نہ نیکی پھیل رہی ہے اور نہ برائیاں ختم ہو رہی ہیں کیونکہ سائنسی اور فنی علوم کے فقدان نے ہمارے ان بے شمار وسائل کو بے اثر بنا دیا ہے اور ہم وہ طاقت حاصل نہیں کر سکے جو نیکی کے نفاذ اور برائی کے خاتمہ میں کارگر ثابت ہو، لہٰذا آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان قرآن کی طرف واپس آئیں، آپس میں اتحاد اور محبت کی فضا قائم کریں، سائنسی اور فنی علوم میں برتری حاصل کریں اور عظمتِ رفتہ کی بحالی میں دن رات ایک کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف

بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، [۶۷] ان میں سے بعض مومن ہیں لیکن اکثر نافرمان ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ وہ تمہیں (زبانی) ستانے کے سوا زیادہ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، [۶۸] پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

۱۱۲۔ وہ جہاں پائے گئے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد یا لوگوں کے عہد سے کہیں پناہ مل جائے [۶۹] اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی

اسی قوم کی مدد فرماتا ہے جو اپنی مدد آپ بھی کرتی ہے۔ (قرآن: ۱۳:۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی — نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

نوٹ: اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۶۲ بھی ملاحظہ کریں۔

[۶۷] اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا، اس طرح وہ بھی بہترین امت میں شامل ہو جاتے جیسے عبداللہ بن سلام اور ثعلبۃ بن شعبۃ وغیرہ ایمان لائے لیکن اکثر اہل کتاب نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

[۶۸] یثرب اور خیبر کے علاقوں میں یہود کا بول بالا تھا اور وہ اپنے مال و دولت کے باعث بہت اہم مقام رکھتے تھے لیکن مسلمانوں کی آمد سے جب ان کا اثر و رسوخ زوال پذیر ہونے لگا تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ یہود سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ زبان درازی اور افترا پردازی سے ذہنی تکلیف تو پہنچائیں گے لیکن اگر عملاً لڑائی کی جرأت کی تو شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اور تاریخ شاہد ہے کہ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اور یہود نے مدینہ و خیبر میں شکست فاش کھائی۔

[۶۹] یہود کے جرائم کی وجہ سے ان پر ذلت مسلط کی گئی، البتہ قرآن مجید نے دو صورتیں ایسی بیان کی ہیں جن کی بدولت وہ اس ذلت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ جرائم چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے لوگ ان کی پشت پناہی کریں۔

الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

گئی [۷۰] یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیائے کرام کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا بدلہ ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے [۷۱] جو رات کے اوقات میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور یہ صالح لوگوں میں سے ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

---

[۷۰] یہود میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور انبیائے کرام کو ناحق قتل کیا، ان جرائم کی سزا کے طور پر وہ دنیاوی زندگی میں محتاجی و غربت کا شکار رہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے جہنم رسید ہوں گے۔

[۷۱] اہل کتاب کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پہلے زمانے کے اہل کتاب: یعنی سارے اہل کتاب یکساں نہیں تھے، اگرچہ اکثریت نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور انبیائے کرام کو قتل کیا مگر کچھ اہل کتاب ایسے بھی تھے جو پرہیزگار تھے اور انبیائے کرام کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے، لہٰذا ان کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کے دور کے اہل کتاب: یعنی سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں بعض ان میں حقیقت پسند ہیں جو حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے، لہٰذا ان کا اجر ضائع نہیں ہوگا لیکن جو حضور اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لائے ان کا اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان درست نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری نبی کے منکر ہیں، لہٰذا وہ حق پر نہیں ہو سکتے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد انہیں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز نہ بچا سکیں گے، اور وہ دوزخی ہیں (اور) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ جو کچھ وہ اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح ہے جس میں سخت سردی ہو جو ظالموں کے کھیت پر پہنچے اور اسے فنا کر دے، [۴۲] اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ

۱۱۸۔ اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، [۴۳] وہ تمہیں خرابی پہنچانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھیں گے، انہیں وہی چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف پہنچے، ان کی باتوں سے بغض تو ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے

[۴۲] اس آیت میں ایک مثال سے ظالم اور کافر کا انجام بتایا جا رہا ہے، یعنی ظالم ایک کھیت تیار کرتا ہے، اس میں سرسبز و شاداب فصل دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا لیکن کھیت کو سردی سے بچانے کا انتظام نہیں کرتا اور جب اس کے مظالم کی سزا کا وقت آتا ہے تو سخت سرد ہوا اس کی فصل کو برباد کر دیتی ہے اور ظالم کو حسرت و یاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کافر جو مال اپنے نام و نمود یا لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے خیرات کرتا ہے اس سے قلبی سکون اور روشن مستقبل کی امیدیں لگاتا ہے لیکن اعمال کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور جب اس کے کفر کی سزا کا وقت (قیامت کا دن) آتا ہے تو کفر اس کی خیرات کے ثواب کو برباد کر دیتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دولت میں تصرف تو کیا مگر دینے والے کے نظام پر ایمان نہیں لایا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نوکر اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال لوگوں میں تقسیم کر دے تو ایسا نوکر سخی نہیں بلکہ مجرم ہے اور اس کی سزا اس پر ظلم نہیں بلکہ وہ اس کا مستحق ہے۔ قرآن مجید نے کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی ہے۔ "کافروں کے اعمال زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب وہ اس کے پاس آیا تو کچھ بھی نہ پایا۔" (قرآن: ۳۹:۲۴)

[۴۳] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو راز دار یعنی گہرا دوست نہ بنائیں۔ اس طرح وہ راز

اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

بھی بڑا ہے، ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں صاف صاف بیان کر دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔

هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ سنو! تم ان سے محبت رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے [۴۷] اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں چباتے ہیں، (اے حبیب ﷺ!) آپ فرمایئے کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے راز خوب جانتا ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲

۱۲۰۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔

معلوم کر کے یا غلط مشورے دے کر مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔ اس آیت میں کفار سے بالکل قطع تعلق کرنے کا حکم نہیں صرف راز دار بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ویسے انسانیت کے ناطے تمام بنی نوع انسان کے ساتھ اچھے مراسم کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ بدگمانیوں کا خاتمہ ہو اور امن و سکون کی فضا پیدا ہو۔ اس ضمن میں مزید تفصیلات کے لئے اسی سورت کی آیت نمبر ۲۸ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۴۷] یعنی منافقین کو مسلمانوں سے کوئی محبت نہیں تھی بلکہ اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے اور سادہ لوح مسلمان ان کا ظاہری ایمان دیکھ کر ان کو اپنا بھائی سمجھتے اور ان سے محبت کرتے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ منافقین کی خطرناک چالوں سے محتاط رہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور حق کے راستہ میں آنے والی مشکلات پر صبر کریں۔

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ (اے حبیب!) اس وقت کو بھی یاد کرو جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے رخصت ہوئے اور (میدانِ اُحد میں) مومنوں کو جنگ کے لئے مورچوں پر بٹھا رہے تھے [۷۵] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

[۷۵] جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد غزوہ اُحد کا واقعہ ہے۔ شوال تین ہجری میں کفارِ مکہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ حضورِ اکرم ﷺ ایک ہزار افراد کے ساتھ مدینہ سے نکلے مگر راستہ میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ منافقین کی اس حرکت سے لشکرِ اسلام کی تعداد مزید کم ہو گئی۔ وقتی طور پر بعض مسلمان گھبرا گئے حتیٰ کہ بنی حارثہ اور بنی سلمہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس لغزش کے ارتکاب سے انہیں بچا لیا۔ لہٰذا ان باقی ماندہ سات سو جانثاروں کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ آگے بڑھے اور اُحد پہاڑ کے دامن میں اس طرح صف آرا ہوئے کہ پہاڑ پشت پر تھا اور کفار کا لشکر سامنے۔

لشکرِ اسلام کے پیچھے ایک درّہ تھا جس سے کفار کے اچانک حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کو متعین کر دیا اور انہیں تاکیدی حکم دیا کہ ہمیں خواہ فتح ہو یا شکست تم ہر حالت میں یہاں ٹھہرے رہنا تاکہ تمہاری طرف سے دشمن حملہ نہ کرنے پائے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ مسلمان اگرچہ تعداد میں ایک چوتھائی سے بھی کم تھے مگر اس قدر جرأت سے مقابلہ کیا کہ کفار کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگنا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں نے مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا تو درّے پر متعین تیر اندازوں نے خیال کیا کہ فتح ہو چکی ہے اب یہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں میدان میں جا کر مجاہد ساتھیوں کے ساتھ مالِ غنیمت اکٹھا کرنا چاہئے۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود چالیس افراد اپنا مورچہ چھوڑ کر میدان میں اُتر آئے۔ ان کی اس جلد بازی نے اسلام کی فتح کو شکست میں بدل دیا۔ کفار نے باقی ماندہ دس تیر اندازوں کو شہید کر کے لشکرِ اسلام پر پیچھے سے ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور ساتھ ہی یہ افواہ بھی اُڑ گئی کہ حضورِ اکرم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمان مزید حواس باختہ ہو گئے مگر جب یہ اعلان ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ تو زندہ ہیں اور بنفسِ نفیس جنگ میں دادِ شجاعت دے رہے ہیں تو یہ خوش خبری سنتے ہی منتشر مسلمان پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے اور کفار اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ واپس روانہ ہو گئے۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے شہداء کو دفن کیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضورِ اکرم ﷺ شہداءِ اُحد کی قبروں پر آیا کرتے تھے اور فرمایا، جو لوگ قیامت تک ان کی زیارت کے لئے آئیں گے اور انہیں سلام عرض کریں گے یہ انہیں اس کا جواب دیتے رہیں گے۔

(دلائل النبوۃ: امام بیہقی: جلد ۳: ص ۳۰۷)

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ جب تم میں سے دو جماعتوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کر لیا تھا [۷۶] حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا (جس نے ان دونوں کو اس لغزش سے بچا لیا)، اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ [۷۷]

[۷۶] یہ اشارہ بنی حارثہ اور بنی سلمہ کی طرف ہے جن کے حوصلے منافقین کی واپسی کے بعد پست ہو گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور وہ سنبھل گئے۔

[۷۷] اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ایمان کا حصہ ہے یعنی اس بات پر پختہ یقین کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے۔ کامیابی و ناکامی دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور ان دونوں کے پس پردہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں، نیز مادی اسباب پر اس طرح کلی اعتماد کرنا کہ مطلوب کے حصول میں یہی سب کچھ ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور بلاوجہ اسباب کو چھوڑ کر توکل کا دعویٰ کرنا بھی گناہ ہے، لہٰذا توکل کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے پہلے ضروری اسباب کے مہیا کرنے میں پوری جدوجہد کی جائے لیکن نتائج کے ظہور کے لئے اسباب پر اعتماد نہ کیا جائے صرف اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے۔ اس طرح مسلمان کا حوصلہ بھی بلند رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی شامل حال ہو گی جبکہ کافر صرف اسباب پر بھروسہ کرتا ہے اور روحانی تسکین کے فقدان سے پریشان رہتا ہے۔ اس ضمن میں حضور اکرم ﷺ کی تین مثالیں ملاحظہ کریں:

۱۔ حضور اکرم ﷺ جب کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو اس کے لئے تیاری کرتے، مجلس مشاورت قائم ہوتی، وقت، جگہ، راستہ اور مجاہدین کا انتخاب ہوتا، ہتھیار اور سواریوں کا بندوبست کیا جاتا، میدانِ جنگ میں صفیں بنائی جاتیں، الغرض جنگ میں کامیابی کے سارے ضروری اسباب کا انتظام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح دستِ سوال دراز فرماتے:

''اے اللہ! ہمارے دشمنوں کو ناکام بنا دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔'' (بخاری: ۲۹۶۶: کتاب الجہاد: باب ۱۱۲)

۲۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے وقت حضور اکرم ﷺ نے رفیقِ سفر، زادِ سفر، اور سواری کے لئے اونٹنی کا انتظام کیا۔ رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں پناہ لی تا کہ کفارِ مکہ دیکھ نہ سکیں۔ اس طرح سارے ضروری اسباب کا انتظام کرنے کے بعد دعا کی: '' ـــ اے اللہ! میرے سفر میں تو میرا ساتھی ہو ـــ اور مجھے لوگوں کے حوالے نہ کر ـــ''

(سیرت ابن کثیر: جلد دوم)

چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی تلاش میں جب کفار کی ایک جماعت غارِ ثور کے منہ پر آ گئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر ان کفار میں سے کسی نے نیچے جھک کر دیکھا تو ہم نظر آ جائیں گے، اس پر حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کو بڑے زوردار الفاظ میں بیان فرمایا: ''اے ابوبکر! تیرا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔'' (بخاری: فضائل اصحاب) یعنی ہم نے سارے امکانی اسباب مکمل کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں تمہاری مدد کی تھی [۷۸] حالانکہ تم بالکل کمزور تھے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے: کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تعالیٰ تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد فرمائے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ ہاں کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ (کفار) اچانک تم پر حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو تمہارے لئے محض خوش خبری بنایا تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، اور درحقیقت مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جو سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

کر رکھا ہے۔ وہی ہماری حفاظت کرے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے منہ پر کبوتری کے انڈوں اور مکڑی کے جالے سے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جنہیں دیکھ کر کفار واپس چلے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کفار سے بچا لیا۔

۳۔ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا چھوڑ کر؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پہلے اپنی اونٹنی کو رسی سے باندھ اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ (ترمذی: ۲۵۱۷: ابواب صفة الجنة: باب ۶۰)

[۷۸] ان آیات میں غزوہ بدر کا تذکرہ ہے۔ یہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی جو سترہ رمضان سن دو ہجری کو بدر کے مقام پر وقوع پذیر ہوئی۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی اور کفار کا مسلح لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے باوجود ستر کافر مارے گئے، ستر قیدی ہوئے اور باقی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور تسکین کے لئے فرشتے نازل فرمائے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ (یہ مدد اس لئے تھی) تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک گروہ کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں [۷۹] اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کافروں کی توبہ قبول فرمائے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

۱۲۹۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

---

[۷۹] غزوہ اُحد میں جب حضورِ اکرم ﷺ کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے اور سر مبارک زخمی کیا گیا تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔ (بخاری: کتاب المغازی: باب ۲۲)

اس وقت حضورِ اکرم ﷺ نے کفار کے خلاف دعا کی یا کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظالم کفار کے لئے دعائے ہلاکت سے منع فرمایا۔ اگرچہ حضورِ اکرم ﷺ کا ظالم کافروں کے خلاف دعا کرنا درست اقدام تھا جیسے انبیائے کرام نے کفار کے خلاف دعائیں فرمائیں جس کے نتیجہ میں وہ کافر ہلاک ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کا ایک جائز کام سے منع فرمانا بھی حکمت سے خالی نہیں تھا یعنی پیارے رسولِ مکرم! کفار کے مظالم کے بدلہ میں آپ ﷺ کا دعائے ہلاکت کرنا درست اور آپ کا حق ہے لیکن اگر آپ صبر کریں اور معاف کر دیں تو اس کا درجہ بہت بلند ہے کیونکہ ان میں سے جو کفر و ظلم پر قائم رہیں گے وہ تو عذاب سے نہیں بچ سکیں گے، البتہ جو توبہ کر لیں گے ان سے اسلام کو تقویت ملے گی، جیسے خالد بن ولید، عکرمۃ بن ابی جہل، عمرو بن عاص وغیرہ مسلمان ہو گئے۔

اس آیت کے حکم اور انبیائے کرام علیہم السلام کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم کفار سے بدلہ لینے یا معاف کرنے میں وقتی حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے، اگر کفار کے مظالم میں کمی آنے یا اسلام کے قریب آنے کی اُمید ہو تو انہیں معاف کر دینا افضل ہے، اور اگر مظالم سے باز آنے کی امید نہ ہو تو ان سے بدلہ لینا یا ان کے لئے دعائے ہلاکت کرنا افضل ہے، جیسے انبیائے کرام نے ظالم کفار کے لئے دعائے ہلاکت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے کفار کو ہلاک کر دیا، لیکن اس آیت سے یہ مطلب نکالنے کی کوشش کرنا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی دعائے خیر یا دعائے ضرر کا کوئی اثر نہیں، یہ سراسر خلافِ واقعہ اور تعلیماتِ اسلامیہ کے منافی ہے۔ جہاں انبیائے کرام علیہم السلام کی دعائیں رنگ لاتی ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ [۸۰] اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[۸۱]

وہاں سردار انبیاء کی دعا رنگ کیوں نہیں لائے گی ۔۔۔ ؟ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائیں تو اللہ تعالیٰ کا بارانِ کرم جوش میں آجاتا ہے اور اُجڑے ہوئے چمن میں بہار آجاتی ہے۔

[۸۰] زمانہ جاہلیت میں سود کا عام رواج تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سود پر رقم قرض دیتا اور جب ایک سال بعد مقروض رقم ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ سود کی رقم میں اضافہ کردیتا۔ اس طرح یہ سلسلہ مدتوں جاری رہتا، یہاں تک کہ اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی جسے سود در سود یا سود مرکب کہا جاتا ہے۔ اسلام نے اس ظالمانہ نظام کو ختم کردیا یعنی جو شخص اصل رقم واپس کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ سود کیسے ادا کرے گا۔ اس آیت میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ سود سے بچو ورنہ دوزخ کی آگ سے بچنا مشکل ہوجائے گا۔

نوٹ: سود کے متعلق تفصیل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ میں ملاحظہ کریں جس میں سود کو مطلقاً حرام کردیا گیا ہے، چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔

[۸۱] مطلب یہ ہے کہ ایسے نیک اعمال اختیار کرنے میں جلدی کرو جن کے باعث رب تعالیٰ تمہاری مغفرت کردے اور تمہیں وہ جنت عطا فرمائے جس کی وسعت کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے اور اس جنت کے مستحق پرہیزگار لوگ ہیں جن کی صفات آئندہ آیات میں مذکور ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے خوشحالی اور تنگ دستی دونوں احوال میں خرچ کرتے ہیں، لوگوں

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ جو لوگ خوشحالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں، غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی بُرا کام یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے، اور وہ جان بوجھ کر اپنے بُرے کاموں پر اصرار نہیں کرتے۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور نیک کام کرنے والوں کے لئے یہ کیسا اچھا بدلہ ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ تم سے پہلے کئی مثالیں گزر چکی ہیں [۸۲] سو تم زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ (حق کو) جھٹلانے والوں کا کیسا (بُرا) انجام ہوا۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ یہ لوگوں کے لئے ایک بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

کی زیادتی پر غصہ کو پی جاتے ہیں اور دل کے کسی گوشے میں بھی اس کا اثر باقی نہیں رہنے دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور اگر کبھی ان سے گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ خلوصِ دل سے توبہ کر لیتے ہیں۔ ان صفات کے مالک ہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کے لئے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں۔ یا اللہ! ہم کو اپنے ان محبوب بندوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین!

[۸۲] گزشتہ اقوام کے حالات اور ان کے عروج و زوال کے واقعات میں غور کرو۔ جو قوم انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا انکار کرتی ہے وہ بالآخر ناکام و نامراد ہوتی ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مومن ہو۔ [۸۳]

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰۔ (جنگ اُحد میں) اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو (جنگ بدر میں) ایسی ہی چوٹ (تمہاری مخالف) قوم کو بھی لگ چکی ہے، یہ (عروج و زوال کے) دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں [۸۴] تاکہ اللہ تعالیٰ ممتاز کر دے ان کو جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱۔ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے [۸۵] حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو ممتاز نہیں کیا۔

---

[۸۳] غزوہ احد میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا، اس کی وجہ ظاہر ہے، درّے پر متعین مجاہدین نے جلد بازی کی اور کفار کو پیچھے سے اچانک حملہ کرنے کا موقع فراہم کیا لیکن اس کے باوجود ممکن تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں تم ہی غالب رہو گے اگر تم سچے مؤمن ہو۔ تاریخ شاہد ہے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک اور صحابہ کرام کے دور حتیٰ کہ بنو امیہ تک مسلمانوں کو مسلسل کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں لیکن بعد میں جب مسلمان انتشار کا شکار ہوئے اور ایمان کامل کا معیار برقرار نہ رکھ سکے تو ایسے زوال پذیر ہوئے کہ اب کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی مزید تشریح کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ۱۱۰ ملاحظہ فرمائیں۔

[۸۴] اقوام عالم میں فتح و شکست کے دن گردش کرتے رہتے ہیں کبھی مسلمان غالب اور کبھی کافر غالب مگر اہل ایمان قتل ہو کر بھی شہادت کی عزت حاصل کرتے ہیں جبکہ کفار قتل ہو کر مٹ جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! قتل ایک مگر انجام مختلف ہے۔

[۸۵] یعنی جنت میں جانا آسان نہیں ہے، پہلے آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے، صبر و جہاد کے میدان میں پرکھا جاتا ہے اور جو ایمان کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے وہی جنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳۔ اور موت کی ملاقات سے پہلے تم شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا ہے۔[۸۶]

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْــــًٔا ۭ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴۔ اور نہیں ہیں محمد (ﷺ)[۸۷] مگر (اللہ تعالیٰ کے) رسول،[۸۸] ان سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا، اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

[۸۶] شہدائے بدر کے درجات سن کر دیگر مسلمانوں کے دل بھی شہادت کے لئے بے قرار ہو گئے اور انہوں نے میدانِ اُحد میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دادِ شجاعت دی اور شہادت کی عظمت حاصل کی۔

[۸۷] حضورِ اکرم ﷺ کے ذاتی نام محمد اور احمد ہیں، باقی سارے اسمائے گرامی صفاتی ہیں۔ اہلِ زبان لکھتے ہیں کہ جو ہستی صفاتِ خیر کی جامع یعنی مجموعہ خوبی ہو اور جس کی بار بار تعریف کی جائے اسے محمد کہتے ہیں۔ زمانہ جس قدر ترقی کرتا جا رہا ہے حضورِ اکرم ﷺ کے کمالات روشن سے روشن تر ہوتے جا رہے ہیں اور اسی لئے آپ کی تعریف کا سلسلہ بھی بڑھتا چلا جا رہا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہر آنے والی گھڑی آپ ﷺ کے لئے پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔ (قرآن: ۹۳: ۴) یعنی ہر لحہ آپ ﷺ کی عظمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

[۸۸] جنگِ اُحد میں جب کفار نے لشکرِ اسلام پر پیچھے سے اچانک حملہ کیا تو مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور ساتھ ہی یہ افواہ بھی اُڑ گئی کہ حضورِ اکرم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے بعض کمزور دل مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے میدانِ جہاد سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس آیت میں انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ رسول ہیں خدا نہیں ہیں کہ ان پر موت نہیں آسکتی۔ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اس دنیا میں آپ ﷺ کا بھی وقت مقرر ہے۔ جب حضورِ اکرم ﷺ انتقال فرمائیں تو کیا تم ان کا دین چھوڑ دو گے؟ یاد رکھو جو اسلام سے پھرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

جنگِ اُحد کی اس مشکل گھڑی میں بعض ایسے جانباز بھی تھے جو ثابت قدم رہے۔ حضرت انس بن نضر للکار رہے تھے کہ ''آؤ جس مقصد کے لئے ہمارے آقا نے جان دی اسی کے لئے ہم بھی اپنا سر قربان کر دیں، حضور ﷺ کے بعد زندہ رہنے میں کیا لطف ہوگا؟ لوگو! رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں تو کیا ہوا، ان کا رب تو زندہ ہے۔'' یہ کہہ کر کفار پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی شخص نہیں مرسکتا، موت کا وقت لکھا ہوا ہے، [۸۹] اور جو شخص دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا سے دیں گے اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے ہم اس کو آخرت کا ثواب دیں گے [۹۰] اور ہم عنقریب شکر گزار بندوں کو جزا دیں گے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں جن کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو تکلیفیں انہیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری، نہ کمزور ہوئے، اور نہ ہار مانی [۹۱] اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

---

[۸۹] جو انسان تلواروں کے جھرمٹ میں دادِ شجاعت دیتا ہے ضروری نہیں کہ وہ قتل ہو جائے اور جو میدانِ جہاد کو چھوڑ کر بھاگتا ہے ضروری نہیں کہ وہ زندہ بچ جائے۔ دراصل موت کا ایک وقت مقرر ہے، نہ اس سے پہلے کسی کو موت آسکتی ہے نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ جب موت کا وقت اٹل ہے اور وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو وہ شخص کتنا کم عقل ہے جو موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہوتا۔

[۹۰] اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، جو شخص صرف دنیاوی فوائد کے لئے نیک اعمال کرتا ہے اور مالِ غنیمت کے لئے جہاد میں شریک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا کے کچھ عارضی منافع تو عطا فرماتا ہے لیکن وہ آخرت کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور جو شخص آخرت کے ثواب کی نیت سے سرگرمِ عمل رہتا ہے اور شہادت کی نیت سے جہاد میں شریک ہوتا ہے تو اسے آخرت کا ثواب تو ملے ہی گا لیکن دنیا میں بھی اس کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ہے۔

[۹۱] جنگِ اُحد میں جو مسلمان گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کے صحابہ کرام نے کافروں سے جہاد کیا۔ وہ بھی مصائب سے دوچار ہوئے مگر انہوں نے کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنے رب تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہوئے پوری بہادری سے قدم آگے بڑھائے۔ ہر حال میں صابر و شاکر رہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا و آخرت میں سرخرو فرمایا اور تم بہترین امت ہو کر گھبرا گئے۔ ایسی کمزوری امتِ مسلمہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷۔ اوران کی دعا صرف یہی تھی کہ اُے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں بھی معاف فرمادے، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

۱۴۸۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا عمدہ ثواب بھی عطا فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ اے ایمان والو! اگر تم کفار کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھیر دیں گے [۹۲] اور تم نقصان اُٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال دیں گے [۹۳] کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز کو شریک بنالیا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری، ان کا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہے، اور ان ظالموں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے۔

---

[۹۲] جنگ اُحد میں عارضی شکست کے بعد بعض کفار مسلمانوں کے پاس آتے، ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے اور اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمادیا کہ کفار کی اطاعت نہ کرنا اور اگر کی تو وہ تمہیں کفر کی طرف لوٹادیں گے اور ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا بہت بڑا نقصان ہے۔ خوب یاد رکھو! یہ کافر تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ تمہارا اصل اور سب سے بہتر مددگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

[۹۳] جنگ اُحد میں جب کفار نے لشکر اسلام پر پیچھے سے اچانک حملہ کیا تو مسلمان گھبرا گئے اور میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگر کفار مسلمانوں کا تعاقب کرتے تو ظاہری حالات ایسے تھے کہ وہ مدینہ پر قبضہ کر لیتے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾

۱۵۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا [۹۴] جب تم (ابتدا میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور (رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) حکم کے بارے میں جھگڑنے لگے اور اپنی پسندیدہ چیز (مال غنیمت) دیکھنے کے بعد تم نے (رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) نافرمانی کی، تم میں سے بعض دنیا کے طالب تھے [۹۵] اور بعض آخرت کا ارادہ رکھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو کافروں کے تعاقب سے پیچھے ہٹا دیا تاکہ تمہیں آزمائے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا [۹۶] اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

لئے ختم کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کی وجہ سے ان کے دلوں کو اتنا مرعوب اور خوفزدہ کر دیا کہ وہ اپنی فتح کو ادھورا چھوڑ کر مکہ واپس لوٹ گئے، نیز کفار کی امیدوں کا سارا دارومدار ظاہری اسباب پر ہوتا ہے اور کوئی معمولی سا حادثہ یا وسوسہ بھی ان کے دلوں کو مرعوب کر سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے ان کے دلوں کو حوصلہ نہیں ملتا اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انہیں شہادت کی کشش نہیں ہوتی، اس لئے میدانِ کارزار میں آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس کیفیت کا تعلق تو دنیا سے ہے اور آخرت میں ان کا انجام اور زیادہ برا ہو گا۔

[۹۴] اللہ تعالیٰ نے کامل اہل ایمان سے فتح و نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے اور جنگ اُحد میں بھی اس کو پورا فرمایا جس کی وجہ سے پہلے مسلمان ہی غالب تھے لیکن بعد میں بعض مسلمانوں کی اپنی لغزش سے جنگ کا نقشہ بدل گیا کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے میں ناکام ہوئے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے پھر کرم فرمایا اور کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا ایسا رُعب طاری کر دیا کہ کفار خود ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

[۹۵] طالبِ دنیا سے مراد وہ تیر انداز ہیں جو مالِ غنیمت جمع کرنے کے لئے اپنا مورچہ چھوڑ گئے اور طالب آخرت سے مراد وہ تیر انداز ہیں جو مورچے پر ثابت قدم رہے اور شہید ہو گئے۔

[۹۶] درّہ پر متعین جن تیر اندازوں سے غلطی ہوئی، نیز کفار کے اچانک حملے سے گھبرا کر جن مجاہدین نے میدانِ جنگ چھوڑ دیا اب

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ یاد کرو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر دیکھتے بھی نہ تھے اور رسول مکرم ﷺ تمہیں پیچھے سے بلا رہے تھے، [۹۷] پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں غم کے بدلے غم پہنچایا [۹۸] تاکہ تم (مالِ غنیمت سے) محرومی اور (شکست کی) مصیبت پر غمگین نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

انہیں خوش خبری سنائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خطا اور کمزوری کو اپنے فضل و کرم سے معاف کر دیا ہے کیونکہ اس خطا اور گھبراہٹ میں ان کی نیت خراب نہیں تھی بلکہ اجتہادی غلطی اور بشری کمزوری کارفرما تھی۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل اور ہدایت کے ستارے ہیں، ان کی تعظیم واجب ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے تو کسی اور کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان پر زبانِ طعن دراز کرے۔ ان کے باہمی اختلافات اور قتال سب اجتہادی امور پر مبنی تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔
(قرآن: ۱۱:۱۱۴)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیکیوں کے برابر کسی دوسرے کی نیکیاں نہیں ہو سکتیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کے جتنے مستحق صحابہ کرام ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ان پر نکتہ چینی کے بجائے اپنی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے۔
یا اللہ! مجاہدین اسلام کے صدقے ہم پر بھی کرم فرما اور ہمارے گناہ معاف فرما دے۔ آمین!

[۹۷] جنگ اُحد کی مشکل گھڑی میں جب مسلمان بھاگنا شروع ہو گئے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کا رسول مکرم ﷺ صرف بارہ ساتھیوں کے ساتھ میدانِ جہاد میں جما رہا اور تمہیں جہاد کی طرف واپس بلا رہا تھا۔

[۹۸] درہ پر متعین تیراندازوں نے حضورِ اکرم ﷺ کے فرمان میں اختلاف کیا اور اکثر مالِ غنیمت کے لئے میدان میں اتر آئے۔ نیز کفار کے اچانک حملہ سے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان چھوڑ کر بھاگ گئے جس سے رسول اکرم ﷺ کو رنج پہنچا اور اس کے بدلے میں تمہیں بھی غم سے دوچار ہونا پڑا یعنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، یہ اس لئے تھا تاکہ تمہیں غم کے بجائے اپنی غلطی کا احساس ہو اور آئندہ ہر حال میں رسول اکرم ﷺ کے حکم پر قائم رہیں۔

نیز اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں میدانِ اُحد میں غم پر غم اس لئے دیا تاکہ تمہارے اندر مصائب برداشت کرنے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا ہو جائے اور آئندہ کبھی ایسی صورت پیش آئے تو گھبراؤ نہیں بلکہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ‌ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا‌ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ‌ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا

۱۵۴۔ اس غم کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر امن وسکون نازل فرمایا اور تم میں سے ایک گروہ پر غنودگی چھا گئی [۹۹] اور ایک گروہ ایسا تھا جس کو صرف اپنی جانوں کی فکر تھی [۱۰۰] وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق زمانہ جاہلیت کی طرح بدگمانی کر رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے: کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ فرمایئے: بے شک سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، یہ لوگ اپنے دلوں کے راز آپ کو نہیں بتاتے، کہتے ہیں: اس معاملہ میں اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے، آپ فرمایئے: اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنے مقتل کی طرف نکل آتے، (یہ مصیبت اس لئے پیش

[۹۹] جنگ اُحد میں جب ہر طرف افراتفری اور خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے مخلص مؤمنوں پر امن وسکون نازل فرمایا جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا اور ان پر غنودگی طاری کر دی جس سے ان کا غم غلط اور تھکاوٹ دور ہو گئی اور پھر تازہ دم ہو کر مصروفِ جہاد ہو گئے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم اونگھنے لگے یہاں تک کہ کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹی اور میں نے اسے سنبھالا۔ (بخاری: ۴:۵۶۲ کتاب تفسیر القرآن: باب ۱۱) ایسی حالت میں نیند کا آنا واقعی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت تھی۔

[۱۰۰] تین سو منافقین تو راستہ ہی سے لوٹ گئے تھے اور کچھ منافقین مالِ غنیمت کے لالچ اور اہل ایمان کے ڈر سے ساتھ رہے۔ انہیں اونگھ اور سکون کی نعمت سے محروم رکھا گیا کیونکہ وہ اسلام سے مخلص نہ تھے صرف اپنی سلامتی کی فکر میں تھے لیکن جب جنگ کا نقشہ بدل گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق زمانہ جاہلیت کی باتیں شروع کر دیں۔ اگرچہ نفاق کی بہت سی باتیں انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھیں اس کے باوجود کہنے لگے: ''ان کی مرضی کے خلاف جنگ شروع کی گئی، اگر ان کی نہ مانی جاتی اور مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جاتا تو اتنا نقصان نہ ہوتا اور جو یہاں قتل ہوئے ہیں وہ بھی قتل نہ ہوتے۔'' اس پر قرآن مجید نے وضاحت کر دی کہ سارے اختیارات کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کا اُحد میں قتل ہونا مقدر تھا وہ بہر صورت یہاں پہنچ جاتے کیونکہ موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے۔ جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرماتا ہے کہ وہ اپنے مقتل پر پہنچ ہی جاتا ہے۔

فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

آئی) تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے اور تمہارے دلوں کو پاک وصاف کر دے [۱۰۱] اور اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ جس دن دو لشکر مقابلے میں آئے اس دن تم میں سے جو لوگ پیٹھ پھیر گئے [۱۰۲] ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان نے انہیں پھسلا دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کیا، اور جب ان کے بھائی کسی سفر یا جنگ پر جاتے (اور وہاں کسی حادثے کا شکار ہو جاتے) تو وہ کہتے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تا کہ اللہ تعالیٰ اس خیال کو ان کے دلوں میں حسرت کا باعث بنا دے، [۱۰۳] دراصل اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

---

[۱۰۱] اب پھر روئے سخن اہل ایمان کی طرف ہے کہ تمہیں غزوہ اُحد کے مصائب میں اس لئے مبتلا کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا ایمان اور کفار کا نفاق ظاہر کر دے اور ان تکالیف کے صلہ میں تمہارے دلوں کو ان وساوس سے پاک کر دے جو کسی کمزوری یا گھبراہٹ کا باعث بن سکتے ہیں۔

[۱۰۲] جنگ اُحد میں جن اہل ایمان کو شیطان پھسلانے میں کامیاب ہو گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی۔ (مزید تفصیل کے لئے اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۹۶ ملاحظہ کریں)

[۱۰۳] جب کوئی مسلمان سفر جہاد میں فوت ہو جاتا یا میدانِ جنگ میں شہید کر دیا جاتا تو منافقین اس کے عزیز و اقارب کے پاس

وَ لَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تم مر جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت (جو تمہیں نصیب ہوگی) ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔[۱۰۴]

وَ لَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِالَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَ لَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪

۱۵۹۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے نرم دل ہیں،[۱۰۵] اور اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس

جاتے اور اظہار ہمدردی کرتے ہوئے انہیں کہتے کہ اگر وہ ہمارا بھائی اس مہم پر نہ جاتا اور ہماری طرح گھر میں رہتا تو اس حادثے کا شکار نہ ہوتا اور آج زندہ ہوتا۔ یہ ایک کافرانہ عقیدہ ہے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ دراصل موت وحیات کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اگر چاہے تو سفر اور جنگ میں زندہ رکھے اور اگر چاہے تو گھر اور امن میں موت دے دے۔ اس پختہ یقین کی وجہ سے مسلمان جرأت کا مظاہرہ کرتے اور منافقین کی کافرانہ تجویز کو مسترد کر دیتے، لہٰذا منافقین ساری عمر اس حسرت سے پریشان رہے کہ مسلمان ان کی بات نہیں مانتے اور آخرت میں ان کی سب سے بڑی حسرت یہ ہوگی کہ کاش! وہ دنیا میں اسلام سے منافقت نہ کرتے تا کہ آج جہنم سے بچ جاتے۔

[۱۰۴] موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوسکتا اور ہم سب کو ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، تو عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے نام اور پیغام کے لیے وقف کر دیں، پھر چاہے موت جنگ میں آئے یا گھر میں، ہم اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کے مستحق بن جائیں گے جو دنیا کے مال ومتاع سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے اور اسی دنیا میں رہ جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت باقی ہے اور ہر جگہ ساتھ رہتی ہے۔

[۱۰۵] جنگ اُحد میں پہلے تیر اندازوں نے آپ کی نافرمانی کی اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے درّہ چھوڑ دیا جس سے جنگ کا نقشہ بدل گیا، پھر کفار کے اچانک حملے سے گھبرا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے جس سے ناقابلِ تلافی نقصان ہوا لیکن بعد میں وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے۔ جنگی نظم وضبط کے اعتبار سے یہ دونوں خطائیں قابلِ مؤاخذہ تھیں لیکن دنیا کی جنگی تاریخ میں شاید یہ پہلا اور فقید المثال واقعہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی گرفت نہیں کی بلکہ نہایت نرمی اور شفقت سے پیش آئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص فضل وکرم ہے کہ آپ نرم دل ہیں اور امتِ مسلمہ پر بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان ہے کہ ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی عطا فرمایا۔ اگر آپ سخت مزاج

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

سے بھاگ جاتے، سو آپ ﷺ ان سے در گزر کریں، ان کے لئے بخشش طلب کریں، [۱۰۶] معاملات میں ان سے مشورہ کریں [۱۰۷] اور جب آپ ﷺ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں، [۱۰۸] بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ہوتے تو یہ آپ کے قریب نہ آتے۔ یہ اسلام کی صداقت اور حضورِ اکرم ﷺ کی خوش اخلاقی تھی کہ حضورِ اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) لوگ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے۔

[۱۰۶] ذرا اندازہ کریں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام ﷺ پر کتنا مہربان ہے، پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی خطائیں معاف فرما دیں۔ اب حضورِ اکرم ﷺ سے ان کی سفارش فرما رہا ہے۔ پیارے حبیب! جس طرح آپ صحابہ کرام سے نرم دلی کا سلوک کرتے ہیں اسی طرح آپ ان کی خطائیں بھی معاف فرما دیں اور ان کے لئے میری بارگاہ میں شفاعت کریں کہ میں ان کو بخش دوں، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی معافی کا اعلان کر دیا ہے لیکن آپ کی سفارش سے ان کی دلجوئی ہو گی۔ ان کے دلوں سے خطا ولغزش کے زخم دور ہو جائیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خطا کاروں کی بخشش کے لئے حضورِ اکرم ﷺ کی دعا ایسا وسیلہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے، لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ کو وسیلہ سمجھنا اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں شفاعت کے لئے التجا کرنا شرک نہیں عین اسلام ہے اور قرآن مجید کی تعلیم ہے۔

[۱۰۷] حضورِ اکرم ﷺ کی ہر بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ (قرآن: ۵۳:۳) اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ کریں تاکہ مسلمانوں کو مشورہ کی اہمیت کا علم ہو جائے، نیز آپ ﷺ کا ان سے مشورہ کرنا ان کی دلجوئی اور قلبی مسرت کا باعث ہو گا۔ اس آیت کے ضمن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس لئے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشورہ کی فضیلت کا پتہ چل جائے، نیز یہ کہ مشورہ سنت نبوی بن جائے اور امت مسلمہ اس کی اقتدا اور اتباع کرے ـــ شریعت اسلامیہ میں مشورہ کا حکم اتنا اہم ہے کہ جو حکمران اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا اسے معزول کر دینا واجب ہے۔'' (تفسیر قرطبی)

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنے بھائی کو وہی مشورہ دے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔'' (تفسیر مظہری: سورہ شوریٰ: ۳۸) نیز یہ آیت اجتہاد کے جواز اور قیاس کے حجت ہونے کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔ (تفسیر مدارک)

[۱۰۸] کسی اہم معاملہ میں لوگوں کی رائے معلوم کرنے کو مشورہ کہا جاتا ہے۔ مشورہ طلب کرنے والا ان مختلف آراء میں غور و فکر

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ اور کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے [۱۰۹] اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن (اپنے ہمراہ) لے آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

کرے اور جن کی رائے قرآن وحدیث اور موقع ومحل کے زیادہ مناسب ہو اس کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے قدم آگے بڑھائے یعنی پہلے باہمی مشورہ اور حالات کا بغور جائزہ لے، پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرے کیونکہ فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے اہل ایمان کو مشورہ کے بعد کامیابی کے لئے اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔ (توکل کے متعلق اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۷۷ بھی بلاحظہ کریں)

[۱۰۹] جنگ اُحد میں درّہ پر متعین تیراندازوں نے جب دیکھا کہ دشمن شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اور مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں تو ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ فرما دیں کہ جس نے جو چیز لے لی اسی کی ہو گئی۔ اگر ایسا ارشاد ہوا تو ہم بالکل محروم رہ جائیں گے۔ اس خیال کے پیش نظر ان میں سے اکثریت نے درّہ چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لئے نیچے اُتر آئے جس کی وجہ سے جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ جنگ کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے اس نافرمانی کی وجہ پوچھی تو وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کے دل کی بات کہہ دی: ''کیا تم نے یہ خیال کیا کہ ہم خیانت کریں گے اور تمہیں کچھ نہیں دیں گے؟'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ کوئی نبی خیانت نہیں کرتا بلکہ کسی نبی کے متعلق خیانت کا تصور بھی جائز نہیں کیونکہ ہر نبی اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہوتا ہے تو وہ حقیر مال میں کیسے خیانت کر سکتا ہے، لہٰذا خیانت اور نبوت دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ نبی معصوم ہوتا ہے جبکہ خیانت بہت بڑا گناہ ہے اور جو خیانت کرتا ہے قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز اس کے ہمراہ ہو گی اور پورے میدانِ محشر میں اس کی رُسوائی ہو گی۔

جنگ خیبر میں ایک مجاہد فوت ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جنازہ کے لئے عرض کیا گیا تو رحمتِ عالم ﷺ

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾	۱۶۲۔ تو کیا جس نے رضائے الٰہی کی پیروی کی وہ اس کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا حق دار بن گیا؟[۱۱۰] اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾	۱۶۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾	۱۶۴۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا [۱۱۱] جب ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔[۱۱۲]

نے فرمایا: جاؤ تم اس کی نماز جنازہ پڑھ دو۔ صحابہ کرام ؓ کے چہروں کی رنگت بدل گئی تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اس ساتھی نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے۔ ہم حیران ہوگئے اور جب اس کے مال کی تلاشی لی تو ہمیں اس کے سامان سے یہودیوں کے چند منکے ملے جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔ (ابن ماجۃ: ۲۸۴۸: ابواب الجهاد: باب ۳۴) اس سے معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت میں معمولی سی خیانت بھی اتنا بڑا جرم ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ جیسے رحم دل نبی ﷺ نے بھی اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ نگاہِ نبوت سے اتنی سی بات بھی پوشیدہ نہ تھی۔

[۱۱۰] دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں کوشاں رہتے ہیں اور بالآخر جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں دوسرے وہ جو نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کے مستحق بن جاتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے تو ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن ان کے درجات میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ جنتی نعمتوں میں مسرور ہوں گے اور جہنمی عذاب میں پریشان ہوں گے۔

[۱۱۱] یقیناً اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر بڑا احسان ہے کہ ان میں عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا جس نے لوگوں کو قرآن کی آیات سنائیں، ان کے دلوں کو پاک کیا، ان کو کتاب وحکمت سکھائی، جس کے نتیجہ میں وہ گمراہی کی تاریکی سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آگئے اور جہنم کے کنارے سے ہٹ کر جنت کے راستے پر گامزن ہوگئے۔

اس آیت کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ میں آیت نمبر ۱۲۹ اور حاشیہ نمبر ۸۶ ملاحظہ ہو۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات نمبر ۱۲۹ اور ۱۵۱، سورہ آل عمران کی یہ آیت اور سورہ جمعہ کی آیت نمبر ۲۔

[۱۱۲] حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کن گمراہیوں کا شکار تھے اور آپ کی بعثت کے بعد کون سا انقلاب آیا۔ اس

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

۱۶۵۔ کیا جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی حالانکہ تم اس سے دگنی (مصیبت جنگ بدر میں دشمن کو) پہنچا چکے ہو تو تم کہہ اُٹھے کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟ [۱۱۳] آپ فرمائیے کہ یہ مصیبت تمہاری ہی طرف سے آئی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

۱۶۶۔ اور وہ مصیبت جو تمہیں اس روز پہنچی جب دو لشکر مقابلے میں نکلے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچی

کا مختصر تعارف حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاحظہ ہو جو انہوں نے شاہِ حبشہ کے سامنے بیان کیا جبکہ سفیرانِ مکہ بھی وہاں موجود تھے: ''اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کی تمام حرکات کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور شخص غریب کا حق کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جس کے شجرہ نسب کو ہم جانتے ہیں، جس کی صداقت، امانت اور پاک دامنی سے ہم اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو ایک مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں، پتھر اور بت جن کی ہم اور ہمارے آباء واجداد پوجا کیا کرتے تھے اس کو ترک کر دیں، اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھیں، بُرے کاموں اور خونریزیوں سے باز رہیں، اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔'' (مسند احمد: جلد اول: ص ۲۰۲)

[۱۱۳] جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنا لیا تھا۔ اس کے بعد جنگ اُحد میں جب ستر مسلمان شہید ہوئے تو بعض مسلمان حیران ہو کر کہنے لگے: ہم پر یہ مصیبت کیسے آئی؟ حالانکہ ہم مسلمان ہیں، ہم حق پر ہیں، ہمارے درمیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں، اس کے باوجود ہم ان لوگوں سے شکست کھا گئے جو کافر اور بت پرست ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہارے تو صرف ستر مسلمان شہید ہوئے ہیں مگر جنگ بدر میں کفار کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بھی ہوئے یعنی کفار کو دگنا نقصان پہنچا، لیکن اس عارضی شکست کے پس پردہ بھی تمہاری اپنی کمزوری کارفرما ہے۔ تم میں سے بعض نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور درّہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے جس کی وجہ سے سب کو نقصان اُٹھانا پڑا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ چاہے تو تمہاری تقصیر پر درگزر

تھی [۱۱۴] تا کہ وہ اہل ایمان کو ممتاز کر دے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۱۶۷﴾

۱۶۷۔ اور تا کہ منافقوں کو الگ کر دے اور (جب) منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم از کم اپنے شہر کا) دفاع ہی کرو تو کہنے لگے: اگر ہم جانتے کہ جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے [۱۱۵] اس دن وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، وہ اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں۔

فرمائے اور چاہے تو سزا دے جیسے جنگ اُحد میں نقصان ہوا۔ بعض دفعہ مسلمان اہل حق ہونے کے ناطے اپنی کامیابی کا یقین کر لیتے ہیں اور ظاہری اسباب اور قواعد وضوابط کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے لئے یہ آیت لمحہ فکریہ ہے کہ جب صحابہ کرام جیسی مقدس جماعت معمولی سی فروگزاشت پر بظاہر شکست کھا سکتی ہے تو دیگر مسلمانوں کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، لہٰذا ہر کام سے پہلے اس کے جملہ ظاہری اسباب کا مکمل انتظام کیا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے کامیابی کی اُمید رکھی جائے۔

[۱۱۴] یعنی جنگ اُحد میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا وہ سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے مطابق تھا اور اس جنگ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں اور منافقوں میں فرق واضح ہو جائے یعنی مسلمان اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں اُترے اگرچہ نقصان بھی ہوا مگر منافقین نے میدانِ جنگ میں آنے سے انکار کر دیا اور راستے ہی سے واپس چلے گئے۔

[۱۱۵] جنگ اُحد کے موقع پر عبداللہ بن اُبی جب تین سو منافقوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا تو بعض مسلمانوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ رسول اکرم ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو یا کم از کم اپنے شہر کا ہی دفاع کرو مگر اس نے جواب دیا: میرے خیال میں آج جنگ نہیں ہوگی اس لئے ہم واپس جارہے ہیں، اگر ہمیں جنگ کا یقین ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے حالانکہ دشمن کی فوج مدینہ کے قریب آچکی تھی اور جنگ یقینی تھی لیکن اس کے باوجود ان کے حیلے بہانے اور کافرانہ استدلال نے ان کے نفاق کو ظاہر کر دیا کیونکہ ان کی نیت اسلام کو نقصان پہنچانا تھا مگر وہ دلوں میں چھپا ہوا کفر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود (گھر) بیٹھے رہے اور (شہید ہونے والے) اپنے بھائیوں کے متعلق کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے، آپ فرمایئے: اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے موت کو ٹال کر دکھاؤ۔ [۱۱۶]

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو [۱۱۷] بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، وہ رزق دیئے جاتے ہیں۔

---

[۱۱۶] منافقین خود تو جنگ اُحد میں شریک نہ ہوئے لیکن جو مسلمان شہید ہو گئے ان کے بارے میں کہنے لگے کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان جاتے اور ہماری طرح گھر بیٹھ رہتے تو قتل نہ ہوتے، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ گھر میں بیٹھے رہنے سے موت نہیں آتی تو جب تمہارے اوپر موت آئے تو تم اس کو ٹال کر دکھاؤ۔ روایات میں آتا ہے: جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس دن ستر منافق گھر میں رہتے ہوئے مر گئے اور وہ اپنی جان نہ بچا سکے۔ (تفسیر صاوی، روح المعانی) دراصل موت کا وقت اور جگہ متعین ہے کوئی بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا چاہے وہ جنگ میں ہو یا گھر میں۔

[۱۱۷] سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہیدوں کو زبان سے مردہ نہ کہو اور یہاں یہ تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ انہیں دل میں مردہ خیال بھی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر خوش ہیں۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص قسم کی زندگی ملتی ہے جو عام مُردوں کو نہیں ملتی۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملاحظہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہارے بھائی جنگ اُحد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے۔ وہ جنت کی نہروں پر سیر کرتے ہیں، جنتی میوے کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں جو سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں ان میں رہتے ہیں۔ جب انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی پاکیزہ چیزیں پائیں تو کہا: ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جا رہا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں تمہارا پیغام پہنچا دیتا ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶۹ نازل فرمائی۔'' (ابوداؤد: ۲۵۲۰)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو انعام انہیں عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش ہیں اور وہ اہل ایمان جو ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے متعلق اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ [۱۱۸]

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

۱۷۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوش ہیں اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا، [۱۱۹] ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

[۱۱۸] شہیدوں کو نہ صرف یہ خوشی ہے کہ انہیں رنگا رنگ نعمتوں سے نوازا گیا ہے بلکہ انہیں یہ بھی خوشی ہے کہ ان کے ہم مشن اہل ایمان جو ابھی شہید نہیں ہوئے لیکن جب وہ یہاں پہنچیں گے تو انہیں بھی کوئی غم نہیں ہوگا اور وہ بھی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

[۱۱۹] ابوسفیان اپنے لشکر سمیت جنگ اُحد سے واپس جا رہا تھا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس نے غلطی کی ہے اور ایک سنہری موقع ضائع کر دیا ہے۔ جنگ میں شکست کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو چکے ہیں، ہمیں اس سے فائدہ اُٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر کے مسلمانوں کو بالکل ختم کر دینا چاہئے تھا، لہٰذا انہوں نے دوبارہ حملہ کا ارادہ کر لیا۔ جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کافروں کے تعاقب کے لئے نکلیں۔ یہ اگرچہ نہایت نازک موقع تھا، مسلمان جنگ اُحد کے زخموں سے چور تھے لیکن انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لبیک کہا اور کفار کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ادھر کفار کو جب اطلاع ملی کہ مسلمان ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو وہ خوفزدہ ہو کر مکہ روانہ ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آٹھ میل یعنی حمراء الاسد تک کفار کا تعاقب کیا لیکن کفار فرار ہو چکے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے جذبہ اطاعت اور احسان وتقویٰ کی تعریف فرمائی ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے زخمی تھے کہ سہارا کے بغیر چلنے سے بھی معذور تھے لیکن اس کے باوجود وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رضا و رحمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

الَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے انہیں کہا کہ ''کافروں نے تمہارے مقابلہ کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، سو تم ان سے ڈرو'' تو اس بات نے ان کے ایمان کو اور پختہ کر دیا [۱۲۰] اور کہنے لگے: ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے انعام و فضل کے ساتھ واپس آئے اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ وہ شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو [۱۲۱] اگر تم مؤمن ہو۔

---

[۱۲۰] جنگ اُحد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے مسلمانوں کو چیلنج کیا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا پھر مقابلہ ہوگا۔ جب وقت مقرر قریب آیا تو ابوسفیان لشکر لے کر بدر کی طرف روانہ ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایسا رُعب طاری کر دیا کہ اس نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا اور خفیہ طور پر ایک شخص کو مدینہ بھیجا جس نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے جھوٹی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں کہ اس دفعہ قریش نے بڑی زبردست تیاری کی ہے۔ بہت بڑا لشکر اور بھاری ساز و سامان لے کر آ رہے ہیں اگر تم نے بدر کا رُخ کیا تو کوئی بھی زندہ بچ کر گھر نہیں جائے گا، لیکن مسلمان ان افواہوں سے گھبرانے کے بجائے اور جوش میں آ گئے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے بدر روانہ ہو گئے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ آٹھ روز تک میدان بدر میں مقیم رہے لیکن کفار وعدے کے مطابق مقابلہ کے لئے نہ آئے، اس دوران مسلمانوں نے وہاں تجارت کے ذریعے خوب مالی فائدہ اُٹھایا۔ جنگ نہ ہوئی اور نہ کوئی نقصان ہوا بلکہ مفت میں دشمنوں پر دھاک بٹھا کر صحیح و سلامت واپس آ گئے۔

[۱۲۱] یعنی شیطان تمہیں اس وسوسے میں ڈالتا ہے کہ قریش کا بہت بڑا اور طاقتور لشکر بدر میں آ رہا ہے۔ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لہٰذا گھر میں ہی بیٹھے رہو اور میدان بدر میں نہ جاؤ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہئے کفار سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

وَ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶۔ اور آپ ان لوگوں سے غمزدہ نہ ہوں جو کفر کے میدان میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں، [۱۲۲] بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلہ میں کفر کو خرید لیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے [۱۲۳] اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ اور کافر ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں یہ ان کے لئے بہتر ہے [۱۲۴] ہم تو انہیں صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کرلیں اور ان کے لئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے۔

[۱۲۲] جنگ اُحد میں مسلمانوں کی ظاہری شکست سے کئی منافقین نے اپنے کافرانہ عقائد کا اعلان شروع کر دیا، نیز حضور اکرم ﷺ کی تبلیغ کے باوجود کفار اپنے کفر میں سرگرم تھے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دل غمگین رہتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ ﷺ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، اس کے باوجود وہ اگر کفر نہیں چھوڑتے تو یہ ان کی اپنی شامت اعمال ہے، یہ لاکھ جتن کریں اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، نیز اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انہیں آخرت کی نعمتوں سے کچھ حصہ ملے کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر حق کی تکذیب کی اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسی وجہ سے وہ عذاب عظیم کے مستحق قرار پائے ہیں۔

[۱۲۳] جن لوگوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کیا وہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ کفر کی وجہ سے وہ خود دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

[۱۲۴] جو لوگ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے باوجود شان و شوکت کے ساتھ لمبی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ کفر کی زندگی ان کے لئے بہتر ہے بلکہ کفر کی حالت میں جتنی بھی ان کی زندگی لمبی ہوگی اتنے ہی گناہ زیادہ ہوں گے اور

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ مؤمنوں کو اس حال پر چھوڑے رکھے جس پر تم اب ہو [۱۲۵] جب تک خبیث اور پاک لوگوں کو الگ الگ نہ کر دے، اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں (عام لوگوں کو) غیب پر آگاہ کرے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے، [۱۲۶] پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

آخرت میں ذلت آمیز عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ حضورِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون شخص اچھا ہے؟ فرمایا: جس کی عمر دراز اور عمل اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا: بدترین کون ہے؟ فرمایا: جس کی عمر دراز اور عمل خراب ہوں۔ (ترمذی: ۲۳۳۰)

[۱۲۵] مدینہ میں کئی لوگ بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گئے جن کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا حالانکہ مسلمان انہیں اپنا بھائی سمجھتے لیکن جنگ اُحد میں جب ان کا نفاق ظاہر ہونے لگا تو مسلمانوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ یہ کیسے مسلمان ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہمیشہ یہ حالت نہیں رہے گی کہ منافق تمہاری صفوں میں چھپے رہیں بلکہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ منافقوں اور مؤمنوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ اس آیت کے ضمن میں علامہ خازن نے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت (دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ ایمان لائے گا اور کون انکار کرے گا۔'' اس وسعتِ علمی پر کسی مؤمن نے اعتراض نہیں کیا لیکن منافقین نے از راہِ مذاق کہا: دعویٰ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر مؤمن اور ہر کافر کو جانتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ ہم ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا علم نہیں ہے۔ منافقین کا یہ قول حضورِ اکرم ﷺ تک پہنچا تو منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ''اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں، قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا۔'' عبد اللہ بن حذافہ اُٹھے (ان کے نسب پر طعن کیا جاتا تھا) یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت طلب کی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے دوبارہ فرمایا کہ کیا میرے علم پر اعتراض کرنے سے باز آؤ گے یا نہیں؟ پھر حضورِ اکرم ﷺ منبر سے اُترے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن)

[۱۲۶] اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو غیب پر آگاہ نہیں فرماتا کیونکہ عام آدمی کو اگر غیب کا علم ہو جائے تو اس کی عملی جد و جہد میں تعطل پیدا ہو

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ	۱۸۰۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں بخل کرتے ہیں [۱۲۷] وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان

جائے گا اور وہ ہر وقت آنے والے حادثات کے بارے میں فکر مند رہے گا۔ مثال کے طور پر اگر کسی آدمی کو یہ علم ہو جائے کہ دس سال بعد اس کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آنے والا ہے جس میں اس کا بیس سال کا جوان بیٹا فوت ہو جائے گا، اٹھارہ سال کی جوان بیٹی ہمیشہ کے لئے اندھی اور اس کی بیوی اپاہج ہو جائے گی۔ اب آپ خود اندازہ کریں اس خاندان کے یہ آنے والے دس سال کس کرب و غم سے بسر ہوں گے، اور اگر اسے یہ علم نہ دیا جاتا تو کم از کم یہ دس سال تو وہ خوشی اور سکون سے گزارتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو علم غیب کے لئے منتخب فرمایا کیونکہ ان کا منصب بہت بلند ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین اور رضائے خداوندی پر مطمئن ہوتے ہیں، جیسے حضور اکرم ﷺ کو منافقین کا علم تھا مگر حکمت کے تحت خاموش اور مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے کسی دوسرے کا دیا ہوا نہیں اور اس کا علم ازل سے ابد تک ساری کائنات کو محیط ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کا علم نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی ہے اور نہ ہی غیر متناہی بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اتنا ہی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا مگر علوم خلائق کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کا علم اتنا وسیع ہے کہ مخلوق اس کا اندازہ نہیں کر سکتی، اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضور اکرم ﷺ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا۔ جب آپ ﷺ سے زیادہ سوالات کئے گئے تو آپ ﷺ غضبناک ہوئے اور لوگوں سے فرمایا: تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے۔ دوسرے شخص نے کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ سالم ہے جو شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ (بخاری: کتاب العلم: باب ۲۸)

۲۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں اپنے رب تعالیٰ کو بڑی حسین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے نفی میں جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا، جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا۔'' (ترمذی: تفسیر القرآن: ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵)

۳۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۸۸۹)

[۱۲۷] اکثر مفسرین نے فرمایا کہ بخل سے مراد زکوٰۃ کا نہ دینا ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یہ ان کے لئے بہتر نہیں ہے بلکہ

لَهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۟ ع

کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ بخل ان کے لئے بہت برا ہے، قیامت کے دن انہیں اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے تھے، آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۟

۱۸۱۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، [۱۲۸] ہم ان کا یہ قول (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ لیں گے اور ان (کے اسلاف) کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (بھی ان کے اسلاف کے نامۂ اعمال میں پہلے سے درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو۔

قیامت کے دن رسوائی کا باعث بنے گا کیونکہ گلے میں طوق دیکھ کر ہر آدمی کو پتہ چل جائے گا کہ یہ بخیل تھا یعنی زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن وہ مال ایک گنجے سانپ کی صورت میں اس کی گردن کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر زکوۃ نہ دینے والے شخص کو وہ سانپ اپنے دو جبڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔'' اس کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے یہ آیت (نمبر ۱۸۰) تلاوت فرمائی۔ (بخاری: کتاب الزکوۃ: باب ۳)

[۱۲۸] سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۵ میں ارشاد ہوا تھا: ''ہے کوئی جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے تو اللہ تعالیٰ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے۔'' مقصد یہ تھا کہ جو لوگ دین کی سربلندی اور غریبوں کی مدد کے لئے دولت خرچ کریں آخرت میں انہیں کئی گنا زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ اس پر یہودی ازراہِ تمسخر کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا قرض مانگتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم غنی ہیں اور اللہ تعالیٰ محتاج ہے، نیز وہ ہمیں سود سے منع کرتا ہے اور خود قرض حسن کے عوض میں سود کا لالچ دیتا ہے۔ ایک محفل جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب فنحاص بن عازوراء یہودی نے یہ بات کہی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ دے مارا اور فرمایا: اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہارا سر قلم کر دیتا۔ فنحاص نے حضورِ اکرم ﷺ کے پاس شکایت کی۔ حضورِ اکرم ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اور کہا

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ یہ سزا ہے تمہارے ان اعمال کی جو تم نے اپنے ہاتھوں سے کئے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے، [۱۲۹] آپ فرمایئے: تمہارے پاس مجھ سے پہلے کئی رسول بہت سی نشانیاں لے کر آئے اور وہ نشانی بھی لائے جو تم نے ابھی کہی ہے تو پھر اگر تم سچے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ

۱۸۴۔ (پیارے حبیب!) اب اگر یہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) [۱۳۰] آپ ﷺ سے

کہ ''اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔'' اس پر میں نے غضبناک ہو کر اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ فنحاص نے اس گستاخی کا انکار کر دیا اور کہا: میں نے ایسا نہیں کہا تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے فنحاص کے رد اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی یعنی واقعی یہود نے یہ گستاخانہ بات کہی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں، ان کے اسلاف تو انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل بھی کیا کرتے تھے۔ رب تعالیٰ کی شان میں صرف زبانی گستاخی بھی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کو قتل انبیاء کے ساتھ لکھا جائے گا اور جب یہود کو جہنم کی آگ میں پھینکا جائے گا تو انہیں یاد کرایا جائے گا کہ یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہے بلکہ تمہارے فلاں فلاں گناہوں کا عذاب ہے جو تم نے خود کئے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

[۱۲۹] یہود نے حضور اکرم ﷺ پر ایمان نہ لانے کا ایک اور بہانہ تراشا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں حکم دیا ہے کہ وہ صرف اس نبی پر ایمان لائیں جو قربانی کا گوشت پیش کرے اور آسمانی آگ آکر اس قربانی کو کھا جائے مگر آپ ﷺ نے ایسا کوئی معجزہ نہیں دکھایا اس لئے آپ ﷺ پر ایمان لانا ان کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ تمہارا کوئی نیا عذر نہیں ہے اس سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام نے تمہارے اسلاف کو یہ معجزہ بھی دکھایا مگر اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے بلکہ انہیں شہید کر دیا حالانکہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہوتے تو وہ ایمان لے آتے اور انہیں شہید نہ کرتے۔

[۱۳۰] منکرین حق کا شیوہ ہر زمانے میں یکساں رہا ہے، اگر آج یہ لوگ آپ ﷺ کا انکار کرتے ہیں تو پہلے کئی ایسے رسولوں کو

وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

پہلے کئی عظیم رسول جھٹلائے گئے ہیں جو واضح نشانیاں، آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے [۱۳۱] اور قیامت کے دن تمہارے کاموں کا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا، پس جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہوگا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ [۱۳۲]

جھٹلایا جا چکا ہے جو اپنی سچائی کی روشن نشانیاں لے کر آئے تھے۔

[۱۳۱] موت ایک عالمگیر صداقت ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں، نیز موت ایک ایسا پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے یعنی ہر انسان مرنے کے بعد اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے، اگر دنیا میں اچھے اعمال سے محبت تھی تو جنت کی خوش خبری سے شادکام رہے گا اور اگر بُرے اعمال سے دوستی تھی تو عذاب کے ڈر سے بے چین رہے گا، مرنے کے بعد ہر انسان کو اصلی ٹھکانے کا اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔'' (ترمذی:۲۴۶۰)

ایک انصاری نے عرض کی: یارسول اللہ! اہل ایمان میں کون شخص سب سے افضل ہے؟ فرمایا: ''جس کے اخلاق سب سے افضل ہوں۔'' پھر عرض کیا: اہل ایمان میں کون شخص سب سے زیادہ دانا ہے؟ فرمایا: ''جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرے اور موت سے بعد والی زندگی کے لئے سب سے اچھی تیاری کرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دانا ہیں۔''

(ابن ماجۃ: ۴۲۵۹: ابواب الزہد)

[۱۳۲] یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے، جو اس کے فریب میں پھنس گیا اور اس کی رنگینیوں میں ڈوب کر احکام الٰہی کو بھول گیا وہ ناکام ہو گیا اور بالآخر جہنم رسید ہوگا۔ اس کے برعکس جو اس دنیا کے فریب سے دامن بچا کے نکل گیا اور احکام الٰہی کی پیروی میں سرگرم رہا وہ کامیاب ہو گیا اور آخر کار جنت میں جائے گا۔

اس دنیا کے متعلق چند روایات

۱۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (ترمذی:۲۳۲۴)

۲۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔ (ترمذی:۲۳۲۰)

لَتُبۡلَوُنَّ فِيۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶۔ بے شک تم اپنے مالوں اور جانوں سے آزمائے جاؤ گے اور تم اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے [۱۳۳] اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ ۫ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَ اشۡتَرَوۡا بِهٖ

۱۸۷۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اس (کتاب کی تعلیمات) کو ضرور لوگوں سے بیان کرنا اور اس کو نہ چھپانا [۱۳۴] مگر انہوں نے

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم پردیسی (غیر ملک میں مزدوری کے لئے عارضی طور پر قیام پذیر) ہو یا مسافر (سفر پر رواں دواں) ہو اور حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ جب شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے لئے عمل کرو اور زندگی میں موت کے لئے عمل کرو، اے عبداللہ! تجھے علم نہیں کہ کل تیرا نام کیا ہوگا (زندہ یا مردہ)؟

(ترمذی: ۲۳۳۳: ابواب الزہد: باب ۲۵)

۴۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: دنیا سفر کرتی ہوئی جارہی ہے اور آخرت سفر کرتی ہوئی آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اولاد ہے، تم آخرت کی اولاد بنو، دنیا کی اولاد نہ بنو کیونکہ آج عمل کا دن ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل کا موقع نہیں ہوگا۔

(بخاری: کتاب الرقاق: باب ۴)

حضرت علیؓ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے: دیکھنے میں دنیا بڑی نرم اور خوشنما لگتی ہے مگر اس کا زہر بڑا سخت اور قاتل ہے۔

(تفسیر کبیر)

[۱۳۳] مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ جان و مال میں تمہاری آزمائش کا سلسلہ جاری ہے، نیز اہل کتاب اور مشرکین تمہیں ذہنی تکلیف پہنچانے کی کوشش بھی کریں گے۔ جھوٹے الزامات، بے ہودہ گفتگو اور غلط پروپیگنڈہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صبر و تقویٰ کی تلقین کی جارہی ہے تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا اقدام نہ ہو جو حق و صداقت اور وقار و متانت کے خلاف ہو جس کی وجہ سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دشمن حملہ کرے اور مسلمان ہاتھ باندھ کر بیٹھ جائیں، ایسی بزدلی انسانی وقار کے خلاف ہے۔ ظلم کا استیصال امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

[۱۳۴] اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ وہ مقدس کتاب میں بیان کردہ تعلیمات کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں

ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لی، سو بہت بری ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں۔

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۸۔ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں [۱۳۵] اور پسند کرتے ہیں کہ ایسے کاموں پر بھی ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کئے تو آپ ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

۱۸۹۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور لیل و نہار کے اختلاف میں ان عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔[۱۳۶]

گے اور ان میں خیانت نہیں کریں گے لیکن اہل کتاب کے علماء نے اس وعدہ کی خلاف ورزی کی اور دنیاوی مفاد کی خاطر مقدس تعلیمات کو بیچ ڈالا۔ اس میں علمائے اسلام کے لئے بھی درس عبرت ہے تاکہ وہ دنیاوی مقاصد کے لئے اسلامی احکام میں خیانت نہ کریں۔

[۱۳۵] منافقین جہاد میں شریک نہ ہوئے اور خوش ہوئے کہ وہ جنگی نقصانات سے بچ گئے۔ علمائے یہود بھی مقدس تعلیمات میں خیانت کرتے اور خوش ہوتے کہ انہوں نے دنیاوی فوائد حاصل کر لئے۔ ان کرتوتوں کے باوجود یہود اور منافقین چاہتے تھے کہ انہیں بہادر، مخلص اور حق پرست بھی کہا جائے لیکن یہ اپنی منافقت اور خیانت پر ہزار پردے ڈالیں وہ ان جرائم کے دردناک عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے بھی درس عبرت ہے کیونکہ جو قوم عملی جدوجہد سے جی چرائے، مقدس تعلیمات میں خیانت کرے اور اس کے باوجود خودستائش کی خواہش کرے اسے دردناک انجام سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

[۱۳۶] ایک عقل مند انسان جب زمین و آسمان کی تخلیق اور لیل و نہار کی گردش میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱۔ جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں [۷ ۱۳] (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں فرمایا، تو (ہر عیب سے) پاک ہے، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

کائنات کا ایک خالق اور قادرِ مطلق فرمانروا ہے جس کی تدبیر سے یہ نظام کائنات رواں دواں ہے، کہیں خلل واقع نہیں ہوتا۔ ہر چیز کے لیے ایک دائرۂ کار متعین ہے جس کے اندر وہ چیز پورے نظم وضبط کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے، لہٰذا اس قدر منظم نظام کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ اس کا کوئی بنانے والا نہیں اور یہ بذاتِ خود وجود میں آ گیا ہے کوئی اہلِ عقل اس تصور کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ یہ اتنا ہی بڑا جھوٹ ہے جیسے کوئی کہے کہ پریس میں دھماکہ ہوا اور ڈکشنری تیار ہوگئی حالانکہ ڈکشنری بنانے کے لیے حروفِ تہجی کے اعتبار سے الفاظ کو ایک خاص ترتیب دی جاتی ہے جو بذاتِ خود ممکن نہیں ہے، جبکہ نظامِ کائنات تو ڈکشنری سے بے شمار گنا زیادہ پُراسرار ہے۔ دراصل اس کی حکمتیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو اس کا خالق اور مالک ہے۔

خدا کے وجود پر مناظرہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک دہریہ سے خدا کے وجود پر مناظرہ ہونا قرار پایا۔ آپ معین مقام پر تاخیر سے پہنچے تو دہریے نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا: میں دریا کے پار رہتا ہوں، وقتِ مقررہ سے پہلے میں دریا پر پہنچ گیا تھا مگر سارے ملاح تو مناظرہ سننے کے لئے آج یہاں آگئے ہیں اس لئے وہاں کوئی ملاح نہیں تھا۔ دہریہ کہنے لگا: ابھی تو مناظرہ شروع ہی نہیں ہوا اور سارے ملاح اس وقت تک یہاں ہیں، پھر آپ نے دریا کیسے پار کیا؟ امام ابوحنیفہ کہنے لگے: میں پریشان کھڑا تھا کہ میرے دیکھتے ہی دریا کے کنارے سے ایک درخت گرا، خودبخود اس کے تختے بن گئے، جو کشتی کی صورت میں جڑ گئے اور کشتی بغیر ملاح کے تیر کر میرے قریب آگئی اور مجھے اپنے اوپر سوار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ اس پر دہریہ چلا اُٹھا یہ خلافِ فطرت ہے۔ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے کہ درخت خودبخود گرے، اس کے تختے بنیں اور کوئی بنانے والا نہ ہو۔ وہ تختے خودبخود کشتی کی صورت اختیار کریں اور بغیر ملاح کے آپ کو دریا عبور کرا دیں یہ ناممکن ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب ایک معمولی سی کشتی خودبخود نہیں بن سکتی بلکہ اپنی تشکیل میں کاریگر کی محتاج ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اتنی بڑی کائنات کا صانع کوئی نہ ہو۔ پورا نظامِ عالم ایک ضابطہ اور قانون کے تحت چل رہا ہے، کہیں بھی رخنہ نہیں۔ آج سورج اگر لندن کے علاقے میں سات بجے طلوع ہوا ہے تو دس سال بعد بھی اس تاریخ کو اسی وقت طلوع ہوگا۔ کائنات کا یہ نظم اور اس کی ترتیب خود اس امر کی شاہد ہے کہ اس کے پیچھے ایک مدبّر ہستی ہے جو اس کائنات کو ایک ضابطہ کے ساتھ چلا رہی ہے۔ وہی ہستی کارسازِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

[۷ ۱۳] گزشتہ آیت سے معلوم ہوا کہ عقل مند لوگ وہ ہیں جو کائنات میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس

آیت میں ان ذی فہم حضرات کی مزید دو صفات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یعنی وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں تفکر کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک طرف اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان اور پختہ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف کائنات میں تفکر سے جب بعض حکمتوں پر آگاہی ہوتی ہے تو وہ بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں فرمائی بلکہ ہر چیز کا ایک مقصد اور عمل ہے، نیز اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا کرے جو بے سود ہو۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: کائنات میں غور و فکر کرنا سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "تفکر کے ہم پایہ کوئی عبادت نہیں۔" (تفسیر بیضاوی)

اس افضل عبادت کے سلسلے میں آج ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ غیر مسلم چاند پر اُترنے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور ہمارے لئے عید کا چاند تلاش کرنا بھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ غیر قومیں کائنات میں غور و فکر کر کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے آسمان پر پہنچ چکی ہیں اور ہم ابھی زمین پر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا　　　وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

جب تک مسلمان کائنات میں غور و فکر کرتے رہے وہ دنیا کو نئی نئی ایجادات سے بہرہ ور کرتے رہے اور دنیا ان کی عظمت کے گیت گاتی رہی لیکن جب مسلمانوں نے تفکر اور تدبر سے پہلوتہی کی تو ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

عزیز نوجوانو! تاریخ کے حوالے سے ماضی کی ایک جھلک آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات!

برطانیہ کا ولی عہد شہزادہ چارلس لکھتا ہے: "اسلام نے علم کی حفاظت اور ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ دسویں صدی میں جب کہ انگلستان میں قتل و غارت کا بازار گرم تھا اس وقت مسلمان سپین میں علم کے دریا بہا رہے تھے۔ اس وقت قرطبہ یورپ کا مہذب ترین شہر تھا اور صرف بادشاہ کی لائبریری میں چار لاکھ کتابوں کا ذخیرہ تھا حالانکہ اس وقت پورے یورپ کی لائبریریوں کی کتابیں جمع کی جاتیں تو وہ چار لاکھ نہیں تھیں۔ جدید یورپ کی تخلیق میں اسلام کا نمایاں کردار ہے کیونکہ اہل یورپ نے سیاست، حکمتِ عملی، آزاد تجارت، کھلی سرحدیں، آداب، ہسپتال، دوائیاں اور علمی تحقیق کے طریقے مسلمانوں سے سیکھے ہیں۔ اسلام آج بھی ہمیں دنیا میں رہنے اور دنیا کو سمجھنے کا طریقہ سکھا سکتا ہے جبکہ عیسائیت اپنی اس صلاحیت کو ضائع کر چکی ہے۔" (اسلام اور مغرب: ص ۱۸/۱۹)

میرے خیال میں آج مسلمانوں کو غلبۂ اسلام کے لئے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا صرف ضروری ہی نہیں بلکہ سب سے مقدم فرض ہے، کیونکہ انسانی ضروریات پوری کرنے کے لئے کائنات میں غور کرنا، مہلک امراض کے علاج کے لئے تحقیق کرنا، ملک و قوم کے دفاع کے لئے ہتھیار بنانا، زراعت اور معدنیات سے زیادہ فوائد حاصل کرنے میں غور و فکر کرنا واقعی بہت بڑی عبادت ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲۔ اے ہمارے رب! تو نے جسے دوزخ میں داخل کر دیا یقیناً تو نے اسے رسوا کر دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔[۱۳۸]

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳۔ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا (اور کہتا تھا) کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، پس ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے گناہ بخش دے، ہم سے ہماری برائیوں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾

۱۹۴۔ اے ہمارے رب! ہمیں عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کر، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّىۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ بَعۡضُكُمۡ

۱۹۵۔ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ

۱۔ مخلوق میں غور و فکر کرو اور خالق میں تفکر نہ کرو کیونکہ تم خالق کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ (قرطبی)

۲۔ ایک ساعت غور و فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (قرطبی)

۳۔ اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس نے ان آیات (سورہ آل عمران کی آیات نمبر ۱۹۰/۱۹۱) کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔ (تفسیر روح المعانی)

[۱۳۸] قیامت کے دن ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا کے طور پر جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو ان کی بڑی رسوائی ہوگی اور کوئی ان کی مدد نہ کر سکے گا لیکن جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں چاہے وہ مرد ہوں یا عورت ان کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ ان کی دعائیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر بہ تقاضائے بشریت ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کی نیکیوں کے باعث معاف کر دی جائے گی۔

مِنۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

مرد ہو یا عورت، [۱۳۹] تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت کی اور انہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا اور وہ میری راہ میں ستائے گئے اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کر دیئے گئے تو میں ضرور ان (کے نامۂ اعمال) سے ان کے گناہ مٹادوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

۱۹۶۔ (اے سننے والے) کافروں کا شہروں میں (خوشحالی سے) چلنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔[۱۴۰]

---

[۱۳۹] اسلام نے بعض معاملات میں مختلف فطری اوصاف کی وجہ سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے جیسے وراثت میں نصف حصہ وغیرہ لیکن نیک اعمال کی جزا میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا وہ نیکی اگر ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا کیونکہ مرد اور عورت دونوں ایک آدم کی اولاد اور ایک نوع انسانی کے افراد ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلہ میں عورتوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر) یعنی ثواب میں عورت اور مرد کا کوئی امتیاز نہیں۔

[۱۴۰] کفار کی ظاہری شان وشوکت سے کسی مسلمان کو دھوکہ کھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ محض چند روز کی بہار ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اگر کسی کو چند روز بہترین خوراک، لباس اور رہائش دینے کے بعد ہمیشہ کے لئے قید بامشقت میں ڈال دیا جائے تو اس وقتی خوشحالی کا کیا فائدہ۔ اصل خوشحالی تو اس شخص کی ہے جو چند روز مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ہمیشہ کے لئے امن وسکون حاصل کر لے۔ عقل مند لوگ وقتی آرام یا تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اس کے انجام کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے اور چٹائی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں تھی (یعنی کوئی گدا یا چادر وغیرہ نہیں تھی)۔ آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس ایک درخت کے پتوں کا ڈھیر تھا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ (حالانکہ وہ کافر ہیں) کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

۱۹۷۔ یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لئے ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہے [۱۴۱] اور نیک لوگوں کے لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹۔ اور اہل کتاب میں بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں [۱۴۲] اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرنے والے ہیں، حقیر قیمت پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا سودا نہیں کرتے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ پسند نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو۔ (مسلم: ۱۴۷۹)

[۱۴۱] جو لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ مہمان کو کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں ہوتی عزت و آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے۔ اب جس خوش نصیب انسان کا میزبان اللہ تعالیٰ ہو اور جنت جیسی جگہ ہو اس کی نعمتوں اور عظمتوں کا صحیح اندازہ اس دنیا میں مشکل ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔'' (مسلم: ۲۸۲۴)

[۱۴۲] چند آیات پہلے اہل کتاب اور ان کے علماء کے جھوٹے الزامات، دین فروشی اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں کا ذکر کیا گیا لیکن سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان میں کئی بڑے پرہیزگار، حقیقت پرست اور مخلص بھی تھے جو حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے۔ ان اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عظیم الشان اجر ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۲۰۰ ع

۲۰۰۔ اے ایمان والو! صبر کرو، [۱۴۳] (دشمن کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور (خدمت دین کے لئے) کمربستہ رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

---

[۱۴۳] اس سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو چار باتوں کی نصیحت کی جارہی ہے جس میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ یعنی نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے پر اپنے نفس کو پابند رکھنا، دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا، خدمت دین کے لئے ہر وقت تیار رہنا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، برطانیہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے سورہ آل عمران کی تفسیر بروز اتوار بعد از عصر ۱۴ / اپریل ۲۰۰۲ء بمطابق ۳۰ محرم ۱۴۲۳ھ کو مکمل ہوئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ النساء (۴)

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں عورتوں کے احکام بہ کثرت بیان کیے گئے ہیں، اس وجہ سے اس سورت کا نام سورہ ''نساء'' ہے۔

یہ سورت بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس میں معاشرے کے مختلف افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا ہے۔ آپس میں حسن سلوک اور رواداری کا حکم دیا گیا ہے تاکہ معاشرے کا ہر فرد امن و سلامتی اور خوشی و مسرت کے ساتھ اپنی بھرپور زندگی گزار سکے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

- یتیم کا ناحق مال کھانے والے کو وارننگ دی گئی کہ وہ آتشِ جہنم سے اپنے پیٹ کو بھر رہا ہے۔
- کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور توبہ کے لیے بہترین وقت کون سا ہے؟
- مرد کو ایک سے زائد شادیاں کرنے اور لونڈیاں رکھنے کی اجازت دی گئی۔
- والدین، رشتہ داروں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

اسلام سے پہلے عورت کے سر پر فرائض کا بوجھ تو تھا لیکن اس کا دامن حقوق کی سہولت سے خالی تھا۔ وہ نوع انسانی کا ایک اہم فرد تھی مگر اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا اور جائیداد کے طور پر استعمال کیا جاتا۔ اسلام نے عورت کی رائے اور اس کے حق ملکیت کو اُجاگر کیا اور واضح اعلان کر دیا: جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں۔

ایاتھا ۱۷۶ — ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ — رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا

۱۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا فرمایا [۱] اور اس جان سے اس کا جوڑا (حضرت حوا علیہا السلام کو) پیدا فرمایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے،

[۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، پھر ان دونوں سے تمام مردوں اور عورتوں کو پیدا فرمایا، تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ اس آیت سے درج ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے:

۱۔ سب انسانوں کو عدم سے وجود میں لانے والا اور ان کی تربیت کر کے مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا انصاف اور قدر شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے رب اور خالق سے ڈرے اور اس کی فرماں برداری میں کوتاہی نہ کرے۔

۲۔ اگر کوئی نوجوان ایک سو سے زائد اپنے خویش و اقارب (بھائی، بہنیں، بھتیجے، نواسے، چچے اور چچازاد بھائی بہنیں وغیرہ) کو پچاس سال پیچھے یعنی ماضی کی طرف دیکھے تو اسے صرف ایک دادا جان نظر آئیں گے جس کی یہ ساری اولاد ہے۔ اسی طرح آج دنیا میں پھیلے ہوئے بے شمار سادات کی اصل ایک ذات ہے یعنی فاطمہ بنت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی اسرائیل کی انتہا بھی ایک ہستی یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوتی ہے۔ اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر غور کرتے کرتے بالآخر انسان اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہی جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔

۳۔ سب انسانوں کی اصل ایک ہے یعنی ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور سب ایک دوسرے کے خون اور گوشت کا حصہ ہیں، لہٰذا انہیں آپس میں پیار و محبت اور امن و سکون سے رہنا چاہیے۔

۴۔ دنیا کے سارے انسان ایک باپ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، لہٰذا انسان ہونے کے ناطے سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے، سب انسان برابر ہیں، البتہ فضیلت کا مستحق وہ خوش نصیب ہے جو دوسروں سے زیادہ پرہیزگار اور خوش اخلاق ہو۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے لوگو! کان کھول کر سن لو، تمہارا پروردگار ایک ہے، تمہارا باپ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ نہ کالے رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر اور نہ کسی سرخ کو کسی کالے پر سوائے تقویٰ کے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں تم میں سے وہی زیادہ عزت والا ہے جو تم میں سب سے

اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) مانگتے ہو [۲] اور رحموں (کے قطع کرنے) سے بھی ڈرو، [۳] بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

۲۔ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور (اپنی) گھٹیا چیز کو (ان کی) عمدہ چیز کے ساتھ تبدیل نہ کرو [۴] اور ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (مسند احمد: جلد ۵: ص ۴۱۱)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تسکین کے لئے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حوا علیہا السلام سے محبت ہوئی اور حضرت حوا علیہا السلام کی طرف مائل ہونے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: حضرت حوا علیہا السلام کو ہاتھ لگانے سے پہلے مہر ادا کرو۔ پوچھا: حضرت حوا علیہا السلام کا کیا مہر ہے؟ فرشتوں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ درود شریف پڑھ لو۔ (تفسیر خازن اور صاوی)

[۲] اس آیت کی ابتدا میں تقویٰ کا حکم دیا گیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارا خالق ہے۔ اب دوبارہ تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو یعنی خدا کے واسطے مجھے یہ چیز دے دو یا خدا سے ڈر کر میرا حق مجھے دے دو اور اسی کے نام کی قسمیں اُٹھا کر اپنے عہد و پیمان کو قابل اعتماد بناتے ہو۔ جب روز مرہ کے لین دین اور باہمی معاملات میں تم اسی کے نام کا وسیلہ پکڑتے ہو تو پھر کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ اس کی نافرمانی کرو۔

[۳] یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور قطع رحمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ صلہ رحمی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ رحم (خونی رشتہ) عرش الٰہی کے ساتھ معلق ہے اور کہہ رہا ہے: غور سے سن لو! جس نے مجھے جوڑا، اللہ تعالیٰ اسے جوڑے رکھے اور جس نے مجھے قطع کیا اسے اللہ تعالیٰ ٹکڑے ٹکڑے کرے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۵۵۵: کتاب البر)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قوم پر نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔ (مشکوٰۃ: حدیث نمبر ۴۲۰: باب البر)

۳۔ جو آدمی حقوق قرابت کی رعایت نہیں کرتا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۵۵۶: کتاب البر)

نوٹ: سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۶ حاشیہ نمبر ۵۲ بھی ملاحظہ کریں۔

[۴] یتیم اس بچے یا بچی کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو جائے اور وہ ابھی نابالغ ہو۔ اس آیت میں یتیم کے سرپرست کو حکم دیا جا رہا

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ

۳۔ اور اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے [۵] تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان میں سے

ہے کہ یتیم کو جو مال اپنے فوت ہونے والے باپ سے ورثہ میں ملا ہے وہ تمہارے پاس امانت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یتیم کی عمدہ چیزیں تم خود رکھ لو اور اپنی گھٹیا چیزیں اس کے مال میں شامل کر دو یا یتیم کا مال اپنے مال میں خلط ملط کر کے کھا جاؤ۔ ایسی خیانت کرنا سخت گناہ ہے۔ اسی سورت کی آیت نمبر ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو لوگ یتیم کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں وہ درحقیقت آگ کھاتے ہیں اور عنقریب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکا جائے گا۔'' لہٰذا سرپرست کا فرض ہے کہ جب یتیم بالغ ہو جائے تو اس کا مال پوری دیانتداری کے ساتھ اس کے سپرد کر دے کیونکہ یتیم اپنی بے کسی اور بے بسی کے باعث زیادہ شفقت کا مستحق ہے۔

یتیموں کی سرپرستی

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔ (ابن ماجہ: ۳۶۷۹: ابواب الادب: باب ۶)

۲۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی یتیم کے سر پر محبت بھرا ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرے گا ہر بال کے بدلے اسے نیکیاں ملیں گی اور جس نے کسی یتیم بچے یا بچی کے ساتھ حسن سلوک کیا، میں اور وہ جنت میں ان (دو انگلیوں) کی طرح ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں یعنی درمیانی اور شہادت کی انگلی کے درمیان فاصلہ کیا۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۲۵۰)

۳۔ امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سری سے روایت کیا ہے: جو شخص یتیم کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتا ہے جب وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کے منہ، اس کے کانوں، اس کی ناک اور اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے اور اسے دیکھ کر ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ (تفسیر در منثور: سورۃ نساء: زیر آیت نمبر ۱۰)

[۵] یتیم بچیوں کے سرپرست اکثر ان سے شادی کر لیتے تا کہ یتیم بچیوں کا مال ان کے پاس ہی رہے، نیز ان کی حیثیت کے مطابق نہ تو انہیں مہر دیتے اور نہ ہی حقوقِ زوجیت میں انصاف کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان بے سہارا بچیوں کے حقوق ادا نہیں کر سکو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں چار تک ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے چاہے وہ یتیم بچیاں ہوں یا آزاد عورتیں مگر سب بیویوں کے درمیان انصاف شرط ہے، تاہم لونڈیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں۔

ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

دودو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو[۶] اور

ایک سے زائد بیویاں

[۶] اسلام نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے، کیونکہ یہ طریق کار کئی مشکل مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ اس کی حکمتیں، وجوہات اور شرائط ملاحظہ ہوں:

۱۔ کسی آسمانی کتاب نے بیویوں کی تعداد پر پابندی نہیں لگائی، لہٰذا ہر مرد آزاد تھا، جتنی چاہتا بیویاں کرلیتا۔ قرآن مجید سب سے پہلی کتاب ہے جس نے ایک بیوی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا اور ضرورت کے وقت چار تک کی رخصت دی اور چار سے زیادہ بیویوں والے جتنے لوگ مسلمان ہوئے حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی پسند کی چار بیویاں رکھ لو اور باقی چھوڑ دو۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۱۱۳۱)

۲۔ اسلام کسی عورت کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ ضرور ہی شادی شدہ مرد سے نکاح کرے بلکہ یہ اس کی اپنی پسند پر منحصر ہے حتیٰ کہ شادی کر لینے کے بعد بھی اگر عورت یہ محسوس کرے کہ اس کا خاوند اس کے ازدواجی تقاضے پورے نہیں کرتا تو وہ عدالت کے ذریعے اس خاوند سے علیحدگی حاصل کرسکتی ہے اور عدت گزارنے کے بعد اپنی مرضی کے کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکتی ہے۔

۳۔ اسلام نے ایک سے زائد شادیاں کرنے کا حکم نہیں دیا کہ ہر مسلمان ضرور چار شادیاں کرے اور نہ ہی یہ ترغیب دی ہے کہ جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھے گا وہ ایک بیوی والے سے بہتر مسلمان ہوگا بلکہ ضرورت کے وقت یہ ایک رخصت ہے اور اس رخصت کے ساتھ بھی یہ سخت شرط عائد ہے کہ صرف وہی مسلمان ایک سے زائد شادیاں کرسکتا ہے جو اپنی بیویوں میں مساوات اور انصاف قائم رکھ سکے اور جس انسان کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کرے، اور مسلمانوں کا عمومی مزاج بھی یہی ہے کہ وہ اکثر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ دو تین فیصد ایسے حضرات ہوں گے جو کسی ضرورت کے پیش نظر ایک سے زائد شادیاں کرتے ہیں۔

نوٹ: ایک سے زائد بیویوں کے درمیان انصاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ خاوند ہر بیوی کے ساتھ اخراجات، معاملات، حسن سلوک اور مباشرت میں برابری کا رویہ اختیار کرے، ہاں اگر کسی ایک بیوی سے محبت زیادہ ہوجائے تو یہ انصاف کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ قدرتی چیز ہے جو انسان کے بس سے باہر ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۲۹ میں اسی قلبی لگاؤ کا ذکر ہے۔

۴۔ اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں جنگوں میں اکثر مرد ہی ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہلاک ہوتے ہیں، اس طرح عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ اگر مرد ایک سے زائد شادیاں نہ کریں تو پھر یہ زائد عورتیں کہاں جائیں گی؟ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ ساری عمر بغیر شادی کے گزار دیں جو کہ خلاف فطرت اور ظلم ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں، اس کی اسلام

اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ زائد عورتیں جب کسی کے خاوند کے ساتھ ناجائز تعلقات استوار کریں گی تو اس خاوند کی بیوی اور اولاد کا حشر کیا ہوگا۔

۵۔ جو ملک ایک سے زائد شادیوں کی اجازت نہیں دیتا ان میں بدکاری عام ہو جاتی ہے۔ غالباً اسی لئے یورپ اور امریکہ میں غیر قانونی بچوں اور کنواری ماؤں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسی مائیں اور ایسے بچے محبت وشفقت، تعلیم وتربیت اور دیکھ بھال سے محروم رہتے ہیں، اور بالآخر یہ بے راہ روی کا شکار ہو کر معاشرہ اور حکومت کے لئے وبال بن جاتے ہیں۔

۶۔ ایک سروے کے مطابق صرف برطانیہ میں چار ملین عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں۔ اگر ایک مرد ایک عورت سے شادی کرلے تو ان چار ملین زائد عورتوں کا مستقبل کیا ہوگا جن کے لئے کوئی مرد موجود نہیں ہے ---؟

کیا ان کی فطرت ان چیزوں کا تقاضا نہیں کرتی جن کا تقاضا دوسری عورتوں کی فطرت کرتی ہے ---؟

کیا ان کے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ ان کے بھی خاوند ہوں جو ان کے ساتھ رہیں اور ان سے محبت کریں ---؟

کیا ان کا جی نہیں چاہتا کہ ان کی بھی اولاد ہو اور کوئی ان کی اولاد کی ذمہ داری قبول کرے ---؟

کیا معاشرے کا یہ فرض نہیں کہ وہ ان خاوندوں سے محروم عورتوں کے متعلق بھی غور کرے ---؟

۷۔ تعدد ازدواجات کا قانون انسانی معاشرہ کی ایسی ضرورت ہے جس پر آج پوری دنیا عمل پیرا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمان جائز سمجھ کر اعلانیہ اس پر عمل کرتے ہیں اور غیر مسلم اپنی بیوی کو دھوکہ دے کر چوری چھپے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس خیانت کے باعث دنیا کے اہم ترین خاندان اور حکمران متاثر ہوئے ہیں اور پوری دنیا کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ٹی وی پر ان سربراہوں نے اپنی زبانی خود اپنی خیانت کا اعتراف کیا۔

۸۔ ماہانہ ایام، حمل، بچے کی پیدائش، نفاس کے ایام اور اولاد کی پرورش ایسے نازک مرحلے ہیں جن سے عورت کی جنسی رغبت محدود ہو جاتی ہے جبکہ مرد ان تمام ذمہ داریوں اور عوارض سے آزاد ہوتا ہے، اس لئے اسے جنسی تسکین کے لئے کسی متبادل ذریعہ کی ضرورت ہے جس کے لئے جائز اور موزوں طریقہ دوسری شادی ہے کیونکہ اگر وہ ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے گا تو جب راز فاش ہوگا تو اس کی پہلی شادی برباد ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

۹۔ مرد میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت تقریباً ستر (۷۰) سال کی عمر تک رہتی ہے جبکہ عورت میں یہ صلاحیت پچاس (۵۰) سال کی عمر کے لگ بھگ ختم ہو جاتی ہے۔ اب ان بیس سالوں میں اگر مرد کو اولاد کی خواہش پیدا ہو تو دوسری شادی کے بغیر یہ خواہش کیسے پوری ہو سکتی ہے ---؟

۱۰۔ اگر کسی کی بیوی بانجھ ہو جس سے اولاد نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں اگر اس کا شوہر اس کو طلاق دیدے تو اس بانجھ عورت سے کون شادی کرے گا؟ لیکن اگر اس کے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دے دی جائے تو اس طرح پہلی (بانجھ) بیوی کی نگہبانی کا سلسلہ بھی جاری رہے گا اور مرد کی اولاد کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔

۱۱۔ اگر کسی کی بیوی اچانک کسی حادثہ میں جسمانی یا ذہنی طور پر اپاہج ہو جائے تو خاوند کے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ بیوی

بچوں کو بھی سنبھالے، مزدوری بھی کرے اور بقایا عمر اپنی جنسی رغبت کو بھی قابو میں رکھے، لہٰذا ایسی صورت میں دوسری شادی اس کے بچوں اور بیوی کی مدد کر سکتی ہے اور خاوند کی جنسی تسکین کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اولاد سے محروم میاں بیوی کسی دوسرے کی اولاد کو گود میں لے کر تسکین کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ عورت اپنے خاوند کی دوسری بیوی کو برداشت کرے اور کسی اجنبی کو گود لینے کی بجائے اپنے خاوند کی اولاد کو گود میں لے، اسے حقیقی ماں کا پیار دے اور اس طرح اپنی سوکن، اپنے خاوند اور ان کی اولاد کی محبت کا مرکز بن جائے۔

۱۳۔ بیوہ یا طلاق یافتہ عورت کے دوبارہ شادی کے مواقع بہت محدود ہوتے ہیں، ایسی عورت کو اکثر بقایا زندگی تنہا رہنا پڑتا ہے لیکن اگر دوسری شادی کی اجازت ہو تو یہ عورت کسی خاوند کی دوسری بیوی بننا خوشی سے پسند کرے گی تاکہ اس کی تنہائی کا مداوا ہو سکے۔

۱۴۔ عورت کی بہ نسبت مرد میں جنسی رغبت زیادہ ہوتی ہے جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ اس خواہش کی تسکین کے لئے مرد ہی ہمیشہ اخراجات کی قربانی دیتا ہے۔ مرد نیک ہو یا غلط کار دونوں اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں۔ نیک مرد کسی نیک گھرانے کو تلاش کرتا ہے، ان سے رشتے کا سوال کرتا ہے، اگر بات بن جائے تو مہر بھی ادا کرتا ہے جبکہ غلط کار آدمی بھی اس فطری خواہش کو پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے۔ کسی بدکاری کے اڈہ کو تلاش کرتا ہے اور اگر کسی بدکار عورت سے رابطہ ہو جائے تو مرد ہی کو قیمت ادا کر کے اپنی ضرورت پوری کرنا ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں مرد ہی تلاش میں نکلتا ہے اور مالی قربانی بھی دیتا ہے جبکہ عورت اس مقصد کے لئے نہ تلاش میں نکلتی ہے اور نہ ہی مالی قربانی دیتی ہے اور اگر کبھی عورت بدکاری کے لئے گھر سے نکلتی ہے تو اکثر اس کا مقصد مالی منفعت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر اسلام نے ضرورت کے وقت ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے جو فطرت اور حکمت کے عین مطابق ہے اور معاشرے کی صلاح وفلاح کی ضامن ہے۔ منٹگمری واٹ جیسا مصنف جو اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا وہ بھی تعدد ازدواجات کی افادیت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

''تعدد ازدواجات کے قانون نے بعض ان زیادتیوں کا مداوا کر دیا جو انفرادیت پسندی بڑھ جانے کے باعث پیدا ہوگئی تھیں۔ اس قانون نے زائد عورتوں کو باعزت شادی کے مواقع فراہم کئے اور ان کو سرپرستوں کے مظالم سے بچایا۔ اس قانون نے نکاح کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کی ترغیبات کو کم کیا جس کی عرب معاشرہ میں اجازت تھی۔ اس زمانہ میں جو رسوم موجود تھیں ان کے پیش نظر معاشرے کی تنظیم کے سلسلہ میں یہ بڑا اہم اصلاحی قدم تھا۔'' (محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۷۷)

ایک سے زائد خاوند

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مرد ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے تو عورت کو بھی ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اسلام سے پہلے بعض معاشروں میں ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے لیکن اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا یعنی عورت ایک وقت میں ایک سے زائد خاوند نہیں رکھ سکتی کیونکہ اس سے ایسے مسائل جنم لیتے ہیں جو معاشرے کا امن و

سکون برباد کر دیتے ہیں مثلاً:

ا۔ اس طرح اولاد کا نسب مشکوک ہو جاتا ہے اور کسی خاوند کو یقین نہیں ہوتا کہ یہ کس کی اولاد ہے اور اگر ڈی این اے (D.N.A) کے ذریعہ اس کا تعین ہو جائے تو دوسرے خاوند اس اولاد سے حسد کریں گے جس سے بیوی پریشان ہو جائے گی اور کہے گی کہ یہ کیسے خاوند ہیں جو اپنی جنسی تسکین کے لئے تو مجھے استعمال کرتے ہیں لیکن میرے دل کے ٹکڑے (یعنی میرے بیٹے) سے حسد کرتے ہیں، اس کے نتیجہ میں بغض وعناد کا ایسا بازار گرم ہو جائے گا جس سے سب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

۲۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کے ساتھ کسی اور کے جنسی تعلقات برداشت نہیں کر سکتا لیکن دائمی مریض اور بانجھ عورت اپنی مجبوریوں کے باعث اپنی سوکن کو برداشت کر لیتی ہے۔

۳۔ جو خاوند جسمانی اعتبار سے زیادہ طاقتور ہو گا وہ جب چاہے گا بیوی کو زبردستی لے جائے گا اور دوسرے مایوسی کے ساتھ دیکھتے رہ جائیں گے، اس طرح اس گھر میں جنگل کا قانون نافذ ہو جائے گا۔

۴۔ اگر ایک خاوند کسی حادثہ کی وجہ سے چند ماہ کے لئے صاحب فراش ہو جائے اور اسے دوائی اور رفع حاجت کے لئے دن رات اپنی بیوی کی مدد کی ضرورت ہو۔ اس دوران دوسرے خاوندوں کا جنسی رغبت کا ایثار مشکل ہو گا۔ اس کے برعکس اگر کسی بیوی کے ساتھ ایسا حادثہ پیش آ جائے تو خاوند کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی دوسری بیویاں اپنی سوکن کی خدمت کر کے خاوند کا بوجھ ہلکا کر دیں گی۔

۵۔ جب بیوی کسی ایک خاوند کے حمل، بچے کی پیدائش اور پرورش میں مصروف ہو گی تو اصل باپ تو بچے کی وجہ سے ایک قسم کا سکون محسوس کرے گا لیکن دوسرے خاوند اتنا طویل عرصہ کیسے صبر کریں گے؟

۶۔ حیض کی صورت میں کئی دن، نفاس کی صورت میں کئی ہفتے اور حمل کی صورت میں کئی مہینے عورت عمل زوجیت کے قابل نہیں رہتی۔ ان حالات میں عورت ایک ہی خاوند کے حقوق پورے نہیں کر سکتی تو اگر اس کے ایک سے زائد خاوند ہوں تو ان کے حقوق کیسے پورے کرے گی؟

۷۔ شادی کا ایک بنیادی مقصد اولاد ہے جس کی وجہ سے نسل انسانی کا سلسلہ رواں دواں ہے۔ اس اعتبار سے متعدد عورتیں تو ایک مرد سے ایک ہی دن میں حاملہ ہو سکتی ہیں لیکن ایک عورت متعدد مردوں سے حاملہ نہیں ہو سکتی، وہ ایک ہی مرد سے حاملہ ہو گی۔ مرد اور عورت کا یہ فطری فرق اس بات کا ثبوت ہے کہ مرد زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے مگر عورت کے پاس ایک دن میں چاہے دس خاوند جائیں ایک بچے کی صورت میں حمل ایک ہی مرد سے قرار پائے گا، لہٰذا فطری طور پر عورت کو ایک ہی خاوند کی ضرورت ہے۔

نوٹ: موجودہ میڈیکل تحقیق کے مطابق عام طور پر عورت کے ہاں ایک ہی انڈا پیدا ہوتا ہے جبکہ مرد سے ہر بار تقریباً پانچ سو ملین تخم کا اخراج ہوتا ہے اور جونہی مرد کا تخم عورت کے انڈے سے ملتا ہے تو اس کے فوراً بعد انڈے کے گرد ایک جھلی وجود میں آ جاتی ہے جس کی وجہ سے کوئی اور تخم وہاں داخل نہیں ہو سکتا اور اس ایک انڈے سے عام طور پر ایک بچہ

پیدا ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ ایک سے زائد بچے بھی پیدا ہو سکتے ہیں مگر ان کا باپ ایک ہی ہوگا کیونکہ وہ ایک ہی تخم سے پیدا ہوئے ہیں۔

بعض دفعہ عورت کے ہاں ایک سے زائد انڈے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر ان سب کے ساتھ مرد کے تخم کا ملاپ ہو جائے اور ہر انڈے میں ایک ایک بچہ پروان چڑھے تو ان مختلف انڈوں میں پیدا ہونے والے بچوں کا باپ ایک بھی ہو سکتا ہے اور مختلف بھی کیونکہ ان کے تخم مختلف ہیں مگر زیادہ امکان یہی ہے کہ ان سب بچوں کا باپ ایک ہی ہو کیونکہ عورت کے ہاں سب انڈے ایک ہی وقت میں پیدا ہوتے ہیں اور چوبیس گھنٹوں کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور اس حمل کے دوران دوبارہ پیدا نہیں ہوتے۔

نبی کریم ﷺ کی زیادہ شادیوں پر مستشرقین کا اعتراض

نبی کریم ﷺ نے گیارہ خواتین کو اپنی بیوی ہونے کا شرف عطا فرمایا جبکہ بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں اور تین سو لونڈیوں کا ذکر ملتا ہے۔

"He had seven hundred wives and three hundred concubines."

(The Living Bible:1 Kings:11:3)

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو حضور اکرم ﷺ کی گیارہ شادیاں کوئی عیب یا انوکھی چیز نہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے لیکن مستشرقین اعتراض یہ کرتے ہیں کہ جب امت کے لئے ایک وقت میں چار تک کی حد بندی ہے تو خود چار سے زیادہ بیویاں کیوں کیں؟ دراصل انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں میں متعدد چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے خواص شمار ہوتے ہیں اور امت کو ان کی پیروی کا حکم نہیں دیا جاتا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی، اس میں کچھ حکمت ضرور ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اب اس عمل کو ان کا خاصہ تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس کو ان کی ایسی سنت قرار نہیں دیا جا سکتا جس پر عمل کرنا ان کے سارے پیروکاروں کے لئے ضروری ہو کیونکہ اگر ان کے سارے امتی اس پر عمل کرتے تو ان کی نسل کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور آج دنیا میں کوئی بھی عیسائی موجود نہ ہوتا۔ حضور اکرم ﷺ کے بعض خواص ایسے ہیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام بھی شریک نہیں ہیں جیسے سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے نبوت کا زمانہ محدود اور قوم وعلاقہ مخصوص تھا لیکن حضور اکرم ﷺ ساری مخلوق کے لئے قیامت تک نبی ہیں اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے متعدد خصائص ایسے بھی ہیں جن میں امت شامل نہیں ہے جیسے آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، آپ کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ (قرآن: ۳۳:۶) یعنی ہر مومن کو ان کا احترام اپنی ماں کی طرح کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہے یا صوم وصال بھی آپ کا ہی خاصہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صوم وصال (لگاتار روزے

رکھنے) سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کی: آپ صوم وصال رکھتے ہیں (اس لئے ہم آپ کی سنت ادا کرتے ہیں)۔ آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں کیونکہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب ۴۸) انہی خواص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سوا کوئی مسلمان ایک وقت میں چار سے زیادہ شادیاں نہیں کرسکتا اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضور اکرم ﷺ کے اس خاصہ کو مستشرقین تسلیم نہیں کرتے، ان کا خیال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نفسانی خواہشات سے بے قابو ہوکر زیادہ شادیاں کی ہیں۔ معاذ اللہ۔

اس کے جواب کے لئے حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک پر اگر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو کوئی منصف مزاج آدمی آپ کی کثرتِ ازواج کو جنسی تسکین پر محمول نہیں کرسکتا کیونکہ نفسانی خواہش کا غلبہ عام طور پر پندرہ سے پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۵ تا ۲۵ سال کی عمر تک اپنی خواہشات پر بے مثل ضبط کا ایسا حسین نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی آپ کی پاکدامنی پر انگلی نہ اٹھاسکے، پھر آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک بیوہ (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے پہلی شادی کی جو عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ آپ نے پچیس سال کا عرصہ اسی ایک بیوہ خاتون کے ساتھ گزارا۔ ذرہ اندازہ کریں جب آپ کی عمر پچاس سال تھی اس وقت آپ کی بیوی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۶۵ سال تھی یعنی بیوی کی پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے دوسری شادی کا خیال تک نہ کیا، اس کے باوجود بھی آپ پر جنسی رغبت سے بے قابو ہونے کا الزام لگایا جائے تو اس سے بڑا جھوٹ شاید دنیا نے کبھی نہ سنا ہو۔

یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوان شباب کا سارا زمانہ اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا۔ کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی بے راہ روی سے ہو بلکہ آپ کو صادق و امین کے القاب سے یاد کیا جاتا۔ اگر تعدد ززوجات کی وجہ نفسانی خواہش اور جنسی تسکین ہوتی تو اس کے لئے موزوں وقت جوانی تھی نہ کہ بڑھاپا۔

ایک دفعہ مکہ کے سردار اکٹھے ہوکر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم آپ کو اتنا مال دینے کے لئے تیار ہیں کہ آپ مکہ کے سب سے بڑے مالدار بن جائیں گے، قریش کی جن عورتوں کو آپ پسند کریں ہم آپ کی پسند کی دس قریشی عورتیں آپ کے نکاح میں دینے کے لئے تیار ہیں اور ہم آپ کو مکہ کا سردار اور حکمران ماننے کے لئے بھی تیار ہیں مگر آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع کریں کہ میں توحید کی دعوت کو چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ (سیرت ابن کثیر: جلد اول: ص ۴۷۴، سیرت حلبیہ: جلد اول: ص ۴۳۰) اس مادی دنیا میں اس سے بڑی خواہش اور کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے ملک کا حکمران اور سب سے بڑا مالدار بن جائے۔ اگر آپ کے ذہن کے کسی گوشہ میں زیادہ شادیاں اور دولت وحکومت کی

خواہش ہوتی تو یہ بہترین پیشکش تھی لیکن آپ کا مشن صرف توحید کی تبلیغ تھی جس کے لئے آپ مصائب کے پہاڑوں سے ٹکرائے مگر توحید کے مشن سے دست بردار نہیں ہوئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد آپ نے دوسری شادی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کی اور ۵۴ سال کی عمر تک آپ کی ایک وقت میں ایک ہی بیوی رہی، دوسری شادیاں ۵۴ سے لے کر ۵۹ سال کی عمر کے درمیان ہوئیں۔ ۵۹ سال کی عمر کے بعد آپ نے کوئی شادی نہیں کی۔ کوئی بھی عقل مند انسان یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ ایک انسان ۵۴ سال کی عمر تک ایک وقت میں صرف ایک بیوی پر اکتفا کرے اور یکایک اس کے جنسی جذبات میں ایسا طوفان آجائے کہ وہ زیادہ بیویاں کرنے پر مجبور ہو جائے۔ جبکہ آپ کی ذاتِ گرامی ضبطِ نفس کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھی کہ صوم وصال کی صورت میں کئی کئی دن کھانے کی ضرورت نہ پڑی تو وہ ہستی پیرانہ سالی کے چند سال ایک بیوی پر اکتفا نہیں کر سکتی تھی؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ کی تمام بیویوں میں صرف ایک (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کنواری تھیں باقی سب عمر رسیدہ بیوہ یا مطلقہ تھیں اور ایک وقت میں زیادہ شادیوں کا سلسلہ بھی اس وقت شروع ہوا جب آپ اسلامی ریاست کے واحد فرمانروا تھے اور ہزاروں لوگ آپ کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ اگر آپ کی شادیوں میں جنسی رغبت کا دخل ہوتا تو کنواری عورتوں کا انتخاب کیا جاتا لیکن آپ نے عمر رسیدہ، جہاں دیدہ، ذہین اور دیانتدار عورتوں سے شادیاں کیں تاکہ خواتین کے وہ مسائل (حیض، نفاس اور امورِ زوجیت وغیرہ) جو شرم وحیا کے باعث براہِ راست سمجھانے مشکل تھے ان خواتین کے ذریعہ ان کی تبلیغ کی جائے۔

نبی کریم ﷺ کی زیادہ شادیوں کی وجوہات

عورت انسانی معاشرہ کی ایک اہم اکائی ہے۔ اس کی اچھی تعلیم وتربیت کے بغیر ایک اچھا معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ نبی کریم ﷺ نے جس معاشرہ میں اسلام کا چراغ جلایا وہ معاشرہ صدیوں سے جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا اور اسلام جو معاشرہ قائم کرنا چاہتا تھا اس میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ممنوع تھا، تو معاشرہ کی اس اہم اکائی کی رہنمائی کے لئے بہت سی خواتین کی ضرورت تھی جن کو نبی کریم ﷺ خود تعلیم وتربیت دے کر تیار کریں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو چار سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت دی تاکہ خواتین کی مذہبی رہنمائی کے حوالے سے آپ کوئی کمی یا تنگی محسوس نہ کریں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی حج فرمایا ہے جس کو حجۃ الوداع (یعنی الوداعی حج) کہا جاتا ہے۔ اس حج پر آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ساتھ لے گئے تاکہ سب کو مناسک حج کا براہ

راست تجربہ ہو جائے اور دیگر خواتین کو اس کی تعلیم دینے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔'

ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ایک بیرونی زندگی جو سب لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور دوسری گھریلو زندگی جس کے نشیب و فراز کو ہر انسان چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی یہ دونوں زندگیاں قابل رشک ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو ہمارے لئے عمدہ نمونہ قرار دیا ہے اور آپ کو دو ایسی مخلص جماعتیں عطا فرمائیں جنہوں نے آپ کی ان دونوں زندگیوں کو پوری دیانتداری کے ساتھ امت کے سامنے بیان کیا، ایک جماعت صحابہ کرام ﷺ کی تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بیرونی زندگی کو بیان کیا اور دوسری جماعت ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی تھی جنہوں نے آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کو بیان کیا، گویا دین کا آدھا حصہ ہمیں صحابہ کرام ﷺ کے واسطہ سے ملا اور آدھا حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعہ سے ملا۔ حدیث مبارکہ کا ایک کثیر ذخیرہ ازواجِ مطہرات کے ذریعہ امت مسلمہ کو نصیب ہوا، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ہزار دوسودس (۲۲۱۰) روایات اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سو اٹھتر (۳۷۸) روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

نیز آپ نے عرب کے مختلف قبائل سے بھی شادیاں کیں تا کہ ان کے ساتھ تعلقات پیدا کئے جائیں۔اس طرح اسلام کو مزید وسیع اور موثر بنانے میں مدد ملی۔ بہر حال حضورِ اکرم ﷺ کی کثرتِ زوجات کے پس منظر میں بہت سے تعلیمی، سماجی، عائلی، تبلیغی اور سیاسی مقاصد تھے، مثال کے طور پر بعض قبائل اسلام کے خلاف بر سر پیکار تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے ان قبائل کی خواتین سے شادی کی تو اس رشتہ داری کی وجہ سے ان قبائل کی اسلام دشمنی میں کمی واقع ہوگئی اور بالآخر وہ قبائل مسلمان ہو گئے۔ اس کی تفصیل حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات (میری تصنیف: ہمارے پیارے نبی ﷺ کی پیاری بیویاں) میں ملاحظہ فرمائیں۔

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کا تجزیہ

محمد (ﷺ) کی شادیوں کے بارے میں جس آخری بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے قریبی ساتھیوں کی شادیوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی رسم تھی جو عربوں میں پہلے سے جاری تھی۔ محمد (ﷺ) کی اپنی تمام شادیوں میں سیاسی تعلقات میں اضافے کا مقصد کارفرما نظر آتا ہے، خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ شادی سے آپ کو دولت ملی اور مکی سیاست میں آپ کے اثر کا آغاز بھی اسی شادی سے ہوا۔ سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور زینب بنت خزیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کا سب سے بڑا مقصد مخلص مسلمانوں کی بیواؤں کو باوقار پناہ مہیا کرنا تھا لیکن سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے خاوند کا بھائی ایک ایسا شخص تھا، جس کے متعلق محمد (ﷺ) یہ نہیں چاہتے

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ﴿۳﴾

اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو یا لونڈیاں جن کے تم مالک ہو، [۷] یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔

تھے کہ وہ کھل کر آپ کے مدمقابل آجائے، اور زینب (رضی اللہ تعالی عنہا) کے خاوند کا تعلق قبیلہ بنی مطلب سے تھا، جن کے متعلق محمد (ﷺ) کی خصوصی ذمہ داریاں تھیں، اس کے ساتھ ساتھ محمد (ﷺ) زینب (رضی اللہ تعالی عنہا) کے اپنے قبیلے ''عامر بن صعصعہ'' کے ساتھ بھی اچھے تعلقات بنا رہے تھے۔ مدینہ میں آپ کی پہلی دو بیویاں، عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) اور حفصہ (رضی اللہ تعالی عنہا)، ابوبکر (ﷺ) اور عمر (ﷺ) کی صاحبزادیاں تھیں جن کے ساتھ محمد (ﷺ) کا خصوصی تعلق تھا۔ (بعد میں اسی خصوصی تعلق کی بنا پر) عمر (ﷺ) نے بھی محمد (ﷺ) کی نواسی ام کلثوم بنت علی سے شادی کی۔ ام سلمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) صرف ایک بیوہ ہی نہ تھیں بلکہ وہ مکی قبیلہ بنی مخزوم کے سردار کی رشتہ دار بھی تھیں۔ جویریہ (رضی اللہ تعالی عنہا) قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں، جن کے ساتھ محمد (ﷺ) کے تعلقات خصوصی طور پر بہت خراب تھے۔ زینب بنت جحش (رضی اللہ تعالی عنہا) محمد (ﷺ) کی پھوپھی زاد ہونے کے علاوہ قبیلہ بنی عبد شمس کے حلیف قبیلے کی فرد بھی تھیں، لیکن ان کے معاملے میں سماجی محرکات، سیاسی محرکات پر فوقیت لے گئے، کیونکہ اس شادی کے ذریعے محمد (ﷺ) یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ آپ نے پرانی رسموں سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ مکی قبیلہ عبد شمس اور ابوسفیان بن حرب خصوصی طور پر محمد (ﷺ) کی نظر میں تھے۔ ابوسفیان کی ایک بیٹی ام حبیبہ (رضی اللہ تعالی عنہا) تھی جو مسلمان تھی اور اس کی شادی زینب بنت جحش (رضی اللہ تعالی عنہا) کے ایک بھائی سے ہوئی تھی۔ ان کا خاوند جب حبشہ میں فوت ہوگیا تو محمد (ﷺ) نے ایک قاصد حبشہ اس لئے بھیجا کہ ام حبیبہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے آپ کی شادی کے انتظامات کو آخری شکل دی جائے۔ میمونہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے شادی بھی حضرت عباس سے آپ کے تعلقات کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتی تھی جو میمونہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے برادر نسبتی اور محمد (ﷺ) کے چچا تھے۔ یہودی الاصل عورتوں یعنی صفیہ (رضی اللہ تعالی عنہا) اور ریحانہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے آپ کے تعلق کے مقاصد بھی سیاسی ہوسکتے ہیں۔

(محمد ایٹ مدینہ: منٹگمری واٹ: ص ۲۸۷۔۲۸۸)

اسلام میں غلام اور لونڈی کا تصور

[۷] تعریف

غلام اس مرد، عورت (لونڈی) یا اولاد کو کہا جاتا تھا جو کسی کی ملکیت میں ہو اور مالک اس سے ہر قسم کا کام لینے اور ہر قسم کا فائدہ اُٹھانے کا حق رکھتا تھا۔

غلامی کی ابتدا

اسلام سے بہت پہلے ہزاروں سال سے ہر معاشرہ میں غلاموں کا کاروبار موجود تھا۔ مصر، چین، ہندوستان، یونان، روم حتیٰ کہ آسمانی کتب تورات اور انجیل میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں تین سو لونڈیاں تھیں۔
(سلاطین: ۱۱: ۳)

یورپ کے سمندری لٹیرے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ بیچا کرتے تھے۔ امریکہ اور یورپ میں غلاموں کا سلسلہ ۱۸۳۳ء تک موجود رہا۔

A widespread institution in ancient times, slavery had died out in England by the 12th C. The transportation of slaves from Africa to the Americas by European traders began on a large scale in the 16th and 17th C., and although slavery became illegal in Britain in 1772, it remained an important feature of the economy of the Empire untill the 19th C., the slave-trade bieng abolished in 1807 and slavery itself throughout the Empire in 1833. (The Oxford Encyclopedic English Dictionary: Published in 1991 by Oxford University Press: USA)

غلام بنانے کے اسباب

۱۔ جنگیں : میدانِ جنگ میں جو مرد اور عورتیں قید ہو جاتے ان کو غلام بنا لیا جاتا۔
۲۔ غربت : غریب لوگ اپنی غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی اولاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالتے۔
۳۔ زبردستی غلام بنا لینا : ظالم لوگ مسافروں اور کمزوروں کو زبردستی پکڑ کر فروخت کر دیتے۔ جیسے یورپ کے سمندری لٹیرے افریقہ جاتے اور جہاں کہیں موقع ملتا افریقی لوگوں کو زبردستی پکڑ کر غلام بنا لیتے اور یورپ و امریکہ میں فروخت کر دیتے۔

غلاموں کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

اسلام نے غلام بنانے کے آخری دو اسباب کو بالکل ناجائز قرار دے دیا اور جنگوں کے ذریعہ غلام بنانے کو جائز رکھا لیکن یہ لازمی نہیں کہ جنگی قیدیوں کو ضرور ہی غلام اور لونڈیاں بنایا جاتا بلکہ اسلامی حکومت کو اختیار تھا چاہے تو انہیں بلا معاوضہ آزاد کر دے، چاہے تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دے، چاہے تو مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کا تبادلہ کر لے اور چاہے تو انہیں غلام بنا کر مجاہدوں میں تقسیم کر دے۔ اس صورت میں مجاہد اپنے غلام سے ہر طرح کا کام لے سکتا تھا اور اپنی لونڈی

سے ہم بستری بھی کر سکتا تھا لیکن اس پر لازم تھا کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے آرام اور ضروریات کا پورا پورا خیال رکھے، حالانکہ غیر مسلم لوگ غلاموں سے ہر قسم کی خدمت لیتے، ان کی طاقت سے زیادہ ان پر مشقت ڈالتے، انہیں مارتے اور بھوکا رکھتے اور ہر قسم کا غیر انسانی سلوک روا رکھتے تھے، جبکہ ہماری مقدس کتاب قرآن مجید نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ (قرآن: ۴:۳۶)

ہمارے نبی مکرم ﷺ نے غلاموں کے متعلق فرمایا:

۱۔ یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، انہیں وہی لباس دو جو خود پہنتے ہو، ان کے ذمہ ایسا کام نہ لگاؤ جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر تم ان کے ذمہ ایسا کام لگاؤ تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔ (مسلم: حدیث نمبر ۱۶۶۱)

۲۔ جس شخص نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا یا پیٹا اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۱۶۵۷)

۳۔ جس نے اپنے غلام کو ناجائز سزا دی قیامت کے دن اس سے بدلہ (قصاص) لیا جائے گا۔ (ترغیب: رواہ الطبرانی)

قرآن مجید نے غلام آزاد کرنے کو نیک کام قرار دیا ہے اور غلام کو اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے اسے زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے۔

۴۔ جس شخص نے مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ (مسلم: ۳۷۹۵: کتاب العتق: باب ۵)

۵۔ ایک اعرابی نے سوال کیا: یارسول اللہ! مجھے وہ عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے۔ فرمایا: غلام آزاد کر یا اسے آزاد کرانے میں اس کی مدد کر۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۴۳۳۵: جلد ۴: ص ۶۵)

۶۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ روئے زمین پر پیدا نہیں کی اور کوئی شے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہیں کی (یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ فعل غلام آزاد کرنا ہے اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل طلاق ہے)۔ (مشکوٰۃ: ۳۲۹۴: کتاب النکاح، سنن دارقطنی: ۳۹۳۹: کتاب الطلاق: جلد ۴: ص ۳۲)

الغرض نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈی کا سلسلہ عام تھا جس کو اسلام نے بالکل ختم نہ کیا، البتہ ان کے بارے میں ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے غلامی کی حوصلہ شکنی ہوئی، مثلاً غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، ان کو آزاد کرنے پر اجر و ثواب کی بشارتیں دیں اور کئی کفاروں میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ غلامی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آج دنیائے اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا وجود نظر نہیں آتا۔

اعتراضات

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں انسانوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا جاتا ہے جو کہ شرف انسانی کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ غلام بنانے کی ابتدا اسلام نے نہیں کی بلکہ یہ بہت پرانا اور بین الاقوامی مسئلہ تھا۔ اس دور کے حالات کے پیشِ نظر غلامی کو بالکل مٹانا مشکل تھا کیونکہ دوسری قومیں اس کو ختم کرنے میں مخلص نہیں تھیں اور اگر اسلام یکطرفہ اس کے خاتمے کا اعلان کر دیتا تو جنگ کے بعد کافر قیدی تو غلامی سے بچ جاتے مگر مسلمان قیدی ہمیشہ کے لئے غلام رہتے۔ اس کے باوجود اسلام نے ایسی حکمت عملی وضع کی جو بالآخر غلامی کے ختم ہونے کا سبب بن گئی۔

۲۔ لونڈیوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے بغیر نکاح کے لونڈیوں سے ہم بستری کو جائز رکھا ہے جو کہ غیر اخلاقی فعل ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر کفار جنگ کے بعد مسلمان عورتوں کو واپس نہ کریں اور انہیں قید میں رکھیں تو مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا اس وقت کے حالات کے مطابق ضروری تھا۔ اب آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ اسلامی معاشرہ میں ان کافر قیدی عورتوں کے ساتھ کون سا سلوک زیادہ مناسب تھا؟ ان کی خوراک، رہائش اور لباس کا انتظام تو آسان تھا لیکن ان کی فطری ضرورت یعنی جنسی رغبت کہاں سے پوری ہوتی جبکہ ان کے کفر و شرک کی وجہ سے مسلمانوں کا ان سے نکاح جائز نہیں تھا اور اگر ان کی اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کی کوئی راہ نہ نکالی جاتی تو وہ یہ ضرورت غیر قانونی ذرائع سے پورا کرتیں اور اس طرح پورا اسلامی معاشرہ فحاشی کی لپیٹ میں آجاتا۔ ایسے حالات میں ان کافر قیدی عورتوں کے لئے یہی طریقہ بہتر تھا جو اسلام نے اپنایا جس کے نتیجہ میں وہ مسلمان گھر کا ایک فرد شمار ہوتیں اور ان کی ساری فطری ضرورتیں بھی پوری ہوتیں، تاہم نکاح کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی تنہائی میں بیٹھ کر آپس میں نکاح کر لیں تو ان کی ہم بستری حرام ہے اور اگر یہ دونوں گواہوں کے سامنے اعلانیہ نکاح کریں تو ان کی ہم بستری جائز اور باعث برکت ہے۔ اب وہ کون سی چیز ہے جس نے ایک نکاح کو حرام اور دوسرے کو جائز قرار دیا؟

وہ ہے ''اعلانِ نکاح'' تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ لڑکی اب فلاں لڑکے کی بیوی بن گئی ہے۔ اسی طرح اسلامی حکومت جب ایک قیدی عورت کو کسی مجاہد کے سپرد کرتی ہے تو یہ اعلانِ نکاح کے قائم مقام ہے اور لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ قیدی عورت اب فلاں مجاہد کی لونڈی بن گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کے مالک کو ہم بستری کا حق حاصل ہو گیا ہے۔

الغرض اعلانیہ نکاح کے بعد ہم بستری کی اجازت بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اسی طرح لونڈی کے ساتھ ہم بستری کی اجازت بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اس کے مالک کے علاوہ کسی اور کو اس کے ساتھ ہم بستری کی اجازت نہیں ہے، اور اگر لونڈی سے اولاد ہو جائے تو پھر اس لونڈی کو بیچنا جائز نہیں ہے اور لونڈی کی اولاد کے حقوق وہی ہوں گے جو دوسری آزاد عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد کے ہوتے ہیں اور وہ صاحبِ اولاد ہونے والی لونڈی مالک کے مرتے ہی خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ اور جب کوئی مالک اپنی لونڈی کو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دیدے تو پھر مالک اس لونڈی سے گھریلو خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس لونڈی سے ہم بستری نہیں کر سکتا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۝۴	۴۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو، پھر اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ تمہیں معاف کر دیں [۸] تو اسے خوب مزے سے کھاؤ۔

[۸] مہر کی تعریف

مہر اس عطیہ اور تحفہ کو کہتے ہیں جو نکاح کے وقت زوجین کی رضا مندی سے مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ عورت کا حق ہے اور مرد پر اس کی ادائیگی واجب ہے۔ (تفسیر مظہری)

مہر کی مقدار

احادیث میں مختلف مہور کا تذکرہ ملتا ہے، مثلاً:

۱۔ لوہے کی انگوٹھی یا قرآن مجید کی چند سورتیں۔ (بخاری: حدیث نمبر ۵۰۸۷)

۲۔ دس درہم یعنی تقریباً تین برٹش پونڈ۔ (معجم کبیر: جلد ۲۳: ص ۲۴۷)

۳۔ ۵۰۰ درہم یعنی تقریباً ۱۵۰ برٹش پونڈ۔ (مسلم: حدیث نمبر ۱۴۲۶)

۴۔ ۴۰۰۰ درہم یعنی تقریباً ۱۲۰۰ برٹش پونڈ۔ (ابوداؤد: حدیث نمبر ۲۱۰۸)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرد مسکین ہے تو لوہے کی انگوٹھی یا قرآن مجید کی چند سورتیں بھی مہر بن سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو سالہا سال سے مہاجر کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں اور روٹی کپڑے کے لیے بھی غیروں کے محتاج ہیں ان کے پاس مہر کی رقم کہاں سے آئے گی؟ اور اگر مرد صاحب استطاعت ہے تو وہ کار اور کوٹھی بھی مہر میں دے سکتا ہے یعنی اس کی مقدار کا تعلق مرد کی حیثیت پر منحصر ہے۔ میرے خیال میں اگر مرد صاحب استطاعت ہے تو وہ کم از کم اتنا مہر ضرور دے جس کے ساتھ عورت اپنے معیار اور علاقے کے اخراجات کے مطابق چند ماہ آسانی سے گزار سکے یعنی اس کی رہائش، خوراک اور لباس کے اخراجات پورے ہوسکیں۔

مہر کی ملکیت

مہر کی حقیقی مالک بیوی ہے، اگر وہ اپنی مکمل رضا مندی اور خوش دلی کے ساتھ پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنے شوہر کو معاف کر دے تو وہ مال شوہر کے لئے حلال ہے اور وہ خوشی سے استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر بیوی پر دباؤ ڈال کر اور اسے مجبور کر کے مہر معاف کرایا گیا تو وہ مہر معاف نہیں ہوگا۔

مہر کی ضرورت

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے نکاح کے ساتھ عورت کے لئے مہر کا انتظام کیا تاکہ طلاق یا کسی اور حادثہ کی صورت میں اس کے پاس اتنی رقم ہو جس سے وہ فوری طور پر اپنی کفالت کر سکے اور کسی متبادل انتظام ہونے تک اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤

۵۔ اور نادانوں کو اپنے وہ مال نہ دو [۹] جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے، البتہ اس مال سے انہیں کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے بھلائی کی بات کرو۔

وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ⑥

۶۔ اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں دانائی محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو، ان کے بڑے ہونے کے خوف سے ان کے مال کو جلدی جلدی فضول خرچی سے نہ کھاؤ، جو سرپرست مال دار ہو وہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست غریب ہو وہ مناسب مقدار سے کھالے، پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنالو، اور حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

---

[۹] اس سورت کی آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ نے سرپرستوں کو حکم دیا کہ وہ یتیموں کے اموال پوری دیانتداری کے ساتھ ان کے حوالے کردیں۔ اب یہاں آیات نمبر پانچ اور چھ میں مال کی اہمیت، اس کی واپسی کا وقت اور شرائط کا ذکر ہے۔ یعنی مال کوئی فضول یا بے مقصد چیز نہیں ہے بلکہ یہ انسانی زندگی کا سہارا ہے، لہٰذا یتیموں کے اموال کی اس طرح حفاظت کرو جیسے تم اپنے اموال کی حفاظت کرتے ہو اور یوں سمجھو جیسے یہ تمہارا اپنا مال ہے اور ناسمجھ یتیموں کے حوالے نہ کرو ورنہ وہ اپنی نادانی کے باعث اس کو ضائع کردیں گے، البتہ اس مال سے یتیموں کے کھانے پینے اور لباس کا انتظام کرو اور خوش اسلوبی سے انہیں بتاتے رہو کہ یہ مال تمہارا ہی ہے۔ ہم نے تمہاری بہتری کے لئے اسے سنبھال رکھا ہے اور جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو ہر چیز تمہارے حوالے کردی جائے گی، نیز دنیاوی معاملات میں اپنی اولاد کی طرح یتیموں کی تربیت کرتے رہو اور کاروباری معاملات میں ان کی آزمائش کرتے رہو۔ جب وہ بالغ ہو جائیں اور تم محسوس کرو کہ ان میں معاملات کو سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ اپنے نفع ونقصان کی تمیز کر سکتے ہیں تو پھر ان کے مال بغیر کمی بیشی کے ان کے حوالے کردو کیونکہ کل تم کو اللہ تعالیٰ کے حضور پائی پائی کا حساب دینا ہوگا، اور مال سپرد کرتے وقت گواہوں کا انتظام بھی کرو تاکہ بعد میں کوئی غلط فہمی یا بدگمانی جنم نہ لے سکے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾

۷۔ ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی [۱۰] خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین کے ساتھ دنیا بھی بچوں کو سکھانا ضروری ہے تاکہ وہ دنیاوی کاروبار کو سمجھ سکیں اور اس دنیا میں باعزت اور خوشگوار زندگی گزار سکیں۔

[۱۰] اسلام سے پہلے دنیا کے کسی معاشرے میں عورت کو وراثت سے حصہ نہیں ملتا تھا۔ یورپ میں اگر مرنے والوں کو وصیت کا موقع نہ ملتا تو میت کا بڑا بیٹا ساری جائیداد کا مالک بن جاتا (Primogeniture) میت کی بیوی، بچیاں اور چھوٹے بیٹے سب محروم رہ جاتے۔ ۱۹۲۵ء تک انگلینڈ میں یہی قانون نافذ رہا۔ اس کے بعد بڑے بیٹے کی بجائے بیوی کو جائیداد کا مالک بنا دیا گیا اور اولاد کو ماں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا، اور یہ بیوہ جب کسی اور مرد سے شادی کرے گی تو ظاہر ہے اس کا دوسرا خاوند اپنی اولاد کو ترجیح دے گا اور پہلے خاوند کی اولاد سے لاپرواہی برتے گا جس کے نتیجہ میں ان بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا کیونکہ وراثت سے تو وہ پہلے ہی محروم ہو چکے ہیں۔ بہر حال ساری وراثت چاہے بڑے بیٹے کو ملے یا بیوی کو دونوں صورتوں میں چھوٹے بچوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اسلام میں عورت کے حق وراثت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پرنس چارلس کہتا ہے: ''قرآن نے مسلمان عورتوں کے وراثت و جائیداد، طلاق کی صورت میں تحفظ اور کاروبار کرنے کے جو حقوق چودہ سو سال پہلے بیان کئے تھے ان میں سے بعض ۱۹۲۵ء تک برطانیہ میں ناول شمار ہوتے تھے یعنی برٹش عورتیں ان حقوق سے محروم تھیں۔''

" The rights of Muslim women to property and inheritance, to some protection if divorced, and to the conducting of business, were rights prescribed by the Quran fourteen hundred years ago. In Britain at least, some of these rights were novel even to my grandmother's generation."

(Islam and The West: page:15)

اور عرب میں دستور یہ تھا کہ مرنے والے کے جوان بیٹے یا بھائی ساری جائیداد کے مالک بن جاتے اور میت کے بچے، بچیاں اور بیوی وراثت سے محروم رہتے اور وجہ یہ بیان کی جاتی کہ جو میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے کے قابل نہیں وہ وراثت پانے کا بھی حقدار نہیں، حالانکہ عورت اور کمسن بچے وراثت کے زیادہ مستحق تھے تاکہ وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں لیکن ان کے ساتھ یہ ظلم و ستم رواج پذیر تھا۔ (تفسیر قرطبی) اس روئے زمین پر

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

۸۔ اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین آ جائیں تو اس ترکہ سے انہیں بھی کچھ دیدو [۱۱] اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو۔

وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾

۹۔ اور لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ جاتے تو وہ (مرتے وقت) ان کے متعلق کتنے فکر مند ہوتے، پس انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور درست بات کہنی چاہیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ بے شک جو لوگ ناجائز طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں [۱۲] اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے چودہ سو سال پہلے عورتوں اور بچوں کو بھی وارث قرار دیا۔ ہر ایک کی ضرورت کے مطابق ان کے حصے مقرر کیے جو آگے آیت نمبر ۱۱ میں مذکور ہیں، نیز بڑے بیٹے کی تخصیص ختم کر کے سب چھوٹے بڑے بیٹوں کو اپنے باپ کی وراثت میں برابر کا شریک بنایا۔

[۱۱] میت کے وارثوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تقسیم میراث کے وقت دور کے رشتہ دار، یتیم یا غریب لوگ اگر آ جائیں تو تمہارا یہ اخلاقی فرض اور بڑا نیکی کا کام ہے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کرو اور اپنے اپنے حصہ سے صدقہ وخیرات کے طور پر ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔ ویسے بھی یہ مال تمہیں بغیر کسی تمہارے سعی وعمل کے محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے مل رہا ہے، لہٰذا اس کے شکر کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ غریب اور نادار لوگوں میں تقسیم کر کے ان کی دعائیں حاصل کرو، نیز ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرو کہ خدانخواستہ اگر آپ کے چھوٹے اور نادار بچے پیچھے رہ جائیں تو آپ مرتے وقت ان کے لئے کتنے فکر مند ہوں گے، اسی طرح یہ بھی کسی کے بچے ہیں، جیسا معاملہ اپنے بعد اپنے یتیم بچوں اور غریب رشتہ داروں سے چاہتے ہو ایسا ہی معاملہ دوسروں کے یتیم اور غریب بچوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔ یتیموں کے سرپرست حضرات کے لئے یہ آیت خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی سچا مؤمن نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

(بخاری: ۱۳: کتاب الایمان: باب ۷)

[۱۲] اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ ہو۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ

۱۱۔ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے [۱۳] کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، [۱۴] پھر اگر صرف لڑکیاں (دو یا) دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے میت کے کل

---

[۱۳] اسلام کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے ترکہ سے میانہ روی کے ساتھ اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کیے جائیں۔ اس کے بعد اس کا قرض ادا کیا جائے (اگر بیوی کا مہر ادا نہیں ہوا تو یہ بھی خاوند پر فرض ہے اور اسے قرض کی طرح تقسیم وراثت سے پہلے ادا کیا جائے)۔ قرض کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اس کے تیسرے حصہ سے میت کی جائز وصیت پوری کی جائے۔ تیسرے حصہ سے زائد کی وصیت نا قابل عمل ہے کیونکہ اس طرح وارثوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ان مذکورہ تینوں چیزوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے وہ اسلامی حکم کے مطابق ورثا میں تقسیم کیا جائے اور اگر وصیت اور قرض نہ ہو تو پھر کفن دفن کے اخراجات کے بعد سارا مال وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تقسیم میراث کی تفصیلات کے لئے میراث کی کتب یا علمائے کرام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں ان آیات میں بیان کردہ حصص کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

[۱۴] مرد کو وراثت میں عورت سے دگنا حصہ ملتا ہے یعنی اگر کسی میت کے وارث ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوں اور اس کی قابل تقسیم وراثت (کفن دفن، قرض اور وصیت کے بعد) تین لاکھ پونڈ ہے تو اس کے تین حصے کیے جائیں گے، دو لاکھ پونڈ بیٹے کو اور ایک لاکھ پونڈ بیٹی کو ملیں گے۔ مرد کو دگنا حصہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ مرد پر معاشی ذمہ داریاں زیادہ ہیں یعنی:

۱۔ عورت کے خورد و نوش اور لباس کی تمام تر ذمہ داری خاوند پر ہے۔
۲۔ شادی اور ولیمہ کے اخراجات بھی مرد ہی ادا کرتا ہے۔
۳۔ بیوی بچوں کی رہائش کے لئے مکان کا انتظام کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔
۴۔ عورت کو مہر بھی خاوند کے مال سے ادا کیا جاتا ہے۔
۵۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے جملہ مصارف بھی باپ کے ذمہ ہیں۔
۶۔ طلاق کے بعد بھی اولاد کے اخراجات باپ ادا کرتا ہے۔
۷۔ بوڑھے والدین کی جملہ معاشی ضروریات کو پورا کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔
۸۔ طلاق کے بعد دوسری شادی کی صورت میں مرد کو پھر مہر اور شادی کے اخراجات دینے پڑتے ہیں۔

اس کے برعکس عورت کو بلا مشقت مال بھی ملتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ معاشی ذمہ داریوں سے بھی بری ہے یعنی:

۱۔ شادی سے پہلے اس کا باپ یا بھائی اور شادی کے بعد اس کا خاوند یا بیٹا اس کی تمام ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں۔

۲۔ شادی شدہ عورت کو دو خاندانوں سے وراثت ملتی ہے، ایک میکہ میں باپ کے ترکہ سے دوسرا سسرال میں خاوند کے ترکہ سے۔

۳۔ عورت کے پاس مہر کی صورت میں بھی مال آتا ہے۔

۴۔ طلاق کے بعد دوسری شادی کی صورت میں عورت کو پھر دوسرے مہر کی صورت میں مزید مال ملتا ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مرد کو دگنا حصہ ملنا عورت پر ظلم نہیں بلکہ مرد کی کثیر ذمہ داریوں کے پیش نظر انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مرد کو زیادہ حصہ دیا جائے اور اگر عورت کا حصہ مرد کے برابر ہوتا لیکن ذمہ داریوں کا توازن وہی رہتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ اس نے ہر ایک کی ضروریات کے مطابق ان کے حصوں کا تعین فرمایا ہے کیونکہ وہ ہمارے نفع ونقصان کو ہم سے بہتر جانتا ہے، نیز مرد ہی ملک وملت کے دفاع کے لئے میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتا ہے اور اس دوران اپنے جنگی اخراجات کے ساتھ ساتھ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ پہلے بیوی بچوں کے اخراجات کا انتظام کرے اور پھر میدانِ جنگ میں جائے۔ علاوہ ازیں مرد ہی اپنے گھر، مال اور بیوی بچوں کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ عورت میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی ڈاکو یا ظالم کا مقابلہ کرسکے بلکہ جس گھر میں عورت تنہا ہو وہ گھر متعدد خطرات کا شکار رہتا ہے، لہٰذا مرد کو زیادہ حصہ ملنا دراصل عورت کے مفاد میں ہے تاکہ مرد اپنی بیوی کے تحفظ اور آرام وسکون کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنا سکے۔

عورت ماں ہو یا بیوی، بیٹی ہو یا بہن ہر لحاظ سے اس کو وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ بھائی کی موجودگی میں گو اس کو آدھا حصہ یعنی ایک لاکھ پونڈ ملتے ہیں لیکن اگر بھائی نہ ہو تو تنہا وارث ہونے کی صورت میں پورے تین لاکھ پونڈ عورت کو ہی ملتے ہیں اور اگر میت کے ماں باپ اور اولاد زندہ ہوں تو اس صورت میں بحیثیت ماں عورت کو باپ کے برابر چھٹا حصہ ملتا ہے یعنی عورت کو کبھی مرد سے کم، کبھی برابر اور مرد نہ ہو تو سارا ترکہ عورت کو ہی مل جاتا ہے، نیز اگر عورت کام کرتی ہے تو تنخواہ کی مالک بھی وہ خود ہی ہے۔ عورت کی تنخواہ میں مرد کا کوئی حصہ نہیں ہے جبکہ مرد کی تنخواہ میں عورت کے اخراجات کا حصہ لازمی موجود ہے۔ عورت کے پاس چاہے ایک ملین پونڈ جمع ہوں اس کے باوجود اسے گھر کے اخراجات پر ایک پنس بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی خوشی سے خاوند کی مدد کرنا چاہے تو اس کی مرضی ہے لیکن اسلام کی طرف سے وہ اس مدد کی پابند نہیں ہے کیونکہ گھر اور بیوی کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار خاوند ہے۔ عورت کا سارا مال عورت کی ملکیت میں محفوظ رہتا ہے۔ مثال کے طور پر مرد کو اگر دو لاکھ پونڈ وراثت میں ملیں تو شاید وہ گھر کے اخراجات، بیٹے کی شادی اور بیوی کی بیماری پر خرچ ہو جائیں اور اس کے پاس کچھ بھی بچت نہ ہو سکے اور عورت کا ایک لاکھ پونڈ اس کے پاس محفوظ رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو آخرکار عورت کے پاس زیادہ بچت ہوتی ہے جس کو وہ کسی بھی مشکل وقت میں استعمال کرسکتی ہے تو اسلام نے حصص کی جو تقسیم کی ہے اس میں عورت کے مفاد کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪

ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے [۱۵] اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے کل ترکہ کا نصف ہے، اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، [۱۶] اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا)، اور اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے (وراثت کی یہ تقسیم) میت کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے، تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے تم کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر

اسلام نے مرد اور عورت کے حقوق و فرائض اور عزت و احترام میں جو توازن رکھا ہے اس پر اگر پوری طرح عمل کیا جائے تو کسی کو کسی سے کوئی شکوہ نہیں رہتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے خاوند کا، پھر پوچھا: مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کا۔ (مستدرک: امام حاکم: ۷۲۴۴: جلد ۴: ص ۱۶۷)

ایک طرف بیوی کو پابند کیا جا رہا ہے کہ تیرے اوپر سب سے زیادہ حق تیرے خاوند کا ہے اور دوسری طرف مرد کو پابند کیا جا رہا ہے کہ تیرے اوپر سب سے زیادہ حق تیری ماں کا ہے یعنی عورت بیوی کی صورت میں خاوند کی خادم ہے اور ماں کی صورت میں بیٹا اس کا خادم ہے۔ عورت اور مرد دونوں ایک طرف خادم ہیں تو دوسری طرف مخدوم بھی ہیں۔ سبحان اللہ! کیسا حسین توازن ہے۔

[۱۵] میت کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی صورت میں اگر اس کی صرف ایک لڑکی ہو تو اسے وراثت سے آدھا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے ڈیڑھ لاکھ پونڈ لڑکی کو ملیں گے اور بقیہ ڈیڑھ لاکھ پونڈ دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں دو تہائی یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے دو لاکھ پونڈ ملیں گے جو سب لڑکیوں میں برابر تقسیم ہوں گے اور بقیہ ایک لاکھ پونڈ دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا اور اگر کوئی اور وارث نہ ہو تو سارا ترکہ ایک لڑکی یا سب لڑکیوں کو ہی دے دیا جائے گا۔

[۱۶] یہاں پر میت کے ماں باپ کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

کئے ہوئے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

۱۲۔ تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لئے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو [۱۷] اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے ان کی وصیت پوری کرنے اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے [۱۸] اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جو کلالہ ہو (یعنی وہ مرد یا

۱۔ میت کے ماں باپ اور اولاد دونوں زندہ ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے پچاس ہزار پونڈ ماں کو اور پچاس ہزار پونڈ باپ کو ملیں گے اور بقیہ دو لاکھ پونڈ حسب قاعدہ اولاد میں تقسیم ہوں گے۔

۲۔ میت کے ماں باپ کے علاوہ کوئی اور وارث زندہ نہ ہو تو ماں کو تیسرا حصہ اور باپ کو دو تہائی حصے ملیں گے یعنی تین لاکھ پونڈ سے ماں کو ایک لاکھ پونڈ اور باپ کو دو لاکھ پونڈ دیئے جائیں گے۔

۳۔ میت کے ماں باپ کے علاوہ اگر اس کے بھائی بہن بھی زندہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے پچاس ہزار ماں کو دیئے جائیں گے اور بقایا دو لاکھ پچاس ہزار پونڈ باپ کو دیئے جائیں گے۔

[۱۷] بیوی کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں:

۱۔ اگر بیوی کی کوئی اولاد زندہ نہ ہو تو خاوند کو آدھا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے ڈیڑھ لاکھ پونڈ خاوند کو دیئے جائیں گے اور بقایا ڈیڑھ لاکھ پونڈ دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

۲۔ اگر بیوی کی کوئی اولاد زندہ ہو تو خاوند کو چوتھا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے ۷۵ ہزار پونڈ خاوند کو دیئے جائیں گے اور بقایا دو لاکھ پچیس ہزار پونڈ دوسرے وارثوں میں حسب قاعدہ تقسیم کئے جائیں گے۔

[۱۸] خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں:

۱۔ اگر خاوند کی کوئی اولاد زندہ نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے بیوی کو ۷۵ ہزار پونڈ ملیں گے (اگر

السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

عورت جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں اور نہ ہی اولاد) اور اس کا ایک اخیافی (جن کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہوں) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے [۱۹] اور اگر وہ بہن یا بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد، بشرطیکہ (اس وصیت یا قرض کے ذریعے کسی کو) نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

بیویاں ایک سے زائد ہوں تو بھی ۷۵ ہزار پونڈ ان میں برابر تقسیم ہوں گے) اور بقایا دو لاکھ پچیس ہزار پونڈ دوسرے وارثوں کو حسب قاعدہ دیئے جائیں گے۔

۲۔ اگر خاوند کی کوئی اولاد زندہ ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے بیوی کو ۳۷۵۰۰ پونڈ ملیں گے (اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو بھی یہی ۳۷۵۰۰ پونڈ ان میں برابر تقسیم ہوں گے) اور بقایا ۲۶۲۵۰۰ پونڈ دوسرے وارثوں میں شریعت کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

[۱۹] کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں اور نہ ہی اولاد۔ اس کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں:

۱۔ اگر کلالہ کا ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو (جن کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہوں) تو اسے چھٹا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے اسے (چاہے اخیافی بھائی ہو یا بہن) پچاس ہزار پونڈ ملیں گے اور بقایا دو لاکھ پچاس ہزار پونڈ دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوں گے۔

وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾ ع

۱۴۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا [۲۰] اسے اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

وَ الّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں [۲۱] تو ان پر اپنے (مسلمان) چار مردوں کی گواہی طلب کرو، [۲۲] پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

۲۔ اگر کلالہ کے اخیافی بھائی یا بہن ایک سے زائد ہوں تو سب کو تیسرا حصہ ملے گا یعنی تین لاکھ پونڈ میں سے ایک لاکھ پونڈ ان اخیافی بھائی بہنوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور باقی دو لاکھ پونڈ دوسرے وارثوں کو دیئے جائیں گے۔

نوٹ: کلالہ کے عینی بہن بھائی (جن کے ماں باپ ایک ہوں) یا علاتی بہن بھائی (جن کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہو) کے حصص کا تذکرہ اسی سورت کی آخری آیت میں ملاحظہ ہو۔

[۲۰] وراثت کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، جو ان میں کمی بیشی، دھوکہ دہی یا کسی کی حق تلفی کی کوشش کرے گا وہ ذلیل و رسوا ہو کر جہنم رسید ہوگا۔

[۲۱] زمانہ جاہلیت میں زنا عام تھا اور اکثر لوگ اس کو برائی نہیں سمجھتے تھے، لہٰذا ایک دم اس کے خلاف سخت سزا کا اعلان کرنا مشکل تھا، چنانچہ شراب کی طرح زنا کی روک تھام کے لئے بتدریج حکم نازل فرمایا، اس سلسلہ کا یہ پہلا حکم ہے کہ شادی شدہ عورتیں اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں گھروں میں قید کر دیا جائے (تاکہ وہ آئندہ بدکاری نہ کر سکیں) یہاں تک کہ ان کی زندگی ختم ہو جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی دوسرا حکم نازل فرمائے۔ (یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا کہ عمر قید کی سزا عارضی ہے اس کے بعد کسی دوسری سزا کا حکم نازل ہونے والا ہے) اور اگر غیر شادی شدہ مرد و عورت زنا کریں تو انہیں تکلیف پہنچاؤ یعنی تھوڑی بہت جسمانی سزا کے ساتھ زبانی عار دلاؤ تاکہ وہ اس برائی سے باز آجائیں، چنانچہ کچھ عرصہ بعد سورہ نور کی آیت نمبر ۲ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اگر غیر شادی شدہ عورت و مرد زنا کریں تو ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور سنت صحیحہ نے شادی شدہ عورت و مرد کی سزا رجم مقرر فرما دی۔

[۲۲] زنا کا ثبوت صرف دو افراد کی سزا کا نہیں بلکہ دو خاندانوں کی عزت و آبرو کا ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اس لئے اسلام نے اس

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

۱۶۔ اور تم میں سے جو دو بدکاری کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ، پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾

۱۷۔ اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی کی وجہ سے گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں، [۲۳] پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم سے) قبول فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی گواہی کے بجائے چار اور عورتوں کے بجائے صرف مردوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے جو مسلمان بھی ہوں اور چشم دید بھی۔ اگر ایک شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے اس بہتان کی سزا کے طور پر اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے تاکہ آئندہ کوئی بلا وجہ کسی کی عزت سے کھیلنے کی جرأت نہ کر سکے۔

بعض اہل علم نے چار گواہوں کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ چونکہ زنا میں دو افراد یعنی مرد اور عورت ملوث ہوتے ہیں اور دونوں کو سزا ملتی ہے اس لئے اس میں چار گواہ مقرر کئے گئے تاکہ ہر ایک کے حق میں دو دو گواہ ہوں اور گواہی کا نصاب مکمل ہو جائے۔

[۲۳] توبہ کی تعریف

اسلام میں توبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان برائی چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کرے اور درج ذیل شرائط کا خیال رکھے:

۱۔ انسان اپنے گناہ کا اعتراف کرے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس گناہ پر دل سے ندامت کا اظہار کرے اس طرح کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

۲۔ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

۳۔ اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے اس کا ازالہ کرے اور جس کے ساتھ زیادتی کی ہے اس سے معافی مانگے، نیز نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ میں کوتاہی ہوئی ہو تو حسب استطاعت ان کے تدارک کا بھی انتظام کرے۔

توبہ کی اہمیت

جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھے چاہے دیدہ دانستہ یا نادانی سے ہو جائے لیکن جونہی اسے اپنی کوتاہی کا

احساس ہو فوراً توبہ کرے، کیونکہ گناہوں کی کثرت انسان کو مایوسی و خودکشی یا ظلم وستم کے راستہ پر گامزن کر دیتی ہے جبکہ توبہ سے خدا کی رضا اور دل کا اطمینان نصیب ہوتا ہے اور انسان گناہوں کو بھلا کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ ویسے بھی خطا کرنے کے بعد اس پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا شیطان کی خصوصیت ہے اور خطا ہو جانے کے بعد اس پر نادم ہونا اور توبہ کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے، لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ شیطان کی حماقت سے بچے اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرے۔

توبہ کی فضیلت

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ (ترمذی: ۲۴۹۹: صفة القیامة: باب ۴۹)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے گناہوں کا انبار اتنا زیادہ ہو کہ وہ آسمانوں تک پہنچ جائے اس کے بعد بھی اگر تم توبہ کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔

(ابن ماجة: ۴۲۴۸: ابواب الزھد: باب ۳۰)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (ابن ماجة: ۴۲۵۰: ابواب الزھد: باب ۳۰)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں ایک دن میں اس کی طرف سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم: ۶۸۵۹: کتاب الذکر: باب ۱۲)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے ساتھ مقرر فرشتوں کو اس کے گناہ بھلا دیتا ہے، اس کے اعضاء (ہاتھ پاؤں) کو اور زمین کے ان مقامات کو بھی اس کے گناہ بھلا دیتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہیں ہوگا۔ (الترغیب والترھیب: کتاب التوبة: جلد ۴: ص ۹۴)

میدانِ حشر میں جب انصاف کی عدالت قائم ہوگی تو اتمام حجت کے لئے فرشتے، اعضاء اور زمین کے مقامات گواہیاں دیں گے لیکن جس خوش نصیب نے سچی توبہ کر لی اللہ تعالیٰ ان گواہوں کو اس کے گناہ بھلا دے گا اور کوئی گواہ نہ ہونے کے باعث اس کی نجات ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان سچی توبہ کر لے تو اسے گزشتہ گناہوں کا طعنہ نہیں دینا چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور فرشتوں کو بھی اس کے گناہ بھلا دیئے ہیں تو ہمیں بھی اس کے سابقہ گناہ بھلا کر موجودہ نیکیوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ کا طعنہ دے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (تفسیر قرطبی: سورہ حجرات (۴۹): زیر آیت نمبر ۱۱)۔

وَ لَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الٰۡـــٴٰنَ وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ‌ؕ اُولٰۤـٮِٕكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے جو مسلسل برائیاں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آ جائے تو کہے: بے شک میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جو حالت کفر میں مرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

توبہ کا وقت

توبہ کے لئے بہترین وقت یہ ہے کہ جونہی گناہ کا احساس ہو یا میری یہ تحریر کسی کی نگاہوں سے گزرے اسی لمحے توبہ کر لے۔ اگر پھر بھی غفلت کا شکار رہے تو بہر حال موت سے پہلے توبہ ضروری ہے کیونکہ جب موت کا فرشتہ آ جائے اور زندگی سے بالکل مایوس ہو کر توبہ کرنے لگے تو چاہے وہ توبہ گناہوں سے ہو یا کفر سے، آخری سانس والی توبہ قبول نہیں ہوتی جیسے فرعون نے غرق ہوتے وقت موت کو سامنے دیکھ کر کفر سے توبہ کی اور ایمان کا اعلان کیا مگر قبول نہ ہوا۔ (قرآن: ۱۰: ۹۰) لہٰذا توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے، کیا خبر آئندہ گھڑی میں موت آنے والی ہو اور توبہ کی مہلت ختم ہو جائے۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا: اے لوگو! مرنے سے پہلے توبہ کر لو اور مصروفیت کا شکار ہونے سے پہلے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو۔ (ابن ماجۃ: ۱۰۸۱؛ إقامۃ الصلاۃ: باب ۷۸)

☆ حضرت ابن عمر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک جان کنی کا وقت نہ آئے۔ (ترمذی: ۳۵۳۷: کتاب الدعوات: باب ۹۸) لہٰذا توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے، کیا خبر آئندہ گھڑی میں موت آنے والی ہو اور توبہ کی مہلت ختم ہو جائے۔

نوجوان، بوڑھوں سے عبرت حاصل کریں

توبہ ہر عمر کے مرد اور عورت کی ضرورت ہے لیکن جوانی میں اکثر انسان غفلت کا شکار رہتا ہے حالانکہ انسانی زندگی کا یہی وہ اہم ترین وقت ہے جس میں توبہ کی زیادہ ضرورت ہے اور اگر ساٹھ سال کی عمر میں توبہ کرنے کے بعد بیوی بچوں کو نیکی اور نماز کی ترغیب دے گا تو بیوی کہہ سکتی ہے کہ میں تیس سال سے تیرے ساتھ رہ رہی ہوں تو ہمیشہ گناہوں میں ڈوبا رہا اور میرے حقوق بھی پامال کرتا رہا۔ آج نیکی کا خیال کیسے آ گیا؟ اور بچے بھی کہہ سکتے ہیں: ابا جان! آپ نے ساٹھ سال کی عمر تک عیاشی کی ہے، لہٰذا ہمیں بھی ابھی چالیس پچاس سال مزید عیاشی کر لینے دو، پھر ہم بھی توبہ کر لیں گے، اگرچہ بیوی بچوں کا یہ جواب درست نہیں ہے (کیونکہ توبہ کی سعادت جس عمر میں نصیب ہو جائے غنیمت ہے اور موت جوانی میں بھی آ سکتی ہے ساٹھ سال کی عمر کا انتظار غلط فہمی ہے) مگر یہ جوابات اس ساٹھ سالہ بوڑھے کے لئے لمحہ فکریہ ہیں اگر وہ جوانی میں توبہ کر لیتا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، [۲۴] اور انہیں اس لئے نہ روکے رکھو کہ ان کو دیئے ہوئے (مہر) میں سے کچھ حصہ لے لو [۲۵] بجز اس صورت کے کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو، [۲۶] پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔

تو اولاد پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے اور بڑھاپے میں ان دل آزار باتوں سے بھی واسطہ نہ پڑتا۔

[۲۴] اسلام سے پہلے عورت جن مظالم کا شکار تھی ان میں سے ایک یہ تھا کہ اسے بھیڑ بکری کی طرح خاوند کی جائیداد تصور کیا جاتا تھا اور مرنے والے کا بھائی یا سوتیلا بیٹا عام جائیداد کی طرح اس کی عورت کا بھی زبردستی وارث بن جاتا۔ چاہتا تو خود اس سے نکاح کر لیتا یا اپنی مرضی سے کسی دوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا اور مہر خود وصول کر لیتا یا چاہتا تو اسے ساری عمر بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا۔ اس طرح مرد اور عورت کے تعلق نے ایک تجارتی اور حیوانی صورت اختیار کر رکھی تھی جو مرد و عورت دونوں کے لئے باعث شرم تھی، چنانچہ اسلام نے عورت کو ذلت اور قید کے گڑھے سے نکال کر عزت اور آزادی کی دولت سے سرفراز فرمایا اور مردوں پر واضح کر دیا کہ عورت مجبور محض نہیں بلکہ اپنے نکاح کی خود مختار ہے، نہ کوئی اسے نکاح کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور نہ ہی نکاح کرنے سے روک سکتا ہے۔

[۲۵] بعض مرد اگر کسی بیوی کو ناپسند کرتے تو نہ اس کے حقوق ادا کرتے اور نہ اسے طلاق دیتے تاکہ وہ مہر سے کچھ واپس کر کے خود ہی طلاق لینے پر مجبور ہو جائے۔ اسلام نے مرد کو اس زیادتی سے منع فرمایا ہے۔ ہاں عورت اگر بدکاری یا اعلانیہ نافرمانی کا ارتکاب کرے تو چونکہ اس میں قصور عورت کا ہے، لہٰذا اس کے لئے ایسے حالات کا پیدا کرنا جائز ہے جن کی وجہ سے وہ خلع کا مطالبہ کرے اور مرد مہر واپس لے کر طلاق دے دے۔

[۲۶] یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر تمہیں ان کی کوئی عادت ناگوار گزرے تو فوراً دل برداشتہ ہو کر علیحدگی کا خیال نہ کرو کیونکہ خامیوں سے پاک کوئی بھی نہیں۔ ہوسکتا ہے جو نئی بیوی تم منتخب کرو اس میں اس سے بھی زیادہ کمزوریاں ہوں۔ اگر اس بیوی میں کچھ خامیاں ہیں تو اس میں کچھ خوبیاں بھی ہوں گی، لہٰذا اس کی کوتاہیوں پر حتی الامکان صبر کرو۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس بیوی سے ایسی صالح اولاد عطا فرمائے جو دین و دنیا میں تمہارا نام روشن کر دے۔

اس ضمن میں حضرت عمر بن خطاب ﷺ کا ایک قول غور طلب ہے۔ ایک شخص اپنی بیوی کو محض اس لئے طلاق دینا چاہتا تھا

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور اسے تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، [۲۷] کیا تم اپنا مال بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے واپس لینا چاہتے ہو۔

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور تم اس مال کو کیسے واپس لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (تنہائی میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔ [۲۸]

کہ اب اسے اس کے ساتھ کوئی محبت نہیں رہی۔ حضرت عمرؓ نے اسے فرمایا: ''تم برباد ہو جاؤ، کیا خاندان کے قیام کے لئے محبت کے سوا کوئی اور اساس نہیں ہوتی؟ بچوں کی پرورش اور دیگر ذمہ داریوں کا کیا بنے گا؟'' (فی ظلال القرآن) کیونکہ انسان کے بچے کو کسی بھی اور حیوان کے مقابلے میں زیادہ عرصہ تک دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ بچپن کے بعد بھی اس کی علمی اور اخلاقی تربیت کے لئے مزید طویل عرصہ درکار ہوتا ہے تاکہ وہ انسان کی اجتماعی زندگی کے حقوق و فرائض کا ادراک کر سکے جس کی وجہ سے انسان کو حیوان پر برتری حاصل ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسے دائمی رشتے کی ضرورت ہوتی ہے جس کا مقصد صرف جنسی رغبت نہ ہو، تاہم اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں جنسی دلکشی ودیعت فرمائی تاکہ وہ خوشی اور دلچسپی سے باہم ملیں اور نئی نسل کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کریں۔

[۲۷] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر عورت کی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے طلاق دی گئی ہو تو خاوند کو مہر واپس لینے کا حق ہے لیکن اگر عورت کا کوئی قصور نہ ہو اور خاوند صرف اپنی طبعی خواہش کے لئے موجودہ بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنا چاہے تو اس صورت میں اگر وہ ڈھیروں مال بھی اپنی بیوی کو دے چکا ہو اس میں سے کچھ بھی اسے واپس لینے کی اجازت نہیں لیکن زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرد اپنی مرضی سے پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہتا تو پہلی بیوی پر زنا کی تہمت لگا دیتا تاکہ وہ مہر واپس کر کے طلاق لینے پر مجبور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہتان کے ذریعے مہر واپس لینے سے منع فرمایا اور اسے بڑا گناہ قرار دیا۔

[۲۸] پختہ وعدہ سے مراد نکاح ہے۔ یہ پیار و محبت اور ایک ساتھ زندگی گزارنے کا وہ مضبوط عقد ہے جس پر بھروسہ کر کے ایک عورت اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالے کرنے کا اقرار کرتی ہے جبکہ مرد اس سپردگی کے معاوضہ میں مہر کا اعلان کرتا ہے اور یہ ساری کاروائی اللہ تعالیٰ کے نام اور حضور اکرم ﷺ کی سنت کے حوالے سے انجام پذیر ہوتی ہے، پھر زوجین کی تنہائی

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ؑ

۲۲۔ اور اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں [۲۹] مگر جو گزر چکا ہے (وہ معاف ہے)، بے شک یہ بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا، اور بہت بُرا طریقہ تھا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ

۲۳۔ تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں، [۳۰] تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں [۳۱] جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری رضائی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں

میں ملاقات کے بعد یہ رشتہ بالکل واضح اور مہر واجب ہو جاتا ہے، اب اگر مرد اپنی مرضی سے اس عہد کو توڑتا ہے تو اسے مہر یا عطیات واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ ویسے بھی میاں بیوی ہو جانے کے بعد مہر کی واپسی کا سوال کرنا شرفِ انسانی سے فروتر ہے، ہاں اگر صرف نکاح ہوا ہے اور خلوت سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آ جائے تو آدھا مہر واپس لے سکتا ہے۔

[۲۹] زمانۂ جاہلیت میں جب کسی کا باپ فوت ہو جاتا تو سوتیلا بیٹا اپنے باپ کی بیوی یعنی اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح سے منع فرمادیا کیونکہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے کہ کوئی بیٹا اپنی ماں سے نکاح کرے اگرچہ ماں سوتیلی ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اسلام سے پہلے جو غلط کام کسی نے کیے ہیں ان پر گرفت نہیں ہوگی۔

[۳۰] نسب کے سبب جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ماں (اس میں دادی، نانی اور اس سے اوپر سب داخل ہیں)

۲۔ بیٹی (اس میں پوتی، نواسی اور اس سے نیچے سب داخل ہیں)

۳۔ بہن (سگی یا سوتیلی)

۴۔ پھوپھی ۵۔ خالہ ۶۔ بھتیجی ۷۔ بھانجی

[۳۱] رضاعت کے باعث بھی ان سات عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو رشتہ نسب سے حرام ہے اللہ تعالیٰ نے وہ رشتہ رضاعت سے بھی حرام کر دیا ہے۔'' (ترمذی: حدیث نمبر ۱۱۴۶)

ان میں سے دو یعنی رضاعی ماں اور بہن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۟ۙ (۲۳)

[۳۲] اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں، اور (تم پر حرام کی گئیں) تمہارے صلبی بیٹوں [۳۳] کی بیویاں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو (ایک ساتھ نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا (سو وہ معاف ہے)، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

---

[۳۲] رشتہ نکاح کے سبب جن دوسری عورتوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ وہ عورتیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں یعنی بیوی کی ماں، اس بیوی کی بیٹی جس سے صحبت کی جا چکی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے وہ بیوی فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے نکاح درست ہو گا اور بیٹوں کی بیویاں بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں اور یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے۔

۲۔ وہ عورتیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں بلکہ صرف اس وقت تک نکاح حرام ہے جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے، لیکن اگر بیوی کو طلاق ہو جائے یا مر جائے تو پھر ان عورتوں سے نکاح درست ہو جائے گا اور وہ بیوی کی بہن ہے یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے خالہ، پھوپھی، بھتیجی اور بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۱۱۲۶) کیونکہ یہ پیار و محبت کے رشتے ہیں، اگر یہ ایک دوسرے کی سوکنیں بن جائیں تو صلۂ رحمی منقطع ہو جاتی ہے اور محبت کی جگہ حسد و رقابت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ دو عورتوں میں سے اگر کسی ایک کو بھی مرد فرض کر لیا جائے تو شریعت کے اعتبار سے ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، جیسے پھوپھی اور بھتیجی کہ اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تو وہ چچا بنا اور چچا پر بھتیجی حرام ہے اور اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجے پر پھوپھی حرام ہے۔

[۳۳] عرب میں متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کرنا بھی حرام خیال کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم کی تردید فرما دی یعنی صرف صلبی بیٹے کی بیوی یا مطلقہ سے نکاح حرام ہے۔ منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے میں کوئی ممانعت نہیں۔

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور خاوندوں والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہاری مِلک میں آ جائیں (وہ حرام نہیں) [۳۴] اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں اور ان کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں تا کہ تم اپنے مالوں (مہر) کے ذریعہ ان کو طلب کرو، درآں حالیکہ تم پاکدامن ہو نہ کہ زنا کار، پس ان عورتوں سے جو لطف تم نے اُٹھایا ہے تو انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو، [۳۵] اور مقرر کئے ہوئے مہر کے بعد جس (کمی بیشی) پر تم باہم راضی ہو گئے تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔

---

[۳۴] جو عورتیں میدانِ جنگ میں پکڑی جائیں اور ان کے کافر خاوند دارالحرب میں رہ جائیں تو دارالحرب سے دارالاسلام میں آنے کے بعد ان کا سابقہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی کیا جا سکتا ہے اور اسلامی حکومت اس عورت کو جس سپاہی کے حصہ میں دے دے وہ اس سے ہم بستری بھی کر سکتا ہے۔ غلام اور لونڈی کے متعلق تفصیلات کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ۳ کے ضمن میں حاشیہ نمبر ۷ ملاحظہ ہو۔

[۳۵] یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ہے ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، اور نکاح سے مراد یہ ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو اور مہر دینے کا اقرار کرنے کے ساتھ نکاح کا اعلان کیا جائے اور نکاح کا مقصد صرف وقتی شہوت پرستی نہ ہو (جیسے متعہ میں ہوتی ہے جو کہ حرام ہے) بلکہ ہمیشہ میاں بیوی کی حیثیت سے ایک ساتھ رہنے کا عزم صمیم ہو۔ باقاعدہ نکاح ایسا امتیاز ہے جو انسان اور جانوروں کا فرق واضح کرتا ہے۔ نسل اور نسب کی بقا بھی نکاح پر منحصر ہے لیکن اس دور کا یہ عظیم سانحہ ہے کہ گھوڑے اور کتے کا نسب تو محفوظ رکھا جاتا ہے تا کہ اس کی خوبیوں سے استفادہ کیا جائے مگر انسان کے نسب کو پس پردہ ڈالا جا رہا ہے۔ بہر حال نکاح کے بعد اگر بیوی کے ساتھ صحبت یا تنہائی میں ملاقات ہو جائے تو سارا مہر ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ یہ مہر عورت پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ اس کا حق ہے اور اگر بیوی اپنی خوشی سے سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ان مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرے[۳۶] جو تمہارے قبضہ میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو بہتر جانتا ہے، تم سب آپس میں ایک دوسرے کی جنس سے ہو، لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان (لونڈیوں) کے ساتھ نکاح کرلو[۳۷] اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کردو، درآں حالیکہ وہ لونڈیاں پاکدامن ہوں، بدکار اور پوشیدہ آشنا بنانے والیاں نہ ہوں، اور جب یہ لونڈیاں نکاح کے ساتھ محفوظ ہوجائیں، پھر اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد (کنواری) عورتوں کے لئے ہے،[۳۸] (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) یہ اجازت تم میں سے اس شخص کے لئے ہے جس کو بدکاری میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

[۳۶] جو انسان کسی آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور یارائے صبر بھی نہیں بلکہ گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قرآن مجید نے اُسے اجازت دی ہے کہ وہ کسی کی لونڈی سے نکاح کرلے کیونکہ لونڈی کا مہر اور نفقہ آزاد عورت کی بہ نسبت کم ہوتا ہے۔ جب کوئی مالک اپنی لونڈی کو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دیدے تو پھر مالک اس سے گھریلو خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس لونڈی سے ہم بستری نہیں کرسکتا۔

[۳۷] عرب میں لونڈیوں سے نکاح کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، قرآن مجید نے اس خیال کی تردید کردی کہ تم سب (ایک باپ) آدم کی اولاد ہو، لہٰذا سرپرستوں کی اجازت سے ان کی پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کرو اور ان کے مہر بھی ادا کرو۔

[۳۸] اگر لونڈیاں نکاح کرنے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا سو کوڑے کی بجائے پچاس کوڑے ہوگی۔ اکثر حقوق میں لونڈیوں کو بیویوں کا نصف درجہ حاصل ہے، اس لئے اس جرم کی سزا بھی لونڈیوں کے لئے نصف رکھی گئی ہے۔

دنیا کے قوانین میں مراعات اکثر ان لوگوں کو ملتی ہیں جو عظیم منصب پر فائز یا کثیر دولت کے مالک ہوں، لیکن اسلام میں انسان کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جہاں پھسلنے کے امکانات زیادہ اور بچنے کے وسائل کم ہیں وہاں سزا

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے احکام کو کھول کر بیان کردے [۳۹] اور تمہیں ان (نیک لوگوں) کی راہوں پر چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تمہاری توبہ قبول فرمائے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔

وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے بہت دور ہٹ جاؤ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پابندیوں کا بوجھ ہلکا کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔[۴۰]

میں تخفیف کردی گئی ہے۔ یعنی شادی شدہ آزاد مرد اور عورت کو بدکاری کی ضرورت نہیں، اس کے باوجود اگر وہ سرکشی کریں تو انہیں سنگسار کردیا جائے لیکن غیر شادی شدہ آزاد مرد اور عورت اگر اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکیں تو انہیں سو کوڑے لگائے جائیں جبکہ غلام اور لونڈیاں اپنی محتاجی کے باعث یا گھریلو ضروریات کے لئے اکثر ادھر اُدھر جانے کے سبب چونکہ جرم کی ترغیبات کی زد میں ہوتے ہیں اس لئے اگر اُن سے بدکاری کا ارتکاب ہوجائے تو ان کی اس مجبوری کے باعث ان کے ساتھ نرمی برتی جائے گی اور صرف پچاس کوڑوں پر اکتفا کیا جائے گا۔

[۳۹] اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کے جملہ احکام کھول کر بیان کردیئے ہیں، گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین عظام کے احوال کا تذکرہ بھی کیا تاکہ تم سلف صالحین کے نقش قدم پر چلو اور باطل سے تائب ہوکر حق کے راستے پر گامزن ہوجاؤ۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کا بادل برسانا چاہتا ہے مگر نفسانی خواہشات کے غلام مختلف حیلے بہانوں اور وسوسوں کے ذریعہ تمہیں راہِ حق سے بہکانا چاہتے ہیں، لہٰذا تم ان کے مکروفریب سے ہشیار رہو اور احکام خداوندی پر عمل پیرا ہوکر رحمتِ خداوندی کے مستحق بن جاؤ۔

[۴۰] اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق ہے اور وہ انسان کی فطری کمزوریوں کو خوب جانتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے احکام کا مکلف نہیں بنایا جو اس کی طاقت سے باہر ہوں۔ مثال کے طور پر انسان کے اندر جنسی رغبت کا مادہ رکھا گیا ہے۔ اب اگر ہر انسان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت کا پابند کیا جاتا کہ چونکہ اُنہوں نے شادی نہیں کی اس لئے کوئی اور بھی شادی نہ کرے تو اس حکم کی اطاعت کرنے میں سنگین مشکلات پیش آتیں اور نسلِ انسانی کا سلسلہ منقطع ہوجاتا، اس لئے اسلام نے

عورتوں سے نکاح کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ترغیب دی اور نکاح کو دین کا نصف حصہ قرار دیا۔

نیز انسان پیدائشی طور پر کمزور تو ہے ہی، لیکن جس قدر قیامت قریب آتی جارہی ہے اسی قدر انسان کی کمزوری بھی بڑھتی جارہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں پر جو احکام نازل فرمائے مسلمانوں پر ان میں بھی تخفیف فرمادی جیسے سفر اور بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی، پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کی اور تمام روئے زمین پر نماز پڑھنے کی رخصت عطا فرمائی جس کی پہلی امتوں میں اجازت نہیں تھی۔ الغرض شریعت کے سارے احکام میں انسان کی سہولتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام آسانی کا درس دیتا ہے۔

آیات

☆ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ (قرآن: ۲:۲۸۶)

☆ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔ (قرآن: ۲:۱۸۵)

احادیث

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو، ان پر سختی نہ کرو، لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور (انہیں دین سے) متنفر نہ کرو۔ (بخاری: ۶۹: کتاب العلم: باب ۱۲)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہادو کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو تمہیں تنگی پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (بخاری: ۲۲۰: کتاب الوضوء: باب ۶۱)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین کے کاموں میں شدت اختیار کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا، لہٰذا تم درست کام کرو اور دین کے قریب رہو اور ثواب کی خوش خبری دو اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں عبادت سے مدد حاصل کرو۔ (بخاری: ۳۹: کتاب الایمان: باب ۳۰)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا اور اگر گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا لیکن جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔ (بخاری: ۶۱۲۶: کتاب الادب: باب ۸۰)

☆ ایک دفعہ نجران کے چودہ عیسائی حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے مدینہ منورہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور انہیں اپنے عیسائی طریقہ کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ عیسائی حضرات نے مسجد نبوی کے ایک کونے میں مشرق کی طرف رخ کر کے اپنی عبادت کی۔

(تفسیر قرطبی: سورہ آل عمران: زیر آیت نمبر ۲، طبقات ابن سعد: جلد اول: ص ۳۰۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝

۲۹۔ اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں نا جائز طریقہ سے نہ کھاؤ [۴۱] مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو، اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، [۴۲] بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

۳۰۔ اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک عیسائی غلام تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے انکار کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا حوالہ دیا کہ دین میں جبر نہیں ہے اور اس سے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عیسائی غلام کو آزاد کر دیا۔ (عمر بن الخطاب: ابن جوزی: ص ۱۶۹)

اسلام ایک آسان دین ہے، لہٰذا جب کسی مسئلہ میں سلف صالحین کے اقوال مختلف ہوں تو اہل علم حضرات کو وہی راستہ واضح کرنا چاہیے جو مسلمانوں کے لئے آسان ہو بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے لئے آسانی کو ترجیح دی ہے۔

[۴۱] ''اپنے مال آپس میں نا جائز طریقہ سے نہ کھاؤ'' یہ کتنا فکر انگیز اور نصیحت آموز جملہ ہے یعنی کسی بھی مومن کا مال پرایا مال نہیں بلکہ اپنا ہی مال ہے اور اس میں نا جائز تصرف کرنا گویا اپنی ذات سے دھوکہ کرنا ہے کیونکہ دنیا کے قانون سے اگر آپ کی یہ زیادتی مخفی رہ گئی تو روزِ قیامت جب یہ زیادتی آشکارا ہوگی تو اس کا نقصان کس کو ہوگا؟ اس کی تلافی کے لئے جب تیرے نامۂ اعمال سے نیکیاں نکالی جائیں گی تو اس وقت تیری رسوائی اور ندامت کا کیا عالم ہوگا؟ ہاں اگر تم آپس میں حلال چیزوں کی تجارت کرو جس میں نہ تو کسی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو اور نہ ہی کسی کی مجبوری سے نا جائز فائدہ اٹھایا گیا ہو بلکہ فریقین نے راضی خوشی لین دین کیا ہو اور اس طرح تمہیں نفع حاصل ہو تو یہ نفع حلال ہے، بلکہ ایسے تاجر کو اجر عظیم ملے گا، جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سچے اور امانتدار تاجر کا حشر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا'' (ترمذی: ۱۲۰۹: ابواب البیوع)

[۴۲] اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ خودکشی نہ کی جائے جو کہ کبیرہ گناہ ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ سب مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ (مسلم: کتاب البر: باب ۱۷) لہٰذا کسی مسلمان کو قتل کرنا گویا اپنے آپ کو قتل کرنے

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓىِٕرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ۝۳۱

۳۱۔ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو[۴۳] جن سے تمہیں روکا گیا ہے، تو ہم تمہاری برائیاں تمہیں معاف کردیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔

کے مترادف ہے کیونکہ خودکشی کرنا اور کسی مسلمان کو قتل کرنا دونوں ایسے جرائم ہیں جن سے کئی اور مسلمانوں کی زندگی عذاب بن جاتی ہے، مثلاً ایک مسلمان بہن بیوہ ہوجاتی ہے، کسی کے کمسن بچے یتیم ہوجاتے ہیں، قاتل ومقتول دونوں کے افرادِ خانہ مختلف مصائب کا شکار ہوجاتے ہیں، لہٰذا اس برے انجام سے پہلے ہی غور وفکر کرو اور قتل کے قریب نہ جاؤ لیکن اس وارننگ کے باوجود جو شخص جان بوجھ کر ظلم وتعدی کا ارتکاب کرے اور کسی کے جان ومال میں ناجائز تصرف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں ڈالے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ یہ سزا انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

[۴۳] گناہ کی تعریف

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کا نام گناہ ہے۔ جس گناہ پر حد مقرر ہو یا اُس پر آخرت میں عذاب کی دھمکی دی گئی ہو اُسے گناہ کبیرہ کہتے ہیں اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔

کبیرہ گناہ

کبیرہ گناہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

شرک، قتلِ ناحق، خودکشی، بدکاری، لواطت، پاکباز عورت پر بہتان، والدین کی نافرمانی، یتیم کا مال کھانا، فرائض (نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ) کا ترک کرنا، قرآن مجید یاد کر کے بھلا دینا، جادو کا عمل کرنا، شراب پینا، جھوٹی گواہی دینا، حیوان کو جلانا، صحابہ کرام کو گالیاں دینا، علمائے کرام کی توہین کرنا، بلاعذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا وغیرہ۔

صغیرہ گناہ

صغیرہ گناہوں کی بھی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

اجنبی عورت کو دیکھنا، فاسقوں سے دوستی رکھنا، قبلہ رُخ رفع حاجت کرنا، واجبات کا ترک کرنا وغیرہ۔

نوٹ:

جو انسان کبیرہ گناہ سے اجتناب کرے اور فرائض وواجبات ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، نیز چھوٹے گناہوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ان پر اصرار اور دوام ان کو بڑے گناہ بنا دیتا ہے۔ بڑے اور چھوٹے گناہ کی مثال کچھ اس طرح سمجھی جاسکتی ہے جیسے آگ کا بڑا انگارہ اور چھوٹی چنگاری کہ انسان ان دونوں میں سے کسی ایک کی تکلیف بھی برداشت نہیں کرسکتا اور ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی (آگ کا انگارہ یا چنگاری) پورے گھر کو جلانے کا سبب بن سکتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ انگارہ جلدی جلا سکتا ہے اور چنگاری سے اگر کچھ دیر لاپرواہی برتی جائے تو وہ بھی

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور تم اس کی تمنا نہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، [۴۴] مردوں کا حصہ ان کی کمائی کے مطابق ہے اور عورتوں کا حصہ بھی ان کی کمائی کے مطابق ہے، اور اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع

۳۳۔ اور ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں ہم نے ہر ایک کے ترکہ کے لئے اس کے وارث مقرر کر دیئے ہیں، [۴۵] اور جن سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے انہیں ان کا حصہ دیدو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔

پورے گھر کو جلا سکتی ہے۔

[۴۴] بعض کمالات اور فضائل ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو دوسرے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے، جیسے شکل وصورت، ذہانت وفطانت اور حسب ونسب وغیرہ۔ یہ ایسے فضائل ہیں جو کوشش اور کسب سے حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کے ماتحت بعض انسانوں کو عطا فرمائے ہیں، لہٰذا ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنا بے سود ہے کیونکہ یہ خدائی فیصلے ہیں جن کو کوئی انسان اپنی کوشش سے تبدیل نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرے گا تو اسے رنج وغم اور اور بغض وحسد کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

بہرکیف نیک اعمال اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے جس میں مرد اور عورت کو اپنی کوشش کا پورا پورا حصہ ملے گا، لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی دعا مانگتا رہے اور جس نے اپنے آپ کو تقویٰ کی بدولت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا مستحق بنا لیا تو وہ دوسرے لوگوں سے افضل ہو جائے گا۔

(قرآن: ۴۹:۱۳)

[۴۵] اگر دو غیر رشتہ دار انسان آپس میں باہم وارث ہونے کا حلف اٹھا لیتے تو وہ ایک دوسرے کی وراثت میں چھٹے حصے کے حقدار بن جاتے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا ایک مقبول عام دستور تھا، اس لئے اسلام نے اس کو فوری طور پر ختم کرنا مناسب نہ سمجھا اور ابتدائی ایام میں اس کو جاری رکھا لیکن جب سورۂ انفال کی آیت نمبر ۷۵ نازل ہوئی اور وراثت کے مستحق صرف والدین اور قریبی رشتہ داروں کو قرار دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اس میں قریبی رشتہ داروں کی حق تلفی ہوتی تھی، البتہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

۳۴۔ مرد عورتوں کے حاکم اور کفیل ہیں [۴۶] اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنے مال (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لئے) خرچ کرتے ہیں، پس

وراثت کے تیسرے حصہ سے وصیت کسی کے لئے بھی کی جاسکتی ہے۔

[۴۶] انسان ہونے کے ناطے سے مرد اور عورت برابر ہیں، دونوں اشرف المخلوقات ہیں اور عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم ہیں جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر لازم ہیں، البتہ گھر کا نظام چلانے کے لئے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے یہاں مرد کے حاکم ہونے کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ پہلی وجہ تو وہبی یعنی خداداد فضیلت ہے جس میں مردوں کی کوشش یا عورتوں کی کوتاہی کا کوئی دخل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مردوں کو جسمانی قوت، سیاسی بصیرت، علم و حکمت کی جستجو اور ذہنی صلاحیت زیادہ عطا فرمائی ہے۔ اسی لئے آج دنیا کے اہم ترین مناصب یعنی ایجادات کرنے والے سائنسدانوں، ممالک کے سربراہوں، مذہب و سیاست کے رہنماؤں اور افواج کے سپہ سالاروں میں عورتوں کی تعداد بہت کم ہے کیونکہ عورت بالعموم ان فطری صلاحیتوں سے محروم ہے جو ان عظیم مناصب کی متقاضی ہوتی ہیں، اسی لئے اسلام نے نبوت، رسالت، حکومت اور امامت وغیرہ کو مردوں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ مرد کے حاکم ہونے کی دوسری وجہ کسبی یعنی اختیاری ہے کہ مرد اپنا مال بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہیں اور ان کی جملہ ضروریات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں کیونکہ عورت کو فطری ذمہ داریوں یعنی حمل کے ایام، بچے کی پیدائش اور بچے کی پرورش کے ایام میں کسی ایسے سرپرست کی ضرورت ہے جو اس کے اخراجات برداشت کرے، نیز جنسی دلکشی اور جسمانی کمزوری کے باعث اس کو ایک محافظ کی ضرورت رہتی ہے اور یہ دونوں کام خاوند ہی سرانجام دیتا ہے، لہٰذا اس حفاظت و کفالت کے صلہ میں مرد کا یہ حق بنتا ہے کہ عورت اس کی سربراہی بھی قبول کرے، نیز یہ ایک فطری اور زمینی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور بنایا ہے، اسی لیے آج کھیلوں کے مقابلہ میں جہاں جسمانی قوت اثر انداز ہوتی ہے مثلاً باکسنگ، کشتی اور وزن اٹھانا وغیرہ میں عورتیں اگر مردوں کے مقابلہ میں آئیں تو وہ کامیاب نہیں ہوسکیں گی، لہٰذا اس فطری امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عورت اور مرد میں کلی برابری کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔

مردوں کی عورتوں سے افضلیت مجموعی اعتبار سے ہے۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بعض دفعہ عورتیں علم و حکمت اور ذہانت و فطانت میں مردوں سے بڑھ جاتی ہیں۔ آج دنیا میں کوئی ایسا ملک، کارخانہ، اسکول یا کالج نہیں جس کے دو سربراہ ہوں بلکہ اس کائنات کا خدا بھی صرف ایک ہے تو گھر (میاں، بیوی اور بچوں) کی ریاست کو بھی ایک سربراہ کی ضرورت

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں [۴۷] اللہ تعالیٰ کی توفیق سے (مردوں کی) غیر حاضری میں بھی ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو تو پہلے انہیں نصیحت کرو، پھر ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو [۴۸] اور (اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں مارو، پس اگر وہ تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو پھر اُن پر دست درازی کا راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بالا سب سے بڑا ہے۔

ہے، جس کے لئے زیادہ موزوں مرد ہی ہے کیونکہ گھر کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار مرد ہے، اس لئے اس گھر کا نگران اور حاکم بھی مرد ہی ہونا چاہیے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت بالکل بے بس اور غلام ہے۔ درحقیقت گھر میں مرد کی حیثیت ایک وزیراعظم کی ہے۔ عورت کی حیثیت ایک وزیر کی اور بچے رعایا ہیں جن کی حفاظت اور نشوونما کے لئے میاں بیوی دونوں باہمی رضامندی اور مشاورت کے پابند ہیں۔ (قرآن: ۲: ۲۳۳) لیکن جب کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آخری فیصلے کا حق وزیراعظم یعنی خاوند کو ہے اور بیوی کو اس فیصلے کی پابندی کرنا لازم ہے۔ جس طرح کسی ملک کے وزیراعظم کا فیصلہ وزراء کو تسلیم کرنا پڑتا ہے ورگرنہ حکومت ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بائبل میں بھی عورت کو حکم دیا گیا ہے:

۱۔ خدا نے عورت سے کہا: ۔۔۔ تو اپنے خاوند کی محبت کو خوش آمدید کہے گی اور وہ تیرا حاکم ہوگا۔ (پیدائش: ۳: ۱۶)

۲۔ اے بیویو! اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خدا کی کیونکہ شوہر بیوی کا اس طرح انچارج ہے جیسے مسیح چرچ کا ۔۔۔ تمہاری بیویوں کو ہر بات میں خوشی سے اپنے خاوندوں کی اطاعت کرنی چاہیے جیسے چرچ مسیح کی اطاعت کرتا ہے۔

(افیسوں: ۵: ۲۲ تا ۲۴)

[۴۷] یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی غیر حاضری میں بھی ان کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہوں۔ ایسی ہی خوش نصیب عورتوں کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت نماز پنجگانہ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے تو قیامت کے دن اسے اجازت دی جائے گی کہ جس دروازے سے وہ چاہے جنت میں داخل ہو جائے یعنی اس کیلئے جنت کے سارے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔'' (احمد: جلد اول: ص ۱۹۱) اور خاوند کے لیے نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی سے بہتر سلوک کرے۔

(ترمذی: ابواب الرضاع: باب ۱۰)

[۴۸] اگر تم میں سے کسی کی بیوی نافرمانی پر اُتر آئے تو فوراً انتہائی قدم نہ اُٹھاؤ بلکہ سب سے پہلے اسے وعظ و نصیحت کرو اور نرمی

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کرو، [۴۹] اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان اتفاق کی صورت پیدا فرما دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ

۳۶۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو [۵۰] اور اس کے ساتھ

سے سمجھاؤ۔ اگر محض سمجھانے سے بات نہ بنے تو پھر وقتی اور عارضی طور پر اس سے علیحدگی اختیار کرو یعنی اپنا بستر علیحدہ کر لو تاکہ وہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کرے اور نافرمانی سے باز آ جائے لیکن اگر یہ طریق کار بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر تم اُسے مار بھی سکتے ہو لیکن وہ مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آئے۔ حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں: ''اگر مارنے کی نوبت آ جائے تو مسواک یا اس قسم کی ہلکی پھلکی چیز سے مارا جائے۔'' (تفسیر قرطبی) اگر عورت اپنی اصلاح کر لے اور نافرمانی سے باز آ جائے تو مرد کو بھی اس کی غلطی سے درگزر کر کے مہربان ہو جانا چاہیے اور اسے مزید تنگ کرنے کا راستہ تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ مسواک سے مارنا صرف ایک علامتی وارننگ ہے ورنہ مسواک کے بجائے صرف ہاتھ کے تھپڑ سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

[۴۹] گھر کے اندر اصلاحِ احوال کے یہ تینوں طریقے اگر کارگر ثابت نہ ہوں اور طلاق کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کیا جائے جو میاں بیوی کی شکایات سن کر ان کے درمیان صلح کرا دیں۔ اہل خاندان سے منصف مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ میاں بیوی کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور میاں بیوی بھی ان سے اپنے دل کی بات کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، لہٰذا اگر میاں بیوی کے دلوں میں مصالحت کی خواہش ہوئی اور ان منصفوں نے بھی خلوصِ نیت سے اصلاح کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی توفیق ان کی دستگیری فرمائے گی اور اتفاق کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔

[۵۰] اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے لیکن متکبر اور مغرور انسان ہمیشہ اپنی تعریف اور بڑائی کو ترجیح دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کا شکار رہتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کسی متکبر اور مغرور انسان کو پسند نہیں فرماتا۔

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ — کسی کو شریک نہ بناؤ، والدین [۵۱] کے ساتھ اچھا

[۵۱] اسلام کے نظامِ عبادات میں اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو حاصل ہے۔ اس کے بعد زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ کا درجہ آتا ہے اور اسلام کے نظامِ اخلاق میں اعلیٰ درجہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اسی طرح والدین بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں کیونکہ انسان کا حقیقی خالق اور رازق تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے ظاہری اسباب والدین ہیں۔ اس ضمن میں والدین کی خدمات لاجواب ہیں کیونکہ انسان تمام جانوروں کے بچوں سے زیادہ کمزور اور ناسمجھ پیدا ہوتا ہے، دیگر جانوروں کے بچے چند ہفتوں اور چند مہینوں میں اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں مگر انسان ایک طویل عرصہ تک والدین کا محتاج رہتا ہے، اور والدین یہ ساری خدمات بغیر کسی لالچ اور معاوضہ کے سرانجام دیتے ہیں۔ اس لئے ان کا حق بنتا ہے کہ اولاد بھی ان کی خدمت میں ہمیشہ سرگرم رہے، بالخصوص جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو کوئی ایسا لفظ بھی زبان پر نہ لائے جو والدین کی دلآزاری کا سبب بنے۔

امام محمد غزالی نے والدین کے آداب بتاتے ہوئے فرمایا: بیٹے کو چاہیے کہ وہ:

۱۔ اپنے والدین کی بات غور سے سنے۔
۲۔ جب وہ کھڑے ہوں تو کھڑا ہو جائے۔
۳۔ ان کا حکم بجالائے۔
۴۔ ان کے آگے نہ چلے۔
۵۔ ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرے۔
۶۔ جب وہ بلائیں تو حاضر ہو جائے۔
۷۔ ان کی رضامندی کے لئے حریص رہے۔
۸۔ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔
۹۔ ان کے ساتھ نیکی کرنے پر احسان نہ جتائے۔
۱۰۔ انہیں ترچھی نظروں سے نہ دیکھے۔
۱۱۔ انہیں گھور کر نہ دیکھے۔
۱۲۔ ان کی اجازت کے بغیر سفر نہ کرے۔ (بدایۃ الھدایۃ: امام غزالی: ص ۱۵۴، مجموعۃ رسائل فی بدایۃ الھدایۃ: ص ۹۷)

قرآن میں والدین کا مقام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ''اف'' تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو بلکہ ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کرو، اور ان کے سامنے رحم دلی سے انکساری کے ہاتھ جھکائے

رکھو اور (اللہ تعالیٰ کے حضور) عرض کرو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے (بڑی رحمت ومحبت سے) پالا تھا۔} (قرآن: ۱۷: ۲۳۔۲۴)

باپ کی فضیلت

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: رب تعالیٰ کی رضا مندی باپ کی رضا مندی میں ہے اور رب تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی: ۱۸۹۹: ابواب البر: باب ۳) یعنی جس پر باپ راضی ہو اس پر خدا راضی ہوتا ہے اور جس پر باپ ناراض ہو اس پر خدا بھی ناراض ہوتا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے باپ کے آگے چل رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: اس دوسرے شخص کے ساتھ تیرا کیا رشتہ ہے؟ اس نے کہا: یہ میرا باپ ہے تو حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے فرمایا: اپنے باپ کو اس کے نام سے نہ پکارا کر، اس کے آگے نہ چلا کر اور نہ ہی اس سے پہلے بیٹھا کر۔

(الادب المفرد: امام بخاری: ص ۲۲، شعب الایمان للبیہقی: ۷۸۹۴: جلد ۶: ص ۱۹۸)

☆ حضرت ابو درداء ﷺ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: باپ جنت کے دروازوں میں سب سے بہتر دروازہ ہے۔ اگر تو چاہے تو (باپ کی نافرمانی کر کے) اسے ضائع کر دے یا چاہے تو (باپ کی فرمانبرداری کر کے) اسے اپنے لئے محفوظ کر لے۔ (ترمذی: ۱۹۰۰: ابواب البر والصلة: باب ۳)

☆ حضرت عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ والد کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور قرآن کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی وجہ سے اپنے بھائی کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۷۸۶۰: جلد ۶: ص ۱۸۷)

ماں کی فضیلت

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔

اس نے دوبارہ عرض کیا: ماں کے بعد کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔

اس نے تیسری بار عرض کیا: ماں کے بعد کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔

اس نے چوتھی بار عرض کیا: ماں کے بعد کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ۔ (بخاری: ۵۹۷۱: کتاب الادب: باب ۲)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یارسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت اللہ میں جا کر اس کی نچلی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں کے قدم کو بوسہ دے دو، تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری: کتاب الادب: باب ۲: جز ۲۲: ص ۸۲)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(کنز العمال: ۴۵۴۳۹: جلد ۱۶: ص ۴۶۱)

☆ ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ اس نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔

(مجمع الزوائد: ج ۸: ص ۱۳۷)

☆ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مشرکہ تھیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! وہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (بخاری: ۲۶۲۰: کتاب الادب: باب ۳)

☆ حکایت ہے کہ ایک آدمی استاذ ابو اسحاق کے پاس آیا اور کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آپ کی داڑھی لعل اور موتیوں کے ساتھ مرصع تھی۔ ابو اسحاق نے کہا: تو نے سچ کہا، آج رات میں نے سونے سے پہلے اپنی داڑھی کو ماں کے قدموں کے تلوؤں کے ساتھ مس کیا تھا اور یہ ماں کے قدموں کی برکت ہے۔ ابو اسحاق اپنے ہاتھ سے والدین کی خدمت کرتا تھا اور ان کی خدمت کسی اور کے سپرد نہیں کرتا تھا کیونکہ آدمی کے لئے اپنے والدین، استاذ اور مہمان کی خدمت کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے، لہٰذا بیٹے کو چاہیے کہ وہ اپنے والدین سے آگے نہ چلے اور نہ ہی کسی مجلس میں والدین سے بلند جگہ پر بیٹھے اور نہ ہی کھانے، پینے اور بات کرنے میں ان سے سبقت کرے۔

(تفسیر روح البیان: سورہ بنی اسرائیل (۱۷): زیر آیت نمبر ۲۳)

☆ حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے تھے اور میں اس وقت نوجوان تھا اور اونٹ کی ہڈیاں اٹھا رہا تھا۔ اس اثنا میں ایک عورت آئی اور نبی ﷺ کے قریب ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ آپ کی وہ ماں ہے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ (ابوداؤد: ۵۱۴۴: کتاب الادب: باب ۱۱۸)

☆ نبی کریم ﷺ کی رضاعی ماں یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تشریف لاتیں تو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے، اپنی چادر بچھاتے اور اس پر اپنی رضاعی ماں کو بٹھاتے۔ (سبل

الھدیٰ والرشاد: جلداول: ص ۴۶۸، مستدرک: امام حاکم: جلد ۴: ص ۱۸) ایک رضاعی ماں جس نے صرف اپنا دودھ پلایا، اسلام میں اگر اس کا اتنا عظیم مقام ہے تو جو حقیقی ماں ہے اس کا مقام کتنا عظیم ہوگا؟

☆ چھٹی ہجری میں نبی کریم ﷺ ۱۴۰۰ صحابہ کرام ﷺ کو لے کر عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب آپ ابواء کے مقام سے گزرنے لگے جہاں آپ کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر ہے تو آپ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے قبر کے پتھروں کو درست کیا اور اس کے پاس رونے لگے۔ آپ کو روتے دیکھ کر دوسرے مسلمان بھی رونے لگے۔ صحابہ کرام ﷺ نے آپ سے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی ماں کی شفقت اور محبت یاد آ گئی تو میں رونے لگ گیا۔ (کتاب الطبقات الکبیر: ابن سعد: جلد اول: ص ۹۵)

والدین کی فضیلت

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے ماں باپ (زندہ) ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (بخاری: ۵۹۷۲: کتاب الادب: باب ۳) جب تک جہاد فرض عین نہ ہو جائے اس وقت تک والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

☆ حضرت مالک بن ربیعہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلمہ کے ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرنا میرے ذمہ باقی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کے لئے استغفار کرنا، ان کے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

(ابن ماجۃ: ۳۶۶۴: ابواب الادب: باب ۲)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) تین قسم کے لوگ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گے، ان میں سے ایک والدین کا نافرمان، دوسرا میری سنت کا تارک اور تیسرا جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا۔

(تفسیر روح البیان: سورہ احزاب (۳۳): زیر آیت نمبر ۵۶)

☆ حضرت ابوامامہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: والدین کا ان کے بیٹے پر کیا حق ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تیرے والدین تیرے لئے جنت ہیں یا دوزخ ہیں۔ (ابن ماجۃ: ۳۶۶۲: ابواب الادب: باب ۱) یعنی والدین کی اطاعت اور خوشنودی بیٹے کو جنت میں لے جاتی ہے اور والدین کی نافرمانی و دلآزاری بیٹے کے لئے دوزخ کا سبب بن سکتی ہے۔

☆ حضرت عبدالعزیز کے والد بیان کرتے ہیں کہ پیر اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن انبیاء اور والدین کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، وہ ان کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ان کے

چہرے خوشی سے چمک اٹھتے ہیں، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مرنے والوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

(کنزالعمال: ۴۵۴۹۳: جلد ۱۶: ص ۴۶۹)

والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، پھر فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ بتاؤں؟ پھر فرمایا: جھوٹی گواہی دینا۔ (بخاری: ۵۹۷۷: کتاب الادب: باب ۶)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً بڑے گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو لعنت کرے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ایک انسان اپنے والدین کو لعنت کیسے کرسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک انسان کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے اور دوسرا واپس پہلے شخص کے باپ کو گالی دے۔ اسی طرح ایک انسان کسی دوسرے کی ماں کو گالی دے اور دوسرا واپس پہلے شخص کی ماں کو گالی دے۔ (بخاری: ۵۹۷۳: کتاب الادب: باب ۴) یعنی اگر پہلا شخص گالیوں کی ابتداء نہ کرتا تو دوسرا شخص پہلے کے والدین کو گالیاں نہ دیتا۔ لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے پہلے شخص نے خود ہی اپنے والدین کو گالیاں دی ہیں کیونکہ وہی اس کا سبب بنا ہے۔ اس میں اسلام کی ایک اور عظمت بھی ملاحظہ کریں کہ اسلام کسی کے والدین کو گالیاں دینا بھی اتنا ہی برا سمجھتا ہے جتنا اپنے والدین کو گالیاں دینا ہے۔

والدین کی برکت

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کے والدین میں سے ایک یا دونوں اس حال میں فوت ہو جائیں کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان تھا۔ اگر وہ اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکوکاروں اپنے والدین کا فرماں بردار لکھ دے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح: ۴۹۴۲: کتاب الآداب: باب البر والصلۃ، کنزالعمال: ۴۵۵۳۴: جلد ۱۶: ص ۴۷۷)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر پر ہر جمعہ کو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور اسے فرمان بردار اور نیکوکار لکھ دیتا ہے۔

(کنزالعمال: ۴۵۴۸۷: جلد ۱۶: ص ۴۶۸)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ثواب کی نیت سے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کی تو یہ حج مقبول کے برابر ہے، اور جو شخص کثرت سے اپنے والدین کی قبروں کی زیارت کرے تو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کریں گے۔ (کنزالعمال: ۴۵۵۴۴: جلد ۱۶: ص ۴۷۹)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نیکوکار بیٹا اپنے والدین کو رحمت بھری نظر سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ لوگوں نے

الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ	برتاؤ کرو، نیز رشتہ داروں ، [۵۲] یتیموں ، مسکینوں ، [۵۳] رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی

عرض کیا: اگر وہ دن میں سو مرتبہ اسی طرح نظر کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (ہر نظر کے بدلے میں یہی ثواب ملتا رہے گا کیونکہ) اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور ہر قسم کے نقص و عجز سے پاک ہے۔

(مشکوۃ المصابیح: ۴۹۴۴: کتاب الآداب: باب البر و الصلۃ)

☆ حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے والدین کے قریب تیرا چارپائی پر اس حال میں سونا کہ تو ان سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہوں تو یہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار کے جہاد سے بھی افضل ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۷۸۳۶: جلد ۶: ص ۱۷۹)

☆ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے والدین کو راضی کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا اور جس نے اپنے والدین کو ناراض کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ (کنز العمال: ۴۵۴۹۷: جلد ۱۶: ص ۴۷۰)

بائبل میں والدین کا مقام

☆ ماں باپ کا احترام کرو، اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں خوشگوار اور لمبی زندگی نصیب ہوگی۔ (خروج: ۲۰: ۱۲)

☆ جو شخص اپنے ماں باپ کی توہین کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے اپنے ہی خون اور گوشت کی توہین کی ہے۔

(احبار: ۲۰: ۹)

[۵۲] والدین کے بعد دوسرے نمبر پر دیگر رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق اور عمر میں برکت ہو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (مسلم: ۲۵۵۷: کتاب البر) یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے اور ان سے حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔

۲۔ عام مسکینوں کو صدقہ دینے سے تو صرف صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ (احمد: جلد ۴: ص ۲۱۴)

نوٹ: اس ضمن میں سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۵ حاشیہ نمبر ۱۷۵ اور سورہ نساء کی آیت نمبر ایک اور حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ کریں۔

[۵۳] مسکین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اور ان (امیر لوگوں) کے اموال میں سائل اور نادار لوگوں کا حق ہے۔} (قرآن: ۵۱: ۱۹)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حکومت کے علاوہ امیر لوگوں کے اموال میں اڑھائی فی صد بطور زکوۃ غریب لوگوں کا حق مقرر کر دیا ہے، لہٰذا امیر لوگوں کے پاس یہ غریبوں کی امانت ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ اس امانت کو جتنا جلد ہو سکے غریبوں تک پہنچا ئیں، ممکن ہے ان کو اس امانت کی اشد ضرورت ہو، نیز اللہ تعالیٰ نے غریب لوگوں پر یہ فرض عائد نہیں کیا کہ وہ امیر لوگوں کے

پاس جا کر اپنے اس حق کا مطالبہ کریں بلکہ امیر لوگوں پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرنے کے لئے خود جا کر غریب کو تلاش کریں اور اس کو اس کا حق ادا کریں۔ کاش سارے مسلمان دیانتداری سے اپنا یہ فرض ادا کرتے تو مسلمان ممالک میں کوئی غریب نظر نہ آتا۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا تھا۔ اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔ (مسلم:۶۵۵۶: کتاب البر: باب ۱۳)

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لئے امدادی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح جو رات کو قیام کرے اور دن کو روزہ رکھے۔

(بخاری:۵۳۵۳: کتاب النفقات: باب ۱)

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب ان کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کسی آدمی کو تلاش کرتے جو ان کے ساتھ کھانا کھائے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اجنبی آدمی کو ملے۔ جب وہ آپ کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو فرمایا: بسم اللہ پڑھو۔ اس نے جواب دیا میں نہیں جانتا کہ اللہ کون ہے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو کھانے سے اٹھا دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے کفر کے باوجود ساری عمر اس کو رزق دیتا رہا ہوں اور تم نے اس کو ایک لقمہ دینے میں بھی بخل کیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا کر اس کی تلاش میں نکلے اور اس کو واپس بلایا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ اب مجھے واپس کیوں بلا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارا واقعہ سنایا، تو اس نے کہا: یہ تو بڑا کریم رب ہے، پھر وہ ایمان لے آیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں واپس آ گیا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔

(تفسیر قرطبی: سورہ ہود (۱۱): زیر آیت نمبر ۶۹)

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

پڑوسی، [۵۴] ہم مجلس، مسافر اور غلاموں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ مغرور (اور) متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

۳۷۔ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب تیار کررکھا ہے۔

☆ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کھجور اور دودھ ملا کر حلوہ بنایا۔ اسی اثنا میں ایک مسکین آگیا، آپ نے وہ حلوہ اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا: اے امیر المؤمنین! اس لذیذ حلوے کی قدر یہ بے چارہ مسکین کیا سمجھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: لیکن مسکین کا رب تو جانتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ (ضیاء القرآن: جلد ۵: ص ۴۱۱)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت عطا فرما اور قیامت کے دن مساکین کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ مساکین اپنے دور کے اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اے عائشہ! مسکین کو خالی واپس نہ کر اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دے۔ اے عائشہ! مساکین سے محبت کر اور ان کو اپنا قرب عطا کر اس کے بدلے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اپنا قرب عطا فرمائے گا۔ (ترمذی: ۲۳۵۲: ابواب الزھد: باب ۳۷)

[۵۴] پڑوسی

سب سے قریبی پڑوسی وہ خاندان یا افراد ہیں جو ہمارے گھر کے دائیں بائیں رہتے ہیں، ان کے مکان اور گارڈنز کی حدود ہمارے گھر کے ساتھ متصل ہوتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم دن میں کئی بار دیکھتے ہیں کبھی وہ گھر سے نکلتے ہیں تو ہم اپنی فرنٹ میں بیٹھے ہوئے کھڑکی سے انہیں دیکھتے ہیں اور کبھی وہ گارڈن میں گھومتے ہیں تو ہمیں بیڈروم کی کھڑکی سے نظر آتے ہیں الغرض ہم گھر سے نکلیں یا گارڈن میں بیٹھیں اکثر ان سے آنکھیں دوچار ہو جاتی ہیں، اس طرح وہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن جاتے ہیں۔ ہمارے گھر یا گارڈن میں جو کام ہوتا ہے اکثر و بیشتر ہمارے قریبی پڑوسیوں کو بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے، اس طرح ایک قسم کے وہ ہمارے رازدار بھی ہیں۔

خدا نہ کرے اگر ہمارے گھر کو آگ لگے یا کوئی ڈاکو دروازہ توڑ کر ہمارے اوپر حملہ کر دے تو اس حادثہ کا سب سے پہلے جس کو علم ہوگا وہ ہمارے قریبی پڑوسی ہیں۔ اگر وہ ہم سے تنگ ہیں تو ہمیں آگ میں جلتا دیکھ کر خوش ہوں گے، عین ممکن

ہے وہ ہماری مدد کو نہ آئیں اور ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں، اور اگر وہ ہم سے خوش ہیں تو فوراً پولیس اور فائر بریگیڈ کو فون کریں گے، ہماری مدد کی پوری کوشش کریں گے اور ممکن ہے ان کی مدد سے ہماری زندگی بچ جائے، لہٰذا پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات کا ہونا ہر انسان کی ضرورت ہے تاکہ مصیبت کے وقت ہم ایک دوسرے کے کام آسکیں، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ پڑوسیوں کے کتے کے ساتھ بھی آشنائی ہونی چاہیے تاکہ وہ اچانک بھونک کر ہمیں خوفزدہ نہ کرے۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ (ترمذی: ۱۹۴۴: ابواب البر: باب ۲۸)

۲۔ حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا احترام کرے۔ (بخاری: ۶۰۱۹: کتاب الأدب: باب ۳۱)

۳۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتا ہے جس کا پڑوسی برا ہے اور اس کو تکلیف پہنچاتا ہے مگر یہ ثواب کی نیت سے اس کی ایذارسانی پر صبر کرتا ہے۔ (کنز العمال: جلد ۹: ص ۵۱)

۴۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال شدہ پانی کو برکت کے لئے اپنے جسموں پر لگانا شروع کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر اکسایا؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے یا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ وہ جب بات کرے تو سچ بولے، جب اسے امین بنایا جائے تو امانت کو پورا کرے اور اپنے ہر پڑوسی سے حسن سلوک کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ۴۹۹۰: باب الشفقۃ: الجزء الثالث)

ایک انسان کے لئے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

پڑوسیوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے پڑوسی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
(مسلم: ۱۷۱: کتاب الإیمان: باب ۱۷)

آج ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا پڑوسی اس کے بارے میں اچھی رائے رکھے اور اس کے ساتھ احترام سے پیش آئے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رہنمائی فرمائی ہے وہی اس کا آسان ترین طریقہ ہے یعنی پہلے ہم خود اپنے پڑوسی

کے بارے میں اچھی رائے رکھیں اور اس کی تکریم کریں تو وہ خود بخود ہماری تعظیم کرے گا۔

پڑوسیوں کو تنگ کرنا

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۵۴)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: فلاں عورت رات کو نماز پڑھتی ہے، دن کو روزہ رکھتی ہے لیکن بدکلامی سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی خیر نہیں ہے وہ جہنم میں جائے گی۔ (مستدرک: امام حاکم: ۷۳۰۴: جلد ۴: ص ۱۸۴، مسند احمد: جلد ۲: ص ۴۴۰)

اندازہ کریں اسلام میں پڑوسیوں کی کتنی اہمیت ہے کہ جو عورت صرف زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے اس کا نماز روزہ اسے جہنم سے نہیں بچا سکے گا تو جو شخص اپنے پڑوسیوں کو جسمانی تکلیف پہنچائے اس کا انجام کتنا خوفناک ہوگا۔

غیر مسلم پڑوسی بھی حسن سلوک کے حقدار ہیں

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں: بعض پڑوسی وہ ہیں جن کا صرف ایک حق ہے، بعض وہ ہیں جن کے دو حق ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے تین حق ہیں۔ ایک حق والا پڑوسی وہ ہے جو مشرک یعنی غیر مسلم ہے اور اس کے ساتھ کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ دو حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلمان بھی ہے اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہے، مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی ہے۔ (کنز العمال: جلد ۹: ص ۵۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی، مجلس کے ساتھی، مسافر اور غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔} (قرآن: ۴:۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی، مسلمان ہو یا غیر مسلم سب حسن سلوک کے مستحق ہیں حتیٰ کہ جس کے ساتھ تم عارضی طور پر سفر کر رہے ہو یا کچھ دیر کے لئے اس کی مجلس میں بیٹھے ہو وہ بھی تمہارے حسن سلوک کا حقدار ہے کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا تمہارا پڑوسی ہے اگرچہ اس کے پڑوس کا عرصہ مختصر ہے۔

تحائف کا تبادلہ

۱۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی: جب تم سوپ بناؤ تو اپنے پڑوسیوں کے خیال سے اس میں پانی زیادہ ڈال دو اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سوپ میں سے کچھ اپنے پڑوسیوں کو بھی دو۔ (مسلم: ۶۶۸۸: کتاب البر: باب ۴۲)

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے دو بار گھر والوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے پڑوسی جو کہ یہودی ہے اس کے لئے گوشت کا تحفہ بھیجا ہے یا نہیں؟ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ

جبریل امین مجھ کو ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو میراث کا وارث کردیں گے۔
(ترمذی: ۱۹۴۳: ابواب البر: باب ۲۸)

پڑوسیوں کے ساتھ اچھے مراسم رکھنے کا ایک طریقہ تحائف کا تبادلہ ہے مگر تبادلہ تحائف کے وقت فریقین کو ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام کرنا چاہیے اور کسی ایسی چیز کا تبادلہ نہ کیا جائے جو دوسرے کے مذہب میں ناپسندیدہ ہو۔

پڑوسی کے بچوں کی دلداری

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تو اپنے بچوں کے لئے پھل خریدے تو اس میں سے اپنے پڑوسی کو تحفہ بھیج، اگر یہ نہ کرسکے تو پھل چھپا کر گھر میں داخل ہو اور اپنے بچوں کو پھل دے کر باہر نہ نکال کہ پڑوسی کے بچوں کے دل میں جلن پیدا ہوگی۔
(کنز العمال: ۲۴۹۳۵: جلد ۹: ص ۵۹)

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! جب تیرے پڑوسی کا بچہ تیرے پاس آئے تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھما دے اس سے پڑوسیوں کے ساتھ محبت میں اضافہ ہوگا۔ (کنز العمال: جلد ۹: ص ۵۹)

پڑوسی بچوں کی دلآزاری سے اجتناب کرنے اور ان کی دلداری کے لئے انہیں کچھ دے دینے سے پڑوسیوں کے دل میں تمہارے لئے محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ تمہارے بچوں کے ساتھ بھی ایسا ہی حسن سلوک کرنے کی کوشش کریں گے۔

پڑوسیوں کی تعداد

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پڑوسیوں سے مراد (۲۴۰ گھر) ہیں: ساٹھ گھر دائیں جانب، ساٹھ گھر بائیں جانب، ساٹھ گھر پیچھے اور ساٹھ گھر سامنے۔ (کنز العمال: جلد ۹: ص ۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اردگرد رہنے والے ۲۴۰ گھر بحیثیت پڑوسی ہمارے حسن سلوک کے حقدار ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے وافر مال ودولت سے نوازا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ۲۴۰ پڑوسیوں کی خبر گیری کر کے ثواب دارین حاصل کرے۔

کس پڑوسی کی دعوت کو ترجیح دی جائے

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر دو پڑوسیوں کی دعوت ایک ساتھ ملے تو اس کو ترجیح دو جس کا گھر تمہارے گھر کے زیادہ قریب ہے اور اگر دو پڑوسیوں کی دعوت مختلف اوقات میں ملے تو اس کو ترجیح دو جس نے پہلے دعوت دی ہے۔
(مسند احمد: جلد ۵: ص ۴۰۸)

پڑوسی کی غمی اور خوشی میں شریک ہونا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر

وہ بیمار ہو تو تم اس کی بیمار پرسی کرو۔ اگر وہ مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو۔ اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو۔ اگر اس میں عیب ہو تو اس کی پردہ پوشی کرو۔ اگر اس کو کوئی اچھائی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو۔ اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو اس کی تعزیت کرو، اور اپنے گھر کی عمارت اس کے گھر کی عمارت سے بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا رک جائے۔"

(معجم کبیر: جلد ۱۹: ص ۴۱۹)

پڑوسی کی غمی اور خوشی میں شریک ہونے اور اس کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے سے ایک دوسرے کی تہذیب اور اقدار پر آگاہی حاصل ہوتی ہے اور آپس میں باہمی سمجھ اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے اور اگر پڑوسی کے ساتھ رابطہ نہ رکھا جائے تو بلاوجہ کئی قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں جو بالآخر انتشار اور اختلاف کا سبب بن جاتی ہیں۔

پڑوسی کی گواہی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جسے میں کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان کرنے والے بن جاؤ۔ اس نے عرض کیا: مجھے کیسے علم ہو کہ میں محسن بن گیا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے پڑوسیوں سے پوچھ، اگر وہ کہیں کہ تو محسن ہے تو پھر تو محسن ہے اور اگر وہ کہیں تو برا ہے تو پھر تو برا ہے۔

(کنز العمال: ۳۰۸۰۸: جلد ۱۱: ص ۱۰۴، ابن ماجۃ: ابواب الزھد: باب ۲۵)

یعنی اگر کسی کے کردار کے بارے میں تحقیق کرنا ہو تو اس کا بہترین ذریعہ اس کے پڑوسی ہیں۔ اب جس انسان سے اس کے پڑوسی تنگ ہوں ظاہر ہے یہ خبر دوسرے لوگوں تک بھی پہنچ جائے گی جس کے نتیجہ میں دوسرے لوگ بھی اس کو شک کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور اگر اس کے پڑوسی اس کے کردار سے مطمئن ہوں تو وہ جہاں بیٹھیں گے اس کی تعریف کریں گے جس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے، لہٰذا پڑوسیوں کے ساتھ اچھے مراسم رکھنا ہر انسان کی ضرورت ہے۔

دنیا کا ہر انسان کسی کا پڑوسی ہے

پڑوسی صرف وہی نہیں جو ہمارے گھر کے ساتھ رہتا ہے بلکہ بس اور جہاز میں یا سکول اور مسجد میں جو ہمارے ساتھ بیٹھا ہے وہ بھی ہمارا پڑوسی ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ضروری ہے تاکہ جتنی دیر ہم وہاں ہیں ہمارا وقت اچھا گزرے۔ اسی طرح وسیع معنیٰ میں دیکھیں تو ایک گلی کے باشندے ساتھ والی گلی کے پڑوسی ہیں، ایک شہر کے باشندے ساتھ والے شہر کے پڑوسی ہیں اور ایک ملک کے باشندے ساتھ والے ملک کے پڑوسی ہیں بلکہ اب تو دنیا ایک عالمی دیہات کی صورت اختیار کر چکی ہے، لہٰذا ساری دنیا کے لوگ ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔

دنیا سے شر اور بھوک کا خاتمہ

۱۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ شخص صحیح مؤمن نہیں ہے، خدا کی قسم! وہ

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، اور شیطان جس کا ساتھی ہو جائے [۵۵] تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔

شخص صحیح مؤمن نہیں ہے، خدا کی قسم! وہ شخص صحیح مؤمن نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔ (بخاری: ۶۰۱۶: کتاب الادب: باب ۲۹)

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص مؤمن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

(مشکوٰۃ: باب الشفقۃ: فصل ثالث)

اگر دنیا کا ہر انسان آج یہ عہد کرلے کہ وہ اپنے پڑوسی کو تنگ نہیں کرے گا اور ہر رات کو سونے سے پہلے اپنے پڑوسی کی حتی الامکان دادرسی کرے گا تو صرف ان دو مختصر احادیث پر عمل کرنے سے آج ہی یہ دنیا ایسی خوشگوار اور پرسکون جگہ بن سکتی ہے جس میں ہر شخص خوش اور مطمئن ہوگا۔

ایک غیر مسلم کا قبول اسلام

اس مضمون کی آخری حدیث کی برکت کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ کریں: چند سال پہلے میں نے ٹی وی پر ایک نومسلم کا انٹرویو سنا جو پہلے ہندو تھا۔ اس نے کہا: میں بی ایس ای کا امتحان دینے کے لئے دہلی گیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ والے کمرے میں ایک مسلمان طالب علم تھا اور وہ بھی بی ایس ای کا امتحان دینے آیا ہوا تھا۔ ایک دن مجھے سخت بخار ہوا اور میں سارا دن کمرہ سے باہر نہ آسکا اور نہ ہی کنٹین پر کھانے کے لئے جاسکا۔ رات کو میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بڑی مشکل سے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ میرے ساتھ والے کمرہ کا مسلمان سامنے کھڑا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ اس نے آج مجھے باہر نہیں دیکھا اور نہ ہی کنٹین میں دیکھا ہے، اس لئے وہ میری خبر گیری کے لئے آیا ہے تاکہ وہ میری مدد کرسکے۔ میں نے اسے کہا: آپ نے بہت اچھا کیا، مجھے سخت بخار ہے مجھے بازار سے کوئی دواء اور تھوڑا سا کھانا لادو۔ رات گئے وہ بازار گیا اور کہیں دور سے میرے لئے دوائی اور کھانا لایا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ مجھے دوائی اور کھانے سے افاقہ ہوا اور دوسرے دن امتحان دینے کے قابل ہوگیا مگر وہ مسلمان میرے دل میں گھر کر گیا۔ اگر وہ میری مدد کو نہ آتا تو میں امتحان دینے کے قابل نہ ہوتا۔ جب امتحان ختم ہوگیا تو میں اس مسلمان کے کمرہ میں گیا اور کہا: آپ جانتے ہیں کہ میں ہندو ہوں۔ میری آپ کے ساتھ کوئی دوستی بھی نہیں ہے تو پھر آپ نے میری اس قدر خبر گیری کیوں کی؟ اس مسلمان نے کہا: دراصل میرے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان پیٹ بھر کر سونے جارہا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہے تو وہ اچھا مسلمان نہیں ہے، لہٰذا میں نے اپنے مذہب کی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے تیری مدد کی تھی۔ یہ سن کر وہ ہندو کہنے لگا: جو مذہب غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے میں وہی مذہب قبول کرتا ہوں اور وہ مسلمان ہوگیا۔

[۵۵] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپاتے ہیں اور اس میں بخل کرتے ہیں یا صرف دکھلاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں یہ ساری

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ آخران کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے، اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

۴۰۔ بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے آئیں گے [۵۶] اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لے آئیں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

۴۲۔ اس روز کافر اور رسول (مکرم ﷺ) کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں دبا کر ان پر زمین ہموار کر دی جاتی، [۵۷] اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں کیونکہ یہ ان لوگوں کا شیوہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کا ساتھی شیطان ہے، حالانکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اس کی عطا کردہ دولت سے خرچ کرتے تو اجر عظیم کے مستحق قرار پاتے۔

[۵۶] قیامت کے دن تمام انبیائے کرام اپنی اپنی امت کے احوال اور اعمال پر گواہی دیں گے اور حضور اکرم ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی گواہی کی تصدیق کریں گے، نیز اپنی امت کے احوال پر بھی گواہی دیں گے کیونکہ حضور اکرم ﷺ پر صبح اور شام آپ کی امت پیش کی جاتی ہے، پس حضور اکرم ﷺ اپنے ہر امتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں اور اس علم کامل کے باعث حضور اکرم ﷺ قیامت کے دن سب کے گواہ ہوں گے۔ (تفسیر قرطبی)
نوٹ: اس ضمن میں سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۳ بھی ملاحظہ کریں۔

[۵۷] قیامت کے دن کافر اور حضور اکرم ﷺ کے نافرمانوں کو جب اپنا انجام بدنظر آجائے گا تو وہ تمنا کریں گے کاش انہیں زمین میں غرق کر دیا گیا ہوتا اور وہ مٹی کے ساتھ مٹی بن گئے ہوتے۔ (قرآن: ۷۸:۴۰) اور ان کو دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ آج کی ذلت، رسوائی اور دردناک سزا سے واسطہ نہ پڑتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ [۵۸] یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو یہاں تک کہ تم غسل کرلو، [۵۹] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، [۶۰] پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

[۵۸] عرب میں شراب کا استعمال عام تھا اور اس کا ایک دم چھوڑنا مشکل تھا اس لئے حرمت شراب کا حکم بتدریج نازل ہوا۔ پہلے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شراب میں کچھ فائدے ہیں مگر اس کا گناہ زیادہ ہے۔ یہاں فرمایا: اوقاتِ نماز میں شراب سے اجتناب کرو اور آخر کار سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۹۰ میں قطعی حکم نازل فرمادیا یعنی شراب ناپاک اور شیطانی عمل ہے اس سے اجتناب کرو۔ مزید تفصیلات کے لئے سورہ بقرہ حاشیہ نمبر ۱۷۸ ملاحظہ کریں۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کے لئے دل ودماغ اور ہوش وحواس کی حاضری ضروری ہے تاکہ نماز کے ظاہری اور باطنی حقوق بحسن وخوبی ادا ہوسکیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے وقت نیند کا غلبہ ہوجائے تو اسے نماز چھوڑ کر سوجانا چاہیے یہاں تک کہ نیند کا اثر زائل ہوجائے کیونکہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بے ہوشی میں استغفار کے بجائے اپنے آپ کو گالیاں دینے لگ جائے۔ (بخاری: ۲۱۲: کتاب الوضوء: باب ۵۳)

[۵۹] بیوی سے صحبت کرنے یا منی نکلنے سے انسان کا جسم ناپاک ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے شریعت میں اس پر غسل فرض ہوجاتا ہے لیکن سفر کی حالت میں اگر غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ناپاکی کی حالت میں مسجدوں میں نہ جاؤ، ہاں اگر مجبوراً مسجد سے گزرنا پڑے اور دوسرا کوئی راستہ نہ ہو تو صرف گزرنے کی حد تک اجازت ہے لیکن مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔

[۶۰] عورتوں سے صحبت کرنے کے بعد غسل لازم ہوجاتا ہے جب کہ قضائے حاجت کے بعد صرف وضو کرنا کافی ہے لیکن کسی مریض کو اگر پانی کے استعمال سے مرض بڑھنے کا خطرہ ہو یا مسافر کو پانی کا ملنا مشکل ہو یا مسافر نہیں لیکن پھر بھی پانی پر قادر نہیں تو ان سب صورتوں میں غسل یا وضو کی جگہ صرف تیمم کرلے تو پاکی حاصل ہوجاتی ہے۔ مذکورہ صورتوں میں عورتوں کے

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے (علم کا) حصہ دیا گیا وہ خود بھی گمراہی خریدتے ہیں [۶۱] اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہِ راست سے بھٹک جاؤ۔

لئے بھی یہی حکم ہے، نیز حیض و نفاس کے بعد بھی اگر پانی نہ مل سکے تو تیمم سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

تیمم کا طریقہ

تیمم مٹی یا جنس مٹی یعنی پتھر یا ریت وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پہلے نیت کرے اس کے بعد دونوں ہاتھ مٹی یا مٹی کی جنس پر مارے، اس کے بعد اپنے چہرہ پر ملے۔ دوبارہ پھر مٹی پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک ملے۔

تیمم میں حکمت

ناپاکی کے بعد وضو اور غسل سے تازگی، راحت اور صفائی حاصل ہوتی ہے، اور انسان روزمرہ کے ظاہری اعمال اور باطنی افکار کو چھوڑ کر نماز کے لئے تیار ہو جاتا ہے، لیکن تیمم میں کیا حکمت ہے ۔۔۔؟

تیمم کی سہولت صرف اُمتِ محمدیہ کو عطا کی گئی ہے، اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے تاہم درج ذیل مثال بھی غور طلب ہے:

جب کوئی آدمی عدالت میں حاضر ہو کر اپنا بیان دیتا ہے تو اس کو پہلے قرآن یا بائبل پر حلف اُٹھانا پڑتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ حق اور سچ بتائے، جھوٹ اور شک سے اجتناب کرے حالانکہ حلف اُٹھانے کے بعد بھی انسان تو وہی ہے جو حلف اُٹھانے سے پہلے تھا۔ اسے ہر حال میں سچ بولنا چاہیے لیکن حلف اُٹھانے کے بعد نفسیاتی طور پر وہ اپنے آپ کو زیادہ محتاط اور ذمہ دار سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح تیمم سے بھی انسان اپنے آپ کو نفسیاتی طور پر نماز کے لئے تیار پاتا ہے۔ اس میں طہارت کا احساس اور نماز کا احترام پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح نماز بھی اپنے وقت میں ادا ہو جاتی ہے اور انسان کے دماغ سے ناپاکی کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی انسان کی تخلیق پانی اور مٹی سے ہوئی ہے، ان دونوں چیزوں کا انسان اور طہارت کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے، لہٰذا پانی کی عدم موجودگی میں مٹی ہی اس کا قائم مقام ہو سکتی ہے۔

[۶۱] علمائے یہود کو تورات کا علم دیا گیا انہوں نے اس علم کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری نبی ہیں، لیکن ذاتی انا اور دنیاوی منفعت کے پیشِ نظر ماننے سے انکار کر دیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اب وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ تم کو بھی اسلام سے دور کر دیں، لہٰذا اپنے دشمنوں کو پہچانو اور ان کے فریب سے ہوشیار رہو۔ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنا رابطہ مضبوط رکھو کیونکہ وہی تمہارا حامی و ناصر ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ٘ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور تمہاری حمایت و مدد کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ بعض یہودی اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی [۶۲] اور (آپ سے کہتے ہیں:) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور اپنی زبانوں کو بل دے کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں، اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سنا اور مان لیا آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نگاہِ (کرم) فرمائیں تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے، پس ان میں سے تھوڑے لوگ ہی ایمان لائیں گے۔

---

[۶۲] یہودی کلام الٰہی میں تحریف کرتے یعنی تورات کے الفاظ و معانی میں ردوبدل کرتے، نیز حضور اکرم ﷺ کی محفل میں ایسے کلمات استعمال کرتے جن میں تعریف اور مذمت کے دونوں پہلو ہوتے اور وہ مذمت کا معنیٰ مراد لیتے یا اپنی زبانوں کو بل دے کر ان کا ایسا تلفظ کرتے جس سے مذمت کا پہلو نمایاں ہوتا، مثال کے طور پر جب حضور اکرم ﷺ انہیں کوئی حکم خداوندی سناتے تو بلند آواز سے کہتے: ''ہم نے سن لیا'' اور آہستہ سے کہتے: ''لیکن ہم اطاعت نہیں کریں گے''۔ اسی طرح ''سنو! تم نہ سنائے جاؤ'' اس جملے کے اصل عربی کلمات دعا کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی آپ کو کوئی ناگوار بات سننے کا موقع نہ ملے اور بد دعا کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی آپ کچھ نہ سن سکیں اور بہرے ہو جائیں اور یہودی بد دعا والا معنیٰ مراد لیتے، اور ''رَاعِنَا'' کا معنیٰ ہے: ہماری رعایت فرمائیں لیکن وہ زبان کو مروڑ کر ''رَاعِيْنَا'' کہتے جس کا معنیٰ ہے: ''ہمارے چرواہے''۔ معاذ اللہ

اس مکروفریب کے ذریعہ وہ دین میں نقص نکالتے کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہوتے تو ہماری منافقت کو معلوم کر لیتے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو ظاہر کر دیا اور صحابہ کرام کو بتا دیا کہ یہودی کس طرح الفاظ کے ہیر پھیر سے حضور اکرم ﷺ کی توہین کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ (یہودی) خلوص سے ایمان لے آتے اور ادب سے کہتے کہ ''ہم نے آپ کے ارشادات سن لئے ہیں ہم آپ کی اطاعت کریں گے، آپ ہم پر نظر کرم فرمائیں'' تو یہ ان کے لئے بہت بہتر

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اے اہل کتاب! ہماری نازل کردہ کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اس سے پہلے کہ ہم چہرے مسخ کر دیں [۶۳] اور انہیں پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی، اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ

۴۸۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے [۶۴] اور اس کے علاوہ جس کو

ہوتا مگر ان کے کفر اور گستاخی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان میں سے بہت تھوڑے تھے جن کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس لفظ میں بُرے معنیٰ کا احتمال ہو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بولنا حرام ہے۔

نوٹ : اس ضمن میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۴ بھی ملاحظہ ہو۔

[۶۳] اہل کتاب کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ تمہاری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ زندگی کا کوئی پتہ نہیں، مرنے سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ ورنہ تمہارے چہرے مسخ کر کے پیٹھ کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور تمہیں خدا کی رحمت سے محروم کر کے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری) اور تمہاری شکلیں اس طرح بدل دی جائیں گی جیسے سبت والوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

(تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت نمبر ۶۵ اور حاشیہ نمبر ۵۳ ملاحظہ ہو)

[۶۴] اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی کسی اور کو شریک کرنا شرک کہلاتا ہے۔ یہ سب سے بڑا گناہ اور ظلم عظیم ہے۔ (قرآن: ۳۱: ۱۳) شرک کرنے والے کو مشرک کہتے ہیں اور مشرک کا انجام جہنم ہوگا کیونکہ اس پر جنت حرام ہے۔ (قرآن: ۵: ۷۲)

شرک کرنے والا دراصل اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور حاکم اعلیٰ ہونے سے بغاوت کرتا ہے یعنی کسی اور کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مانتا ہے۔ آج دنیا کے حکمران بڑے سے بڑے مجرم کو مقررہ سزا کے بعد اپنے معاشرہ میں قبول کر سکتے ہیں لیکن اپنے باغی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بغاوت بھی اتنا سنگین جرم ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور شرک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اس سورت میں آیت نمبر ۱۱۶ کا حاشیہ نمبر ۱۲۵ بھی

بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

چاہے بخش دیتا ہے، [۶۵] اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، [۶۶] بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ دیکھئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ گھڑتے ہیں، اوران کے لئے یہی کھلا گناہ کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى

۵۱۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا ہے (لیکن اب) وہ بت اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت زیادہ

ملاحظہ فرمائیں۔

[۶۵] اس سے معلوم ہوا کہ شرک تو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی گناہگار مؤمن اپنے دیگر گناہوں سے توبہ کئے بغیر مر جائے تو چونکہ وہ ایمان کی برکت سے ہمیشہ تو جہنم میں نہیں رہے گا، لہٰذا اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے، چاہے تو اپنی رحمت سے یا کسی (نبی، عالم، شہید، کمسن بچہ وغیرہ) کی شفاعت سے اس کو بغیر سزا کے بخش دے یا اس کے گناہوں کے مطابق سزا دینے کے بعد اسے جنت میں داخل فرما دے۔ بہر حال جو شخص شرک نہ کرنے کی حالت میں مرا وہ بالآخر جنت میں جائے گا۔ (مسلم: ۲/۲۰۷: کتاب الایمان: باب ۴۰) حضرت علی ﷺ فرمایا کرتے تھے: قرآن مجید میں سب سے زیادہ پر اُمید یہ آیت ہے۔ (تفسیر مظہری)

[۶۶] یہود کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ پاکباز، اللہ تعالیٰ کے پیارے بیٹے اور جنتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت اور کھلا گناہ ہے، کیونکہ اپنی پاکبازی کا خود دعویٰ کرنے سے کچھ نہیں بنتا، دراصل پاکباز وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پاکباز ہیں اور وہ وہی خوش نصیب ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور ہمیشہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

صحیح راستہ پر ہیں۔[۶۷]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ۭ

۵۲۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے تو تُو اس کا کوئی مدد گار نہ پائے گا۔

اَمْ لَھُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ۙ

۵۳۔ کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تِل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے۔[۶۸]

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ کیا وہ لوگوں سے اس نعمت پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے،[۶۹] پس ہم نے تو آلِ ابراہیم کو بھی کتاب و حکمت دی اور انہیں عظیم الشان سلطنت بھی عطا کی۔

---

[۶۷] جنگ احد کے بعد یہودیوں کا ممتاز عالم کعب بن اشرف اپنی ایک جماعت کے ساتھ مکہ گیا تاکہ کفارِ مکہ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا جائے اور دونوں (کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ) مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں۔ اہل مکہ نے کعب بن اشرف کو کہا کہ اگر تم واقعی اس معاہدہ میں مخلص ہو تو ہمارے ان دو بتوں (جبت اور طاغوت) کو سجدہ کرو، چنانچہ اس نے قریش کو مطمئن کرنے کے لیے بتوں کو سجدہ کر دیا اور اس طرح کفار و یہود کے درمیان مسلمانوں کے خلاف دوستی کا معاہدہ طے پا گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کعب سے پوچھا: ہم تو بالکل اَن پڑھ قوم ہیں لیکن آپ لوگ تو اہل علم اور صاحب کتاب ہیں۔ ہمیں یہ تو بتاؤ کہ حق پر کون ہے ہم یا محمد (ﷺ)؟ کعب اپنی کتاب کی رو سے جانتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ حق پر ہیں لیکن کفارِ مکہ کو خوش کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے خلاف ان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے کہنے لگا کہ تم زیادہ ہدایت پر ہو۔ (تفسیر روح المعانی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اہل کتاب ہونے کے باوجود بت اور شیطان کی پرستش کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور روز قیامت ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

[۶۸] یہود کے عالم کعب بن اشرف نے کہا کہ مسلمانوں کی بہ نسبت کفارِ مکہ زیادہ ہدایت پر ہیں حالانکہ کسی کی ہدایت و گمراہی کا فیصلہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کی بادشاہی میں یہود کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو سارے فیصلے اُلٹے ہوتے حتیٰ کہ لوگ بھوک سے مر رہے ہوتے تو بھی یہ کسی کی ذرہ برابر مدد نہ کرتے۔

[۶۹] حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی روز افزوں عظمتیں اور کامیابیاں دیکھ کر یہودِ مدینہ حسد سے جل اُٹھے اور کہنے لگے کہ نبوت اور دُنیاوی سلطنت جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ حکومتی معاملات فرائض نبوت کی انجام دہی میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ سو ان میں سے بعض لوگ اس پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے اس سے منہ پھیر لیا، اور (ان کے لئے) جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم انہیں آگ میں ڈال دیں گے، جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب کو (ہمیشہ) چکھتے رہیں، بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ہم عنقریب انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے لئے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنے سایہ میں داخل کریں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

۵۸۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کر دو [۷۰] جو ان کے حقدار ہیں اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی نبوت اور سلطنت دونوں عطا کی گئیں اور انہوں نے نبوت کے فرائض پورے پورے ادا کئے۔ (تفسیر خازن)

[۷۰] اسلام کا ہر حکم اور مسلمان کی ہر چیز اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس حکم کا تعلق کسی غیر کی ملکیت سے ہو یا اپنی ذات سے، دنیاوی معاملات سے ہو یا مذہبی عبادات سے، کسی عہدے سے ہو یا اختیارات سے، الغرض ہماری زندگی کا ہر سانس،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

۵۹۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہیں، پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو [۱۷] اگر تم اللہ

ہمارے منہ کا ہر بول اور ہمارے ہاتھ کا ہر فعل ہمارے پاس امانت ہے اور کسی بھی امانت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کو پورے آداب اور لوازمات کے ساتھ ادا کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی اور ناانصافی نہ کی جائے۔ اس حکم میں امیر و غریب اور حاکم و محکوم سب برابر کے ذمہ دار ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، سربراہ مملکت اپنے عوام کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے عوام کے متعلق سوال کیا جائے گا، مرد اپنی بیوی کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی بیوی کے متعلق سوال کیا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال کیا جائے گا، خادم اپنے مالک کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال کیا جائے گا، ایک شخص اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال کیا جائے گا اور تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (بخاری: ۸۹۳: کتاب الجمعة: باب ۱۱)

☆ حضرت انس بن مالک ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی ہمیں خطبہ دیتے تو فرماتے: جس میں امانتداری نہیں اس میں ایمان نہیں، جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۳۵)

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ ایک مجلس میں صحابہ کرام ﷡ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ نبی کریم ﷺ نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ بعض لوگوں نے کہا: اس اعرابی نے جو کہا ہے وہ آپ نے سن لیا ہے لیکن آپ نے اس کی بات کو ناپسند فرمایا، اور بعض نے کہا: بلکہ آپ نے اس کی بات نہیں سنی حتیٰ کہ جب آپ نے اپنی بات مکمل فرمالی تو فرمایا: قیامت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ سائل نے پوچھا: امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ (بخاری: ۵۹: کتاب العلم: باب ۲) اس سلسلہ میں آگے سورۂ انفال (۸) کی آیت نمبر ۲۷ کا حاشیہ نمبر ۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۷] اس آیت میں اسلامی معاشرہ کا ایک بنیادی اُصول بیان کیا جا رہا ہے یعنی ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مقبول ﷺ اور اصحاب امر (حکمران و علماء) کی اطاعت کرنا لازم ہے، لیکن اگر حکمران کے کسی حکم یا مفتی کے کسی فتویٰ

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ؑ ﴿٥٩﴾

اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾

٦٠۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، [٧٢] اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں، لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں، اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں راہ راست سے بہت دور کر دے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ ﴿٦١﴾

٦١۔ اور جب انہیں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ سے روگردانی کرتے ہوئے پھر جاتے ہیں۔

میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھ لو۔ اگر وہ اس معیار پر پورا اُترے تو اس کو تسلیم کر لو اور اگر قرآن و حدیث سے ٹکرائے تو اسے مسترد کر دو، کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں کیونکہ اطاعت صرف نیکی میں ہے۔ (مسلم: ٤٧٦٥: کتاب الامارۃ: باب ٨)

[٧٢] ان آیات کے نازل ہونے کی وجہ درج ذیل واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ یہودی حق پر تھا اور اس نے منافق کو حضورِ اکرم ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے کہا کیونکہ اسے علم تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ رشوت قبول نہیں کرتے اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں لیکن منافق کے دل میں چور تھا اس لئے اس نے کہا کہ تمہارے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ اس وقت یہودی اس بات پر رضامند نہ ہوا اور چاروناچار حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا۔ منافق کو پسند نہ آیا تو وہ یہودی کو لے کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس گیا، وہاں سے بھی وہی حکم ملا لیکن منافق نے اسے بھی تسلیم نہ کیا۔ آخر دل میں سوچا کہ میں بظاہر تو مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے۔ حضرت عمر ؓ کے پاس چلیں، وہ میرے اسلام کا پاس کرتے ہوئے میرے حق میں فیصلہ

فَكَيۡفَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ پس کیا حال ہوتا ہے کہ جب ان پر ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے، پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں اُٹھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا تو صرف بھلائی اور باہمی مصالحت کا ارادہ تھا۔ [۷۳]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿۶۳﴾

۶۳۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، (اے حبیب!) آپ ﷺ ان سے چشم پوشی فرمایئے اور انہیں نصیحت کرتے رہیے اور انہیں تنہائی میں ایسی بات کہیے جو مؤثر ہو۔ [۷۴]

دیں گے، چنانچہ جب وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو یہودی نے عرض کی کہ پہلے حضورِ اکرم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ اس مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں اب یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا: کیا یہ درست کہہ رہا ہے؟ منافق نے کہا: ہاں، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرے واپس آنے تک ٹھہرو، چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے، تلوار لے کر واپس آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا: جو اللہ اور رسول کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا میں اس کا فیصلہ یوں کرتا ہوں۔ (کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ کے فیصلے کا اعلانیہ انکار کرنے کے بعد اب وہ اسلامی حکومت کا کھلا باغی ہوگیا تھا جس کا قتل کرنا واجب تھا)۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورِ اکرم ﷺ نے اس دن حضرت عمرؓ کو ''الفاروق'' (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے سرفراز فرمایا اور جبرائیل امین نے بھی نازل ہو کر یہی عرض کیا: بے شک حضرت عمرؓ نے حق و باطل میں فرق واضح فرما دیا۔ (تفسیر قرطبی و روح المعانی)

طاغوت سے مراد ہر وہ شخص، نظریہ، کام، اجتماع، سفر یا فیصلہ ہے جو قرآن و سنت کے مخالف ہو۔ اسی لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کے قریب نہ جائیں اور تمام معاملات کے لئے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں۔

[۷۳] یعنی جب ان کی منافقت کا راز فاش ہوتا ہے تو شرمندگی کے بجائے جھوٹی قسمیں اُٹھا کر اپنے خلوص اور اسلام کا یقین دلاتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم فلاں شخص کے پاس اس لئے نہیں گئے تھے کہ ہمیں حضورِ اکرم ﷺ کا فیصلہ قبول نہیں ہے بلکہ اس لئے گئے تھے کہ وہ ہمارے درمیان مصالحت کروا دیں۔

[۷۴] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگرچہ ہم ان کے دلوں کی منافقت سے خوب آگاہ ہیں لیکن پیارے حبیب! آپ ان کے ظاہر کو

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، [۷۵] اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپ کے پاس آجاتے [۷۶] اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا پاتے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔ تو (اے رسول مکرم ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، [۷۷] پھر جو

سامنے رکھتے ہوئے درگزر فرمائیں اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیں۔

[۷۵] اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اور جو رسول کی اطاعت نہ کرے اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مشن اور حکم کی نافرمانی کر رہا ہے، لہٰذا رسول کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔
(قرآن: ۴:۸۰)

[۷۶] پیارے رسول! اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں کا انبار لگا بیٹھیں۔ اس کے بعد نادم وتائب ہو کر آپ کے پاس آئیں اور آپ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں یعنی ان کی شفاعت فرما دیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نظر کرم فرمائے گا اور ان کی توبہ قبول کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ اور آپ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، نیز حضور اکرم ﷺ کی یہ برکت آپ کی ظاہری زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ ہمیشہ جاری ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ''حضور اکرم ﷺ کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور مزار پر انوار پر گر پڑا اور خاک پاک کو اپنے سر پر ڈالا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت (ولو انهم اذ ظلموا ۔۔۔ الخ) بھی ہے۔ میں اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں۔ اب آپ کی بارگاہ میں آیا ہوں، میری مغفرت کے لیے دعا فرمائیں، تو قبر پاک سے آواز آئی: تجھے بخش دیا گیا''۔ (تفسیر قرطبی: سورۃ نساء (۴): آیت نمبر ۶۴)

[۷۷] حضور اکرم ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کو پھر نہایت واضح اور زوردار انداز میں بیان کیا جا رہا ہے کہ کوئی شخص ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا یعنی کسی کا اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان درست نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ہر فیصلے کے سامنے سر

فیصلہ آپ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾

۶۶۔ اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو [۷۸] یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر ان میں سے بہت کم لوگ ہی عمل کرتے، اور اگر یہ لوگ وہی کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾

۶۷۔ اور اس وقت ہم انہیں اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتے۔

تسلیم خم کر دے اور صرف ظاہری اطاعت کافی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں بھی فرمانِ رسول ﷺ کے خلاف کوئی گرانی یا تنگی محسوس نہ کرے۔

اس آیت کا حکم حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم ﷺ لائے ہیں اور جو طریقہ ہمارے لئے بطورِ سنت چھوڑا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے پر آدمی کے ایمان اور کفر کا دارومدار ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس بھی اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ: الاعتصام بالکتاب والسنۃ)۔

[۷۸] اے میرے پیارے نبی! ہم نے منافقین کو حکم دیا کہ وہ آپ کو غیر مشروط حاکم مان لیں اور آپ کے پاس حاضر ہو کر خلوص نیت سے استغفار کریں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی لیکن یہ آسان سی بات بھی منافقین کے لئے بھاری تھی اور اگر توبہ کے لئے انہیں جان دینے یا گھروں سے نکلنے کا حکم دیا جاتا تو صرف وہی چند منافق اس پر عمل کرتے جو اپنے نفاق میں پکے تھے اور کسی صورت پر اپنے نفاق کا ظاہر ہونا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام ﷺ کہنے لگے: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا تو ہم عمل کریں گے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے جب یہ جواب سنا تو فرمایا: میری امت میں ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہیں جن کا ایمان مستحکم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ (تفسیر قرطبی، روح المعانی: سورۂ نساء (۴): زیر آیت نمبر ۶۶)

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور ہم یقیناً انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ [۷۹]

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع

۷۰۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا۔

---

[۷۹] نبی وہ مقدس انسان ہے جس پر وحی نازل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کی مخلوق تک پہنچائے۔

صدیق

وہ صادق انسان ہے جس کی فطرت اتنی پاک اور صاف ہوتی ہے کہ اس کو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی التباس نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ نبوت کے بعد یہ سب سے بلند رتبہ ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مرتبہ پر فائز تھے لیکن ان میں سب سے بلند رتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اسی لئے آپ کو صدیق اکبر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کے بعد غیر انبیاء میں آپ سب سے افضل ہیں۔

شہید

وہ انسان ہے جو دلائل اور اپنے اعمال سے دین کی صداقت پر شہادت دے اور اگر ضرورت پڑے تو دین کی سربلندی کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دے۔

صالح

وہ انسان ہے جس کے عقائد اور اعمال صالح ہوں اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجزن ہو۔

اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ میں کئی واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انصار میں سے ایک صحابی حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس پر غم و اندوہ کے آثار نمایاں تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے غم زدہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو وہ صحابی کہنے لگا: اے اللہ کے نبی! میں اس چیز پر غور کر رہا ہوں کہ ہم صبح و شام آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں اور آپ کے چہرے کی زیارت کرتے ہیں۔ کل جب آپ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ جنت کے بلند درجہ میں ہوں گے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے جنت بھی دی تو ہم آپ کے درجہ تک نہ پہنچ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اے ایمان والو! اپنے ہتھیار لے لو، پھر (وقت آنے پر) الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا سب اکٹھے ہو کر نکلو۔[۸۰]

سکیں گے تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ حضورِ اکرم ﷺ نے ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبریل امین یہ آیت (وَمَن يُطِعِ اللهَ والرسول ۔۔۔) لے کر نازل ہوئے یعنی جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ جنت میں انبیائے کرام کے ساتھ ہوں گے۔ (تفسیر جامع البیان)

☆ حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھا کہ وہ کب آئے گی تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے جواب دیا: کچھ نہیں مگر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ (دوسری روایت میں کچھ اس طرح ہے: میں نے قیامت کے لئے زیادہ نمازیں، روزے اور صدقات تو تیار نہیں کئے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ بخاری: حدیث نمبر ۶۱۷۱) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے (قیامت کے دن) تو اسی کے ساتھ ہوگا۔ حضرت انس ؓ نے کہا: ہمیں کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی ہمیں نبی ﷺ کی اس بات سے ہوئی کہ ''جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے (قیامت کے دن) تو اسی کے ساتھ ہوگا۔'' حضرت انس ؓ نے کہا: میں نبی ﷺ، ابو بکر ؓ اور عمر ؓ سے محبت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اپنی اس محبت کی وجہ سے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان کی مانند نہیں ہیں۔
(بخاری: ۳۶۸۸: فضائل اصحاب النبی: باب ۶)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی ؓ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گزارتا تھا اور آپ کے لئے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے آتا تھا۔ (ایک رات تہجد کے وقت جب میں آپ کے وضو کے لئے پانی لایا تو) حضورِ اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا: بس صرف یہی۔ اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: سجدوں کی کثرت سے میری مدد کر۔ یعنی نوافل کثرت سے پڑھا کر تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ (مسلم: ۱۰۹۴: کتاب الصلاۃ: باب ۴۳) اگرچہ جنت میں درجے مختلف ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل محبت کو ان کے محبوب سے ملاقات اور مجلس کے مواقع ملتے رہیں گے۔ دراصل وہ بڑے خوش نصیب ہیں جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سے محبت کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر ان سے محبت کا عملی ثبوت مہیا کرتے ہیں لیکن اس حقیقت کا ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ جو لوگ برائی اور ظلم سے محبت کرتے ہیں وہ بھی جہنم میں ظالموں کے ساتھ عذاب سے دوچار ہوں گے۔

[۸۰] جنگ اُحد کے بعد کئی قبائل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کے جواب میں مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے ہر قسم کا جنگی سامان تیار کریں اور کفار کے حملوں کو روکنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں تاکہ

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور بے شک تم میں سے ایک (گروہ) وہ بھی ہے جو تاخیری حربے استعمال کرے گا، [۸۱] پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا۔

وَلَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل (مالِ غنیمت) مل جائے تو وہ ضرور کہے گا، جیسے تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی: کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ؕ وَمَنۡ يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡ يَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہیے جو دُنیا کی زندگی آخرت کے بدلے بیچ دیتے ہیں، اور جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے، پھر وہ مارا جائے یا غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم اسے اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔ [۸۲]

وقت آنے پر فوری قدم اُٹھایا جاسکے یعنی پہلے ہر ممکن اسلحہ تیار کرو اور پھر مقابلہ کے لئے نکلو کیونکہ اسلحہ سے لیس دشمن کے مقابلہ میں بغیر اسلحہ کے نکلنا موت کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اسی طرح جدید ترین اسلحہ کے مقابلہ میں روایتی اور قدیم ترین اسلحہ کا استعمال بھی ناکامی کا باعث ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھیں اور دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلحہ تیار کریں تاکہ مسلمان امن سے زندگی گزار سکیں اور دشمن بھی حملے کی جرأت نہ کرسکے۔

[۸۱] ان دو آیات میں اندرونی دشمن کی نشاندہی کی جارہی ہے یعنی خارجی دشمن کے علاوہ تمہارے اندر منافق بھی موجود ہیں جو مختلف حیلے بہانوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں، پھر اگر جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو تو اسے اپنے لئے اللہ کا فضل شمار کر کے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: اچھا ہوا ہم شریک نہیں ہوئے ورنہ ہمیں بھی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا، اور اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے تو یہ مالِ غنیمت سے محرومی کے باعث حسرت و پشیمانی کی تصویر بن جاتے ہیں۔

[۸۲] جو شخص آخرت پر کامل ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دُنیاوی مفادات قربان کر دیتا ہے، ایسا خوش نصیب

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کئی بے بس مرد، عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو فریاد کرتے ہیں: [۸۳] اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی دوست بنادے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنادے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

۷۶۔ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں [۸۴] اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس تم شیطان کے حامیوں سے جنگ کرو، بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے۔

انسان جب میدانِ جنگ میں نکلتا ہے، وہ مارا جائے تو شہید اور غالب آجائے تو غازی کہلاتا ہے اور دونوں صورتوں میں اجرِ عظیم کا مستحق قرار پاتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس کی کیا خوب ترجمانی کی ہے:

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

[۸۳] مکہ کے کئی مرد، عورتیں اور بچے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن کفارِ مکہ نے ان کی زندگی عذاب بنا رکھی تھی، نہ تو وہ ہجرت کر سکتے تھے اور نہ اپنے آپ کو ان کے ظلم سے بچا سکتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ظلم سے بچانے کے اسباب پیدا فرمائے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے بھائی بہنوں کی امداد کی ترغیب دی جارہی ہے، چنانچہ وہ دن بھی آیا جب حضورِ اکرم ﷺ اپنے ہمراہ دس ہزار مسلمانوں کو لے کر مکہ پر حملہ آور ہوئے اور مظلوم مسلمانوں کو آزادی کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ آج بھی تمام مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ جہاں کہیں مسلمان ظلم کا شکار ہوں ان کی نجات کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

[۸۴] اہلِ اسلام اور کفار، دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن اسلام کی جنگ اور دوسری جنگوں میں بڑا فرق ہے۔ مؤمن اللہ کے لئے لڑتا ہے، اس کا مقصد امن کا قیام، نیکی کا رواج اور ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے جبکہ غیر مؤمن کی جنگ کے پسِ پردہ دُنیا اور اس کے مادی فوائد کارفرما ہوتے ہیں، اس لئے اہلِ اسلام کو چاہیے کہ حق و انصاف کے قیام کے لئے میدانِ عمل میں اُتریں اور ظلم کے استیصال کے لئے طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا جائیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا، [۸۵] تو نے ہمیں کچھ اور مہلت کیوں نہ دی، آپ فرمایئے: دنیا کا سامان بہت قلیل ہے، [۸۶] اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت زیادہ بہتر ہے اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اگر مسلمان متحد ہو کر اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لائیں تو طاغوتی طاقتوں کی اصلاح مشکل نہیں ہے کیونکہ شیطان کا مکر و فریب بہت کمزور ہے۔ اس کا مفاد صرف دنیا تک محدود ہے، لہٰذا ظاہری شکست کے آثار نظر آتے ہی وہ جان بچا کر بھاگ جاتا ہے جبکہ مؤمن استقامت کا پہاڑ ہے۔ ظاہری شکست کی صورت میں بھی اُخروی کامیابی اس کے حوصلوں کو بلند رکھتی ہے۔

[۸۵] یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر جب مسلمان جوابی کارروائی کا مطالبہ کرتے تو منافقین بھی ناچار اس مطالبہ کا ساتھ دیتے ورنہ ان کے نفاق کے ظاہر ہونے کا خطرہ تھا مگر حضور اکرم ﷺ نے تلوار اُٹھانے کے بجائے صبر کی تلقین فرمائی کیونکہ ابھی جہاد کی اجازت نہیں ملی تھی لیکن بعد میں جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو منافقین کفار کے حملوں سے ڈر گئے اور جہاد پر اعتراض کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کیوں فرض کیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا منافقین کا شیوہ ہے کسی مخلص صحابی کی زبان سے ایسا جملہ صادر نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر)

[۸۶] اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال و متاع کی حقیقت اور آخرت کے اجر و ثواب کی عظمت بیان فرمائی ہے یعنی: اے دنیا کی نعمتیں قلیل ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں کثیر بھی ہیں اور خاصیت میں بہتر بھی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔

(بخاری: ۳۲۴۴: کتاب بدء الخلق: باب ۸)

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾

۷۸۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تم کو پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو،[۸۷] اور اگر انہیں کوئی اچھائی پہنچے تو کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے، آپ فرمائیے: سب اللہ کی طرف سے ہے، تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے۔

۲۔ دنیا کی نعمتیں فتنہ اور آزمائش ہیں، لہٰذا ان کے استعمال میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے جبکہ آخرت کی نعمتیں ذریعہ امن و سکون ہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔

۳۔ دنیا کی نعمتوں کا حساب ہوگا جبکہ آخرت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی میزبانی ہے کوئی حساب نہیں ہوگا۔

۴۔ دنیا کی نعمتیں فانی اور ان کا فائدہ عارضی ہے جب کہ آخرت کی نعمتیں باقی اور ان کا فائدہ دائمی ہے، لہٰذا ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو چھوڑ کر صرف فانی چیزوں پر اکتفا کر لینا کوئی دانشمندی نہیں۔

☆ حضرت مستوردؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں پانی کا وہ ایک قطرہ جو انگلی کے ساتھ لگ جائے۔ (ابن ماجۃ: ۴۱۰۸: ابواب الزھد: باب ۳)

☆ حضرت عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور اس دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار راستے میں تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کا سایہ حاصل کرتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

(ابن ماجۃ: ۴۱۰۹: ابواب الزھد: باب ۳)

☆ حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔

(ابن ماجۃ: ۴۱۱۰: ابواب الزھد: باب ۳)

[۸۷] موت سے ڈر کر بزدلی دکھانا اور ضرورت پڑنے پر ملک و ملت کے لئے جہاد سے جی چرانا کوئی عقل مندی نہیں کیونکہ جہاد میں جانے سے موت قریب نہیں آجاتی اور احتیاطی تدابیر کرنے سے موت کو روکا نہیں جا سکتا۔ مثال کے طور پر حضرت خالد بن ولیدؓ متعدد جنگوں میں شریک ہوئے، تلواروں کے جھرمٹ میں بے خطر کود پڑتے، ہزاروں کافروں کو تہ تیغ کیا، اس کے باوجود وہ کسی جنگ میں شہید نہیں ہوئے اور ان کی موت اپنے گھر میں بستر پر آئی۔ بہرحال موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

۷۹۔ (اے انسان!) تجھے جو اچھائی پہنچتی ہے، سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے، [۸۸] اور ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، [۸۹] اور اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ کافی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

۸۰۔ جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی، [۹۰] اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔

[۸۸] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو اچھائی و نعمت اور برائی و مصیبت انسان کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر وہ حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اس آیت میں فرمایا کہ اچھائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برائی انسان کی اپنی طرف سے آتی ہے۔ اس میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ پہلی آیت میں خیر اور شر کی تخلیق کا بیان ہے اور دوسری آیت میں ان کے سبب کا بیان ہے، نیز علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر کام کا خالقِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اچھائی کا باعث اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جیسے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوئے اور برائی کا باعث انسان کی اپنی کوتاہیاں ہیں، جیسے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ اگرچہ اس کا بھی فاعلِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی تھا لیکن درّہ پر متعین تیر اندازوں کی جلد بازی اس کا سبب بنی تھی، لہٰذا انسان کو ہر کام کرنے سے پہلے اس کے انجام پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ کل کو پچھتانے کی نوبت نہ آئے۔

[۸۹] یعنی حضورِ اکرم ﷺ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کوئی رنگ، نسل اور علاقہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ آپ سب کے لئے رسول ہیں کوئی مانے یا نہ مانے، بہرحال اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کا گواہ کافی ہے۔

[۹۰] اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی نافرمانی دراصل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اور اگر کوئی انسان حضورِ اکرم ﷺ کی اطاعت اور سنت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید اور احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا طریقہ حضورِ اکرم ﷺ کی سنت سے ہی مل سکتا ہے، نیز یہ آیت واضح کرتی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ معصوم اور خطاؤں سے پاک ہیں کیونکہ اگر آپ سے غلطی کا امکان ہوتا تو آپ کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی قرار نہ دیا جاتا۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور وہ کہتے ہیں: ہم نے حکم مان لیا اور جب وہ آپ کے پاس سے اُٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات بھر آپ کی باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے،[۹۱] اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو کچھ وہ راتوں کو کہتے ہیں، آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر توکل رکھیں، اور اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز کافی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

۸۲۔ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت اختلاف پاتے۔[۹۲]

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى

۸۳۔ اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کا چرچا کرتے ہیں،[۹۳] اور اگر یہ لوگ

---

[۹۱] یعنی میرے پیارے حبیب! جب یہ منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں اور راتوں کو آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں لیکن آپ ان کی پرواہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور وہی آپ کا کارساز کافی ہے۔

[۹۲] اس آیت میں قرآن مجید کی صداقت جانچنے کے لئے ایک معیار بیان کیا گیا ہے یعنی تیئس (۲۳) سال کے طویل عرصہ میں نازل ہونے والی ضخیم کتاب میں کہیں اختلاف نہیں ہے۔ نہ الفاظ و معانی میں اور نہ احکام و مضامین میں۔ اگر قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اتنے طویل عرصہ میں مختلف احوال کے باعث اس میں اختلاف ضرور ہوتا لیکن اس میں اختلاف کا نہ ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کاش غیر مسلم قرآن مجید کے الفاظ و مضامین میں غور و فکر کریں اور اپنی دُنیا و آخرت سنوارنے کے لئے اس سراسر صداقت کتاب پر ایمان لے آئیں۔

[۹۳] ہجرت کے بعد کفار کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمان مسلسل ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے جنہیں بجا طور پر زمانہ جنگ کہا جا سکتا ہے۔ ایسے ہنگامی حالات میں غلط افواہیں اور بے بنیاد خبریں پھیلانے سے طرح طرح کے نقصانات کا اندیشہ تھا، مثلاً امن و فتح کی خبر سے غفلت اور خوف و شکست کی خبر سے مسلمانوں میں افسردگی پھیل جاتی۔ اس لئے ان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ سنی سنائی خبریں عام لوگوں میں پھیلانے کے بجائے صرف حضور اکرم ﷺ یا ذمہ دار لوگوں تک پہنچا دیں

اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

اس خبر کو رسول یا اپنے صاحبانِ امر تک پہنچا دیتے تو ان میں سے استنباط کرنے والے اس خبر (کی حقیقت) کو جان لیتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی[۹۴] تو سوائے چند لوگوں کے تم شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾

۸۴۔ پس اے نبی! تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو، [۹۵] آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا اور اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دو، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی کافروں کے زور کو روک دے، اور اللہ کی طاقت سب سے زیادہ اور اس کی سزا بہت سخت ہے۔

تا کہ وہ اس خبر کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کے متعلق مناسب اقدام کریں اور زمانہ جنگ میں تو بعض دفعہ صحیح خبر کا چرچا بھی نقصان دہ ہوتا ہے اور اگر کوئی غلط خبر پھیل جائے تو اس کے نقصان کو قابو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے پھیلانا درست نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات (بغیر تحقیق کے) بیان کردے۔

(ریاض الصالحین: باب تحریم الکذب)

اس آیت کے ضمن میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اجتہاد اور قیاس کرنا بھی شریعت میں حجت اور دلیل ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ صرف ان مسائل ہی میں ہو جن کے متعلق قرآن وحدیث میں واضح حکم موجود نہ ہو اور صرف وہی اہل علم کریں جو استنباط کی اہلیت رکھتے ہوں اور اس کے بعد عام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ان علماء کی تقلید کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ بھی مسائل شریعہ میں استنباط کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر) نیز اس آیت سے تقلید کا حجت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے یعنی اہل علم قرآن وسنت کی روشنی میں جن مسائل کا استنباط کریں ان مسائل میں اہل علم کی تقلید کی جائے۔

[۹۴] اللہ تعالی کے فضل وکرم سے مراد قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ تم افواہوں کو پھیلانے کے بجائے حضور اکرم ﷺ اور اہل علم تک پہنچا دو اور اگر اللہ تعالی اس حکم کے ذریعہ تم پر اپنا فضل نہ فرماتا تو تم لوگ جھوٹی افواہوں کا شکار ہو کر شیطان کے پیروکار بن جاتے اور صرف چند لوگ ہی ثابت قدم رہتے جو اپنے علم وعقل کے ذریعہ جھوٹی اور سچی خبروں میں امتیاز کرتے اور حالات کے مطابق اقدام کرتے، لہٰذا اللہ تعالی کی ہدایات کا شکر ادا کرو اور ان پر پوری طرح عمل کرو۔

[۹۵] اس آیت میں اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کو جہاد کرنے کا حکم دیا کہ جب باطل حق کے مقابلہ میں آئے تو جہاد کے لئے

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۸۵

۸۵۔ جو اچھی (چیز کی) شفاعت کرے گا اس کے لئے بھی اس میں سے حصہ ہوگا، [۹۶] اور جو بُری (چیز کی) شفاعت کرے گا اس کے لئے بھی اس میں سے حصہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۸۶

۸۶۔ اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو [۹۷] یا (کم از کم) وہی الفاظ لوٹا دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

النصف

قدم آگے بڑھاؤ خواہ آپ تنہا ہی کیوں نہ ہوں اور غالباً اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں کفار سے اسلام کی خاطر ضرور لڑوں گا حتیٰ کہ میری گردن جدا ہو جائے۔ (بخاری: ۲۷۳۲: کتاب الشروط: باب ۱۵) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کفار کے زور کو توڑ دے گا، چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا اور سارے عرب کے علاقہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور جب تک مسلمان پورے اسلام پر عمل پیرا رہے تو دنیا میں سپر پاور کے روپ میں جلوہ گر رہے۔

[۹۶] نیک کام میں کسی کی مدد یا سفارش کرنا اچھی شفاعت ہے اور شفاعت کرنے والے کو بھی اس نیکی سے ثواب کا حصہ ملے گا اور بُرے کام میں کسی کی مدد یا سفارش کرنے سے اسے بھی اس برائی کے بدلے میں عذاب کا حصہ ملے گا۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں باہم تعاون نہ کرو۔ (قرآن: ۵:۲) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: نیکی کی رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔
(ترمذی: ۲۶۷۰: ابواب العلم: باب ۱۴)

[۹۷] یعنی جب تمہیں کوئی سلام کہے تو تم اس سے بہتر انداز میں جواب دو یا کم از کم وہی الفاظ دوہرا دو جن سے تمہیں سلام کیا گیا ہے۔

سلام اور اس کے احکام

سلام کے الفاظ و معانی

دنیا کی ہر قوم میں ایسے الفاظ کا رواج پایا جاتا ہے جن سے وہ آپس میں ملاقات کے وقت اپنی خوش اخلاقی، ہمدردی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسلام میں ملاقات کے الفاظ ہیں: السلام علیکم جن کا معنی ہے: ''تم پر ہر قسم کی سلامتی ہو۔'' جیسے الحمد للہ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) میں حمد سے پہلے الف لام استغراق کے لئے ہے یعنی ہر زمانے کی،

ہر علاقہ کی، ہر قوم کی اور دنیا کی ہر چیز کی ہر قسم کی تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔اسی طرح السلام علیکم میں سلام سے پہلے الف لام بھی استغراق کے لئے ہے۔یعنی صحت وعمر کی، مال واولاد کی، خاندان وایمان کی، حال ومستقبل کی، دنیا و آخرت کی الغرض ہر قسم کی سلامتی تجھے نصیب ہو اور ہر قسم کی مصیبت سے تو محفوظ رہے۔صرف دولفظوں میں اتنی کامل دُعا دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔اسی لئے مسلمان چاہے کسی زبان سے تعلق رکھتا ہو ملاقات کے وقت یہی عربی زبان کے الفاظ استعمال کرتا ہے جبکہ دوسری قوموں کی ملاقات کے الفاظ زبان کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نام

اللہ تعالیٰ کے خوبصورت اسمائے گرامی میں سے ایک سلام بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اللہ تعالیٰ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے، سلام ہے ---} (قرآن: ۵۹: ۲۳) اسی طرح حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور یوں دعا کرتے: اللھم انت السلام ومنک السلام ---- اے اللہ تعالیٰ! تو سلام ہے اور سلامتی تیری بارگاہ سے ملتی ہے۔ ---

(مسلم: ۱۳۳۴: کتاب المساجد: باب ۲۶)

اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سلام کا معنیٰ ہے: ''سلامتی دینے والا، حفاظت کرنے والا'' اس لحاظ سے السلام علیکم کا معنیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ ہو اور وہ تمہیں سلامت رکھے'' اسی معنیٰ کے اعتبار سے اللہ حافظ یا خدا حافظ بھی کہا جاتا ہے۔اس طرح ایک مسلمان سلام کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اپنے بھائی کو سلامتی کی دعا دیتا ہے بلکہ اپنے رب تعالیٰ کے نام کا ذکر کر کے ایک اور حکم الٰہی پر عمل کرنے کا ثواب بھی حاصل کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم دیا ہے: {اور صبح وشام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو۔} (قرآن: ۷۶: ۲۵)

سلام کی تاریخ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا: جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور ان کا جواب غور سے سنو! یہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے ملاقات کا تحفہ ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو کہا: السلام علیکم اور فرشتوں نے جواب دیا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ (ریاض الصالحین: کتاب السلام) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اسلامی سلام کوئی جدید طریقہ نہیں ہے بلکہ انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے ادوار میں بھی جاری رہا حتیٰ کہ موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام بھی یہی لکھا ہوا ہے یعنی:

"Peace be on you"(The Holy Bible: Luke: Chapter 24 Verse 36)

انگریزی کے ان الفاظ کا عربی ترجمہ السلام علیکم ہی بنتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت یعنی السلام علیکم کو چھوڑ کر good morning کب اور کیوں شروع کیا؟ اور اب تو اس میں بھی تخفیف کر دی ہے یعنی good کو چھوڑ کر صرف morning پر اکتفا کرتے ہیں اور پتہ نہیں اس کا کیا معنیٰ مراد لیتے ہیں؟

سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ {اور جب آپ ﷺ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ﷺ ان سے فرمایئے: تم پر سلام ہو۔} (قرآن: ۶: ۵۴)

۲۔ {جب تم گھروں میں داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔} (قرآن: ۲۴: ۶۱) اس آیت کے ضمن میں عمرو بن دینار (جو امام حدیث ہیں اور صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں) کہتے ہیں: اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو کہو: السلام علی النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ (نبی مکرم ﷺ پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔) ملا علی قاری (جن کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہوا) اس روایت کے ضمن میں لکھتے ہیں: یہ اس لئے ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے۔

(شرح شفا: قاضی عیاض: جلد دوم: ص ۱۱۸)

ہم جب کسی قبرستان کے پاس سے گزریں تو سنت یہ ہے کہ ہم انہیں السلام علیکم (تم پر سلام ہو) کہہ کر ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔ (ابن ماجہ: ۷: ۱۵۴۷: کتاب الجنائز: باب ۳۶) حالانکہ ان کے جسم تو مٹی میں مٹی ہو چکے ہوتے ہیں۔ صرف ان کی روحوں کا ان قبروں سے ایک طرح کا رابطہ ہوتا ہے جن کو ہم السلام علیکم کہتے ہیں۔ اسی طرح ملا علی قاری کی توجیہ کے مطابق نبی مکرم ﷺ جسمانی اعتبار سے اگرچہ مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں مگر جب ان کی روح مبارک کا رابطہ اہل اسلام کے گھروں سے ہے تو ہم اس روح مبارک کے توسط سے آپ ﷺ کو وہ سلام بھی عرض کر سکتے ہیں جو ہم تشہد میں کہتے ہیں۔ (یعنی السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ)۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے غربت اور تنگدستی کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم گھر میں داخل ہو اگر اس میں کوئی شخص موجود ہو تو اسے سلام کیا کرو اور اگر اس میں کوئی شخص موجود نہ ہو تو مجھ پر سلام کیا کرو اور ایک مرتبہ {قل ھو اللہ احد۔۔۔ یعنی سورہ اخلاص} پڑھا کرو۔ اس آدمی نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا کثیر رزق عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں پر بھی سخاوت کرنے لگا۔ (تفسیر قرطبی: سورہ اخلاص)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم جنت میں داخل نہ ہو گے حتیٰ کہ تم ایمان لے آؤ اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرو۔ کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس کے کرنے کے بعد تم آپس میں محبت کرنے لگو (پھر خود ہی فرمایا:) اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔

(ترمذی: ۲۶۸۸: ابواب الاستئذان: باب ۱)

۲۔ جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوتو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو، اور جب کوئی اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرتا ہے اور اپنے کھانے پر بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: اس گھر میں نہ تمہارے رات گزارنے کا ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کھانا اور جب تم میں سے کوئی شخص سلام نہیں کرتا اور نہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تمہیں رات کا ٹھکانا اور کھانا مل گیا۔
(کنز العمال: ۴۱۵۴۵: جلد ۱۵: ص ۳۹۹)

۳۔ جو شخص چاہتا ہے کہ شیطان اس کے پاس نہ کھانے پر آئے اور نہ ہی رات اور دن کے وقت اس کی آرام گاہ میں آئے تو اسے چاہیے کہ جب اپنے گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرے اور کھانے پر بسم اللہ پڑھے۔
(کنز العمال: ۴۱۵۴۶: جلد ۱۵: ص ۳۹۹)

کن لوگوں کو سلام دینا جائز نہیں ہے

درج ذیل لوگوں کو سلام کرنا جائز نہیں ہے: جو لوگ نماز، خطبہ، اذان، اقامہ، تلاوت قرآن، علم شرعی کے مذاکرہ، وعظ کرنے، وعظ سننے یا رفع حاجت میں مشغول ہوں اُن کو سلام کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی اُن لوگوں کو سلام کر دے تو اُس سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

سلام کا جواب

سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کا جواب ایسے انداز اور اتنی آواز سے دیا جائے کہ سلام کرنے والے کو یقین ہو جائے کہ اس کے سلام کا جواب دیا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل میں جواب دے دیا جائے اور سلام کرنے والا غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ اس کے سلام کا جواب نہیں دیا گیا، نیز سلام کا جواب بہتر انداز میں ہونا چاہیے جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا (کم از کم) وہی الفاظ لوٹا دو۔} (قرآن: ۴: ۸۶) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا جائے اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غیر مسلم جن الفاظ سے تمہیں سلام کریں تم بھی انہی الفاظ کے ساتھ انہیں جواب دو۔ (تفسیر تنویر المقباس: سورہ نساء (۴): زیر آیت نمبر ۸۶)

خط میں لکھے ہوئے سلام کا جواب

خط میں لکھے ہوئے سلام کا جواب پڑھتے وقت ہی دے دینا چاہیے، ممکن ہے جواب لکھنے سے پہلے موت آجائے اور یہ فرض بطور قرض باقی رہ جائے۔

ملاقات کے وقت مسکرانا

سلام کرتے وقت یا سلام کا جواب دیتے وقت دونوں کے چہروں پر خوشی اور مسکراہٹ کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس طرح

باہمی احترام میں اضافہ ہوگا اور ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: نیکی میں سے کچھ بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے۔ (مسلم: ۶۶۹۰: کتاب البر: باب ۴۳) کیونکہ "تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تیرے لئے صدقہ کا درجہ رکھتا ہے۔" (ترمذی: ۱۹۵۶: ابواب البر: باب ۳۶) "اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔" (ترمذی: ۲۶۱۶: ابواب الایمان: باب ۸)

سلام کے آداب

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے نزدیک بہتر وہ انسان ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(مسند احمد: جلد ۵: ص ۲۵۴)

۲۔ سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے ہوئے کو، تھوڑے زیادہ کو اور چھوٹے بڑے کو سلام کریں۔

(ترمذی: ۲۷۰۳: ابواب الاستیئذان: باب ۱۴)

۳۔ جب تم گھر میں جاؤ تو اپنے اہل خانہ کو سلام کہو اس طرح تمہیں اور تمہارے اہل خانہ کو برکت حاصل ہوگی۔

(ترمذی: ۲۶۹۸: ابواب الاستئذان: باب ۱۰)

۴۔ السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے سے بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

(ترمذی: ۲۶۸۹: ابواب الاستئذان: باب ۲)

۵۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرک اور یہود سب اکٹھے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں سلام کہا (یعنی السلام علیکم کہا)۔ (ریاض الصالحین: کتاب السلام) اس سے یہ پتہ چلا کہ اگر کسی مجلس میں مسلمان اور غیر مسلم اکٹھے بیٹھے ہوں تو ان کو السلام علیکم کہنا جائز ہے، لیکن اگر کہیں صرف غیر مسلم بیٹھے ہوں تو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں Good morning ضرور کہنا چاہیے۔

جنت میں دعا سلام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {جنت میں اہل جنت کی (اللہ تعالیٰ کے حضور) دعا ہوگی: سبحانک اللھم (اے اللہ تو پاک ہے) اور ان کی آپس کی دعا ہوگی: السلام علیکم اور ان کی دعا کا آخری حصہ یہ ہوگا: الحمد للہ رب العالمین (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے} (قرآن: ۱۰:۱۰) اس آیت میں اہل جنت کی دعا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اگر آپ اس دنیا میں اس کا کچھ تصور کرنا چاہتے ہیں تو نماز میں غور کرو۔ اس کی ابتدا سبحانک اللھم سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام السلام علیکم پر ہوتا ہے اور بندہ مؤمن جب جائے نماز سے فارغ ہو کر اٹھتا ہے تو ان الفاظ یعنی الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے جس نے اسے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع کرے گا [۹۸] جس دن (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے، اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا۔

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ

۸۸۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ منافقوں کے بارے میں تم دو

فرشتوں کو سلام

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے فرشتوں کو سلام کیا، لہٰذا ہم جب کسی کو سلام کریں تو ہمیں اس کے ساتھ اس کے نیکی اور بدی لکھنے والے فرشتوں کی نیت بھی کرنی چاہیے تاکہ فرشتے بھی ہمارے سلام کا جواب دیں اور ہم ان کے معصوم سلام سے فیض یاب ہوں۔ اختتامِ جماعت پر سلام کہتے ہوئے امام اور مقتدی دونوں کو اطراف کے نمازیوں کے علاوہ اپنے دائیں بائیں متعین فرشتوں کو بھی سلام کہنا چاہیے اور اگر کوئی انسان اکیلے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ سلام کہتے ہوئے صرف اپنے دائیں اور بائیں متعین فرشتوں کی نیت کرے۔ (الفقه على المذاهب الاربعة: جلد ا: ص ۲۷۶) اگر ہم نے اپنے ساتھ رہنے والے فرشتوں کو کبھی سلام نہ کیا تو وہ کیا سوچیں گے کہ ہم ایک مسلمان کے ساتھ پچاس ساٹھ سال کا عرصہ رہے لیکن اس نے ہمیں کبھی سلام تک نہیں کیا۔ یہ ٹھیک ہے فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے مگر جب ہم اہل قبرستان کو سلام کرتے ہیں تو وہ بھی ہمیں نظر نہیں آتے، نیز فرشتوں کو سلام کرنے سے ہمیں ایک یاد دہانی بھی ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے یہ سیکیورٹی کیمرے ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں جو میدان حشر کے لئے ہماری ہر حرکت کی فلم بنا رہے ہیں، لہٰذا ہمیں کوئی غلط کام کرنے سے پہلے کئی بار سوچنا چاہیے کیونکہ کوئی بھی فرشتوں کے کیمرے سے بچ نہیں سکتا۔

[۹۸] قیامت کا دن اور اس کا حساب و کتاب صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسا نگران ہے جو انسان کے ذہن و ضمیر اور اس کے ظاہر و باطن میں ہر وقت حاضر رہتا ہے اور کسی بھی غلط خیال یا بُرے اقدام پر اسے متنبہ کرتا ہے کہ تیری یہ کوتاہی لوگوں کی نگاہوں سے تو اوجھل ہو سکتی ہے مگر آخرت کی سزا سے نہیں بچ سکتی۔ دنیا کے نوے فیصد جرائم اس اُمید پر کئے جاتے ہیں کہ وہ قانون کی نگاہ سے بچ جائیں گے یا رشوت و سفارش سے کام بن جائے گا لیکن جب کسی مجرم کی گرفت یقینی ہو تو نوے فیصد جرائم از خود ختم ہو جاتے ہیں۔ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ جرائم کی دنیا بھی اتنی آگے جا چکی ہے کہ جدید ٹیکنالوجی بھی جرائم کا راستہ روکنے میں ناکام ہو چکی ہے، لہٰذا آج دنیا کو عقیدۂ آخرت کی ضرورت ہے جو صرف ظاہر نہیں بلکہ انسان کے ذہن و ضمیر پر بھی چوکیدار بٹھا دیتا ہے اور آخرت کی سخت سزا اسے جرائم کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے۔

أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

گروہ بن گئے ہو، [۹۹] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو تُو اس کے لئے (ہدایت کا) کوئی راستہ نہ پا سکے گا۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

۸۹۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ تا کہ تم سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا تم ان میں سے اپنے دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں، پھر اگر وہ (ہجرت سے) روگردانی کریں تو اُنہیں پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

[۹۹] اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر ایک قول نقل کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا، پھر وہ مرتد ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ سے اجازت مانگی تا کہ وہ مکہ سے اپنا مال مدینہ لے آئیں اور یہاں اس مال سے تجارت کریں، تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا۔ بعض نے کہا: وہ منافق ہیں (کیونکہ وہ کفار مکہ سے مل گئے ہیں) اور بعض کہنے لگے: وہ مسلمان ہیں (کیونکہ وہ اپنے مال لے کر مدینہ واپس آ جائیں گے) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو ظاہر کر دیا اور ان سے جنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ (تفسیر جامع البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کافرانہ عقائد و اعمال کی وجہ سے ان کی گمراہی کا اعلان کر دیا ہے۔ اب ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے کفر میں اتنے پختہ ہیں کہ وہ آپ کو بھی کافر بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا ان سے دوستی نہ رکھو اور اگر وہ خلوص سے ایمان نہ لائیں اور نہ ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت پر آمادہ ہوں (کیونکہ فتح مکہ سے پہلے اس پر ہجرت فرض تھی جو اس کی استطاعت رکھتا ہو) اور تمہارے ان دشمنوں کے پاس جانے لگیں جن کے ساتھ تمہاری جنگ شروع ہے تو اُنہیں مت جانے دو، جہاں ملیں پکڑ کر قتل کر دو ورنہ یہ دشمنوں کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے، لیکن اگر وہ کسی ایسے قبیلہ کی پناہ اختیار کر لیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو پھر اُنہیں کچھ نہ کہو اور اگر وہ تمہارے پاس آ کر جنگ نہ کرنے کا یقین دلا دیں تو بھی ان سے تعرض نہ کرو، یعنی اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی ان سے قتال کرو اور اگر وہ جنگ سے باز آ جائیں اور صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی ان کے قتل سے ہاتھ روک لو اور ان سے صلح کر لو۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ۝۹۰

۹۰۔ مگر اُن کو (قتل نہ کرو) جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے اور اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آ چکے ہوں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا تو وہ ضرور تم سے لڑتے، پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے لڑائی نہ کریں [۱۰۰] اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف لڑنے کا کوئی راستہ نہیں رکھا۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَی الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَ یَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝۹۱ ع

۹۱۔ عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں لیکن جب کبھی فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں، [۱۰۱] پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھی نہ بھیجیں اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ بھی نہ روکیں تو ان کو پکڑ لو اور انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو، اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا ہے۔

---

[۱۰۰] اللہ تعالیٰ نے دوبارہ وضاحت فرما دی کہ اگر وہ جنگ نہ کریں اور صلح کے لئے ہاتھ بڑھائیں تو پھر مسلمانوں کو ان سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۰۱] بعض منافقین ایسے بھی تھے جو بظاہر پر امن رہنے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن جب بھی قوم انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی دعوت دیتی تو وہ کفار کے لشکر میں شریک ہو جاتے، لہٰذا اگر یہ منافقین امن پسندی کا عملی ثبوت فراہم نہ کریں اور جب بھی موقع ملے تم پر شب خون مارنے سے باز نہ آئیں تو پھر تم بھی ان کا لحاظ نہ کرو اور جہاں ملیں انہیں موت کے گھاٹ اُتار دو۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو قتل کرے [۱۰۲] مگر غلطی سے، اور جس نے کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کیا تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے مگر یہ کہ وہ خود ہی (دیت) معاف کر دیں، پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مقتول مسلمان ہو تو (قاتل) ایک مسلمان غلام آزاد کرے، اور اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو تو مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے، پھر جو غلام نہ پائے تو وہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے، اللہ کی طرف سے اس کی توبہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

[۱۰۲] کسی مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو قتل کرے لیکن اگر غلطی سے قتل ہو جائے یعنی نشانہ لگایا تھا کسی جانور کو اور جا لگا کسی انسان کو تو چونکہ اس میں قتل کا ارادہ نہیں تھا اس لئے اس کو قتل خطا کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں قتل خطا کی تین صورتیں اور ان کے احکام بتائے گئے ہیں:

۱۔ اگر مقتول مسلمان ہو تو قاتل بطور کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کرے اور بطور حق العباد مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے جو کہ ایک سو اونٹ یا ان کی قیمت ہے۔ دیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کی دلجوئی ہو گی اور ان کے انتقامی جذبات ٹھنڈے ہو جائیں گے لیکن اگر مقتول کے وارث دیت کو معاف کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں لیکن کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔

دیت کا مال مقتول کے شرعی وارثوں میں میراث کی طرح تقسیم کیا جائے گا اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو ان کا قائم مقام بیت المال قرار پائے گا۔

۲۔ اگر مقتول ہو تو مسلمان لیکن ایسی کافر قوم کا فرد ہو جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے تو قاتل صرف ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کر دے اس پر دیت لازم نہیں کیونکہ مقتول کے وارث حربی کافر ہیں، اگر انہیں دیت ادا کی گئی تو وہ مسلمانوں

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے [۱۰۳] تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

کے خلاف استعمال ہوگی جو کسی طرح قرین قیاس نہیں۔

۳۔ اگر مقتول (خواہ مسلمان ہو یا کافر) اس قوم کا فرد ہو جس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہو تو اس صورت میں قاتل ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت بھی ادا کرے کیونکہ معاہد ذمی کی طرح ہوتا ہے اور ذمی کا مال و جان مسلمانوں کی حفاظت میں اتنا ہی درجہ رکھتا ہے جتنا مسلمانوں کا اپنا جان و مال۔ ذمی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا نام ہے اور ان کی دیت مسلمانوں کے برابر ہے یعنی سو اونٹ، لہٰذا کفارہ اور دیت کے لحاظ سے ذمی اور معاہد کافر بھی ایک مسلمان کے برابر کا حق رکھتا ہے۔ (تفسیر بیضاوی) اس صورت میں کافر مقتول کی دیت اس کے کافر وارثوں کو دی جائے گی کیونکہ اس دیت کا مال مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص غلام آزاد نہ کر سکے جیسا کہ آجکل غلامی کا دور ختم ہو گیا ہے تو پھر وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے کیونکہ اس کی توبہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی طریقہ مقرر ہے۔

[۱۰۳] کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے کی جتنی سزائیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں (یعنی جہنم میں ہمیشہ رہنا، اللہ کا غضب، اس کی لعنت اور عذاب عظیم کا مستحق ہونا) اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں لیکن یہ وعید اُن کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اور توبہ کئے بغیر مر جاتے ہیں، کیونکہ سچے دل سے توبہ کرنے والے کی توبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرماتا ہے۔ اس جرم کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! بے شک ایک مسلمان کا ناحق قتل کرنا اللہ کے نزدیک ساری دنیا کے زوال کی بہ نسبت زیادہ نقصان دہ ہے۔ (نسائی: ۳۹۹۱: کتاب تحریم الدم: باب ۲) نیز فرمایا: بے شک ساری دنیا کا ہلاک ہونا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے ناحق قتل کے مقابلہ میں بہت معمولی اور حقیر ہے۔

(ترمذی: ۱۳۹۵: ابواب الدیات: باب ۷)

اسلام نے کسی ایک انسان (مسلمان ہو یا کافر) کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ (قرآن: ۵: ۳۲) لیکن مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ صرف ایک جان کا قتل نہیں بلکہ اسلامی اخوت کا بھی قتل ہے۔ اس کی اخروی سزا تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے، البتہ اس قتل کی دُنیاوی سزا قصاص ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سورہ بقرہ: آیت نمبر ۱۷۸)

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝٩٤

۹۴۔ اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو خوب تحقیق کر لیا کرو [۱۰۴] اور جو تم کو سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو، پس اللہ کے پاس بہت مال غنیمت ہیں، اس سے پہلے تم بھی تو ایسے ہی تھے، [۱۰۵] پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا، لہٰذا تم خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٩٥

۹۵۔ معذوروں کے سوا (گھر میں) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، [۱۰۶] اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے، اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے، لیکن اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم کی فضیلت دی ہے۔

---

[۱۰۴] ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جہاد پر جا رہی تھی، حربی کفار کے علاقہ میں ایک آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس چرواہے نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام کیا جو عملاً اس کے مسلمان ہونے کا اظہار تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا یہ چرواہا محض اپنی جان اور مال بچانے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں بطور مالِ غنیمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر) یعنی جب کوئی شخص اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو غنیمت کے حصول میں اس کا اسلام رد نہ کرو اور اس کو قتل کرنے سے پہلے پوری طرح تحقیق کر لو کیونکہ مالِ غنیمت کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں بے شمار نعمتیں ہیں جو جائز طریقوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

[۱۰۵] یعنی ایک زمانہ تھا جب مکہ میں تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے اور تمہارے پاس زبانی اقرار کے سوا اپنے ایمان کا کوئی ثبوت موجود نہیں تھا، اب تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ایک آزاد اسلامی ریاست میں تمہیں کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے، لہٰذا اپنے ابتدائی حالات کو یاد رکھو اور کسی کو بغیر تحقیق کے کافر خیال نہ کرو۔

[۱۰۶] جو مسلمان بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکیں ان کا درجہ مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ ان

دَرَجٰتٍ مِّنۡهُ وَمَغۡفِرَةً وَّرَحۡمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۹۶﴾

۹۶۔ اللہ کی طرف سے (ان کے لئے) درجات ہیں اور بخشش ہے اور رحمت ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا ؕ فَاُولٰٓـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۙ‏ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے جب فرشتوں نے ان کی روحیں قبض کیں [۱۰۷] تو پوچھا: تم کس حال میں تھے؟ انہوں نے کہا: ہم زمین میں بے بس تھے، فرشتوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّلَا

۹۸۔ مگر جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں جو نہ تو (ہجرت کی) کوئی تدبیر کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی

کی نیت میں فتور نہیں ہے اور صرف معذوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہو سکے اس لئے ان کو بھی ان کی حسن نیت کا اچھا اجر ضرور ملے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ لیکن جو مسلمان عملاً جہاد میں شریک ہوتے ہیں ان کے درجات بہت بلند ہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جنت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان۔ (بخاری: ۲۷۹۰: کتاب الجہاد: باب ۴)

[۱۰۷] حضور اکرم ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو ابتدا میں مسلمانوں کے لئے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنا فرض ہو گیا تھا کیونکہ ایک تو مکہ میں کافروں کے مظالم کی وجہ سے اسلام پر عمل کرنا مشکل تھا، دوسرا مدینہ میں مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ جمع کرنا ضروری تھا تاکہ کفار کے حملوں کا مقابلہ کیا جا سکے لیکن جن مسلمانوں نے اس مشکل گھڑی میں اپنے خویش و اقارب اور مال و جائیداد کو چھوڑنا گوارا نہ کیا اور ہجرت کے اس فرض سے دانستہ گریز کیا تو ان کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور مرتے وقت جب فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ تم نے اسلام کے فرائض پر عمل کیوں نہ کیا تو وہ اپنی بے بسی کا بہانہ تراشیں گے یعنی ہم مغلوب تھے کفار کے خوف کی وجہ سے عمل کرنے سے قاصر تھے۔ اس پر فرشتے کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی، تمہیں ترک وطن کر کے کسی اور جگہ چلے جانا چاہیے تھا جہاں تم آزادی سے اسلام پر عمل پیرا ہو سکتے تھے۔ اس پر وہ لاجواب ہو جائیں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے علاقہ سے ہجرت کرنا فرض ہے جس میں اسلام کے فرائض پر عمل کرنا مشکل ہو۔

يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾

راستہ جانتے تھے۔[۱۰۸]

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

۹۹۔ تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

۱۰۰۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ کے لئے بہت جگہ اور کشادہ روزی پائے گا، [۱۰۹] اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے، پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ (کے ذمۂ کرم) پر ثابت ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

---

[۱۰۸] ان سے مراد بھی وہ مسلمان ہیں جو ظالم کفار کے ساتھ مقیم تھے۔ یہ لوگ ہجرت کرنا چاہتے تھے مگر اس قدر کمزور اور بے بس تھے کہ کسی طرح بھی ہجرت پر قادر نہ تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی معذوری کے باعث اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔

[۱۰۹] اپنا وطن اور جائیداد چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں لیکن جو خوش نصیب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی رضا کے لئے ہجرت کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں اجر عظیم کے مستحق قرار پاتے ہیں اور جو ہجرت کرنے کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے راستہ میں ہی فوت ہو جائیں انہیں بھی ہجرت کا اجر و ثواب ضرور ملے گا۔ ہجرت کا لفظی معنی ہے ''کسی چیز کو چھوڑ دینا'' اسلام میں اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ایسے علاقہ کو چھوڑ دے جس میں اسے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ اس کی اسلام میں بڑی فضیلت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یقیناً ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کئے ہوں۔ (مسلم: ۳۲۱: کتاب الایمان: باب ۵۴)

لمحہ فکریہ

ہجرت کرنے کا مقصد اسلامی احکام پر عمل کرنا ہے اور اگر ایک مسلمان اسلامی ملک میں رہتے ہوئے اسلامی احکام پر عمل نہ کرے تو اسے اپنے اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے کیونکہ اصل اور افضل مہاجر وہ ہے جو برائیوں اور گناہوں کو ترک کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا: کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: افضل ہجرت یہ ہے کہ انسان ہر اس چیز کو ترک کر دے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الایمان)

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو [۱۱۰] اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تمہیں تکلیف پہنچائیں گے، بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

[۱۱۰] یعنی سفر میں نمازِ قصر کی اجازت ہے۔ اگرچہ آیت میں قصر کے لئے خوف کی شرط مذکور ہے لیکن یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس وقت پورا عرب مسلمانوں سے برسر پیکار تھا اور کوئی سفر خطرات سے خالی نہیں تھا۔ اس شرط کا یہ مطلب نہیں کہ جس سفر میں خوف کا اندیشہ نہ ہو اس میں قصر نہ کی جائے کیونکہ بعد میں جب کچھ علاقے پُر امن ہو گئے تو بھی حضور اکرم ﷺ نے اپنے تمام سفروں میں قصر فرمایا۔ اس پر بعض صحابہ کرام ؓ کے ذہن میں بھی اشکال پیدا ہوا کہ اب تو امن ہے، پھر ہم قصر کیوں کرتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔ (مسلم: ۱۵۷۳: کتاب صلاۃ المسافرین: باب ۱) نیز حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے پوچھا گیا کہ قرآن میں خوف اور غیر سفر کی نماز کا ذکر تو ہے لیکن نمازِ سفر کا ذکر نہیں ہے۔ اس پر عبد اللہ بن عمر ؓ نے جواب دیا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد ﷺ کو بھیجا جب کہ ہمیں کچھ علم نہ تھا، پس ہم تو وہی کرتے ہیں جو ہم نے حضرت محمد ﷺ کو کرتے دیکھا۔ (ابن ماجہ: ۱۰۶۶: ابواب اقامۃ الصلوٰۃ: باب ۷۳) نمازِ قصر سے مراد یہ ہے کہ چار رکعتوں والی فرض نمازوں یعنی ظہر، عصر اور عشاء میں چار کے بجائے دو رکعتیں ادا کی جائیں۔ نمازِ قصر ہجرت کے چوتھے سال شروع ہوئی اور سفر میں ان نمازوں کو قصر کرنا واجب ہے اور قصر نہ کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: جس سفر میں قصر کیا جاتا ہے اس کی مسافت میں اختلاف ہے۔ قدیم فقہاء کے مطابق یہ ۹۸ کلومیٹر ہے اور اس سے مراد ایک طرف کا سفر ہے، واپسی اس میں شامل نہیں۔ (امداد الفقہ)

مسئلہ: جو شخص اتنے سفر کا ارادہ کرے اسے حکم ہے کہ وہ جب اپنے قیام کے شہر کے آباد حصے سے باہر نکل جائے تو نماز قصر کرے خواہ ابھی چند میل ہی سفر کیا ہو اور اسی طرح سے واپسی پر جب تک شہر کے آباد حصے میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک قصر ہی کرتا رہے۔

مسئلہ: مسافر جب تک کسی جگہ پندرہ یا اس سے زیادہ دن قیام کی نیت نہ کرے اس وقت تک وہ مسافر کے حکم میں ہی رہتا ہے۔ جب پندرہ دن قیام کی نیت کرلے تو وہ مقیم کے حکم میں آجاتا ہے، لہٰذا اب پوری چار رکعتیں ادا کرے۔

مسئلہ: سنتوں میں قصر نہیں ہے۔ بعض فقہاء نے مسافر کے لئے سنتیں چھوڑ دینے کو جائز قرار دیا ہے لیکن مختار یہ ہے کہ مسافر جب کسی منزل میں ٹھہرا ہوا ہو اور اسے کسی قسم کا خوف نہ ہو تو اس حالت میں سنتیں ادا کرے اور جب چل رہا ہو یا کسی قسم کے خوف میں مبتلا ہو تو فجر اور مغرب کی سنتوں کے سوا باقی سنتوں کو چھوڑ دے۔ (فتاوی عالمگیریۃ، مراقی الفلاح)

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۖ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ

۱۰۲۔ اور (اے حبیب) جب آپ ان میں موجود ہوں اور آپ (حالتِ جنگ میں) ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو [۱۱۱] اور یہ لوگ اپنے ہتھیاروں سے مسلح رہیں، پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو وہ پیچھے چلیں جائیں اور دوسرا گروہ آجائے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، کافر یہ

[۱۱۱] نمازِ خوف کے پڑھنے کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ امام فوج کو دو گروہوں میں تقسیم کردے۔ ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پوری کرکے دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابل کھڑا تھا وہ آکر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے، پھر فقط امام سلام پھیرے اور پہلا گروہ آکر دوسری رکعت بغیر قراءت کے پڑھے (کیونکہ یہ گروہ لاحق ہے یعنی پہلی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا) اور سلام پھیردے اور دشمن کے مقابل چلا جائے، پھر دوسرا گروہ اپنی جگہ آکر ایک رکعت جو باقی رہ گئی تھی اس کو قراءت کے ساتھ پورا کرکے سلام پھیرے (کیونکہ یہ گروہ مسبوق ہے یعنی پہلی رکعت میں امام کے ساتھ شریک نہیں تھا)۔ نمازِ خوف کے دوران دونوں گروہ ہتھیاروں سے مسلح رہیں ورنہ کفار موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک حملہ کردیں گے اور اگر بیماری یا کسی تکلیف کی وجہ سے ہتھیار اتاردیں تو بھی دشمنوں سے محتاط اور ہوشیار رہیں۔ یہ اہتمام اس وقت ضروری ہے جب ساری فوج ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے اور جہاں ایسا نہ ہو اور لوگ الگ الگ اماموں کے پیچھے نماز ادا کرنے پر معترض نہ ہوں تو دونوں گروہ الگ الگ اماموں کے ساتھ پوری نماز پڑھیں۔ پہلا گروہ اپنی نماز مکمل کرکے دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر دوسرے امام کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ حالتِ امن میں نماز پڑھی جاتی ہے، نیز یہ حکم اس وقت کا ہے جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لئے تیار کھڑی ہوں اور لڑائی شروع نہ ہوئی ہو لیکن اگر جنگ شروع ہوجائے تو پھر جماعت کا اہتمام ضروری نہیں بلکہ جس طرف بھی رُخ ہو سواریوں پر اکیلے اکیلے اشاروں سے بھی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ (اس سلسلے میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۹ بھی ملاحظہ کریں) اور اگر اشاروں سے بھی نماز پڑھنے کی فرصت نہ ملے تو اس نماز کو ملتوی کردیں اور بعد میں جب فراغت ہو تو ادا کرلیں جیسے غزوۂ خندق میں حضورِ اکرم ﷺ نے چار نمازیں بعد میں ادا فرمائی تھیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز باجماعت اس قدر اہم ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی اس کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ ویسے بھی نماز اور دعا مؤمن کا ہتھیار ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے: اے ایمان والو نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو۔ (قرآن: ۲: ۱۵۳)

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحہ اور اپنے سازوسامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں، اور تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو مگر (پھر بھی دشمن سے) ہوشیار رہو، [۱۱۲] بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا

۱۰۳۔ جب تم نماز ادا کر چکو [۱۱۳] تو کھڑے ہوئے،

---

[۱۱۲] دشمن سے خطرے کے وقت میدان میں یا نماز میں ہر جگہ ہتھیاروں سے مسلح رہنے کا حکم دیا گیا تاکہ دشمن غیر مسلح دیکھ کر اچانک حملہ نہ کر سکے اور اگر بیماری، بارش یا کسی تکلیف کی وجہ سے ہتھیار اتار دیں تو بھی دشمن کی نقل وحرکت سے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی فوج کے ہمراہ غزوہ ذات الرقاع سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ کیا اور ساری فوج مختلف درختوں کے سائے میں تھوڑی دیر ستانے کے لئے لیٹ گئی، حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی تلوار ایک درخت کے ساتھ لٹکائی اور آرام فرما ہو گئے، چنانچہ دشمنوں کا ایک فوجی کسی خفیہ طریقہ سے اچانک حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچا اور تلوار بے نیام کر کے کہنے لگا: اے محمد ﷺ! آپ کو میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بچائے گا، چنانچہ دشمن منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی تلوار اٹھا کر فرمایا: مجھے تو میرے رب نے بچا لیا اب تو بتا تجھے میرے وار سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: مجھے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تو اسلام قبول کرتا ہے؟ اس نے کہا: یہ تو نہیں ہو سکتا مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی مقابلہ نہیں کروں گا اور نہ ہی آپ کے دشمن کی مدد کروں گا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی تلوار بھی اسے واپس کر دی۔ اس بے مثل خلقِ عظیم کو دیکھ کر وہ دشمن بولا: بے شک آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ دشمن جب واپس اپنے کافر ساتھیوں کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: ہم نے تجھے حضرت محمد ﷺ کے سر پر تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا دیکھا تو ان کے قتل سے تمہیں کس چیز نے روکا؟ اس نے جواب دیا: میں نے آپ کو مارنے کے لئے تلوار بڑھا دی تھی، پھر مجھے پتہ نہیں کہ کسی چیز نے میرے دونوں کندھے جھنجھوڑے اور میں منہ کے بل گر گیا میری تلوار بھی میرے ہاتھ سے گر گئی جس کو حضرت محمد ﷺ نے اُٹھا لیا۔ اس کے بعد سارا واقعہ سنایا، اس واقعہ کو سن کر اس کے بعض کافر ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (تفسیر روح المعانی)

[۱۱۳] یعنی نمازِ خوف سے فارغ ہونے کے بعد بھی جس حالت میں ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھو تاکہ اس کی یاد کی برکتیں بھی

وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، پھر جب تم (دشمن کی طرف سے) مطمئن ہو جاؤ تو (حسب دستور) نماز ادا کرو، [۱۱۴] بے شک اہل ایمان پر نماز اپنے مقرر وقت میں فرض کی گئی ہے۔ [۱۱۵]

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

۱۰۴۔ اور (دشمن) قوم کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ، [۱۱۶] اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

شامل حال رہیں۔

[۱۱۴] جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس طریقے سے پڑھو جیسے عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

[۱۱۵] یعنی ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا فرض ہے اور بغیر عذر شرعی کے دو نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کم از کم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ ہمیشہ نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ (نسائی: ۳۰۱۳: ۳ کتاب مناسک حج: باب ۲۰۱) البتہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو اپنے اپنے اوقات میں جمع کرنا جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پہلی نماز کو آخری وقت میں پڑھا جائے اور دوسری نماز کو اول وقت میں ادا کیا جائے۔ (مبسوط للسرخسی: باب مواقیت الصلوٰۃ) اور نمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں جو احادیث طیبہ مروی ہیں ان کی یہی تاویل ہے۔

(امداد الفقہ: الجمع بین الصلاتین)

[۱۱۶] جنگ اُحد سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کفار مکہ کا تعاقب کرو تا کہ وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں، تو بعض صحابہ کرام نے سخت زخمی ہونے کی شکایت کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دشمن کے تعاقب میں سستی نہ کرو، اگر اب تم زخمی ہو تو کافر بھی تو جنگ احد میں زخمی ہونے کے باوجود دوڑے سے دوبارہ حملہ آور ہوئے تھے۔ اگر وہ باطل کے لئے سختیاں برداشت کر سکتے ہیں تو تم حق کی سربلندی کے لئے ان سے پیچھے کیوں رہتے ہو، نیز تمہیں تو اللہ تعالیٰ سے اس تکلیف کے اجر کی بھی امید ہے یعنی دنیا میں اللہ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں، جبکہ کفار اس

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

۱۰۵۔ بے شک ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی ہے، اور آپ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔[۱۱۷]

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾

۱۰۶۔ اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

امید سے محروم ہیں، ان کے سامنے صرف دنیا اور اس کے عارضی فوائد ہیں، لہٰذا اپنے رب کی رضا اور ابدی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے پورے جوش وخروش سے آگے بڑھو اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

[۱۱۷] ان آیات کا تعلق ایک واقعہ سے ہے جس میں طعمہ نامی ایک منافق نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے گھر نقب لگا کر کچھ سامان چوری کر لیا اور جب اسے اپنی چوری بے نقاب ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے چوری کا سامان زید نامی یہودی کے ہاں بطور امانت رکھا اور بعد میں اس پر چوری کا بہتان لگا دیا۔ یہودی نے کہا: میں چور نہیں ہوں، طعمہ نے یہ سامان بطور امانت میرے پاس رکھا ہے۔ جب طعمہ کے خاندان کو یقین ہو گیا کہ مجرم یہودی نہیں بلکہ ان کا اپنا بھائی ہے تو وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور طعمہ کی پاکدامنی کی جھوٹی گواہیاں دینے لگے کہ یہ تو بڑا دیانتدار اور نیک آدمی ہے، مسلمان بھی ہے، مال بھی اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوا، لہٰذا یہ سچا ہے اور یہودی جھوٹا ہے۔

اگرچہ حضور اکرم ﷺ بحیثیت نبی ہونے کے منافقین اور ان کی حرکات پر آگاہ تھے لیکن ظاہری شہادتوں کا قبول کرنا اور ان کے مطابق فیصلہ کرنا اسلامی نقطۂ نگاہ سے ضروری تھا۔ اگر آپ ﷺ اپنے ذاتی علم کے باعث ظاہری شہادتوں کے خلاف فیصلہ کرتے تو آنے والے ہر حاکم کے لئے یہ گنجائش نکل آتی کہ وہ جیسے چاہتا گواہوں کو ٹھکرا کر اپنی مرضی کے فیصلے صادر کر دیتا، اس لئے ظاہری شہادتوں کی وجہ سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ حضور اکرم ﷺ طعمہ کی حمایت کا فیصلہ فرما دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ظاہری شہادتوں کے خلاف اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا اور اس فیصلے کی نسبت اپنے حکم کی طرف کر دی تاکہ آنے والا کوئی حاکم حضور اکرم ﷺ کے فیصلے کو بنیاد بنا کر ظاہری شہادتوں کے خلاف اپنی مرضی کا فیصلہ صادر نہ کر سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی ﷺ! یہ منافق جھوٹے اور بددیانت ہیں، آپ ان کی حمایت نہ کریں یعنی جیسے آپ نے پہلے بھی خائنوں کی کبھی حمایت نہیں کی اسی طرح آئندہ بھی نہ کریں اور فیصلہ وہ کریں جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کو دکھا دیا ہے، چنانچہ آپ نے طعمہ کو چوری کا مجرم قرار دے دیا مگر وہ بھاگ کر مکہ چلا گیا۔ ایک رات وہاں بھی نقب لگا رہا تھا کہ دیوار گر پڑی اور وہ اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا، نیز ظاہری شہادتوں کے

وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بڑا بددیانت بدکار ہے۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ یہ لوگ انسانوں سے (اپنی حرکات) چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے، [۱۱۸] اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔

پیش نظر اگر حضور اکرم ﷺ طعمہ کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیتے تو فیصلہ اسلامی اصولوں کے مطابق قرار پاتا۔ اس میں آپ کی کوئی خطا نہ ہوتی اور عدالت میں بعض دفعہ غلط شہادتوں کے باعث خلافِ حقیقت فیصلے ہو جاتے ہیں، لیکن اُس وقت جبکہ کفر و اسلام کے درمیان ایک زبردست معرکہ آرائی برپا تھی اگر حضور اکرم ﷺ ظاہری شہادتوں کے باعث یہودی کے خلاف فیصلہ کر دیتے تو کفار اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کا ایک نیا محاذ کھول دیتے کہ مسلمانوں کے فیصلوں کے پس پردہ بھی مذہبی تعصب کارفرما ہے۔ اس خطرہ سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس مقدمہ میں مداخلت فرمائی، نیز فرمایا: ان سادہ لوح مسلمانوں کے لئے دُعائے مغفرت کریں جو منافقین کی جھوٹی قسموں کے باعث طعمہ کی حمایت کر بیٹھے تھے۔

ان آیات کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بظاہر خطاب اگرچہ حضور اکرم ﷺ کو ہے مگر مراد آپ کی اُمت کے لوگ ہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی شان میں تو یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ بددیانت لوگوں کی حمایت کریں گے۔ (تفسیر مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ نے بظاہر آپ کو خطاب کر کے آپ کی اُمت کے ہر حاکم اور قاضی کو متنبہ کیا ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق جو فیصلہ کسی حاکم کے ذہن میں درجۂ یقین پر پہنچ جائے تو وہ اس پر ڈٹ جائے۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے اور بددیانت لوگوں کی حمایت نہ کرے۔

[۱۱۸] منافقین اپنے مجرم ساتھی کی چوری کو چھپانے کے لئے رات کو تدبیریں کرتے۔ اس پر انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ لوگوں سے تو اس کا جرم چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کیسے چھپائیں گے، نیز دُنیاوی زندگی میں تم اس کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہو مگر قیامت کے دن کس کی جرأت ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی مجرم کی حمایت یا وکالت کر سکے۔ یہ آیت ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر ہم یہ خیال رکھیں کہ ہمارا کوئی خیال اور کام اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے اور روزِ قیامت ہماری ہر حرکت ظاہر کر دی جائے گی تو ہم میں سے کوئی بھی گناہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو جو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں جھگڑتے ہو تو قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون جھگڑا کرے گا یا ان کا کون وکیل ہوگا؟

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے [۱۱۹] تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا پائے گا۔

وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا يَكۡسِبُهٗ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اُسی شخص پر ہوگا، اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ خَطِيۡٓـئَةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ يَرۡمِ بِهٖ بَرِيۡٓـئًا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

۱۱۲۔ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے، پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اُٹھایا۔

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ

۱۱۳۔ اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو بہکانے کا قصد کر لیا تھا مگر وہ صرف اپنے آپ کو بہکا رہے ہیں

---

[۱۱۹] ان تین آیات میں تین قسم کے مجرموں کا ذکر ہے:

۱۔ جو شخص برائی یا ظلم کرے اور پھر سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ توبہ کے تفصیلی بیان کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ۱۷ اور حاشیہ نمبر ۲۳ ملاحظہ ہو۔

۲۔ جو شخص گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو وہ اپنے گناہ کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

۳۔ جو شخص گناہ کر کے اس کی تہمت کسی بے گناہ انسان پر لگا دے تو اس نے صرف گناہ ہی نہیں کیا بلکہ بہتان لگا کر ایک اور شخص کو بھی پریشان کر دیا ہے، لہٰذا اسے دُگنی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿۱۱۳﴾

اور آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، [۱۲۰] اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو سکھا دیا جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے، [۱۲۱] اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ [۱۲۲]

[۱۲۰] یعنی منافقین نے غلط بیانی کر کے آپ سے غلط فیصلہ کرانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ اگر وہ اپنی غلط بیانی سے خلاف حقیقت فیصلہ حاصل کر بھی لیتے تو پھر بھی نقصان اُنہی کا تھا، کیونکہ قاضی تو شہادتوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اگر گواہ غلط بیانی کریں تو اس میں قاضی قصوروار نہیں ہوگا، لہٰذا جو شخص قاضی کو دھوکہ دے کر غلط فیصلہ حاصل کر لیتا ہے وہ دراصل اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ قیامت کے دن جب اس غلط بیانی کا راز فاش ہوگا تو نقصان کس کا ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ہوشیاری کے ذریعہ عدالت سے غلط فیصلہ حاصل کر لے اور اس طرح دوسرے مسلمان کا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور بھائی کا حق نہیں لینا چاہیے اور اگر لے گا تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ وہ آگ کا ٹکڑا لے رہا ہے۔ (بخاری: ۶۹۶۷: کتاب الحیل: باب ۱۰)۔

[۱۲۱] مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی، قدیم اور غیر محدود ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کا علم عطائی، حادث اور محدود ہے یعنی پہلے نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور کتنا عطا فرمایا؟ دراصل اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے حضور اکرم ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا کے سمندروں سے ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کا علم محدود ہے۔ اس کی ایک حد ہے، لیکن وہ حد اتنی وسیع ہے کہ ہمارے حساب و کتاب کے پیمانے ختم ہو سکتے ہیں مگر اس حد کو ناپا نہیں جا سکتا۔

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں یہاں تک ہے وہاں تک ہے
خدا جانے کہاں سے جلوۂ جاناں کہاں تک ہے
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے، تخلیق کائنات کی ابتدا سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں اور اہل دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات کی ہمیں خبر دی۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔ (بخاری: ۳۱۹۲: کتاب بدء الخلق: باب ۱) اس سلسلے میں سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۷۹ اور حاشیہ نمبر ۱۲۶ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۲۲] فضل عظیم کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے متکلم کے معیار کا علم ضروری ہے، مثلاً ایک غریب آدمی کی دوست سے دس

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے [۱۲۳] یا نیک کام کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندیاں حاصل کرنے کے لئے یہ کام کرے تو عنقریب ہم اسے اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

ہزار پونڈ اُدھار لے کر کاروبار شروع کرتا ہے اور ایک امیر آدمی دس ملین پونڈ سے اپنے کاروبار کا آغاز کرتا ہے۔ سال کے بعد دونوں خوش ہیں اور کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے، اس سال عظیم نفع حاصل ہوا ہے۔ اب دونوں نے عظیم کا لفظ بولا ہے مگر تحقیق کی جائے تو غریب کو زیادہ سے زیادہ دس ہزار پونڈ کا نفع ہو سکتا ہے جبکہ امیر آدمی کو کم از کم کئی ملین پونڈ نفع ہوا ہوگا۔ اب اندازہ کریں دونوں آدمی ایک ہی لفظ یعنی عظیم بول رہے ہیں مگر ان کے اپنے معیار کے اختلاف کی وجہ سے عظیم کی مقدار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

جب دو انسانوں کے معیار اور عظیم کی مقدار میں اتنا فرق ہے تو اندازہ کریں مٹی کے انسان اور قادرِ مطلق رحمٰن کے معیار میں کتنا فرق ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ ساری دنیا اور اس کا سارا مال و متاع یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک اور زمین سے لے کر آسمان تک بالکل قلیل ہے۔ (قرآن: ۴: ۷۷) اور لوگوں کو جو علم دیا گیا وہ بھی قلیل ہے۔ (قرآن: ۱۷: ۸۴) تو اس خالقِ کائنات کی نگاہ میں عظیم کا پیمانہ کتنا وسیع ہوگا جو اس نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔ (تفسیر کبیر) جو لوگ حضورِ اکرم ﷺ کے علم کو اپنی عقل سے ناپنے کی کوشش کرتے ہیں اُنہیں اس آیت میں بار بار غور کرنے کی ضرورت ہے۔

[۱۲۳] فتنہ و فساد پھیلانے کے لئے منافقین جو سرگوشیاں کرتے ہیں اس میں سوائے نقصان کے کسی کا کوئی فائدہ نہیں ہے، البتہ جو آدمی صدقہ و خیرات یا نیک کاموں کی ترغیب دے یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے تو جو بھی ان کاموں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے گا وہ اجرِ عظیم کا مستحق قرار پائے گا اور جن لوگوں کو اِن کاموں سے فائدہ پہنچے گا ان کی ہمدردیاں اور دُعائیں بھی حاصل کرے گا۔ سارے نیک کام اچھے اور قابلِ تعریف ہیں لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں صلح کرانے کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے دو بے چین خاندانوں میں سکون کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقہ سے افضل ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو ناراض لوگوں کی آپس میں صلح کرانا ہے، اور دو

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

۱۱۵۔ اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت کی راہ روشن ہوگئی اور وہ مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلے، [۱۲۴] تو ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھرا اور اس کو جہنم میں ڈال دیں گے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے [۱۲۵] اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

انسانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرنا تو نیکیوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ (احمد: جلد ۶: ص ۴۴۵)

نیز حضور اکرم ﷺ نے تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی رُخصت عطا فرمائی: بیوی کو راضی کرنے کے لیے مرد کا جھوٹ بولنا، جنگ میں جھوٹ بولنا اور لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔ (احمد: جلد ۶: ص ۴۰۴)

[۱۲۴] حضور اکرم ﷺ نے جب وحی کے ذریعہ طعمہ کی چوری کا راز فاش کر دیا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں اور اہل ایمان کا دین سچا ہے لیکن اس شرح صدر کے باوجود جب وہ کفر کی طرف لوٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جہنمی ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ آیت اگرچہ طعمہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس کا حکم عام ہے۔ یعنی جس شخص کے سامنے حق و باطل واضح اور ہدایت کا راستہ روشن ہو جائے اس کے باوجود اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور اہل ایمان یعنی اجماع اُمت کی پیروی نہ کرے تو اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ کفر کی طرف واپس چلا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

اجماع اُمت حجت ہے

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور اہل ایمان کی راہ کی مخالفت کرنے والے کو جہنم کی سزا سنائی گئی ہے۔ ظاہر ہے اہل ایمان کی راہ سے مراد وہی راہ ہو سکتی ہے جس پر اُمت کا اجماع ہو کیونکہ اس راہ کی پیروی سب مسلمانوں پر واجب ہے اور جو اس راستہ کو چھوڑ دے اس کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا درج ذیل ارشاد گرامی قابل غور ہے: میری اُمت کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ جماعت کے سر پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت مسلمین سے علیحدہ ہوگا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (ترمذی: ۷: ۲۱۶: ابواب الفتن: باب ۷) اس آیت سے اجماع اُمت کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام شافعی سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے؟ تو انہوں نے کہا: میں نے قرآن مجید کو تین سو بار پڑھا تو میں نے اس آیت کو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پایا۔ (تفسیر کبیر)

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ یہ مشرک اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں[۱۲۶]اور صرف سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔

لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اللہ نے اس پر لعنت کی ہے، اوراس نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔[۱۲۷]

وَّ لَاُضِلَّنَّہُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّہُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ

۱۱۹۔ اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا [۱۲۸] اور میں ضرور اُنہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور جانوروں کے کان چیر

---

[۱۲۵] توحید نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور شرک برائیوں کی بنیاد ہے۔ توحید جنت کی شاہراہ ہے اور شرک دوزخ کا راستہ ہے اور انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا کہ وہ توحید کی شاہراہ پر سفر کرتا ہوا اپنے آخری ٹھکانا یعنی جنت میں پہنچ جائے۔ اب مسافر کا رُخ اگر منزلِ مقصود کی طرف ہو تو وہ جلد یا بدیر کبھی نہ کبھی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا لیکن اگر اس کا رُخ ہی غلط ہے تو اس کا ہر قدم اسے منزل سے دور تر کرتا رہے گا اور قیامت تک بھی اگر وہ تیز رفتاری سے چلتا رہے تو بھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ غلط راستہ کو ترک نہ کرنے کی وجہ سے مشرک حصول رحمت کی ساری صلاحیتیں ضائع کر دیتا ہے، اس لئے وہ آخرت کی کسی نعمت کے قابل نہیں رہتا۔ اس آیت کی مزید تفصیل کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ۴۸ کے حاشیہ نمبر ۶۴ / ۶۵ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۲۶] مشرکین جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے ان کے اکثر نام نسوانی (لات، منات، عزّیٰ، نائلہ وغیرہ) تھے۔ وہ فرشتوں اور بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور بتوں کو عورتوں کی طرح زیور پہنا کر سجاتے تھے، اس لئے ان کے بتوں کو عورتوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگرچہ وہ شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن چونکہ شیطان نے ہی انہیں اس شرک کے راستہ پر چلایا تو گویا بالواسطہ یہ شیطان کی ہی عبادت تھی۔

[۱۲۷] حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث جب شیطان کو ملعون قرار دے دیا گیا تو اس نے کہا تھا: میں اس کا بدلہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے لوں گا اور ان کو گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا، البتہ جو مخلص ہوں گے وہ میرے فریب میں نہیں آئیں گے۔ ظاہر ہے جو مخلص نہیں ہوں گے وہی شیطان کے حصے میں آئیں گے۔ سورۃ حجر کی آیات نمبر ۲۸ تا ۴۴ میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

[۱۲۸] شیطان کا مشن گمراہ کرنا ہے اور وہ اس میدان میں بڑا ہوشیار اور تجربہ کار ہے۔ گمراہ کرنے کے ہر حربے کو بروئے کار لاتا ہے اور لوگوں کو ان کے طبعی میلان کے مطابق گمراہی کا راستہ اور سبز باغ دکھاتا ہے۔ برائیوں کو خوبیوں کے رنگ میں اور

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

ڈالیں گے، [۱۲۹] اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کر دیں گے، [۱۳۰] اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے تو اس نے کھلا نقصان اُٹھایا۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے، اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف دھوکہ ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے بچ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔

مظالم کو محاسن کے روپ میں پیش کرتا ہے حالانکہ اس کے سارے وعدے جھوٹے اور ساری امیدیں دھوکہ ہوتی ہیں۔ ان واضح تنبیہات کے باوجود جو شیطان کی دوستی اختیار کرے وہ جہنم سے بچ نہیں سکے گا۔

[۱۲۹] مشرکین عرب جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے ان کی پہچان یہ تھی کہ ان کے کان چیر دیے جاتے تھے، پھر کوئی بھی ان جانوروں سے کسی قسم کا کام نہیں لیتا تھا۔ اگر وہ جانور مر جاتے تو عورتوں کے لئے ان کا گوشت کھانا ممنوع تھا صرف مرد کھا سکتے تھے، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو از خود حرام کر لیتے۔ (تفسیر مظہری)

[۱۳۰] اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ کسی چیز کی ظاہری صورت میں ایسی تبدیلی کرنا جو اس کے حسن اور تشخص کو بدل دے جیسے بتوں کے نام پر وقف جانوروں کے کان چیر کر ان کی تخلیق کو ناقص بنا دینا یا لاش کا مثلہ کرنا وغیرہ۔

۲۔ کسی چیز کو اس کے مقصدِ تخلیق کے خلاف استعمال کرنا جیسے سورج، چاند، پتھر، آگ وغیرہ جو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر کفار نے ان کو خدا بنالیا، نیز ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور دینِ اسلام میں ردّ و بدل کر کے اس کا حلیہ بگاڑنا۔ الغرض ہر وہ عقیدہ یا عمل جو منشائے فطرت کے خلاف ہو وہ شیطانی وسوسہ ہے اور مقصدِ تخلیق میں خلل اندازی ہے اس سے بچنا لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم انہیں ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، [۱۳۱] اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ (نجات کا انحصار) نہ تمہاری امیدوں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر [۱۳۲] (بلکہ) جو برائی کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی [۱۳۳] اور وہ اللہ کے بغیر کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا۔

---

[۱۳۱] شیطان کے سارے وعدے جھوٹے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں۔

[۱۳۲] حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کیا۔ اہل کتاب نے کہا: ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے، ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی، لہٰذا ہم تم سے افضل ہیں۔ مسلمانوں نے کہا: ہمارے نبی آخری نبی ہیں اور ہماری کتاب پہلی کتابوں کی ناسخ ہے اس لئے ہم افضل ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر جامع البیان) یعنی فضیلت اور نجات کا دارومدار صرف تمہارے دعوؤں اور امیدوں پر نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ اچھے اعمال پر ہے۔ سارے انبیائے کرام اور ساری آسمانی کتابوں کی فضیلت میں کوئی شبہ نہیں لیکن ان کے ماننے والے اگر برے کام کریں گے تو انہیں اپنی برائیوں کی سزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

[۱۳۳] جب یہ آیت (یعنی جو شخص کچھ بھی برائی کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بڑی شاق گزری اور ان کو بہت تشویش لاحق ہوئی (یعنی اگر ہر برائی کی سزا ملے گی تو کون بچے گا؟) اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم نیک عمل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے، نیز فرمایا: مؤمن کے ہر غم، بیماری، تھکاوٹ یا تکلیف کے بدلے میں اس کے معیار کے مطابق اس کی برائیاں معاف کر دی جائیں گی۔ (مسلم: ۶۵۶۸/۶۵۶۹: کتاب البر: باب ۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ نیک اعمال کرنے کی کوشش کرتے رہو، تمہارے نیک کاموں کی وجہ سے بھی تمہارے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور مسلمانوں پر دنیا میں جو مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں وہ بھی ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ اور جو نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت [۱۳۴] بشرطیکہ وہ مؤمن ہو [۱۳۵] تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے [۱۳۶] اور ان پر تل بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ اور دینی لحاظ سے اس شخص سے بہتر کون ہوگا جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دیا ہو اور وہ احسان کرنے والا ہو، [۱۳۷] اور اس نے ملتِ ابراہیم کی پیروی کی جو ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے تھے، اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنا لیا۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

۱۲۶۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

[۱۳۴] جنت میں داخل ہونے کے لئے مرد یا عورت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ جو بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان دار ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی زیادتی نہیں ہوگی۔ یہ آیت اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان اعمال اور جزائے اعمال کے اعتبار سے کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے۔

[۱۳۵] نیک اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اس لئے غیر مسلم اگر نیک عمل کریں تو بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں اور ایمان ہی نیک اعمال کا اصل محرک ہے، لیکن برے اعمال کی سزا کے لئے کفر شرط نہیں ہے کیونکہ گناہ کرنے والا کافر ہو یا مسلمان دونوں سزا کے مستحق ہیں۔

[۱۳۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنت میں وہ مؤمن داخل ہوں گے جن کے سارے اعمال نیک ہوں اور کوئی برائی نہ ہو حالانکہ ہر شخص اس پر قادر نہیں ہے، لہٰذا اس میں ہم عام مسلمانوں کے لئے بشارت بھی ہے کہ نیکیوں کے ساتھ اگر برائیاں بھی ہوں گی تو ایمان کی برکت اور اللہ کی رحمت سے جنت مل جائے گی کیونکہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

[۱۳۷] یعنی دین کے اعتبار سے اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، نیک کام کرے اور اسلام (جس میں ملتِ ابراہیمی بھی شامل ہے) کی پیروی کرے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ فرمایئے: اللہ تمہیں عورتوں کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے [۱۳۸] اور وہ جو تم پر اس کتاب میں ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھا جاتا ہے جنہیں تم وہ حق نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور تم خود ان سے نکاح کرنے کی خواہش کرتے ہو اور کمزور بچوں کے متعلق (بھی اللہ کا حکم) یہ ہے کہ یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر قائم رہو، اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ

۱۲۸۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رخی کا اندیشہ ہو [۱۳۹] تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے، اور

[۱۳۸] عرب میں مرنے والے کے جوان بیٹے یا بھائی ساری جائیداد کے مالک بن جاتے اور میت کے بچے، بچیاں اور بیوی وراثت سے محروم رہ جاتے، نیز یتیم لڑکیوں کے مال ہضم کرنے کے لئے خود اُن سے شادی کر لیتے اور اس طرح یہ صنف نازک اور کمسن بچے ہمیشہ مشکلات کا شکار رہتے۔ اس روئے زمین پر اسلام پہلا مذہب ہے جس نے چودہ سو سال پہلے عورتوں اور بچوں کے حقوق کا انتظام کیا جس کی تفصیل اس سورت کی ابتدائی آیات میں مذکور ہے۔ چونکہ اہل عرب کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا اس لئے مسلمانوں کو یہ بات بڑی انوکھی سی لگی اور دوبارہ پوچھنے کی جرأت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی عورتوں، یتیم بچیوں اور کمزور بچوں کے حقوق وہی ہیں جو اس سورت کی ابتدا میں نازل ہو چکے ہیں، لہٰذا ان کے حقوق ادا کرو۔ ان کی بے کسی اور کمزوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ اور ان کے معاملات میں انصاف کے تقاضے پورے کرو۔

[۱۳۹] اگر کوئی عورت بانجھ یا دائمی مریض ہو یا کسی حادثہ کی وجہ سے مستقل معذور ہو جائے یا کسی اور وجہ سے خاوند کو پسند نہ رہے اور خاوند اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن عورت طلاق لینا نہیں چاہتی تو اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے بعض حقوق میں کمی کر کے شوہر کو طلاق نہ دینے پر راضی کر لے مثلاً مہر یا نان ونفقہ میں کمی کر دے یا دوسری بیوی کے لئے اپنی باری میں کمی کر دے اور اس طرح مطلقہ ہونے سے بچ جائے کیونکہ میاں بیوی کی بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔

أُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾

دلوں میں حرص رکھی گئی ہے، [۱۴۰] اور اگر تم نیک کام کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وَ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اور تم اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا انصاف کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے اگرچہ تم اس پر حریص بھی ہو [۱۴۱] تو (ایک بیوی کی طرف) پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو اس طرح چھوڑ دو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو، اور اگر تم اصلاح کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اور اگر میاں بیوی علیحدہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسیع بخشش سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، [۱۴۲] اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا بڑی حکمت والا ہے۔

[۱۴۰] انسان اپنے مال، مفادات، خواہشات اور حقوق کے بارے میں فطری طور پر حریص واقع ہوا ہے۔ ہر شخص اپنا حق زیادہ سے زیادہ لینا چاہتا ہے اور دوسرے کا حق کم سے کم دینا چاہتا ہے لیکن صلح کے لئے کسی ایک فریق کو اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ بہرحال جو بھی اس نیک کام میں پہل کرے دوسرے کو تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اس کی قدردانی چاہیے۔

[۱۴۱] اگر کسی مسلمان کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب سے برابر سلوک نہیں کر سکتا کیونکہ محبت ایک غیر اختیاری چیز ہے، لہٰذا اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی لیکن ظاہری حقوق کا ادا کرنا تو اس کے اختیار میں ہے، اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بالکل ایک ہی عورت کی طرف جھک جائے اور دوسری کے حقوق میں اس حد تک کوتاہی کرے کہ اسے درمیان میں لٹکا دے یعنی نہ اس کے حقوق ادا کرے اور نہ ہی اسے طلاق دے، یہ انتہائی ظلم ہے، اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنے غلط رویہ کی اصلاح کرنی چاہیے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا۔

(ترمذی: ۱: ۱۱۴۱: ابواب النکاح: باب ۴۲)

[۱۴۲] یعنی کوشش کے باوجود اگر میاں بیوی میں صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو پھر طلاق یا خلع کے ذریعہ دونوں علیحدہ ہو

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو، [۱۴۳] اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ہر تعریف کا مستحق ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے، اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے۔

جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے۔ عین ممکن ہے کہ مرد کو اپنی پسند کی دوسری بیوی اور عورت کو اپنی پسند کا دوسرا خاوند مل جائے۔ اسلام میں طلاق اگرچہ سخت ناپسندیدہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال (کاموں میں) سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ عمل طلاق ہے۔ (ابوداؤد: ۲۱۷۸: کتاب الطلاق: باب ۳) لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ بعض دفعہ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔

[۱۴۳] زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق اور مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کائنات میں قانون سازی اور حکمرانی کا حق بھی اسی کا ہے۔ اس نے گزشتہ آسمانی کتابوں میں اور قرآن مجید میں بھی سب امتوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے، اور جو اس کے حکم کو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ اس پر مکمل قادر ہے کہ انہیں فنا کر کے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے یا انہیں زوال میں مبتلا کر کے دوسرے لوگوں کو عروج سے ہمکنار کر دے اور ایسا پہلی اُمتوں میں ہو چکا ہے، لہٰذا گزشتہ قوموں سے عبرت حاصل کرو۔ یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے، اس کی عارضی رنگینیوں میں کھو کر نہ رہ جاؤ بلکہ تقویٰ اختیار کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت یعنی دونوں جہاں میں سرخرو فرمائے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾ ع

۱۳۴۔ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

۱۳۵۔ اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ [۱۴۴] اگرچہ (یہ گواہی) تمہارے اپنے خلاف ہو، یا تمہارے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو، (جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے) خواہ وہ امیر ہو یا غریب، پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا روگردانی کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

۱۳۶۔ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر [۱۴۵] اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی، اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل فرمائی اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت (کے دن) کے ساتھ کفر کرے تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

[۱۴۴] اہل ایمان کو تاکید کی جارہی ہے کہ وہ انصاف پر ثابت قدم رہیں اور جب گواہی دینے کا موقعہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے گواہی دیں کیونکہ گواہی انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، لہٰذا تمہاری گواہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہیے۔ اپنے یا اپنوں کے مفادات اس میں حائل نہ ہوں اور نہ ہی کسی کی دولت یا غربت اس میں اثر انداز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا خیر خواہ ہے۔ اگر تم نے کسی ہیر پھیر یا غلط بیانی کی کوشش کی تو خبردار! اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔ لوگوں سے تو گواہی کو چھپایا جا سکتا ہے لیکن روز قیامت بارگاہ الٰہی میں کیا عذر پیش کرو گے؟

[۱۴۵] اہل ایمان کے ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہو کیونکہ جو شخص شیطان کے فریب میں آکر کفر کر بیٹھتا

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا [۱۴۶] اور نہ کبھی انہیں راہ راست دکھائے گا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ منافقوں کو خوش خبری [۱۴۷] سنا دو کہ بلاشبہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ بے شک عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔ [۱۴۸]

ہے وہ اکثر گمراہی میں اتنا دور نکل جاتا ہے کہ اس کا واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا شیطان کے وسوسوں سے محتاط رہو اور اسلام کا دامن کبھی نہ چھوڑو۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والو! اپنے حسنِ عمل سے اپنے ایمان کی تصدیق کرو۔

[۱۴۶] بعض لوگ مسلمانوں کی کامیابی اور غلبے کے وقت مسلمان ہو جاتے لیکن آزمائش اور شدت کے وقت کافر ہو جاتے اور آخر کار وہ کفر میں اتنے بڑھتے چلے گئے کہ پھر واپس نہیں آئے، نیز بار بار کفر کرنے سے ان کی توفیق ہدایت ہی مر گئی، تو ایسے مرتدین کی نجات اور بخشش کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ وہ مرتے دم تک کافر رہے اور ان کی موت کفر پر واقع ہوئی ورنہ انسان جتنی دفعہ مرتد ہو جب بھی سچی توبہ کرے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

[۱۴۷] خوش خبری کا لفظ عام طور پر اچھی خبر کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں دردناک عذاب کے لئے خوش خبری کا لفظ بطور طنز بولا گیا ہے یعنی قیامت کے دن منافقوں کے لئے صرف عذاب ہی عذاب ہے کوئی اور خبر نہیں ہے، لہٰذا وہ اسی کو خوش خبری خیال کریں۔

[۱۴۸] کفار کی دنیاوی دولت اور عددی کثرت کی وجہ سے منافقین ان کے پاس جاتے اور انہیں اپنی دوستی کا یقین دلاتے تاکہ مستقبل میں جب کافر غالب آ جائیں گے تو ان کے ساتھ منافقین کو بھی عزت و غلبہ مل جائے گا۔ اس آیت میں منافقین کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ عزت و غلبہ کفار کے پاس نہیں بلکہ اس کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

وَ قَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ فِي الۡكِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِيۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖٓ ‌ۖ اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡكٰفِرِيۡنَ فِيۡ جَهَنَّمَ جَمِيۡعَاۨ ۙ‏

۱۴۰۔ اور بے شک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اوران کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو[۱۴۹] یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوجائیں ورنہ تم بھی یقیناً اُنہی کی طرح ہوگے، بے شک اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

الَّذِيۡنَ يَتَرَبَّصُوۡنَ بِكُمۡ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَـكُمۡ فَتۡحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ ۖ وَاِنۡ كَانَ

۱۴۱۔ یہ منافق تمہارا انتظار کر رہے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہوجائے تو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟[۱۵۰] اور اگر کافروں کو

[۱۴۹] ایسی مجالس میں شرکت سے منع کیا جارہا ہے جس میں کلام الٰہی کا انکار کیا جائے یا احکام خداوندی کا مذاق اڑایا جائے کیونکہ جو شخص ایسی مجالس میں شرکت کرتا ہے وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو گمراہ فرقوں کی مجالس اور جلسوں میں شرکت کرنے، ان کے لٹریچر پڑھنے، ریڈیو اور ٹی وی کے خلافِ اسلام پروگرام سننے سے اجتناب لازمی ہے، نیز بدکاری، بے حیائی، جوا اور شراب نوشی کی محافل سے بھی باز رہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ''مسلمان برائی کو طاقت سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے برائی کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم: ۱۷۷: کتاب الایمان: باب ۲۰) یعنی دل سے برا جاننے والا ان محافل میں نہیں بیٹھ سکتا اور اگر بیٹھے گا تو ظاہر ہے وہ انہیں دل سے برا نہیں سمجھتا تو ایسے مسلمان کو اپنے ایمان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ہاں کسی حکمت، مجبوری یا دینی فائدے کی خاطر اگر ایسی مجالس میں بیٹھنا پڑے تو پھر کوئی حرج نہیں جیسا کہ مکہ میں کفار کے غلبہ کی وجہ سے مسلمان ان کی مجالس میں بیٹھنے پر مجبور تھے اگرچہ دل سے پسند نہیں کرتے تھے۔

نوٹ: دُنیاوی معاملات میں کفار سے اچھے تعلقات رکھنے اور اجتماعی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اجازت ہے۔

[۱۵۰] منافقین صرف دنیاوی مال ومتاع کے حریص اور مطلب پرست تھے۔ جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی تو ان کے گیت گاتے اور مالِ غنیمت لینے کے لئے آگے بڑھتے اور جب کفار غالب آجاتے تو ان کے پاس جاکر کہتے: اگر ہم مسلمانوں کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ تم پر غالب آجاتے کیونکہ ہم نے در پردہ ان کے حوصلے پست کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا،

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع

(کامیابی سے) کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے؟ کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہ بچایا تھا؟ پس (اے منافقو!) اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، [۱۵۱] اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے اہل ایمان پر (غلبہ کا) ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔[۱۵۲]

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ بے شک منافق (اپنے گمان میں) اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ کی سزا دینے والا ہے، اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، [۱۵۳] لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔

ان کے جنگی رازوں سے تمہیں باخبر رکھا اور انہیں کمزور کرنے کے لئے ہی ہم نے ظاہری طور پر ان کا مذہب قبول کیا اور اس طرح ان کے ساتھ رہتے ہوئے ہم نے تمہیں ان کے غلبہ سے بچایا تو اصل میں ہم تمہارے ساتھ تھے، اس لئے تمہارے جنگی فوائد میں بھی ہمارا برابر کا حصہ ہے۔

[۱۵۱] منافقین دنیا میں تو دھوکہ بازی کے ذریعے مسلمانوں اور کافروں دونوں سے دنیاوی فوائد حاصل کرتے رہے لیکن قیامت کے دن تو فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا، جب وہ ان کے دلوں کے راز فاش کردے گا تو پھر ان کا کیا حشر ہوگا؟

[۱۵۲] یعنی مسلمان اگر ایمان کے سارے تقاضے پورے کریں تو کوئی بھی ان پر غالب نہیں آسکتا، لیکن اگر دنیاوی معاملات میں کچھ کمزوریوں کی وجہ سے کبھی کفار غالب آجائیں تو بہرحال آخرت میں تو ایمان کی برکت سے مسلمان جنت میں جائیں گے اور کفار ذلیل وخوار ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔

[۱۵۳] منافقین بادل نخواستہ مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز باجماعت میں شریک ہوتے تا کہ ان کے نفاق کا راز فاش نہ ہو اور انہیں مسلمان سمجھا جائے لیکن نماز ختم ہوتے ہی بہت جلد مسجد سے بھاگ جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد بھی اللہ کا ذکر کرنا، کلمہ شریف و درود شریف پڑھنا، تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہنا یہ وہ چیزیں تھیں جو مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز کرتی تھیں مگر آج کل تو ایسے کلمہ گو بھی ہیں جو نماز کے بعد کلمہ یا درود شریف پڑھنے والوں پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگانے میں ذرہ دیر نہیں کرتے، اور بعض ایسے مسلمان بھی ہیں جو فرض ختم ہوتے ہی مسجد سے باہر آجاتے ہیں۔ دعا، سنت اور نوافل

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳۔ وہ اس (کفر و ایمان) کے درمیان ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان (کافروں) کی طرف ہیں اور نہ پورے ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں، [۱۵۴] اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لئے ہدایت کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴۔ اے ایمان والو! اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کے لئے ایک واضح دلیل قائم کر دو۔ [۱۵۵]

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ

۱۴۶۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور انہوں نے اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کر لیا تو یہ لوگ ایمان

کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

[۱۵۴] یہ منافقین کیسے عجیب لوگ ہیں، نہ پورے کافروں کے ساتھ ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے ساتھ، بس درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں۔ظاہر مسلمانوں کے ساتھ اور باطن کافروں کے ساتھ اور اسی دانستہ نفاق کی وجہ سے اپنی عقل سلیم کو ضائع کر چکے ہیں، لہٰذا ان کی ہدایت کی کوئی صورت نہیں ہے۔

[۱۵۵] اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے عذاب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیونکہ یہ منافقین کا شیوہ ہے لیکن اس کے باوجود جو کفار کے ساتھ گہری دوستی کا دم بھرتے ہیں تو گویا وہ خود اپنے نفاق کی دلیل قائم کر رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں، اور منافقین کو قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پھینکا جائے گا اور وہاں کوئی ان کی مدد نہ کر سکے گا۔

الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾

والوں کے ساتھ ہیں،[١٥٦]اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾

١٤٧۔ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ، اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾

١٤٨۔ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ بُری بات برملا کہی جائے سوائے مظلوم کی بات کے،[١٥٧]اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

---

[١٥٦] منافقین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت انہیں دعوت دے رہی ہے کہ اب بھی وقت ہے، مرنے سے پہلے سچی توبہ کر کے اللہ کا دامنِ رحمت تھام لو تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ خواہ مخواہ تمہیں عذاب دیتا رہے۔ تمہیں عذاب دینے کی وجہ تو تمہارا کفر ونفاق تھا، اب اگر تم اس سے توبہ کر لو تو اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے، وہ تمہاری سچی توبہ کے صلے میں تمہیں اجر عظیم سے نوازے گا اور صحابہ کرام ؓ کی مقدس جماعت میں شامل فرما دے گا۔

[١٥٧] کسی کو گالی دینا، کسی کی ہتک کرنا یا کسی کے عیوب و نقائص کا پرچار کرنا اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔اس طرح معاشرہ میں نفرت اور انتشار کی فضا پیدا ہو جاتی ہے، البتہ مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز بلند کرے تاکہ اس کی حق تلفی کی تلافی ہو سکے، دوسرے لوگ اس ظالم سے محتاط رہیں بلکہ سارے لوگ مل کر اس ظالم کے خلاف اس قدر بھرپور احتجاج کریں کہ آئندہ کسی کو ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔آخر میں مظلوم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تیری فریاد کوئی سنے یا نہ سنے اللہ تعالیٰ تو ضرور سننے والا ہے۔ ظالم کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تو اپنے مظالم لوگوں کی نگاہوں سے چھپا سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تیرے کرتوتوں کو خوب جاننے والا ہے۔دنیاوی عدالت اگر تجھے سزا نہ دے سکی تو خدائی عدالت سے کیسے بچے گا؟

غیبت اور کسی کو گالی دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

١۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کے اس وصف کا ذکر کرو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔آپ سے عرض کیا گیا: یہ بتائیے اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا: اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو تم بیان کرتے ہو تب ہی تو تم اس کی غیبت کرو گے اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو تو پھر تم اس پر بہتان باندھو گے۔

(مسلم: ٦٥٩٣: کتاب البر: باب ٢٠)

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَيۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا ﴿١٤٩﴾

۱۴۹۔ اگر تم کسی نیکی کو اعلانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی برائی کو معاف کر دو [۱۵۸] تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا بہت قدرت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا ۙ﴿١٥٠﴾

۱۵۰۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں [۱۵۹] اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی اور راستہ بنالیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿١٥١﴾

۱۵۱۔ یہی لوگ حقیقت میں کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۲۔ جب دو شخص ایک دوسرے کو برا کہیں یا آپس میں گالی گلوچ کریں تو اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک کہ مظلوم حدِ مساوات سے آگے نہ بڑھ جائے۔ (مسلم: ۶۵۹۱: کتاب البر: باب ۱۸) یعنی جس کو پہلے گالی دی گئی ہے اگر وہ اسی کی مثل واپس گالی دے تو صرف پہل کرنے والا مجرم ہوگا دوسرا تو انصاف کرنے والا ہے اور اگر دوسرے نے پہلے سے زیادہ گالیاں دیں تو پھر دوسرا بھی مجرم ہے لیکن اگر دوسرا صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ بہتر اور زیادہ اجر کا موجب ہے۔

[۱۵۸] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائی کے اظہار سے منع فرمایا اور اس آیت میں نیکی کے متعلق اجازت دیدی، چاہے اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو کیونکہ حالات کے مطابق کبھی نیکی ظاہر کرنے میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور کبھی اسے پوشیدہ رکھنا بہتر ہوتا ہے۔ آخر میں مظلوم کو فرمایا کہ تیرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تجھے اس کا بدلہ لینے کا حق حاصل ہے لیکن اگر تو اسے معاف کر دے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ معاف کرنا خدائی صفت ہے اور وہ طاقت کے باوجود غلط کاروں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔

[۱۵۹] جو لوگ اللہ کو مانیں اور اس کے رسولوں کا انکار کر دیں یا اس کے رسولوں سے بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کر دیں اور اس طرح کفر و اسلام کے درمیان کوئی تیسرا مذہب پیدا کرنے کی کوشش کریں تو یہ لوگ پکے کافر ہیں کیونکہ اسلام کے علاوہ دوسرے سارے راستے کفر کی طرف لے جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

۱۵۲۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان رسولوں میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں ان کے اجر عطا فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں، [۱۶۰] سو وہ موسیٰ علیہ السلام سے اِس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں، انہوں نے کہا تھا: ہمیں اللہ کو ظاہر دکھا دو، تو ان کے اس ظلم کی وجہ سے انہیں بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود بچھڑے کو (معبود) بنا لیا، [۱۶۱] پھر بھی ہم نے اس (جرم) کو معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح غلبہ عطا فرمایا۔

[۱۶۰] بعض یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لکھی ہوئی کتاب آسمان سے اُتری تھی اگر آپ بھی ایسی ہی کوئی لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل کروا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ سوال اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا مگر آپ کی طرف سے خود اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ یعنی پیارے نبی! آپ ان کے احمقانہ سوال پر متعجب ہوں گے۔ دراصل ان کا مقصد اطمینانِ قلب نہیں بلکہ صرف حجت بازی ہے، اگر آسمان سے کوئی تحریر نازل کر دی جائے تو پھر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب لکھی ہوئی کتاب لائے تو ان کے بزرگوں نے اس کا انکار کر کے مزید مطالبہ کر دیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ظاہر دکھاؤ تو ہم ایمان لائیں گے۔ اس گستاخی اور سرکشی کی انہیں یہ سزا دی گئی کہ بجلی کی کڑک نے انہیں پکڑ لیا۔ اس واقعہ کو سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۵ اور حاشیہ نمبر ۴۶ میں ملاحظہ کریں۔

[۱۶۱] یہود کی حجت بازی کا ایک اور واقعہ بیان کیا جا رہا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات (ید بیضا، عصا، بنی اسرائیل کی نجات اور فرعونیوں کا غرق وغیرہ) دیکھنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کو خدا بنا لیا اور اس کی عبادت شروع کر دی، تو جو لوگ عقل سے اتنے دور ہوں اُن سے ایسے نامعقول مطالبات میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی وسیع

وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَ قُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِي السَّبۡتِ وَ اَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴۔ اور ہم نے ان سے وعدہ لینے کے لئے طور کو ان کے اوپر بلند کیا اور ہم نے انہیں کہا کہ سجدہ کرتے ہوئے اس دروازہ سے داخل ہو جاؤ اور ہم نے انہیں کہا کہ ہفتہ کے دن میں حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّ قَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۪ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے کی وجہ سے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، [۱۶۲] (اللہ نے ان پر لعنت کی)، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔

وَّ بِكُفۡرِهِمۡ وَ قَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ۙ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ اور ان کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر بہتانِ عظیم باندھنے کی وجہ سے۔ [۱۶۳]

رحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جس نے ان کے اس عظیم گناہ کو بھی معاف کر دیا اور ان کے اوپر کوہ طور کو بلند کر کے پختہ وعدہ لیا کہ احکام تورات میں کمی بیشی نہ کریں۔ اس پختہ وعدہ اور احکام سبت کے لئے سورہ بقرہ کی آیات نمبر ۶۳ تا ۶۶ اور حاشیہ نمبر ۵۲ تا ۵۳ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۶۲] اس آیت میں یہود کے کفر کی چار وجوہات بیان کی گئی ہیں یعنی: (۱) عہد شکنی کرتے۔ (۲) معجزات کا انکار کرتے۔ (۳) انبیاء کو ناحق قتل کرتے۔ (۴) اور یہ دعویٰ کرتے کہ ان کے عقائد درست ہیں جو ان کے دلوں کی گہرائی میں اس قدر محفوظ ہیں کہ کوئی معجزہ یا استدلال ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتا اور یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر زمانے کا ہٹ دھرم یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ درست ہے اور باقی ساری دنیا غلط ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ بلا وجہ نہیں بلکہ سزا ہے ان کے مسلسل کفر کی، جس نے ان کے دل و دماغ کو اس حد تک ناکارہ بنا دیا ہے کہ ان میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہی دم توڑ چکی ہے، لہٰذا ان میں سے بہت کم لوگ ہی ایمان لائیں گے۔

[۱۶۳] جب حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں۔ وضع کا وقت قریب آیا تو آپ باہر ویرانے میں چلی گئیں۔ بچہ پیدا ہوا تو وہ لوگوں کے طعنوں کا خیال کر کے گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًاۢ ۝١٥٧

۱۵۷۔ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ہے [۱٦۴] جو اللہ کا رسول ہے، حالانکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے (کسی اور شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا، اور بے شک جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شک میں ہیں، انہیں اس امر کا کوئی یقینی علم نہیں ہے صرف گمان ہی کی پیروی ہے، اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

جب کوئی تم پر زبانِ طعن دراز کرے تو خود چپ رہنا اور اس بچے کی طرف اشارہ کر دینا، چنانچہ جب آپ واپس یروشلم (بیت المقدس) پہنچیں تو لوگوں نے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر انہیں مطعون کرنا شروع کر دیا۔ ایک کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھنے سے اس کے اخلاق کے متعلق شکوک کا پیدا ہو جانا ایک طبعی امر تھا۔ حضرت مریم نے حسب ارشادِ الٰہی بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے دریافت کرو۔ وہ کہنے لگے، ہم کیونکر اس بچے سے بات کر سکتے ہیں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے۔ اس وقت وہ معصوم بچہ فصیح زبان میں گویا ہوا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اس روشن معجزہ اور ناقابلِ تردید دلیل کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد انہیں حضرت مریم کی طہارت کا یقین آ جانا چاہیے تھا، آخر وہ اہل کتاب تھے، نبوت، وحی اور معجزات پر ان کا ایمان تھا لیکن یوں جان لینے کے بعد پھر ان کا اس تقدس مآب خاتون پر یہ تہمت لگانا بہتانِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟ (تفسیر ضیاء القرآن)

حضرت مریم پر زنا کا بہتان لگانے کا مطلب یہ تھا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور یہ انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کفر ہے۔ (تفسیر کبیر)

[۱٦۴] یہود کا دعویٰ یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا اور اس پر مستزاد یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے رسول اللہ کا لفظ بھی استعمال کیا جو بطور طنز و مزاح تھا کیونکہ وہ آپ کو رسول اللہ مانتے نہیں تھے مگر قرآن مجید نے بالکل واضح اور صاف الفاظ میں اس کی تردید کر دی یعنی یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں سولی پر چڑھا دیا اور اس کا ایک ثبوت ان کا آپس میں اختلاف ہے کیونکہ سولی چڑھانے کے بعد جب انہوں نے مقتول کو غور سے دیکھا تو حیران ہو گئے بعض نے کہا: یہ حضرت عیسیٰ ہیں اور بعض نے کہا: یہ کوئی اور شخص ہے، اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے جاسوس ساتھی کے مشابہ ہے۔ اگر یہ ہمارا

بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۝۱۵۸

۱۵۸۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا، [۱۶۵] اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۚ ۝۱۵۹

۱۵۹۔ اور اہل کتاب سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا مگر وہ مسیح پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لائے گا، [۱۶۶] اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے۔

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ ۝۱۶۰

۱۶۰۔ تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کردیں [۱۶۷] جو پہلے ان پر حلال تھیں، اور اس وجہ سے کہ وہ اکثر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے تھے۔

ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہیں تو پھر ہمارا ساتھی کہاں گیا؟ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجام کے متعلق ان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے صرف شکوک وشبہات کا شکار ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵۴ کا حاشیہ نمبر ۲۹ ملاحظہ کریں، نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل یا موت کا قائل ہو وہ یہود کی طرح جہالت کا شکار ہے چاہے وہ قادیانی ہو یا کوئی اور۔

[۱۶۵] یہود کی طرح عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی، چنانچہ اس عالمی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے قرآن مجید نے بار بار تاکید کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ یہ کوئی عام معجزہ نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دعویٰ کے ساتھ اپنی قوت غالبہ اور حکمت بالغہ کا ذکر بھی کردیا یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

[۱۶۶] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے امام ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے جس قول کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں اور جب وہ اپنی وفات سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے تو اس زمانہ کے اہل کتاب آپ پر ایمان لاکر اسلام میں داخل ہوجائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل کتاب کے بارے میں گواہی دیں گے یعنی کون ان پر ایمان لایا اور کس نے ان کا انکار کیا۔ (تفسیر جامع البیان)

[۱۶۷] یہود کے مظالم اور جرائم کا ذکر جاری ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کئی حلال چیزیں بطور سزا ان پر حرام کردیں جن کی تفصیل سورہ الانعام کی آیت نمبر ۱۴۶ میں آئے گی۔ اور ان کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے قول وفعل سے دوسرے لوگوں کو بھی راہِ راست سے روکتے تھے۔

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے منع کئے گئے تھے[۱۶۸] اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے تھے، اور ان میں سے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لٰـكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ‌ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲۔ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں[۱۶۹] اور مومن ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے والے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

---

[۱۶۸] یہود کو سود لینے سے منع کیا گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ سود بھی لیتے اور کئی اور ناجائز طریقوں (رشوت، دھوکہ، چوری، ڈاکہ وغیرہ) سے بھی لوگوں کے مال ہضم کر جاتے۔ تورات میں سود کے متعلق آج بھی یہ حکم موجود ہے۔

"If your brother becomes poor, you are responsible to help him; invite him to live with you as a guest in your home. Fear your God and let your brother live with you;. and don't charge him interest on the money you lend him. Remember - no interest; and give him what he needs, at your cost: don't try to make profit." (The Living Bible: British Edition 1975: Leviticus:26:35 to 37)

''اگر تیرا بھائی محتاج ہو جائے تو اس کی مدد کرنا تیری ذمہ داری ہے، اسے اپنے گھر میں بطور مہمان رہنے کی دعوت دو۔ خدا سے ڈرو اور اسے اپنے ساتھ رہنے دو۔ جو رقم اس کو ادھار دو اس پر سود نہ لو۔ یاد رکھو کوئی سود نہیں لینا۔ جو بھی اس کو ضرورت ہو اپنی قیمت خرید پر اسے دو اور اس سے نفع لینے کی کوشش نہ کرو۔'' (احبار:۲۶:۳۵ تا ۳۷)

سود کے متعلق اسلامی تفصیلات کیلئے سورہ بقرہ آیات نمبر ۲۷۵ تا ۲۸۱ کا حاشیہ نمبر ۳۳۵ تا ۳۴۰ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۶۹] ابھی آپ نے یہود کے مظالم اور جرائم کا ذکر پڑھا جن میں اکثر یہودی مبتلا تھے لیکن ان میں کچھ ایسے علماء بھی تھے جو علم میں پختہ، عمل میں مضبوط اور تعصب سے بہت دور تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ میں ان صفات کا مشاہدہ کیا جو تورات میں موجود تھیں تو فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئے (جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ) اور اسلامی عقائد و اعمال کو

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾

۱۶۳۔ بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی [۱۷۰] جیسے ہم نے نوح [۱۷۱] اور اس کے بعد والے نبیوں کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

دل سے تسلیم کرتے ہوئے اجر عظیم کے مستحق قرار پائے۔

[۱۷۰] یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نبی نہیں مانتے تھے اور اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل کروائیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی گئی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اے گروہ یہود! جیسے ہم نے گزشتہ انبیائے کرام پر وحی بھیجی اسی طرح ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وحی بھیجی ہے۔ اب دیگر انبیائے کرام کو تم وحی کی وجہ سے نبی مانتے ہو حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نبی کے پاس لکھی ہوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تو جس طرح دیگر انبیائے کرام (حضرات ابراہیم، نوح، داؤد وغیرہم علیہم السلام) بغیر لکھی ہوئی کتاب کے اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور تم انہیں نبی تسلیم کرتے ہو اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ (تفسیر خازن) نیز نبوت کے ثبوت کے لئے معجزے کا اظہار ہی کافی ہوتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیائے کرام کی طرح متعدد معجزات پیش کئے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی نظیر پیش کرنا آج بھی پوری دنیا کے لئے چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا جبکہ باقی انبیائے کرام کے معجزات ان کے جانے کے بعد باقی نہیں رہے، تو یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ جن نبیوں کے معجزات فانی تھے ان کو تو نبی مان لیا جائے اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ قرآن زندہ جاوید ہے اس کی نبوت کا انکار کر دیا جائے۔

[۱۷۱] حضرت آدم علیہ السلام کی طرح حضرت نوح علیہ السلام بھی آئندہ تمام انسانوں کے باپ ہیں کیونکہ طوفانِ نوح کی وجہ سے سب لوگ ہلاک ہو گئے تھے اور جو کشتی میں سوار ہو کر بچ گئے تھے ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ کسی کی نسل باقی نہیں رہی۔ اس لئے آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ جنوری ۲۰۰۱ء میں مسجد اقصیٰ کی زیارت اور مسلم چیرٹی کی رقم تقسیم کرنے کے لئے فلسطین جانے کا موقع ملا اور اس دوران متعدد انبیائے کرام یعنی حضرات نوح، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ وغیرہم علیہم السلام کے مزارات پر بھی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مبارک کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ آپ عراق میں مدفون ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور ہم نے ایسے رسول (بھیجے) جن کا قصہ ہم نے اس سے پہلے آپ کو بیان کر دیا ہے [۱۷۲] اور ایسے رسول بھی جن کا قصہ ہم نے آپ سے ابھی تک بیان نہیں کیا، [۱۷۳] اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خاص کلام فرمایا۔[۱۷۴]

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ (اور ہم نے) خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے، [۱۷۵] اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

---

[۱۷۲] جن انبیاء اور رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں ان کی تعداد ۲۵ ہے۔ یعنی حضرات آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیاس، الیسع، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، ذوالکفل اور سب نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

[۱۷۳] جن انبیاء اور رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن مجید میں بیان نہیں کئے گئے ان کی حقیقی تعداد تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر اس سلسلہ میں مشہور حدیث یہ ہے کہ انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ ۲۴ ہزار ہے، ان میں سے رسولوں کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[۱۷۴] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خصوصی کرم فرمایا اور وادی ایمن میں آپ سے براہِ راست بغیر فرشتہ کے گفتگو فرمائی لیکن حضرت محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات نہ صرف یہ کہ براہِ راست کلام فرمایا بلکہ شرف زیارت سے بھی مشرف فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی: سورۃ النجم)

[۱۷۵] اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر علاقہ کی طرف نبی اور رسول بھیجے جنہوں نے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا تاکہ قیامت کے دن کوئی مجرم یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ وہ ناواقف تھا، اس کے پاس ہدایت کا پیغام کسی نے نہیں پہنچایا۔

آپ ﷺ سے پہلے ہر علاقے اور ہر قوم کی طرف نبی آتے رہے کیونکہ وہ ہدایت کے چراغ تھے اور چراغ کا نور ایک مخصوص علاقہ تک محدود ہوتا ہے، لیکن حضرت محمد ﷺ ساری کائنات کے لئے نبی ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہدایت کے سورج ہیں اور سورج کا نور ساری کائنات کے لئے کافی ہوتا ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے [۱۷٦] کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾

۱٦۷۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۙ﴿۱۶۸﴾

۱٦۸۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ انہیں (سیدھی) راہ دکھائے گا۔

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

۱٦۹۔ سوائے جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آ گیا، پس تم ایمان لاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، [۱۷۷] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

---

[۱۷٦] یعنی یہ لوگ اگر آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو اپنا انجام خراب کر رہے ہیں آپ کی نبوت پر تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے گواہی دیتے ہیں، نیز قرآن کریم (جو اپنے الفاظ و معانی کے لحاظ سے سراسر معجزہ ہے) بھی آپ کی نبوت کو ثابت کرتا ہے تو پھر ان کے انکار سے کیا فرق پڑتا ہے؟

[۱۷۷] حضرت محمد ﷺ عالمگیر نبی ہیں اس لئے دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ سچائی کے پیکر رسول یعنی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچائی کا پیغام لے کر تمہارے اندر جلوہ گر ہو چکے ہیں، لہٰذا تم اس پر ایمان لے آؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے انکار کیا تو یاد رکھو زمین و آسمان کے ہر ذرہ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہارے ایمان نہ لانے سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑے گا، البتہ تمہیں نافرمانی کی سزا کے طور پر ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

۱۷۱۔ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو [۱۷۸] اور اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اللہ کی طرف سے روح تھی، پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ تین (خدا) ہیں، [۱۷۹] (ایسا کہنے سے) باز آ جاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، صرف اللہ ہی واحد لائقِ عبادت ہے،

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس کا مختصر مفہوم یہ ہے: اے میرے بندو! اگر تم سارے متقی اور نیک بن جاؤ تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تم سارے سرکش اور نافرمان بن جاؤ تو میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو میرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (مسلم: ۶۵۷۲: کتاب البر: باب ۱۵)

[۱۷۸] گزشتہ آیات میں یہود کا رد کیا گیا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مجرمانہ حد تک کمی کی اور ان کی معجزانہ پیدائش کو تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مریم پر بہتان لگایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے معجزانہ پیدائش کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی حالانکہ ان کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کی بغیر ماں باپ کے پیدائش کی مثال موجود تھی لیکن اسکے باوجود انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو ایک عجیب چیستان بنا دیا۔ ایک فرقہ کہنے لگا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبیعت انسانی ہے۔ دوسرے نے کہا: آپ کی طبیعت خدائی ہے۔ تیسرے نے کہا: خدا کی طرح قدیم یعنی ہمیشہ سے ہیں۔ چوتھے نے کہا: آپ حادث یعنی بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ پانچویں نے کہا: آپ حادث بھی ہیں اور قدیم بھی وغیرہ۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک ذات کو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ خدا بھی ہے اور بندہ بھی، قدیم بھی ہے اور حادث بھی، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو تنبیہ فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حد سے تجاوز نہ کرو وہ خدا نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی عظمتوں سے نوازا ہے، وہ اللہ کے کلمہ ہیں یعنی مادی اسباب کے بغیر صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوئے ہیں، وہ اللہ کی روح ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے روح کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاک پیدا فرمایا کیونکہ آپ کی پیدائش میں کسی انسانی نطفہ کی آمیزش نہیں ہے۔

[۱۷۹] تثلیث ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر تقریباً سارے عیسائی متحد ہیں لیکن اس کی تعبیر اور تفصیل میں اختلاف کا شکار ہیں۔ ایک

وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ مسیح اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے [۱۸۰] اور نہ ہی مقرب فرشتے، اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھے اور تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جلد ہی اپنے ہاں جمع کرے گا۔

فرقے کا دعویٰ ہے کہ اللہ، عیسیٰ اور مریم تین خدا ہیں۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے: اللہ، عیسیٰ اور جبرائیل تین خدا ہیں یعنی اللہ کو باپ، عیسیٰ کو بیٹا اور جبرائیل کو مقدس روح کہتے ہیں، پھر ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ کامل خدا ہے اور یہ تین مل کر صرف ایک خدا ہے یعنی تین میں ایک خدا اور ایک میں تین خدا۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کو سلجھانے کے لئے عیسائی علماء گزشتہ ۱۹۰۰ برس سے سرکھپا رہے ہیں مگر آج تک اس کی کوئی معقول اور قابل فہم تعبیر پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی آئندہ پیش کر سکیں گے کیونکہ یہ نظریہ حقیقت کے خلاف ہے اور عیسائی دنیا کی اپنی غلط فہمیوں کی پیداوار ہے اور اس کا اصل اور آسان حل وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے یعنی تین خداؤں سے باز آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے۔ وہی تنہا عبادت کے لائق ہے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے اہم حکم کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: (سب سے اہم حکم یہ ہے) کہ ہمارا خدا ایک اور صرف ایک ہے۔ تو اپنی پوری طاقت، روح اور دل و دماغ کے ساتھ اس سے محبت کر۔ (مرقس: ۱۲: ۲۸ تا ۳۰) مقدس صحیفے یہی کہتے ہیں کہ صرف پروردگار خدا کی عبادت کر اور صرف اسی کی اطاعت کر۔ (متی: ۴: ۱۰)

[۱۸۰] نجران کے عیسائی علماء سے گفتگو کے دوران جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ کا رسول اور اللہ کا بندہ ہونے کے الفاظ استعمال کئے تو عیسائی کہنے لگے: آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کر رہے ہیں وہ اللہ کے بندے نہیں بلکہ خود اللہ اور اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہلانے میں کوئی عار نہیں بلکہ فخر ہے کیونکہ انسانیت کی معراج اور سب سے بڑی عظمت یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو بندہ ثابت کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کی بندگی قبول فرما لے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب مقام قرب میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے محمد! آج میں تجھے کس لقب

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ۝

۱۷۳۔ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا، اور اپنے فضل سے انہیں مزید اجر بھی عطا فرمائے گا، [۱۸۱] اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی حمایتی اور مددگار نہیں پائیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝

۱۷۴۔ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ گئی [۱۸۲] اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح نور نازل کیا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝

۱۷۵۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس (کے دامنِ رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف لے جانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا۔

سے سرفراز کروں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے عرض کیا: مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ (تفسیر روح المعانی: سورہ بنی اسرائیل: زیر آیت نمبر ۱) غالباً اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ذکرِ معراج کے وقت اسی لقب (عبدہٖ) کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب ﷺ نے اپنے لئے خود پسند فرمایا۔

[۱۸۱] جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھیں اور تکبر کریں ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا لیکن جو خوش نصیب ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرتے ہیں انہیں اپنے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے خلوص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر مزید فضل فرمائے گا اور اس مزید فضل کی تشریح کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں اہلِ ایمان کے ساتھ نیکی کی تھی اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اس شخص کی شفاعت کرنے کی اجازت دے گا چاہے اس شخص پر جہنم واجب ہو چکی ہو۔ (تفسیر روح المعانی)

[۱۸۲] حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی حق و صداقت کی واضح دلیل ہے اور قرآن مجید ہدایت کا ایسا نور ہے کہ جو اس کی روشنی میں ثابت قدمی سے اپنا سفر جاری رکھتا ہے وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے دونوں جہاں میں سرفراز ہوتا ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

١٧٦۔ (اے پیارے رسول!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ [١٨٣] (کی میراث) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے اور اس کی ایک بہن ہو تو میت کے ترکہ سے بہن کا نصف حصہ ہے، [١٨٤] اور وہ (بھائی) اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں بہنوں کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ

---

[١٨٣] کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کی موت کے وقت نہ اس کے ماں باپ زندہ ہوں اور نہ ہی اولاد یعنی لڑکی یا لڑکا بھی زندہ نہ ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ نے کہا: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ﷛ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، میں بے ہوش تھا۔ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آگیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسلم: ٧: ٤١٤٧: کتاب الفرائض: باب ٢) نیز فرمایا: اے جابر! تو اس بیماری سے مرنے والا نہیں ہے۔ (ابوداؤد: حدیث نمبر ٢٨٨٧: کتاب الفرائض: باب ٣) چونکہ حضرت جابر ﷛ اس وقت کلالہ تھے یعنی ان کے والدین اور اولاد زندہ نہیں تھے صرف بہنیں تھیں اسلئے انہوں نے اپنی وراثت کی تقسیم کے بارے میں سوال کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے بابرکت پانی سے حضرت جابر کی بیماری اور بے ہوشی ختم ہوگئی، نیز حضور اکرم ﷺ کی غیبی اطلاع کے مطابق حضرت جابر ﷛ اس بیماری سے فوت نہیں ہوئے بلکہ بعد میں بھی زندہ رہے اور فرمایا کرتے تھے: سورۃ النساء کی یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی تھی۔
(ابوداؤد: ٢٨٨٧: کتاب الفرائض: باب ٣)

[١٨٤] کلالہ مرد اگر فوت ہوجائے اور اس کا ترکہ تین لاکھ پونڈ ہو تو اس کی وہ بہن جو صرف ماں کی طرف سے ہو لیکن اس کا باپ الگ ہو تو اس بہن کا حکم اسی سورت کی آیت نمبر ١٢ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اس بہن کا ذکر ہے جو سگی اور باپ کی طرف سے ہو (خواہ ان کی ماں ایک ہو یا الگ الگ) تو اس بہن کو کلالہ کی وراثت سے آدھا حصہ یعنی ڈیڑھ لاکھ پونڈ ملیں گے اور اگر اس کا کوئی اور شرعی وارث نہ ہو تو بقیہ نصف بھی بہن کی طرف لوٹ آئے گا۔

اور اگر کلالہ مرد یا عورت ہو اور اس کا وارث صرف ایک بھائی ہو تو یہ بھائی کلالہ کے سارے ترکہ کا وارث ہوگا یعنی پورے تین لاکھ پونڈ بھائی کو مل جائیں گے۔

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

سے دوتہائی ہے، [۱۸۵] اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی [۱۸۶] تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے احکام) صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، [۱۸۷] اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

---

[۱۸۵] اگر کلالہ کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو کلالہ کے ترکہ سے دو حصے یعنی دو لاکھ پونڈ ان بہنوں میں برابر تقسیم ہوں گے اور ایک لاکھ پونڈ دوسرے شرعی وارثوں میں اور اگر اس کے دیگر شرعی وارث نہ ہوں تو یہ تیسرا لاکھ بھی اس کی بہنوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

[۱۸۶] اگر کلالہ کے وارثوں میں بہن بھائی دونوں ہوں تو مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ کے لحاظ سے دیا جائے گا۔

[۱۸۷] اس سورت کی آیت نمبر ۱۲ میں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام تفصیل سے بیان کر دیے ہیں تاکہ لوگ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر گمراہی کا شکار نہ ہو سکیں، نیز یہ حصص اُس قادر مطلق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں جو ہر ایک کی ضروریات اور ذمہ داریوں کو خوب جانتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

نوٹ:

۱۹ جولائی ۲۰۰۲ء جمعہ کا دن تھا، جامعہ الکرم میں گرمیوں کی چھٹیاں ہو رہی تھیں، اساتذہ اور طلبہ چھ ہفتوں کے لئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو رہے تھے۔ قرآن مجید کے پانچویں پارہ کی پہلی آیت (یعنی سورہ النساء کی آیت نمبر ۲۴) کی تفسیر شروع تھی۔ اس فقیر نے فیصلہ کیا کہ ان چھٹیوں میں آرام کرنے یا کوئی اور کام کرنے کے بجائے سورۂ النساء کی تفسیر مکمل کرنی چاہیے اور آج اکیس اگست ۲۰۰۲ء بروز بدھ بعد از نماز فجر سورۂ النساء کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین

یارب العالمین! اس فقیر کی یہ عاجزانہ کوشش قبول فرما۔ اس کو لوگوں کے لئے ہدایت اور اس فقیر کے لئے نجات کا ذریعہ بنا۔

آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، برطانیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورة المائدة (٥)

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔اس سورت کا نام "المائدہ" (دسترخوان) ہے کیونکہ اس میں ایک معجزانہ دستر خوان کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بدلے میں آسمان سے نازل فرمایا۔اس دسترخوان کو دیکھ کر عیسائی اتنے خوش ہوئے کہ اس دن کو عید کی طرح خوشی کا دن تصور کرتے تھے۔

اس سورت میں کھانے پینے، وضو وتیمم، حلال وحرام اور حج وعمرہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور برے کاموں سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز کسی ایک انسان کو ناجائز قتل کرنے کو اتنا بڑا جرم قرار دیا گیا جیسے دنیا کے تمام انسانوں کو قتل کر دیا جائے۔اس سورت میں گزشتہ آسمانی کتابوں کی عظمت بیان کی گئی ہے یعنی تورات وانجیل بھی اللہ تعالیٰ کا کلام اور ہدایت ونور کا سرچشمہ تھیں۔

قرآن مجید کا وہ خاص کلام جس میں دین کے مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا وہ اسی سورت المائدہ کی آیت نمبر تین میں ہے یعنی (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اور ان کے پاس ایک یہودی تھا۔اس نے کہا: اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔جمعہ کے دن اور عرفات کے دن (یعنی یہ دونوں دن ہمارے لیے پہلے ہی عید کا درجہ رکھتے ہیں)۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن: سورہ المائدہ)

اٰیاتہا ۱۲۰ ۵ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ①

۱۔ اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو، [۱] تمہارے لئے بے زبان جانور حلال کئے گئے ہیں [۲] سوائے ان کے جو تمہیں آئندہ پڑھ کر سنائے جائیں گے لیکن اِحرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، [۳] بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ [۴]

---

[۱] اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر قسم کے عہد و پیمان پورے کریں خواہ وہ انسان اور اس کے خالق کے درمیان ہوں یا ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ ہوں۔ ان کا تعلق دینی احکام سے ہو یا دنیاوی معاملات سے، وہ عہد اہل ایمان کے ساتھ ہوں یا غیر مسلم کے ساتھ، سب کی پابندی لازمی ہے، البتہ وہ عہد جس کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی نافرمانی ہوتی ہو اس کا پورا نہ کرنا ضروری ہے، نیز حضور اکرم ﷺ نے عہد شکنی کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے:

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔'' (بخاری: ۲۶۸۲: کتاب الشہادات: باب ۲۸)

[۲] مشرکین عرب نے اپنے باطل عقائد کی وجہ سے کئی مویشی اپنے اوپر حرام کر رکھے تھے اور کئی مویشی بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دیئے گئے تھے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یہ جانور تمہارے لئے حلال ہیں سوائے ان جانوروں کے جن کا ذکر آگے آیت نمبر تین میں آ رہا ہے۔ ان کو کھانا حلال نہیں ہے۔ ان کے علاوہ حدیث پاک میں جن جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کا کھانا بھی حلال نہیں ہے، مثلاً درندوں میں ذُوناب (جو اپنے کچلی کے دانت سے شکار پکڑتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا وغیرہ) اور پرندوں میں ذُومخلب (جو اپنے پنجے سے اپنا شکار پکڑتے ہیں، جیسے شکرا، باز، شاہین، عقاب وغیرہ)۔ (مسلم: ۴۹۹۶: کتاب الصید: باب ۳)

[۳] اِحرام اُس مخصوص لباس کو کہتے ہیں جو کعبہ کی زیارت کرنے والا زیب تن کرتا ہے۔ احرام کے بعد آدمی کے لئے بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں جو عام حالات میں جائز ہوتے ہیں، مثلاً بال کاٹنا، ناخن تراشنا، خوشبو لگانا، ہم بستری کرنا وغیرہ۔ انہی ممنوعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہ وہ خود خشکی کا شکار کرے اور نہ ہی کسی اور کو شکار کی نشاندہی کرے۔ البتہ احرام کی حالت میں سمندری شکار کی اجازت ہے۔ (سورہ المائدہ: آیت نمبر ۹۶)

[۴] اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق، مالک اور حاکم مطلق ہے۔ اس کو پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے اور اہل ایمان کا فرض ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪

٢۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، [٥] اور نہ عزت والے مہینے کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوئے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لئے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں، اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، [٦] اور جن لوگوں نے تمہیں مسجد

کہ اس کے ہر حکم کے سامنے گردن جھکا دیں چاہے انہیں اس حکم کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا لیکن اہل ایمان احکام الٰہی کی اطاعت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ان کے مالک حقیقی کا حکم ہے۔

[٥] اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے مراد دین اسلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو عظمت دی ہے ان کی تعظیم کی جائے جیسے کعبہ اور قرآن مجید وغیرہ، نیز جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے نسبت ہو جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جیسے غار حرا، روضہ رسول ﷺ، صفا و مروہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات کا تابوت وغیرہ۔ اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ٢٤٨ کا حاشیہ نمبر ٢٠٩ ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت میں حج کے متعلق چند ایسی ہی قابل عزت چیزوں کا تذکرہ ہے جن کی توہین سے منع کیا جا رہا ہے، یعنی عزت والے مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) قربانی کے جانور (جن کو حاجی حرم شریف میں ذبح کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جاتے تھے یا وہ جانور جن کو حاجی حرم شریف میں ذبح کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جاتے اور ان کے گلے میں قربانی کی نشانیاں آویزاں کر دیتے تھے) اور حج و عمرہ کی نیت سے یا تجارت و کاروبار کی غرض سے حرم شریف کی طرف جانے والے لوگ۔

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت سے یا تجارت کی غرض سے قربانی کے جانور لے کر حرم شریف کی طرف جا رہے ہوں ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے چاہے وہ زائر مسلمان ہوں یا غیر مسلم کیونکہ پہلے تو صرف کافر ہی کعبہ جاتے تھے اور مسلمانوں کو جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن سات ہجری میں مسلمانوں کو بھی کعبہ کے طواف کی اجازت دی گئی، اس طرح مسلمان اور کافر دونوں کعبے کا طواف کرتے۔ اس وقت کعبہ میں بت بھی موجود تھے۔ آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا گیا اور نو ہجری میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ٢٨ کے نزول کے بعد مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا۔

[٦] احرام کی حالت میں خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا تھا لیکن احرام کھولنے کے بعد یہ پابندی ختم ہو جاتی ہے، اب کوئی حاجی شکار کرنا

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر ہرگز نہ اُکسائے کہ تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، [۷] نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کرو [۸] گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ

۳۔ تم پر حرام کئے گئے ہیں [۹] مردار، خون، خنزیر کا

چاہے تو اسے اجازت ہے۔

[۷] چھ ہجری میں حضور اکرم ﷺ چودہ سو صحابہ کرام ؓ کو ساتھ لے کر عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آئے تو کفار مکہ نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ کفار کے اس ظالمانہ رویہ سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی وہ محتاج بیان نہیں۔ عین ممکن تھا کہ مسلمان انتقامی کاروائی کرتے اور ان مشرک قبائل کو مکہ آنے سے روک دیتے جن کے راستے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں سے گزرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگرچہ کفار نے تم پر زیادتی کی ہے لیکن ان کی یہ دشمنی تمہیں کسی زیادتی پر آمادہ نہ کرے۔ اسلام نے مسلمانوں کو انتقامی کاروائی کے بجائے بردباری اور رواداری کا درس دیا ہے۔

[۸] اہل ایمان کو زندگی کا ایک نہایت اہم اصول سکھایا جا رہا ہے یعنی نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہر ایک سے تعاون کرو لیکن برائی اور گناہ کے معاملات میں کسی کا ساتھ نہ دو۔ اگر آج دنیا کی ساری اقوام اس اصول پر عمل کریں کہ ہر برے آدمی کو تنہا چھوڑ دیا جائے اور ہر اچھے انسان کی مدد کی جائے تو برائی ازخود ختم ہو جائے گی، نیکی کا دور دورہ ہوگا اور بالآخر ساری دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن جائے گی۔

[۹] یہاں سے حرام جانوروں کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کی طرف اس سورت کی آیت نمبر ایک میں اشارہ کیا گیا تھا۔

۱۔ مردار: وہ مرا ہوا جانور جس کو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔

۲۔ بہا ہوا خون: وہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے۔

۳۔ خنزیر (اس کے متعلق تفصیلات اس حاشیہ کے آخر میں ملاحظہ کریں)

۴۔ وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے بجائے غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو (جملہ تفاسیر) یا اس کے ذبح کرنے سے غیر اللہ کی عبادت مقصود ہو تو ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے کیونکہ مشرکین لات وعزیٰ کے نام سے ذبح کیا کرتے تھے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا جائے اور غیر اللہ کی عبادت مقصود نہ ہو تو ایسے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے اگرچہ

الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ

گوشت، جس جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، گلا گھونٹنے سے مرنے والا، چوٹ کھا کر مرا ہوا، بلندی سے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا، جس کو درندے نے کھایا ہو سوائے اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا ہو، جو (بتوں کے) تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے تیروں سے تمہارا تقسیم کرنا، یہ سب گناہ

صدقہ، عقیقہ، ولیمہ، قربانی، ایصال ثواب کے لئے اسے کسی بھی نام سے پکارا جائے حتیٰ کہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور (بحیرہ اور سائبہ وغیرہ) بھی اگر اہل ایمان کو مال غنیمت کی صورت میں مل جائیں اور وہ انہیں اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کر دیں تو ان کا کھانا بھی حلال ہے۔

۵۔ وہ جانور جو گلا گھونٹنے یا گھٹنے سے مر جائے۔
٦۔ پتھر یا لاٹھی وغیرہ لگنے سے مرا ہوا جانور۔
۷۔ بلندی سے گر کر مرا ہوا جانور۔
۸۔ جو جانور کسی اور جانور یا چیز کی ٹکر سے مر جائے۔
۹۔ جس جانور کو کسی درندہ نے چیر پھاڑ کر مار ڈالا ہو۔

نوٹ: آخری پانچ قسم کے جانور یعنی نمبر پانچ سے نمبر نو تک کے جانور اگر زندہ حالت میں مل جائیں اور انہیں شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے تو پھر ان کا کھانا حلال ہے۔

۱۰۔ وہ جانور بھی حرام ہیں جو نُصُب پر ذبح کئے گئے ہوں۔ نصب سے مراد وہ پتھر ہیں جن کی زمانۂ جاہلیت میں عبادت کی جاتی تھی اور ان نُصُب (پتھروں) کے لئے جانور بھی ذبح کئے جاتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر اور صفوۃ التفاسیر) اور اس سے مراد ہر ایسی جگہ بھی ہو سکتی ہے جو مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے لئے مخصوص ہو۔

۱۱۔ مشرکین جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو کسی برتن یا کپڑے میں تین تیر ڈالتے۔ ایک پر لکھا ہوتا "میرے رب نے مجھے حکم دیا" دوسرے پر لکھا ہوتا "میرے رب نے مجھے منع فرمایا" اور تیسرا خالی ہوتا، پھر آنکھیں بند کر کے ہاتھ ڈالتے اور ایک تیر نکالتے، اگر حکم والا تیر نکلتا تو کام کرتے اور اگر نہیں والا تیر نکلتا تو اس کام سے اجتناب کرتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ یہی کاروائی کی جاتی۔ (تفسیر بیضاوی)

اہل اسلام کو اس توہم پرستی سے روکا جا رہا ہے کیونکہ مسلمان کو کوئی کام کرنے سے پہلے قرآن سے مشورہ لینا چاہیے اور

پھر قرآن کی رہنمائی میں اپنی عقل خداداد کو استعمال کرنا چاہیے۔ یہ عقل و دانش کی کتنی بڑی توہین ہے کہ کسی کام کے اچھا یا برا ہونے میں عقل سے کام نہ لیں اور محض اتفاقات پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھیں۔ حرام جانوروں کے سلسلہ میں اس کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی یہ بھی عادت تھی کہ چند آدمی شریک ہو کر کوئی اونٹ یا بھیڑ بکری ذبح کرتے اور گوشت کی تقسیم جوئے کے تیروں سے کرتے تھے، جس میں کوئی تو بالکل محروم رہتا، کسی کو بہت زیادہ اور کسی کو اپنے حق سے کم ملتا تھا، اس لئے جانوروں کی حرمت کے ساتھ اس طریقہ کار کی حرمت کا بیان بھی کر دیا گیا تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

قرآن مجید میں خنزیر کا بیان

قرآن مجید نے خنزیر کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے اور چار مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے: سورہ نمبر ۲ کی آیت نمبر ۱۷۳، سورہ نمبر ۵ کی آیت نمبر ۳، سورہ نمبر ۶ کی آیت نمبر ۱۴۵، سورہ نمبر ۱۶ کی آیت نمبر ۱۱۵۔

خنزیر اور بائبل

قرآن سے بہت پہلے بائبل بھی خنزیر کے گوشت کو حرام اور ناپاک قرار دے چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1. You may not eat their meat or even touch their dead bodies; they are forbidden foods for you. (The Living Bible 1975:Leviticus:11:8)

خنزیر کا گوشت نہ کھاؤ حتیٰ کہ اس کے مردہ جسم کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ۔ یہ تمہارے لئے ممنوعہ خوراک ہے۔

2. And the swine ... it is unclean unto you : Ye shall not eat of their flesh, nor touch their dead carcase. (The Holy Bible 1954:Deuteronomy:14:8)

خنزیر ۔۔۔ یہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔ نہ ان کا گوشت کھاؤ اور نہ ان کے مردہ جسم کو ہاتھ لگاؤ۔

نوٹ : بائبل کے عہد نامہ قدیم کی اسی صراحت کی وجہ سے یہودی بھی خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے۔

خنزیر انسانی صحت کے لئے خطرہ ہے

ویسے تو مسلمانوں کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے خنزیر کا گوشت کھانا حرام کر دیا ہے، لیکن انہیں یہ بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی خاصیات اور اس کے اثرات سے خوب آگاہ ہے۔ اس نے انسانی خوراک کے لئے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں انسانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کے اعتبار سے نقصان ضرور ہوتا ہے چاہے لوگوں کو اس نقصان کا علم ہو یا نہ ہو۔ جس طرح ڈاکٹر جب ایک مریض کو کسی مخصوص خوراک سے منع کرے تو اس مریض کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس خوراک سے باز آ جائے چاہے اس خوراک کے نقصان کا اسے ذاتی طور پر علم ہو یا نہ ہو۔ آج تک تو یہ یقین ایمان بالغیب کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اب یہ ایمان بالشہادہ کا درجہ اختیار کر گیا ہے کیونکہ جدید میڈیکل سائنس اور خنزیر کھانے والوں کی اپنی تحقیق بتا رہی ہے کہ اس کے گوشت میں مضر صحت اجزاء موجود ہیں اور وہ کئی

قسم کی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ان میں سے ایک اہم بیماری کا نام ٹریکی نوسز ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1.Trichinosis / Trichiniasis : A disorder resulting from infestation with the small roundworm Trichinella spiralis, commonly acquired by humans by the eating of undercooked pork containing encapsulated larvae of the parasite. Trichinosis is more common in Europe and the United States than in other parts of the world. In the United States the incidence of infection may be as high as 15 to 20 percent.

(The New Encyclopedia Britannica:15th Edition 1995)

ٹریکی نوسز ایک بیماری ہے جو انسانوں میں عام طور پر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ خنزیر کا ایسا گوشت کھاتے ہیں جس میں ٹریکینہ کیڑے ہوں اور وہ گوشت اچھی طرح پکا ہوا نہ ہو۔سب سے زیادہ یہ بیماری یورپ اور امریکہ میں پائی جاتی ہے۔صرف امریکہ میں اس بیماری کے واقعات پندرہ سے بیس فیصد تک پائے جاتے ہیں۔

2- Trichina : Genus of Nematoda or threadworms ... they give rise to the disease known as Trichiniasis. The eggs are hatched out in the intestines of the host, and the trichinae then migrate to the muscles, where they become encysted and develop no further unless the flesh of the host is eaten by some other animal. They are then set free in the alimentary canal, where they become sexually mature. The natural host of this parasite is the rat, but it is often found in pigs. (The New Universal Encyclopedia: The Caxton Publishing Co. Ltd. London)

ٹریکینہ دھاگے کی طرح باریک کیڑے ہیں جن سے ٹریکی نوسز بیماری جنم لیتی ہے۔ان کیڑوں کا اصل مقام تو چوہوں کا جسم ہے مگر خنزیر کے گوشت میں بھی اکثر پائے جاتے ہیں۔جب کوئی انسان اس (چوہے یا خنزیر) کا گوشت کھاتا ہے تو یہ کیڑے اس کے جسم میں منتقل ہو کر اس بیماری کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

یہاں پر ایک بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ کیڑے جب تک اپنے اصلی مقام یعنی چوہے اور خنزیر کے گوشت میں رہتے ہیں تو ان (چوہے اور خنزیر) کے جسموں میں بیماری کا باعث نہیں بنتے کیونکہ یہ ان کے گوشت کا ایک حصہ بن جاتے ہیں لیکن جب کوئی انسان ان کے گوشت کو کھاتا ہے تو یہ اپنی فطرت سے مختلف جسم میں جا کر بیماری کا باعث بنتے ہیں۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان دو جانوروں (خنزیر اور چوہے) کا گوشت انسانوں کے کھانے کے قابل نہیں ہے۔

خنزیر اور اخلاقی بگاڑ

خنزیر کو پالنے اور اس کا گوشت کھانے سے نہ صرف یہ کہ انسانی جسم مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ روح انسانی بھی اس کے اثراتِ بد سے متاثر ہوتی ہے اور اخلاق میں زبردست بگاڑ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ بری صحبت اور ناپاک غذا کا انسانی مزاج اور طبیعت پر اثر ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس حوالے سے The English Pig کے مصنف کے خیالات ملاحظہ فرمائیں:

Domestication alters the nature and behaviour of the controlled animal. (Similarly) Domestication also generates a familiarity with the animal that affects human consciousness. (The English Pig : Published by The Hambledon Press London 1998 : Page No. 129)

جس طرح کسی جانور کو پالتو بنانے سے اس جانور کی فطرت اور چال ڈھال میں تبدیلی آجاتی ہے اسی طرح یہ عمل جانور کے ساتھ ایسی بے تکلفی بھی پیدا کرتا ہے جو انسان کے شعور پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اس حقیقت کو اگر آپ مشاہدہ کرنا چاہیں تو یورپ (جہاں خنزیر کو بڑے اہتمام سے پالا جاتا ہے اور اس کا گوشت بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے) کی تہذیب پر ایک نظر ڈالیں، جہاں بے حیائی اور فحاشی عام ہے۔ عورت چوراہے کا گڑھا بن چکی ہے اور جنسی پیاسے قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں اور یورپی مرد بے غیرتی کا اشتہار سینے پر آویزاں کئے یہ سارا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ سب کچھ خنزیر کی صحبت اور اس کے حرام اور ناپاک گوشت کا اثر ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا کیونکہ مشہور ہے کہ مادہ خنزیر کے ساتھ جب ایک خنزیر جفتی کر رہا ہوتا ہے تو دوسرے خنزیر قریب کھڑے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں جبکہ دیگر سارے جانور اپنی مادہ کے بارے میں بڑے غیرت مند ہوتے ہیں اور دوسرے نر کو اس کے قریب نہیں آنے دیتے۔

خنزیر کیسا جانور ہے

خنزیر نہایت غلیظ، کاہل، قابل نفرت اور بے غیرت جانور ہے۔ ہم یہاں چند حوالے پیش کر رہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ رائے ان لوگوں کی ہے جو خنزیر کو پالتے اور اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

1. The pig is a fat, sleepy, stupid, dirty animal, wallowing constantly in the mire. (The English Pig : Published by The Hambledon Press London 1998:Page No.1)

خنزیر ایک موٹا، سست، بیوقوف اور گندا جانور ہے جو ہمیشہ کیچڑ اور غلاظت میں رہتا ہے۔

2. They will eat small quantities of many materials from a very early age, including feed, earth and the faeces of the dam. (Fream's Agriculture: Printed by Butler & Tanner Ltd. London:16th Edition 1983:Page No.684)

خنزیر بچپن ہی سے بہت سی چیزیں کھانا شروع کر دیتے ہیں جن میں مٹی اور ان کی ماں کی غلاظت بھی شامل ہے۔

3. A man from St. Helens, Lancashire, born in 1893, recalled of the houses there: 'Not only was there the open lavatory in the back yard, many of the people when I was young, kept a pig in the yard.' (The English Pig:Published by The Hambledon Press London 1998:Page No.42)

برطانیہ میں لنکا شائر کا ایک آدمی جو ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوا، وہ اپنے بچپن کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگ گھروں کے پچھلے احاطہ میں قضائے حاجت کرتے تھے (یعنی بیت الخلاء نہیں تھے) تو بہت سے لوگ گھروں کے پچھلے احاطہ میں ایک خنزیر رکھتے تھے (جو ان کی غلاظت کھا جاتا تھا)۔

4. The pig is the Husbandman's best Scavenger, and the Huswives most wholsome sink; for his food and living is by that which will else rot in yard ...; for from the Husbandman he taketh pulse, chaff, barn dust, man's ordure, garbage, and the weeds of his yard: and from the huswife her draff, swillings, whey, washing of tubs, and such like, with which he will live and keep a good state of body, very sufficiently. (Page No. 34 ibid)

خنزیر کسان کا بہترین خاکروب اور اس کی بیوی کے لئے سب سے بڑھ کر صحت بخش سنک ہے کیونکہ اس کی خوراک وہ چیزیں ہیں جو صحن میں گل سڑ جاتی ہیں، نیز یہ کسان سے بیج، چھلکے، اصطبل کی گرد و غبار، انسان کی غلاظت، کوڑا کرکٹ اور اس کے احاطہ کی گھاس پھونس لیتا ہے اور کسان کی بیوی سے شراب بنانے کا فضلہ، دودھ کی تلچھٹ اور ٹب کا گندا پانی لے کر خوب صحت مند رہتا ہے۔

5- The hog during life does not render the least service to mankind, except in removing that filth which other animals reject. (Page No. 30 ibid)

خنزیر اپنی زندگی میں انسانیت کی کوئی خدمت نہیں کرتا سوائے اس گندگی ہٹانے کے جو دوسرے جانور رد کر دیتے ہیں۔

6- It would be more accurate to say that the pig was generally

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ

ہے، آج کافر تمہارے دین (پر غالب آنے) سے مایوس ہو گئے ہیں، [۱۰] لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور

acknowledged to have a character, but that this character was not considered in any way attractive or admirable. (Page No. 1 ibid)

خنزیر کے متعلق زیادہ درست بات یہی ہے کہ اس میں کوئی قابل تعریف یا دلکش خاصیت نہیں ہے۔

خنزیر کا نام ہر تہذیب میں گالی ہے

مسلمان اور یہودی تو خنزیر کی ذات سے نفرت کرتے اور اس کے نام کو گالی سمجھتے ہی ہیں لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔خود انگریزی زبان میں خنزیر کا لفظ گالی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

Indeed, the pig was usually thought to be brutish, insensitive and filthy - so much so, in fact, that it became a commonplace metaphor for human greed, grossness and intemperance. (Page No. 1 ibid)

درحقیقت خنزیر ایک ایسا احمق، بے غیرت اور گندا جانور ہے کہ جب کسی انسان کو اس کے نام سے پکارا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان لالچی، شرابی، بد پرہیز اور غیر مہذب ہے۔

انگریزی زبان میں خنزیر کے لئے Pig , Swine اور Hog کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ان الفاظ کو جب کسی انسان کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ انسان لالچی، گندا، بد اخلاق، خود غرض، مکروہ، ناخوشگوار، بدبودار اور نفرت انگیز ہے۔(Oxford Advanced Learner's Dictionary : 4th Edition 1989).

خنزیر کا گوشت کیوں حرام ہے؟

آپ پڑھ چکے ہیں کہ خنزیر کے لفظ اور اس کے معنیٰ میں کوئی خیر کا پہلو ہے اور نہ ہی اس کی عادات اور خوراک میں کوئی اچھائی ہے۔اس کا گوشت کھانے میں بیماری کے خطرات ہیں۔وہ غلاظت کھانے کا اس قدر دلدادہ ہے کہ اگر اس کو صاف جگہ پر بند کر دیا جائے تو وہاں بھی اپنی غلاظت کھا کر اپنا ذوق بدپورا کر لیتا ہے۔ایسے گندے جانور کو تو دیکھنا بھی طبیعت پر گراں گزرتا ہے چہ جائیکہ اس کا گوشت کھایا جائے۔

[۱۰] کفار روز اول سے ہی دین اسلام کو مٹانے میں سرگرم تھے۔انہیں امید تھی کہ اسلام ایک دن ختم ہو جائے گا اور مسلمان پھر کفر کی طرف لوٹ آئیں گے، لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر ان کے سارے اندازے غلط ثابت ہو گئے اور وہ اسلام کو مٹانے سے مایوس ہو گئے بلکہ انہیں یقین ہو گیا کہ اسلام کی بنیادیں اتنی مضبوط ہیں کہ وہ کبھی مٹ نہ سکے گا، نیز قرآن نے بھی اعلان کر دیا کہ اہل اسلام کو اب کفار سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔انہیں صرف اللہ تعالیٰ

رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ

مجھ ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے [11] اور تم پر اپنی نعمت پوری کر

سے ڈرنا چاہیے اور اسلام پر عمل کرنے میں سرگرم رہنا چاہیے۔ اب کفار میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اسلامی معاملات میں مداخلت کر سکیں۔

اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور اس پر استقامت کے باعث وہ کفار پر غالب آگئے۔ اسی طرح اگر آج بھی مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس پر ثابت قدم رہیں تو کوئی کافر طاقت ان پر غالب نہیں آسکتی۔

[11] یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں نویں ذوالحجہ بروز جمعۃ المبارک عصر کے وقت نازل ہوئی۔ اس وقت میدانِ عرفات میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان موجود تھے اور عرب کے اکثر علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ آیت اُمتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ جس دین کو لے کر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے آج اس کے سارے احکام و فرائض، عقائد و آداب اور حلال و حرام کا بیان پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے دین ناقص تھا۔ دراصل دین ہر زمانہ میں کامل تھا، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے دین ایک مخصوص زمانے اور علاقے کے لئے کامل تھا اور اب پوری دنیا میں قیامت تک کے لئے کامل ہے۔ (تفسیر کبیر) نیز تکمیل دین کی صورت میں نعمتِ خداوندی بھی پوری ہوگئی اور دین اسلام جو تمام سابقہ انبیاء و رُسل کا دین تھا اور اپنے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق کامل دین تھا وہی دین اپنی آخری اور عالمگیر کامل صورت میں تمہارے لئے پسند کیا گیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو خبر دی ہے کہ اسلام کامل دین ہے اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ یہ دین پورا ہے اس میں کوئی نقص نہیں۔ یہ پسندیدہ دین ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر) اور جو بھی اس دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین اپنائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگا۔ (قرآن: ۳: ۸۵)

یہ آیت حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ جب دین مکمل ہو چکا اس کے احکام میں ردوبدل کی گنجائش نہ رہی تو پھر کسی دوسرے نبی کے آنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اس آیت کو سن کر صحابہ کرام ﷡ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا لیکن حضرت ابوبکر ﷜ پر گریہ طاری ہوگیا اور رونے کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا: یہ آیت بتاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے کیونکہ تکمیل دین کے بعد بعثتِ نبوت کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ فی الواقع ایسا ہی ہوا اور آنے والے چند ماہ میں حضور اکرم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ حضرت ابن عباس ﷜ نے اس آیت کو پڑھا اور ان کے پاس ایک یہودی تھا، اس نے کہا: اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو

اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ③

دی ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے، پس جو شخص بھوک میں مجبور ہو جائے (اور کوئی حرام چیز کھالے) بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو[۱۲] تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَہُمۡ ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُکَلِّبِیۡنَ تُعَلِّمُوۡنَہُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ۫

۴۔ (اے رسول مکرم! صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے؟ آپ فرمایئے کہ تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں[۱۳] اور جن شکاری جانوروں کو تم نے شکار پکڑنے کی تعلیم

ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے: جمعہ کے دن اور عرفات کے دن (یعنی یہ دونوں دن ہمارے لئے پہلے ہی عید کا درجہ رکھتے ہیں)۔ (ترمذی: ۳۰۴۴: ابواب تفسیر القرآن: سورہ المائدہ) اس روایت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس دن کوئی نعمت یا خوشی حاصل ہو اس دن کو خوشی کا دن منانا جائز ہے ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صاف فرما دیتے کہ اسلام میں کسی نعمت یا خوشی والے دن کو بطور خوشی اور عید کے منانا بدعت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا بھی جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیدائش کی خوشی میں ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے۔
(مسند احمد: جلد ۵: ص ۲۹۹)

[۱۲] اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور بھوک کی وجہ سے اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو وہ مذکورہ بالا حرام چیزوں سے بقدر ضرورت کھا سکتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی بحال رکھ سکے اور اس کی مجبوری کے باعث اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔ اس آیت سے اس بیمار کے حرام کھانے کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے جس کی بیماری کے لئے حرام کے سوا کوئی اور دوا نہ ہو۔

[۱۳] حرام چیزوں کے بیان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حلال چیزوں کے بارے میں سوال کیا۔ قرآن مجید نے اس کا جواب یہ دیا کہ سب پاک چیزیں حلال ہیں اور پاک چیزیں وہ ہیں جن کو ذوقِ سلیم پسند کرے اور شریعت نے انہیں حرام نہ قرار دیا ہو۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ (رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لئے طیب چیزوں کو حلال کرتا ہے اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام فرماتا ہے۔ (قرآن: ۷: ۱۵۷) انسانوں میں سب سے زیادہ ذوقِ سلیم رکھنے والے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے مطابق کسی چیز کے فائدہ اور نقصان کو بھی زیادہ جاننے والے ہیں، لہٰذا جن

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

دیتے ہوئے سدھایا ہو یعنی تم انہیں وہ طریقہ سکھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے، پس جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں تم اس میں سے کھا سکتے ہو [۱۴] اور اس جانور پر (جس کو شکار پکڑنے کیلئے چھوڑا جا رہا ہے) اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

۵۔ آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کردی گئیں، اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے [۱۵] اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے، پاک دامن مسلمان عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں

چیزوں کو حضور اکرم ﷺ نے طیب فرمایا وہی حقیقت میں پاکیزہ ہیں اور جن چیزوں کو حضور اکرم ﷺ نے خبیث قرار دیا وہی حقیقت میں ناپاک ہیں۔

[۱۴] سدھائے ہوئے شکاری جانوروں سے مراد وہ پرندے اور درندے (باز، شکرے، کتے اور چیتے وغیرہ) ہیں جو شکار کو خود نہیں کھاتے بلکہ پکڑ کر اپنے مالک کے پاس لے آتے ہیں۔ ایسے سدھائے ہوئے جانور کو اگر تکبیر پڑھ کر یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا جائے تو اس کا شکار کیا ہوا جانور اگر زندہ ملے تو اسے تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے اور اگر زخمی ہو کر مر جائے تو بھی وہ حلال ہوگا کیونکہ شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے وقت تکبیر پڑھی گئی تھی۔ اسی طرح تیر اور بندوق چلاتے وقت تکبیر پڑھ لی جائے تو ان کا شکار اگر زخمی ہو کر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو بھی حلال ہوگا کیونکہ شکار کے جسم سے خون کا نکلنا ضروری ہے جو کہ زخمی ہونے کی صورت میں نکل جاتا ہے۔

[۱۵] اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی حضرات کے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے بشرطیکہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو، اور اگر اہل کتاب ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیں تو اس ذبیحہ کے متعلق حضرت حسن بصری کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی خود سنے کہ اہل کتاب نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو وہ اُسے نہ کھائے اور اگر خود نہ سنے تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اہل کتاب ذبح کے وقت کیا کہتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی) جواز کی حد تک یہ قول بہترین ہے تاکہ ضرورت کے وقت اہل کتاب کا ذبیحہ کھا لیا جائے لیکن

قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِيۡۤ

میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔(بھی تمہارے لئے حلال ہیں)[۱۶] جب کہ تم ان کے

تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔(ردالمحتار: کتاب الذبائح) تا کہ ذہن کے کسی گوشے میں حرام کا کوئی شبہ پیدا نہ ہو۔

بہر حال جو اہل کتاب جانور کو با قاعدہ ذبح نہ کریں اور اس کا خون نہ بہائیں بلکہ کسی اور طریقہ سے جانور کی زندگی ختم کر دیں تو اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا، نیز غیر اہل کتاب (بت پرست، مجوسی، مرتد، مشرک وغیرہ) کا ذبح کیا ہوا جانور بھی حلال نہیں ہوگا کیونکہ وہ کسی آسمانی کتاب یا نبی پر ایمان نہیں رکھتے۔ (ردالمحتار: کتاب الذبائح)

اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان متعدد امور مشترک ہیں مثلاً دونوں مذاہب کی کتابیں آسمانی ہیں، اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام علیہم السلام، فرشتوں، قیامت، جنت اور دوزخ کے قائل ہیں۔ اسی طرح بائبل کے مطابق درجِ ذیل جانوروں کے حرام ہونے میں بھی مسلمان اور اہل کتاب مشترک ہیں، مثلاً: مردار، گلا گھونٹنے سے مرا ہوا جانور، درندے کے پھاڑنے سے مرا ہوا جانور، بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور اور خنزیر وغیرہ۔ (احبار:۷:۲۴، احبار:۱۱:۸، اعمال:۲۱:۲۵)

[۱۶] اہل کتاب عورت سے نکاح کا مسئلہ

۱۔ مسلمان کے لئے حلال ہے کہ وہ مسلمان عورت سے نکاح کرے یا اہل کتاب عورت سے لیکن دونوں صورتوں میں اس بات کا خیال رکھے کہ وہ عورت پاکدامن ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بدکار عورت سے نکاح حرام ہے بلکہ مرد کو ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ پاک دامن عورت کا انتخاب کرے تا کہ اس کے گھر کے معاملات اور اولاد کی تربیت میں کوئی خلل پیدا نہ ہو اور عورت کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ بدکاری سے اجتناب کرے ورنہ کوئی شریف آدمی اس سے نکاح نہیں کرے گا۔

۲۔ اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے عقائد اور جانوروں کے حلال وحرام ہونے میں متعدد امور مشترک ہیں جیسا کہ گذشتہ حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے، نیز جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ تفصیل کے لئے بائبل: احبار: باب ۱۸: آیات ۷ تا ۱۹ ملاحظہ ہوں، تاہم اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ:

(الف) خاوند اپنی بیوی پر حاکم ہوتا ہے اور مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ شرعاً ممنوع ہے۔

(ب) اولاد اکثر باپ کا مذہب اختیار کرتی ہے، لہٰذا اگر باپ کافر ہوگا تو مسلمان عورت کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کے کافر ہونے کا خطرہ ہے جس کو کوئی بھی مسلمان عورت برداشت نہیں کر سکے گی۔

(ج) کوئی بھی اہل کتاب حضور اکرم ﷺ کو نبی نہیں مانتا۔ اگر اس کی بیوی مسلمان ہو تو وہ کسی بھی وقت حضور

اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرسکتا ہے جو کہ مسلمان عورت کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا اور گھر میں فساد شروع ہو جائے گا، جبکہ اس کے برعکس اگر مرد مسلمان ہو اور اس کی بیوی اہل کتاب ہو تو مسلمان ہر نبی پر مکمل ایمان رکھتا ہے اور کسی بھی نبی کی توہین اس کے ایمان کے خلاف ہے، لہٰذا مسلمان کے گھر میں اہل کتاب عورت کو ایسی تکلیف دہ صورت حال سے دوچار ہونے کا خطرہ نہیں بلکہ مسلمان کی زبان سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعریف سن کر اہل کتاب عورت کے دل کو مزید سکون ملے گا۔

۳۔ اہل کتاب کی تخصیص سے معلوم ہوا کہ وہ غیر مسلم عورت جو اہل کتاب نہیں اس سے نکاح حلال نہیں ہے۔ اس کی مزید تائید کے لئے قرآن مجید کی وہ آیت تلاوت کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (قرآن: ۲:۲۲۱)

۴۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح حلال ہے تاکہ مسلمان عورت نہ ملنے کی صورت میں اہل کتاب عورت سے نکاح کرلیا جائے لیکن تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بلا ضرورت اہل کتاب عورت سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ردالمحتار: کتاب الذبائح) کیونکہ ایک گھر میں دو مذاہب کا وجود گھر کے سکون اور اولاد کے مستقبل کے لئے خطرناک ہے۔ ایسی شادی خانہ آبادی کے بجائے بالآخر خانہ بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ آپ خود اندازہ کریں باپ بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جائے اور ماں اپنے ساتھ چرچ میں لے جائے تو اولاد کس کا مذہب اختیار کرے گی بالخصوص غیر مسلم ممالک میں جہاں میاں بیوی کے حقوق میں برابری کا تصور کچھ ایسا ہے کہ بعض حالات میں خاوند کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے اور وہ ہفتہ میں صرف ایک دو گھنٹوں کے لئے اپنے بچوں سے ملاقات کرسکتا ہے، نیز برطانیہ میں ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ جس اہل کتاب عورت نے اسلام قبول کئے بغیر کسی مسلمان سے نکاح کیا ہے۔ بعد میں کسی وجہ سے جب نکاح ٹوٹا تو اولاد قانونی طور پر عورت کے سپرد کردی گئی اور بالآخر وہ اولاد اسلام سے رشتہ توڑ بیٹھی۔ اپنا اور اپنی اولاد کا ایمان بچانا ہر مسلمان کا فرض ہے اور کسی مسلمان کو ایک جائز کام کے لئے اپنے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

۵۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے (مدائن میں) ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ وہ یہودی عورت کو طلاق دیدیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: کیا وہ عورت میرے لئے حرام ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ یہودی عورت سے نکاح حرام نہیں ہے، لیکن مجھے خطرہ ہے کہ تم لوگ اہل کتاب کی بدکار عورتوں سے بھی نکاح کر بیٹھو گے۔ (احکام القرآن للجصاص: باب تزوج الکتابیات) اس طرح مسلمان گھروں میں بدکاری پھیلنے کا خطرہ ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان اہل کتاب عورتوں کے حسن و جمال یا مال و دولت کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر اہل کتاب عورتوں کو ترجیح دینے لگیں جس سے مسلمان عورتوں کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ بہر حال اس کے متعلق میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس کو کوئی مسلمان عورت مل جائے وہ غیر مسلم عورت سے شادی نہ کرے اور جس کو کوئی مسلمان عورت

أَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۖ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

مہر انہیں ادا کر دو پاکباز بنتے ہوئے نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے، [۱۷] اور جو ایمان (کے تقاضوں) کا انکار کرتا ہے تو اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ [۱۸]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى

۶۔ اے ایمان والو! جب تم نماز ادا کرنے کے لئے اٹھو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھو لو [۱۹] اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں

نہ مل سکے وہ پاکدامن اہل کتاب عورت سے شادی کر لے مگر اپنے اور اپنی اولاد کے ایمان کو بچانے کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کرے۔

[۱۷] مرد اور عورت کا جنسی تعلق ایک فطری امر ہے۔ اسلام اس تعلق کی قدر کرتا ہے اور باعزت طریق کار کی رہنمائی کرتا ہے۔ یعنی مرد باقاعدہ لوگوں کے سامنے نکاح کرے، عورتوں کے حقوق کی پاسبانی کرے اور کسی بھی عورت (چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم) سے اعلانیہ یا خفیہ بدکاری کا ارتکاب نہ کرے کیونکہ بدکاری اسلام میں حرام ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کے لئے پاکدامنی کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح مرد کے لئے بھی پاکدامن ہونا ضروری ہے۔

[۱۸] کافر عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضائع ہونے کا احتمال تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو وارننگ دی ہے کہ جو مسلمان کسی عورت کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان کے کسی رکن کا انکار کر بیٹھے تو اس کی ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی اور آخرت میں نقصان ہی نقصان ہوگا، لہٰذا کسی اہل کتاب عورت کو نکاح میں لینے سے پہلے اس کے نتائج پر اچھی طرح غور و خوض کرنا بہت ضروری ہے۔

[۱۹] جب کوئی انسان نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اگر وہ بے وضو ہے تو وضو کرے اور اگر باوضو ہے تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں لیکن اگر تازہ وضو کر لے تو ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ عام طور پر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے لیکن کبھی کبھی ایک وضو کے ساتھ چند نمازیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

وضو کے چار فرض ہیں یعنی منہ کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا، سر کا مسح کرنا اور ٹخنوں سمیت پاؤں کا دھونا۔ اس کے علاوہ نیت کرنا، بسم اللہ پڑھنا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، کانوں کا مسح کرنا، قبلہ رخ ہو کر وضو کرنا اور گردن کا مسح کرنا وغیرہ وضو کی سنتیں اور مستحبات ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وضو کی فضیلت کے

الْكَعْبَيْنِ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

سمیت دھولو، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (سارا بدن) پاک کرلو، [۲۰] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو، پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، [۲۱] یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس پاک مٹی سے مسح کرلو، اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کردے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے [۲۲] تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت ہے۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۳۴۰)

۲۔ جب کوئی مسلمان وضو کرتے وقت اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا اور جب وہ ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے پاؤں سے چل کر کیا تھا حتی کہ وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

(مسلم: ۵۷۷: کتاب الطہارۃ: باب ۱۰)

[۲۰] بیوی سے صحبت کرنے یا منی نکلنے سے انسان جنبی ہو جاتا ہے یعنی اس کا سارا جسم ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس کی طہارت صرف وضو سے نہیں ہوتی بلکہ غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

[۲۱] وضو یا غسل کے لئے اگر پانی نہ مل سکے یا پانی موجود ہو لیکن اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو صرف تیمم کرنے سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔ تیمم کا طریقہ اور اس کی حکمت کے لئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۳ کا حاشیہ نمبر ۶۰ ملاحظہ ہو۔

[۲۲] پانی نہ ملنے کی صورت میں بھی اگر وضو اور غسل پر اصرار کیا جاتا تو مشکلات پیدا ہو جاتیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس فرض میں رعایت اور آسانی کے پیش نظر تیمم کی اجازت عطا فرمائی، تاہم وضو، غسل اور تیمم کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تم پر تنگی نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ تمہیں نجاستوں سے پاک کر کے تم پر اپنی نعمت پوری کرنا چاہتا ہے، یعنی ایک طرف وضو کے ساتھ تمہارے ظاہر کو پاک کیا اور دوسری طرف وضو کی برکت سے تمہاری آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کے گناہ معاف فرما کر تمہارے باطن کو پاک کیا تاکہ تم پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

۷۔ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمت ہے اس کو یاد رکھو اور اس کے پختہ عہد کو بھی (یاد رکھو) جو اس نے تم سے لیا ہے [۲۳] جب تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں جاننے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

۸۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے لئے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ [۲۴] اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر ہرگز نہ اُکسائے کہ تم عدل نہ کرو، [۲۵] عدل کیا کرو، وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

نوٹ: ان رعایتوں کے باوجود اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو سختی یا تنگی تصور کرتا ہے تو اس کی مثال اس بچے کی سی ہے جو اپنے شفیق باپ کی نصیحتوں کو ظلم سمجھتا ہے یا اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو اپنے ڈاکٹر کی ہدایت کو سختی تصور کرتا ہے۔

[۲۳] اہل ایمان کو تلقین کی جارہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد رکھیں کہ اس نے انہیں اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور تسلیم و رضا کے اس عہد و پیمان کو بھی یاد رکھیں جس کا اعلان اسلام قبول کرتے وقت سارے انسان کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنتے ہی سر تسلیم خم کر دیں گے۔ اب دوبارہ اہل ایمان کو اس وعدہ کی یاد دہانی کرائی جارہی ہے کہ وہ احسان فراموشی اور عہد شکنی سے پرہیز کریں اور ہر حال میں پورے خلوص کے ساتھ احکام خداوندی کی پیروی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے دلوں کے اسرار سے خوب واقف ہے اور ہر ایک کو ان کی نیتوں کے مطابق ثواب و عذاب دے گا۔

[۲۴] اہل ایمان کو تاکید کی جارہی ہے کہ وہ حق پر ثابت قدم رہیں اور انصاف کے ساتھ گواہی دیں کیونکہ گواہی انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور جس کسی نے جھوٹی گواہی دی تو وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔

[۲۵] اگرچہ کفار نے تم پر مظالم کے پہاڑ توڑے ہیں لیکن ان کی یہ دشمنی تمہیں کسی زیادتی اور بے انصافی پر آمادہ نہ کرے بلکہ ہر

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨

۹۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩

۱۰۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع

۱۱۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی ہے جب ایک قوم نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے تو اللہ تعالیٰ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا، [۲۶] اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

حال میں عدل وانصاف کا دامن تھامے رکھو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ جب کفار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو اہل ایمان کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔

[۲۶] کفار نے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کو مٹانے کی بارہا سازشیں کیں مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو کفار کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا۔ اس آیت کے ضمن میں مفسرین نے کئی واقعات بیان کئے ہیں ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

حضور اکرم ﷺ بعض صحابہ کرام ﷺ کے ہمراہ قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس ایک دیت کے معاملہ میں گئے تاکہ حسب معاہدہ یہودی اس دیت میں اپنا حصہ ادا کریں۔ یہودیوں نے کہا: آپ ﷺ تشریف رکھیں ہم آپ کے لئے کھانا اور دیت کا حصہ لے کر آتے ہیں، چنانچہ وہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کو ایک دیوار کے ساتھ بٹھا کر خود کھانا لانے کے بہانے گئے اور سازش یہ کی کہ دیوار کے اوپر سے ایک بھاری پتھر حضور اکرم ﷺ کے اوپر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم ﷺ کو یہودیوں کی اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور آپ کھانے اور دیت کا انتظار کئے بغیر فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی اور دیگر عربی تفاسیر) یعنی اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کو یہود کی سازش سے بچا لیا، نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جو قوم آج بھی تقویٰ اور توکل کے تقاضے پورے کرے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت کی مستحق

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫

۱۲۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیب مقرر کئے، [۲۷] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی [۲۸] اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور میں تم کو ضرور ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پس اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا تو وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

قرار پائے گی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

[۲۷] نقیب اس سردار کو کہتے ہیں جو اپنی قوم کے احوال پر آگاہ ہو اور ان کی صلاح و فلاح میں سرگرم رہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی کو نقیب مقرر فرمایا تا کہ وہ اپنی اپنی قوم کی نگرانی و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ لیلۃ العقبہ میں جب مدینہ کے ستر مردوں اور دو عورتوں نے حضور اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی تو حضور اکرم ﷺ نے بھی ان میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ (تفسیر قرطبی) تا کہ وہ دیگر مسلمانوں کی رہنمائی میں سرگرم رہیں۔ اس آیت سے ایک نکتہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آج جب کوئی پیر طریقت لوگوں کی رہنمائی کے لئے اپنے کسی مرید کو خلیفہ مقرر کرتا ہے تو وہ دراصل انبیاء کرام علیہم السلام کی نقیب مقرر کرنے والی سنت ادا کرتا ہے۔

[۲۸] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیں یعنی دین کے کاموں اور غریبوں کی خبر گیری پر دولت خرچ کریں۔ اور اس کے ساتھ یہ خوش خبری بھی سنائی کہ اگر انہوں نے اس عہد کی پابندی کی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شاملِ حال رہے گی۔ ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳

۱۳۔ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی [۲۹] اور ان کے دل سخت کر دیئے، وہ (اللہ تعالیٰ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے بدل دیتے ہیں اور جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ انہوں نے بھلا دیا، اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ آگاہ ہوتے رہیں گے سوائے چند لوگوں کے (جو اس خیانت سے محفوظ رہے)، پس آپ انہیں معاف کر دیں اور درگزر فرمائیں، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴

۱۴۔ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ وعدہ لیا تھا جنہوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں، [۳۰] پس انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ بھلا دیا جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض کو ڈال دیا، اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

[۲۹] بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے وعدہ کی خلاف ورزی کی جس کی سزا کے طور پر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے اور ان کے دل اس حد تک سخت ہو گئے کہ انہوں نے تورات میں تحریف شروع کر دی اور بہت سے احکام خداوندی کو فراموش کر دیا۔ اے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دیکھیں گے کہ ان کی اکثریت ہمیشہ خیانت میں مبتلا رہے گی یعنی وہ احکام تورات کے ساتھ خیانت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے، مگر ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو خیانت کے بجائے حقیقت پسندی سے کام لے کر مسلمان ہو جائیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں نے آپ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا لیکن آپ انہیں معاف فرما دیں یعنی ملک وملت اور شریعت کے مجرموں کو سزا تو ملنی چاہیے لیکن اگر شرعی ضرورت نہ ہو تو ان کی خیانتوں اور خطاؤں سے درگزر کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

[۳۰] یہود کی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں سے بھی عہد لیا مگر انہوں نے بھی بہت سے احکام خداوندی کو فراموش کر دیا جس کی سزا کے طور پر وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کر دیا اور ان کے درمیان آپس میں ہمیشہ کے لیے

يَاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ‌ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں چھپایا کرتے تھے [۳۱] اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے، بے شک تمہارے پاس آ گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور [۳۲] اور ایک ظاہر کرنے والی کتاب۔

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ

۱۶۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور

بغض وعناد پیدا ہو گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سیاسی مفادات کی خاطر اگر کبھی عیسائی فرقے اکٹھے ہوئے ہیں تو بھی ان کے دلوں سے بغض وعناد ختم نہیں ہوا۔

نوٹ: یہ آیت مسلمانوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کیونکہ عیسائیوں کی یہ بیماری مسلمانوں میں بھی داخل ہو چکی ہے۔ مسلمان بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہو کر آپس میں بغض وعناد کا شکار ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آمین!

[۳۱] تورات اور انجیل کے وہ احکام جو اہل کتاب کو پسند نہیں تھے وہ انہیں چھپایا کرتے تھے مثلاً آیت رجم یعنی زانی مرد اور عورت کو سنگسار کرنا اور حضور اکرم ﷺ کے اوصاف و بشارات والی آیات وغیرہا۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے تورات و انجیل کے ایسے بہت سے احکام کو ظاہر فرما دیا جن کا اظہار ضروری تھا اور بہت سے امور سے چشم پوشی بھی فرمائی جن میں اہل کتاب کی رسوائی کے علاوہ کوئی دینی فائدہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اسلام لانے کا ایک اور سنہری موقع عطا فرمایا یعنی میرا رسول اُمّی ہے۔ کسی مدرسہ میں علم حاصل کرنے کے لئے نہیں گیا۔ اس کے باوجود اس نے تمہارے چھپائے ہوئے احکام ظاہر کر دیئے ہیں جو کہ اس رسول مکرم ﷺ کے علم کامل اور سچا نبی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے، لہٰذا اس حقیقت کو سمجھو اور اسلام لانے میں دیر نہ کرو۔

[۳۲] جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: نور سے مراد ذات پاک محمد مصطفیٰ ﷺ ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کیا، اسلام کو ظاہر فرمایا اور شرک کو مٹایا۔ حضور اکرم ﷺ نور ہیں مگر اس کے لئے جو اس نور سے روشنی حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اپنی توفیق سے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے [۳۳] اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: بے شک اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے، [۳۴] (اے رسولِ مکرم!) آپ فرمایئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم، اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس ارادہ سے باز رکھ سکے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، [۳۵] اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ

۱۸۔ اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، (پیارے نبی!) آپ فرمایئے: پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟

[۳۳] قرآن مجید اور اس کی عملی تفسیر یعنی حضور اکرم ﷺ کے ذریعے صرف وہی لوگ سلامتی اور راستی کی راہیں دیکھ پاتے ہیں اور تاریکیوں سے نکل کر روشنی سے ہمکنار ہوتے ہیں جو خلوصِ نیت اور پوری جدوجہد کے ساتھ رضائے خداوندی کے طالب ہوتے ہیں اور جن لوگوں کی نیتوں میں فتور اور اعمال میں نفاق ہو وہ تاریکیوں میں ہی سرگرداں رہتے ہیں۔

[۳۴] جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کہتے ہیں وہ کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے کہ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ اور ساری دنیا کو ہلاک کرنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا وہ ساری کائنات کا مالک اور مختار ہے، تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی پیدائش، زندگی اور موت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو پھر وہ خود اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

[۳۵] اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ نر اور مادہ کے اجتماع سے پیدائش کا سلسلہ رواں دواں ہے، لیکن اس کی قدرت یہ ہے کہ وہ جو چاہے جب چاہے اور جس طرح چاہے پیدا فرماتا ہے، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر نر اور مادہ کے مٹی سے پیدا فرمایا۔ حضرت حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر نر کے حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے پیدا کیا۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝١٨

[٣٦] بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا سزا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ۗ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٩

١٩۔ اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے [٣٧] جو تمہارے لئے (احکامِ خداوندی) بیان کرتا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت تک بند تھا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، پس اب تو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

[٣٦] یہود و نصاریٰ کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ کہتے کہ ہمیں اسلام قبول کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور پیارے ہیں، نیز اس کے نبیوں کی اولاد ہیں اس لئے ہمارے ساتھ امتیازی سلوک ہوگا اور ہم جنت میں جائیں گے۔ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: اگر تم واقعی اس دعویٰ میں سچے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اسلاف کو اس دنیا میں سزا کیوں دی حتیٰ کہ بعض کو بندر بنا دیا اور آخرت میں بھی تم خود تسلیم کرتے ہو کہ چند روز کے لئے تم کو دوزخ میں عذاب دیا جائیگا۔ (قرآن: ٢: ٨٠) حالانکہ اپنے پیاروں کو کوئی بھی آگ میں جلانا گوارا نہیں کرتا اور اگر تم کو بھی عذاب سے واسطہ پڑنا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح انسان ہو اور تمہارے گناہوں پر تمہیں بھی عذاب دیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی پیارے وہ خوش نصیب ہوں گے جو ایمان اور تقویٰ میں اعلیٰ ہوں گے۔

[٣٧] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو سالوں تک نبوت کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس وقفہ کے بعد آخری رسول حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو اہل کتاب کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ نبی مکرم آ گیا ہے جس کی بشارت تمہارے انبیائے کرام علیہم السلام نے دی تھی اور اس نے احکام خداوندی کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اب تم اس پر ایمان لے آؤ ورنہ بروزِ قیامت تم اپنی گمراہیوں کا یہ عذر پیش نہیں کر سکو گے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر رسول ہی نہیں آیا تو ہم ہدایت کہاں سے حاصل کرتے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی [۳۸] جب اس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں حکمران بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو سارے جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اے میری قوم! اس پاک زمین [۳۹] میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، [۴۰] اور پیٹھ پھیرتے ہوئے پیچھے نہ ہٹو ورنہ تم نقصان اٹھاتے ہوئے لوٹو گے۔

---

[۳۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسان یاد دلائے کہ اس نے تمہاری ہدایت کے لئے تم میں سے کثرت کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے۔ اتنے نبی کسی اور قوم میں نہیں آئے۔ (تفسیر بیضاوی) نیز تمہیں فرعون کی غلامی سے نکال کر آزادی اور حکومت عطا فرمائی اور یہ ساری نعمتیں ایسی تھیں جو اس دور میں بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھیں۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تشریف آوری نعمت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس کے ذکر کرنے کا حکم دیا۔ اگر بنی اسرائیل کے انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور یقیناً ہیں اور ان کے ذکر سے برکتوں کا نزول بھی ہوتا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تو بدرجہ اولیٰ نعمت ہے۔

۲۔ محافلِ میلاد بھی نزولِ برکات کا سبب ہیں کیونکہ ان میں آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوتا ہے۔

۳۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے خاندان سے ہونا بھی ایک نعمت اور شرافت کا سبب ہے جب کہ ایمان کے ساتھ ہو اور اس پر فخر کے بجائے شکر کی ضرورت ہے، لہٰذا اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ سادات کا خصوصی احترام کریں اور سادات کو چاہیے کہ وہ اپنے خاندان کی لاج رکھتے ہوئے نیک اعمال کا التزام کریں اور اعلیٰ درجے کا تقویٰ اختیار کریں۔

[۳۹] اس آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ پاک زمین سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کو پاک زمین اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین کا مسکن رہی ہے۔ (تفسیر بیضاوی) اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین کی سکونت سے زمین کو بھی شرف حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا مکہ شریف، مدینہ شریف، بغداد شریف، اجمیر شریف اور بھیرہ شریف وغیرہ کہنا درست اور برکت کا باعث ہے۔

[۴۰] آنے والی چند آیات میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل کے جدامجد حضرت یعقوب علیہ السلام

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم اس زمین میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، ہاں اگر وہ اس زمین سے نکل جائیں تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا کہا: تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ اور جب تم دروازہ سے داخل ہو گے تو یقیناً تم ہی غالب آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ

۲۴۔ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس زمین میں ہیں، پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ

کا مسکن بیت المقدس تھا جو اس وقت ملک شام کا حصہ تھا، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب مصر کی حکومت ملی تو یہ سارا خاندان مصر جا کر آباد ہو گیا، لیکن فرعون کے دور حکومت میں جب بنی اسرائیل پر مظالم کی انتہا ہو گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر رات کی تاریکی میں مصر سے ہجرت کر گئے۔ فرعون نے تعاقب کیا مگر وہ لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ قابض تھے جو کہ کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اپنے آبائی وطن بیت المقدس میں جا کر آباد ہوں اور اس پاک سرزمین کو کفار کے غلبہ سے آزاد کرائیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے حالات معلوم کرنے کے لئے بارہ نقیب روانہ کئے، جن میں سے دس نے واپس آ کر وہاں کے لوگوں کی قوت و جبروت اور قد و قامت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل گھبرا کر کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! ہم تو ایسی جابر قوم کے ساتھ ٹکر لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے جا کر ان سے لڑیں اور ارض مقدس کو ان سے پاک کریں، پھر ہم وہاں جا کر آباد ہوں گے۔ بارہ نقیبوں میں سے دو نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قوم کو سمجھایا کہ نامرد نہ بنو، ذرا ہمت کر کے دشمن پر حملہ تو کرو، پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ عطا فرماتا ہے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور ان سے لڑو، بے شک ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ [۴۱]

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں صرف اپنے اور اپنے بھائی کا مالک ہوں، پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔ [۴۲]

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کردی گئی ہے، یہ زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے، سو آپ اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں۔

---

[۴۱] بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جس بزدلی اور بے وفائی کا مظاہرہ کیا وہ تو آپ نے پڑھ لیا اب ذرا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی بہادری اور وفا کا اندازہ بھی کریں کہ غزوہ بدر میں ایک طرف ایک ہزار کفار کا لشکر تھا جس کے پاس جنگ کے ہتھیار وافر مقدار میں تھے اور دوسری طرف گنتی کے چند نیزوں اور تلواروں کے ساتھ صرف ۳۱۳ مسلمان تھے مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ طلب کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس جذبہ ایمانی کا مظاہرہ کیا اس کا خلاصہ ملاحظہ کریں:

''یارسول اللہ! آپ تشریف لے جائیں جدھر آپ کا ارادہ ہے۔ چاہے آپ دشمن سے ٹکرائیں یا سمندر میں چھلانگ لگائیں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو جواب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ '' آپ اور آپ کا خدا جا کر ان سے لڑیں ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں''۔ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ تشریف لے چلیں آپ اور آپ کا خدا، ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ میں دادِ شجاعت دیں گے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ایمان افروز جذبات سن کر خوش ہوئے اور انہیں خوشخبری دی کہ میں کفار کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں جہاں وہ کل مرے پڑے ہوں گے۔ (ابن ہشام اور دیگر کتب سیرت)

[۴۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی نافرمانی سے دلبرداشتہ ہو کر عرض کرتے ہیں: یا اللہ! میں اور میرا بھائی تو تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں مگر قوم نے انکار کر دیا ہے، لہٰذا ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے، چنانچہ اس نافرمانی کی سزا کے طور پر بیت المقدس میں بنی اسرائیل کا داخلہ بند کر دیا گیا اور وہ چالیس سال تک صحرا میں سرگرداں پھرتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام بھی اگرچہ اسی صحرا میں بظاہر اپنی قوم کے ساتھ تھے مگر وہ پورے اطمینان کے ساتھ پیغام نبوت

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۷

۲۷۔ آپ ﷺ ان کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ سنا دو، [۴۳] جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی، [۴۴] اس (دوسرے) نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا، اس (پہلے) نے کہا: اللہ تعالیٰ صرف متقی لوگوں سے قبول فرماتا ہے۔

لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸

۲۸۔ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

پہنچانے میں مصروف تھے۔ من وسلویٰ اور پانی کے چشموں سے قوم کی خدمت میں سرگرم تھے، جیسے ہسپتال میں مریض تو تکلیف کا شکار ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر ان کا علاج کرنے سے سکون حاصل کرتے ہیں۔ قوم کو عذاب میں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اکثر ترس آجاتا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ نافرمانی کی وجہ سے یہ لوگ اسی سزا کے مستحق ہیں۔

[۴۳] حضور اکرم ﷺ سے بنی اسرائیل کی عداوت کی ایک بڑی وجہ ان کا یہ حسد تھا کہ بنی اسرائیل سے کسی کو آخری نبی کیوں نہیں بنایا گیا ہے۔ آنے والی چند آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سنا کر حسد کی برائی اور تقویٰ کی اچھائی بیان کی جارہی ہے تاکہ بنی اسرائیل حسد سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

[۴۴] حضرت آدم علیہ السلام کا ایک بیٹا ہابیل تھا جو کہ نیک سیرت اور متقی تھا اور دوسرا بیٹا قابیل تھا جو کہ حسد اور بغض میں مبتلا تھا۔ ان دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا اور قابیل نے صحیح دلائل کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے حق کو واضح کرنے کے لئے دونوں بھائیوں کو قربانی پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ اس دور میں رواج یہ تھا کہ جب دلائل کی روشنی میں کوئی مسئلہ حل نہ ہوتا تو فریقین اپنی استعداد کے مطابق کوئی چیز بطور نذرانہ پہاڑ پر رکھ دیتے اور آسمانی آگ جس کے نذرانہ کو جلا دیتی اسے حق پر سمجھا جاتا، چنانچہ آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی قبول کرتے ہوئے اس کے حق میں حق کا فیصلہ صادر کر دیا۔ اب دانائی کا تقاضا تو یہ تھا کہ قابیل اپنے حسد سے توبہ کر کے تقویٰ اختیار کر لیتا اور اپنے بھائی کے سچے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا، لیکن اس کے برعکس قابیل کے حسد میں اور اضافہ ہو گیا اور اس نے ہابیل کو قتل کرنے کا

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ میں چاہتا یہی ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو اُٹھا لے تا کہ تو دوزخیوں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لئے آسان بنا دیا، پس اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے، [۴۵] کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

اعلان کر دیا۔ اس پر ہابیل نے کہا: میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تجھے قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، نیز اگر تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور چونکہ وہ متقی لوگوں کی قربانیاں قبول کرتا ہے، لہٰذا تجھے بھی تقویٰ اختیار کرنا چاہیے لیکن اس کے باوجود اگر تو مجھے قتل کرنے پر مصر ہے تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے حسد کا گناہ دونوں کا بوجھ تیرے کندھوں پر ہوگا اور اس ظلم و تعدی کی وجہ سے تجھے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا لیکن قابیل حسد و بغض کے نشہ میں اس قدر مدہوش ہو چکا تھا کہ اس پر ہابیل کی نصیحتوں کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے بھائی کو قتل کر کے نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

[۴۵] قابیل نے جب ہابیل کو قتل کر دیا تو حیران ہو گیا کہ اس کی لاش کے ساتھ کیا کرے کیونکہ انسانوں میں ہابیل سب سے پہلا شخص تھا جس نے موت کا جام پیا، لہٰذا اس سے پہلے کسی کو دفن کرنے سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعہ اس کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا یعنی ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو قابیل کے سامنے قتل کیا، پھر اپنی چونچ اور پنجوں کے ساتھ زمین میں گڑھا بنایا اور اس میں مرے ہوئے کوّے کو دفن کر دیا۔ (تفسیر بیضاوی) قابیل یہ دیکھ کر اپنی نادانی پر شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: میری سمجھ تو اس کوّے سے بھی کمتر ہے۔ اگر کوّا میری رہنمائی نہ کرتا تو ہابیل کی لاش میرے لئے مشکل بنی ہوئی تھی۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ

۳۲۔ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (یہ حکم) لکھ دیا کہ جس نے قصاص یا زمین میں فساد پھیلانے کی (سزا) کے بغیر کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا، [۴۶] اور جس نے کسی ایک جان

[۴۶] بعض خطرناک مجرم ایسے ہیں جن کی سزا قتل ہے جیسے ڈاکو، باغی اور قاتل وغیرہ۔ یہ ایسے مجرم ہیں جن کو قتل کرنا ہی ضروری ہے تاکہ دوسرے بے گناہ لوگوں کی جان و عزت محفوظ رہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی ایک انسان کو بلا وجہ جان بوجھ کر قتل کر دے تو یہ اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے کیونکہ اس نے انسانی خون کی بے حرمتی کی ہے اور سب جانوں کی حرمت یکساں ہے۔ اس نے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے جس کی پابندی اس پر لازم تھی اور اس نے قتل کرنے کی از سر نو ابتدا کی ہے جس سے دوسروں کو قتل کرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور اگر یہ سلسلہ آگے چل نکلے تو ایٹم بموں کی صورت میں سارے انسانوں کو قتل کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے اس جرم کی سنگینی کے باعث ایک انسان کے قتل کو سب انسانوں کے قتل کے برابر قرار دیا ہے، نیز جو شخص انسانی زندگی کا احترام نہیں کرتا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کی برائی اگر دوسرے انسانوں میں پھیل جائے تو سب انسان ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس کے برعکس جو شخص انسانی زندگی کا احترام کرتا ہے اور اس کو بچانے میں سرگرم رہتا ہے تو وہ درحقیقت پوری انسانیت کا ہمدرد ہے کیونکہ دوسرے لوگ اگر اس کی پیروی کریں تو سب انسان ایک دوسرے کے محافظ بن جائیں گے۔

اس مضمون کو حضور اکرم ﷺ نے ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کی صورت میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے:

''جس کسی نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے ثواب کے برابر اس کو بھی ثواب ملتا رہے گا (کیونکہ اس کی بنیاد اس نے رکھی تھی) اور نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے گناہ کے برابر اس کو بھی گناہ ملتا رہے گا (کیونکہ اس کی بنیاد اس نے رکھی تھی) اور گناہ کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔'' (مسلم: ۶۸۰۰: کتاب العلم: باب ۶)

ایک دفعہ کعبہ شریف کا طواف کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''(اے کعبہ!) تو کیسا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کیسی اچھی ہے، تیری عظمت کس قدر بڑی ہے، تیری عزت کتنی عظیم ہے، لیکن قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مومن کے مال و خون کی عزت و حرمت تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔''

جَمِيعًا ۭ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾

کو بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا، اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلائل لے کر آئے ، پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔[۴۷]

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ

۳۳۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے [۴۸] کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا

(ابن ماجہ: ۳۹۳۲: ابواب الفتن : باب ۲) ایک مؤمن کی عظمت کا اندازہ کریں کہ اس کے مال وخون کی حرمت کعبہ شریف سے بھی زیادہ ہے۔

ایک اور موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''دنیا کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مؤمن کے ناحق خون کے مقابلہ میں کمتر ہے۔''

(ابن ماجہ: ۲۶۱۹: ابواب الدیات: ۱)

یعنی مؤمن کی جان اتنی قیمتی ہے کہ ساری دنیا کا مال ومتاع اس کے برابر نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی انسان ساری دنیا کو تباہ کر دے تو بھی اس کا جرم اتنا سنگین نہیں ہے جتنا کسی مؤمن کو ناحق قتل کرنا سنگین ہے۔

[۴۷] اس میں ایک طرف تو یہود کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارے اکثر اسلاف نے انبیائے کرام علیہم السلام کے واضح دلائل کے باوجود ظلم وزیادتی کی راہ اختیار کی اور عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے، لہٰذا تم حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے روشن دلائل کا انکار کر کے گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرو اور دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہود آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کا سلوک ایسا ہی رہا ہے۔

[۴۸] جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اعلانیہ قتل وغارت کرتے ہیں اس آیت میں ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق چار سزائیں مقرر کی گئی

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾

انہیں (اپنی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ توان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بھی بڑا عذاب ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ [۴۹] تو خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

ہیں، جن کا خلاصہ میں تفسیر روح المعانی سے عرض کرتا ہوں:

۱۔ اگر انہوں نے کسی کو صرف قتل کیا تو اس کے بدلے میں انہیں بھی قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارث اگر معاف کر دیں تو بھی یہ قتل معاف نہیں ہوگا کیونکہ یہ مقتول کے وارثوں کا نجی معاملہ نہیں بلکہ ملک وملت کے اجتماعی امن وسکون کا مسئلہ ہے۔

۲۔ اگر انہوں نے قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا تو انہیں شارع عام پر سولی پر چڑھایا جائے گا تاکہ لوگوں کو اس جرم سے نفرت پیدا ہو۔

۳۔ اگر انہوں نے قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا تو دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔

۴۔ اگر انہوں نے نہ قتل کیا نہ مال لوٹا صرف لوگوں کو دہشت زدہ اور ہراساں کیا تو پھر انہیں اپنی زمین سے نکال دیا جائے یعنی اپنے گھر اور اہل خانہ سے جدا کر کے کسی دوسرے شہر میں قید کر دیا جائے گا۔ (تفسیر روح المعانی) بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ ایسا شخص جلاوطن کر دیا جائے لیکن اس میں نقصان یہ ہوگا کہ وہ جہاں بھی جائے گا فتنہ وفساد کا باعث بنے گا، لہٰذا اس کے اور معاشرہ دونوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے تاوقتیکہ وہ سچی توبہ کر کے پرہیزگار بن جائے۔ اصل مقصد تو دوسرے لوگوں کو اس کے شر سے بچانا ہے اور یہ مقصد ملک بدری سے نہیں بلکہ قید یا سچی توبہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس آیت کے ضمن میں مکحول روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ﷜ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے اس قسم کے مجرموں کو قید خانہ میں بند کیا اور فرمایا: ''میں ایسے مجرم کو قید میں رکھوں گا حتیٰ کہ مجھے اس کی توبہ کا یقین ہوجائے اور کسی دوسرے شہر میں اسے آزاد نہیں چھوڑوں گا کہ وہاں کے لوگوں کو ستائے۔''

(تفسیر قرطبی)

[۴۹] اگر یہ ڈاکو اور فسادی لوگ گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں اور پرامن شہری ہونے کا اعلان کر دیں تو ڈاکہ کی شرعی حدود یعنی سولی پر چڑھانا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قید کرنے کی سزائیں معاف ہوجائیں گی، البتہ حقوق العباد اگر صاحب حق معاف نہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو [۵۰] اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو [۵۱] اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ

۳۶۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اگر ان کے قبضہ میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو تا کہ وہ قیامت کے دن عذاب سے

کرے تو ان کی ادائیگی لازم ہے یعنی قتل کے بدلے قتل اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی وغیرہ، تاہم گرفتاری کے بعد توبہ کرنے سے شرعی حدود ساقط نہیں ہوں گی بلکہ ان کو پوری پوری سزا دی جائے گی کیونکہ ایسی توبہ صداقت اور خلوص پر مبنی نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انسان جان کنی کے وقت (یعنی موت کے ڈر سے زندگی کے آخری سانس میں) توبہ کرتا ہے (تفسیر قرطبی) جو کہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ (ترمذی: ۳۵۳۷: کتاب الدعوات: باب ۹۸)

[۵۰] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تین چیزوں کا حکم دیا ہے جن کی پیروی میں انسان کی فلاح کا راز مضمر ہے:

۱۔ تقویٰ اختیار کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرو۔ (تفسیر صاوی)

۲۔ ایسا وسیلہ تلاش کرو جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جائے۔ ان وسائل میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کی محبت، اللہ والوں کی زیارت، صدقات، دعا اور ذکر وغیرہ شامل ہیں۔ (تفسیر صاوی)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو یعنی کفار حملہ کر دیں تو ان کے مقابلہ میں نکلو اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دو۔ یہ چھوٹا جہاد ہے اور اگر شیطان تمہارے نفس کو برائیوں پر اُکسائے تو اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤ اور اپنے آپ کو برائیوں سے پاک کرو۔ یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔

[۵۱] اس آیت میں وسیلہ سے مراد وہ ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا باعث ہو۔ بلاشبہ ایمان اور نیک اعمال ہی اس وسیلہ کی اصل بنیاد ہیں اور پیر کامل کی بیعت بھی ایک نیک عمل ہے جس کی بدولت گمراہ انسان شیطان کی غلامی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں اور ان کے ظاہر و باطن میں ایسا انقلاب آجاتا ہے جو کئی اور دیکھنے والوں کے لئے بھی ہدایت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد مرشد کی بیعت ہے۔ (قول جمیل) اور اسی آیت کی تشریح میں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی لکھتے ہیں: اہل سلوک کے نزدیک وسیلہ سے مراد مرشد ہے جس کی رہنمائی کے بغیر راہِ حقیقت کا ملنا شاذ و نادر ہے۔ (صراط مستقیم)

اسلام میں دو قسم کی بیعت کا تصور پایا جاتا ہے: ایک سربراہِ حکومت کی بیعت تا کہ اس کی اطاعت کا باضابطہ اعلان کیا

مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۳۶

نجات کے لئے اس کو فدیہ میں دے دیں تو وہ فدیہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، [۵۲] اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

جائے اور دوسرا پیر کامل کی بیعت تاکہ اس کی رہنمائی میں قربِ خداوندی کی منازل طے کی جائیں اور پیر کامل میں درج ذیل چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس میں یہ چار شرائط نہ ہوں اس کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے۔ ان شرائط کی بنیاد بہارِ شریعت اور امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ افریقہ میں دیکھی جاسکتی ہے یعنی پیر کامل وہ ہے:

۱۔ جو مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو یعنی اہل سنت و جماعت ہو کیونکہ کسی کافر و بدعقیدہ کی بیعت جائز نہیں۔

۲۔ جو عالم دین ہو یعنی قرآن وحدیث اور فقہ کا عالم ہو تاکہ مریدین کے مسائل کا اسلامی حل بیان کر سکے۔

۳۔ جو قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو اور کوئی ایسا کام نہ کرتا ہو جو اسلام میں ناپسندیدہ ہو تاکہ مریدین پورے اطمینان کے ساتھ اس کی اطاعت کریں، کیونکہ بزرگ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص ہوا میں اُڑتا ہوا آرہا ہو اور سنت نبوی کا تارک ہو تو وہ جادوگر تو ہوسکتا ہے مگر پیر کامل نہیں ہوسکتا۔

۴۔ جس کے مشائخ کا سلسلۂ بیعت حضور اکرم ﷺ تک متصل ہو اور فیضانِ نبوت کی یہ کڑیاں کہیں سے منقطع نہ ہوں یعنی اس کے پیر نے اپنے پیر کی، پھر اس کے پیر نے اپنے پیر کی بیعت کی ہو حتیٰ کہ یہ سلسلہ حضور اکرم ﷺ تک پہنچتا ہو تاکہ نسبت کی برکتیں شامل حال رہیں اور قربِ خداوندی کی منازل آسانی سے طے ہوں۔

جن خوش نصیب حضرات میں مذکورہ بالا چار شرائط پائی جائیں ان کی تلاش میں سفر کرنا اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گزارنا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اس سلسلہ میں حضورِ اکرم ﷺ کے چند ارشادات کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ جو شخص نیک لوگوں کی صحبت میں پہنچ جاتا ہے وہ خوش قسمت ہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(بخاری: ۶۴۰۸: کتاب الدعوات: باب ۶۶)

۲۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے نیک لوگوں کے پاس جانے کی نیت سے اپنا سفر شروع کیا، اگرچہ ان تک نہ پہنچ سکا اور راستہ میں ہی فوت ہوگیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سوقتل جیسے جرائم کو معاف کر کے اُسے جنت کا مستحق بنا دیا۔

(مسلم: ۷۰۰۸: کتاب التوبہ: باب ۸)

[۵۲] جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت میں ہی فوت ہوگئے وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے اور اگر وہ زمین کی ساری دولت سے بھی زیادہ فدیہ دے کر عذاب جہنم سے بچنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اوّل تو میدانِ حشر میں کسی کے پاس اس زمین کی دولت نہیں ہوگی اور اگر بالفرض کسی کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں تو بھی رد کر دیئے جائیں گے۔

يُرِيدُونَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ وہ چاہیں گے کہ (دوزخ کی) آگ سے نکل جائیں لیکن وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے [۵۳] اور ان کے لئے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہوگا۔

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

۳۸۔ اور چوری کرنے والے مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، [۵۴] یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے، [۵۵]

[۵۳] کفار بہت چاہیں گے کہ جہنم کی آگ سے نکل جائیں لیکن وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور اپنے کفر کی سزا کے طور پر ہمیشہ عذاب جہنم میں مبتلا رہیں گے جبکہ گناہگار مسلمان اپنے ایمان کی برکت سے سزا پوری ہونے کے بعد جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کی تائید میں احادیث بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ حضرت جابرؓ نے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایک قوم جہنم کی آگ سے نکل کر جنت میں داخل ہوگی۔'' یزید بن الفقیر نے یہی آیت پڑھتے ہوئے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ وہ جہنم سے نہیں نکل سکیں گے تو جابر بن عبداللہ نے جواب دیا کہ اس کا تعلق گزشتہ آیت سے ہے یعنی صرف کفار جہنم سے نہیں نکل سکیں گے۔ (تفسیر الدر المنثور)

[۵۴] چور سے مراد وہ مرد یا عورت ہے جو کسی دوسرے انسان کی ملکیت سے کم از کم ایک ڈھال کی مالیت کے برابر کوئی چیز دانستہ چوری کر لے۔ اسلام میں اس چوری کی سزا یہ ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ اس کی کلائی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے، لیکن ڈھال کی مالیت سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ حاکم وقت جو مناسب سمجھے اس سے کم درجہ کی کوئی اور سزا دیدے جس سے چور کی حوصلہ شکنی ہو۔ حضرت ایمنؓ بیان کرتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت میں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت ایک دینار (جو کہ تقریباً 4.36 گرام سونے کے برابر ہے) یا دس درہم (جو کہ تقریباً 30.50 گرام چاندی کے برابر ہے) تھی۔ (سنن نسائی: ۴۹۵۰: کتاب قطع السارق: باب ۱۰) مزید تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابیں ملاحظہ کریں۔

[۵۵] قرآن مجید نے چور کی سزا یہ مقرر کی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اس کی دو وجوہات بھی بیان کی ہیں:

۱۔ یہ سزا اس مال کا بدلہ نہیں جو اس نے چوری کیا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مال بالکل معمولی ہو بلکہ دراصل یہ قانون شکنی کی جرأت اور چوری کرنے کے اس فعل کی سزا ہے جس نے لوگوں کے امن و سکون کو غارت کیا ہے۔

۲۔ یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس لئے ہے تاکہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو اور کوئی بھی چوری کرنے کی جرأت نہ کرے۔

سزا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مظلوم کی دادرسی کی جائے یعنی اس کا حق اسے واپس دلایا جائے اور مجرم کو اس کی بری عادت

سے بچانے کے لئے اس پر ایسی سختی کی جائے کہ وہ بھی اس جرم سے باز آجائے اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو اور وہ اس جرم کے قریب نہ جائیں، اور یہ حکم صرف قرآن ہی کا نہیں بلکہ بائبل کا بھی یہی حکم ہے: ''اور اگر تمہارا دایاں ہاتھ گناہ کرنے کا سبب بنے تو اس کو کاٹ کر دور پھینک دو۔ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تم اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم ہو جاؤ بجائے اس کے کہ تمہارے پورے جسم کو جہنم میں جانا پڑے۔'' (Matthew:5:30: New Testament & Psalms, Edition 2001 by The Gideons)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا ہاتھ کاٹ دینا بڑی وحشیانہ اور غیر مہذب سزا ہے۔ اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ ایک میاں بیوی ساٹھ سال کی عمر تک پردیس میں کرائے کے مکان میں رہتے ہوئے مزدوری کر کے زیورات، کپڑوں اور نقدی کی صورت میں اتنی دولت اکٹھی کرلیں کہ وہ اپنے رہنے کے لئے مکان، اپنی بیٹیوں کی شادی اور بڑھاپے کے انتظامات کرسکیں اور اچانک ایک رات کو ایک چور آئے اور ان بوڑھے میاں بیوی کی زندگی بھر کی کمائی چوری کر کے لے جائے تو اب اس بوڑھے میاں بیوی پر کیا گزرے گی جن کی زندگی کی کمائی بھی گئی اور ہاتھوں میں مزید کمانے کی طاقت بھی نہیں رہی۔ ہوسکتا ہے وہ بوڑھے والدین اس حادثہ کو برداشت نہ کرسکیں اور حرکت قلب بند ہونے کی صورت میں اُن کی بچیاں یتیم ہو جائیں اور اگر وہ زندہ بچ بھی جائیں تو بڑھاپے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں رہی کہ وہ اپنا اور اپنی بچیوں کا پیٹ پال سکیں اور بالآخر بھیک مانگنے یا خودکشی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ اگر آپ ان بوڑھے والدین کی جگہ پر ہوں تو اس چور کے متعلق کیا سزا تجویز کریں گے؟ کیا اس چور نے مہذب کام کیا ہے یا واضح بربریت کا مظاہرہ کر کے ایک خوشحال گھرانے پر قیامت صغریٰ برپا کردی ہے؟ ظاہر ہے وہ انسانی شکل میں ایک درندہ ہے اور درندوں والی سزا کا مستحق ہے تاکہ اسے اپنی درندگی کا احساس ہو اور دوسروں کے لئے بھی باعث عبرت ہو اور بائبل نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ چور کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ ''اگر چور کسی گھر میں چوری کرتے ہوئے پکڑا جائے اور اُسے قتل کر دیا جائے تو اس چور کا قاتل مجرم نہیں ہوگا۔'' (خروج: ۲۲: ۲)

چور کا ایک ہاتھ جو سیکڑوں دیگر ہاتھوں کی کمائی چھین کر انہیں شل کر دیتا ہے، عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اسی ایک ہاتھ کو کاٹ دیا جائے تاکہ دیگر بے شمار ہاتھ سلامت رہیں اور انسانی خدمت میں سرگرم عمل رہیں۔ تاریخ شاہد ہے جہاں کہیں بھی چور کے ہاتھ کاٹے گئے وہاں چوری کا دروازہ بند ہو گیا۔ اسلام کے ابتدائی سو سال میں گنتی کے چند افراد کے ہاتھ کاٹے گئے اور پورا معاشرہ امن کی نیند سویا۔ (فی ظلال القرآن)

کوئی انسان اپنا ہاتھ کٹانا پسند نہیں کرتا لیکن اگر کسی انسان کی انگلی میں کینسر ہو جائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا ضروری ہو جاتا

ہے ورنہ یہ بیماری پورے جسم میں پھیل جاتی ہے جو بالآخر انسان کی زندگی ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح چوری بھی عوام کے امن اور سکون کے لئے کینسر کی حیثیت رکھتی ہے اور جو ہاتھ کئی خوش حال گھرانوں کی زندگیاں برباد کر دے اگر اسے نہ کاٹا گیا تو کئی دوسرے لوگوں کو بھی راتوں رات امیر بننے کی یہ بیماری لگ جائے گی جو بالآخر پورے معاشرہ کا امن وسکون تباہ کر دے گی، لہٰذا ایسے مجرم ہاتھ پر ترس کھانا دراصل بے گناہ معاشرہ پر ظلم کرنے کے برابر ہے۔

آجکل عام طور پر چور کو کچھ عرصہ جیل میں بند کر دیا جاتا ہے لیکن قید کی سزا نہ تو نفسیاتی طور پر چور کی حوصلہ شکنی کرتی ہے اور نہ ہی جسمانی طور پر۔ اسی لئے جن ممالک میں چوری کی سزا قید ہے وہاں پر پولیس گشت، سیکورٹی سٹاف، الارم، کیمرہ اور کتوں وغیرہ کے باوجود چوری کی واردات یا تو بہت زیادہ ہیں یا ترقی پذیر ہیں، کیونکہ قید کی سزا پوری ہونے کے بعد اس کے ساتھ کوئی ایسا مانع نہیں ہے جو اسے چوری سے باز رکھے۔ ہاتھ سلامت ہیں، نیز لوگوں کو علم نہیں کہ یہ چور ہے، لہٰذا لوگ اس پر اعتماد کریں گے اور اس کے لئے چوری کرنا آسان ہوگا جبکہ ہاتھ کٹنے کی سزا چور کو نفسیاتی طور پر شرمندہ کر دیتی ہے اور دیکھنے والے بھی محتاط ہو جاتے ہیں کہ یہ چور ہے، نیز ہاتھ کٹنے سے اس کی چوری کی صلاحیت بھی ناقص ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر تو سزا دینے کا مقصد یہ ہے کہ چور چوری سے باز آجائے تو سب سے زیادہ مؤثر سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور اگر مقصد یہ ہے کہ چور کو معمولی سی سزا بھی مل جائے اور چوری کا سلسلہ بھی جاری رہے تو پھر قید خانہ میں چور کو چند دنوں کے لئے حکومت کا مہمان بنانا اچھی سزا ہے۔

آج اکیسویں صدی میں سعودی عرب نے یہ سزا نافذ کر رکھی ہے۔ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں مسلمان حج یا عمرہ کی غرض سے سعودی عرب جاتے ہیں۔ کیا کسی نے کبھی کسی ایسے عربی کو دیکھا ہے جس کا چوری کی وجہ سے ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں چوری بالکل نہیں ہوتی لیکن پورے ملک میں صرف گنتی کے چند افراد کے ہاتھ کٹتے ہیں اور سارے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔ مجھے کئی بار حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے مجھے کہیں بھی کوئی ہاتھ کٹا دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ اتنا مشاہدہ ضرور کیا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو سونے، چاندی اور قیمتی سامان سے بھری ہوئی دکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ کر دکاندار نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ پرسکون نماز پڑھتے ہیں کہ ان کی دکان سے کوئی چوری نہیں ہوگی۔ یہ سب اسلام کی حکیمانہ سزا کی برکتیں ہیں کہ انسان چوری کرنے کے تصور سے بھی گھبراتا ہے، نیز جس چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے وہ انسدادِ چوری کا ایسا عملی اور مؤثر اشتہار ہوگا جس کا مقابلہ ہزاروں پونڈ کی انسدادِ چوری کی اشتہاری مہم نہیں کر سکے گی اور اس کا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر ہر ایک کو ہر وقت ایسی عبرت حاصل ہوتی رہے گی کہ کوئی دوسرا چوری کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾

اور اللہ تعالیٰ بہت غالب حکمت والا ہے۔[٥٦]

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾

٣٩۔ پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لی[٥٧]اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

نوٹ: اگر کوئی انسان قحط سالی یا بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر حاطب کے غلاموں نے قبیلہ مُزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چوری کر لی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط کر دی اور غلاموں کے مالک پر اونٹنی کی قیمت سے دُگنی قیمت بطور تاوان عائد کر دی کیونکہ وہ اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتا تھا اور غلاموں نے بھوک سے تنگ آ کر چوری کا ارتکاب کیا تھا۔

[٥٦] چوری کی یہ سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ جس جرم کی سزا جو چاہے مقرر فرما دے اس پر کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں اور ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور اس نے چوری کی جو سزا مقرر کی ہے وہ فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سزا پر عمل کرنے میں کسی امتیاز اور رعایت کی اجازت نہیں دی۔ مثال کے طور پر بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہنے پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کی سفارش کی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی امیر چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) یعنی میری بیٹی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (بخاری: ٣٤٧٥: کتاب احادیث الانبیاء: باب ٥٤)

[٥٧] اگر چور بھی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے اور معاملہ عدالت تک جانے سے پہلے مالک کا مال واپس کر کے اس سے معافی مانگ لے اور مالک بھی اس چور کو معاف کر دے اور مقدمہ عدالت میں نہ لے جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہاتھ کٹنے کی شرعی حد معاف فرما دے گا۔ (تفسیر نعیمی) لیکن اگر چوری عدالت میں ثابت ہو جائے تو پھر چور کا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا چاہے وہ توبہ کرے یا نہ کرے کیونکہ اب یہ چور اور مالک کا نجی اور انفرادی معاملہ نہیں رہا بلکہ حکومت کا اجتماعی اور انتظامی مسئلہ بن گیا ہے جس کی سزا ضروری ہے، البتہ اب توبہ کرنے سے آخرت کا عذاب معاف ہو جائے گا اور اگر کسی شخص نے ہاتھ کٹوانے کے بعد بھی اس جرم سے توبہ نہیں کی تو پھر وہ قیامت کے دن خدا کے غضب کا اسی طرح مستحق رہے گا جس طرح ہاتھ کٹنے سے پہلے تھا۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝

۴۰۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلا شبہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے؟ وہ جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ مِنَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا ۛۚ سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ ۙ لَمۡ يَاۡتُوۡكَ ؕ يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِيۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا ؕ وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ

۴۱۔ اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کریں جو کفر میں تیزی سے سرگرم ہیں، [۵۸] ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور بعض یہودی ایسے ہیں جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بھی بہت زیادہ سنتے ہیں جو ابھی تک آپ کے پاس نہیں آئے، اللہ کی باتوں کو اپنی اصلی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اسے مان لو اور اگر تمہیں یہ

[۵۸] حضور اکرم ﷺ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی حقانیت پر روشن دلائل فراہم کئے مگر وہ کفر میں ہی سرگرم رہے اور بعض نے منافقت کا راستہ اختیار کیا یعنی بظاہر ایمان کا اعلان کر دیا لیکن دل سے کافر ہی رہے۔ حضور اکرم ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کا سچا کلام سناتے مگر وہ اپنے خود غرض علماء کی جھوٹی باتیں سننے میں دلچسپی لیتے اور وہ دشمنانِ اسلام جو تکبر کی وجہ سے آپ ﷺ کے پاس حاضر نہیں ہوتے یہ ان کا پروپیگنڈا سننے میں سرگرم رہتے اور ان کے لئے جاسوسی بھی کرتے، نیز وہ اپنی مقدس کتاب تورات کے الفاظ و معانی میں تحریف بھی کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی خلوص بھری دعوت و تبلیغ کے جواب میں یہود کی ہٹ دھرمی سے آپ ﷺ کا دکھی اور غمزدہ ہونا ایک فطری امر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ان کے منفی رویہ سے غمگین نہ ہوں، دراصل مسلسل ہٹ دھرمی نے ان کے دلوں میں فتنہ و فساد پیدا کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو ناپاک ہی چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کے دلوں میں کفر جڑ پکڑ چکا ہے، لہٰذا آپ ﷺ ان کے بارے میں غمگین نہ ہوں، آپ ﷺ نے اپنی رسالت کا حق ادا کر دیا ہے، اب اگر یہ اسلام نہیں لاتے تو آپ سے ان کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کفر کی سزا دے گا، وہ دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سے ہمکنار ہوں گے۔

فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

حکم نہ دیا جائے تو بچو، [٥٩] اور جس کو اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا، [٦٠] ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

[٥٩] حدیث اور تفسیر کی معتبر کتابوں میں یہاں ایک خاص واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس کا مختصر مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ خیبر کے ایک شادی شدہ یہودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ دونوں اعلیٰ خاندان کے افراد تھے، اس لئے علمائے یہود نے ان کو رجم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے ان دونوں کو ایک وفد کے ہمراہ مدینہ منورہ بھیجا تا کہ رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کریں اور ساتھ یہ ہدایت بھی کی کہ اگر درّے لگانے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا اور اگر رجم کا حکم کریں تو انکار کر دینا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے رجم کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نوجوان یہودی عالم ابن صوریا کو جانتے ہو؟ کہنے لگے: جی ہاں۔ اس وقت روئے زمین پر وہ سب سے بڑا یہودی عالم ہے ہم اس کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ جب وہ آیا تو رسولِ خدا ﷺ نے اس سے فرمایا: ''میں تمہیں اس خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو شق کیا اور تمہیں نجات دی، کیا تورات میں شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم ہے یا نہیں؟'' وہ انکار نہ کر سکا اور صاف کہہ دیا: بے شک ایسا ہی ہے۔ یہود اس پر کود پڑے اور تنقید کا نشانہ بنایا لیکن اس نے کہا کہ میں اگر اس نبی برحق کے سامنے جھوٹ بولتا تو مجھے عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا اندیشہ تھا۔ (تفسیر کشاف) اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم تورات کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا: دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے ایک بڑے امیر شہزادے نے زنا کیا جس کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے اُسے سنگسار نہ کیا، پھر جب یہی جرم ایک غریب آدمی سے سرزد ہوا اور اسے رجم کرنے کا فیصلہ ہوا تو اس غریب کے رشتہ داروں نے احتجاج کیا کہ اگر شرعی سزا اس کو دینی ہے تو اس سے پہلے شہزادے کو بھی دو۔ جب اس اختلاف نے طول پکڑا تو ہم نے مجبوراً تورات کا حکم چھوڑ کر سب کے لئے درّے اور منہ کالا کرنے کی سزا پر اتفاق کر لیا۔ یہ سن کر حضورِ اکرم ﷺ نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! ان لوگوں نے تیرے حکم کو مردہ کر دیا تھا مگر میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو پھر سے زندہ کیا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے انہیں رجم کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری) آج بھی بائبل میں یہ الفاظ موجود ہیں: ''زانی مرد اور عورت دونوں کو شہر کے دروازے سے باہر پتھر مار کر ہلاک کر دیا جائے۔'' (استثناء: ٢٢:٢٣)

[٦٠] یہاں پر بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو فتنہ و فساد اور کفر و ناپاکی میں رکھنے کا ارادہ فرما لیا ہے تو پھر وہ کیسے ہدایت پا سکتے ہیں اور ان کو عذاب کیوں دیا جائے گا؟ دراصل یہود نے اپنی ہٹ دھرمی اور نافرمانی

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَ

۴۲۔ یہ بہت زیادہ جھوٹی باتیں سننے والے بڑے حرام خور ہیں،[٦١] سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما

کے باعث اپنے آپ کو اس سزا کا مستحق ثابت کر دیا جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس کی مثال اس مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کی تشخیص کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ عام لوگوں کے اندازوں پر ایمان رکھتا ہے اور ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوا کو یا تو سرے سے استعمال ہی نہیں کرتا یا اپنی پسند کے مطابق اس کے اجزائے ترکیبی میں تبدیلی کر دیتا ہے اور ڈاکٹر کی ہدایات کی مسلسل خلاف ورزی سے اس کی بیماری آخری مرحلہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اب اگر ڈاکٹر اس مریض کے علاج سے دست بردار ہو کر اعلان کر دے کہ اب اس مریض کو موت سے کوئی نہیں بچا سکتا تو اس میں ڈاکٹر کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ مریض خود اپنی خودکشی کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح یہود بھی اپنی ہٹ دھرمی کے باعث حضورِ اکرم ﷺ پر ایمان نہ لائے اور مفاد پرست یہودی علماء کے ساتھ ہی منسلک رہے اور تورات کے احکام پر بھی یا تو سرے سے عمل ہی نہ کرتے یا ان میں اپنی مرضی سے تبدیلی کر لیتے۔ خدائی احکام کی مسلسل نافرمانی سے ان کے غور و فکر کی صلاحیتیں اس قدر ناکارہ ہو چکی ہیں کہ اب ان کے دلوں سے فساد و کفر کا نکلنا ممکن نہیں رہا۔ اسی حقیقت کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے جو کہ یہود کی ہٹ دھرمی کا لازمی نتیجہ ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے سورت بقرہ کی آیت نمبر سات کا حاشیہ نمبر دس ملاحظہ کریں۔

[٦١] اس آیت میں علمائے یہود کی ایک خاص حرام خوری یعنی رشوت کا تذکرہ ہے کیونکہ وہ امیر لوگوں سے رشوت لے کر ان کے حق میں ناحق فیصلے کرتے تھے، حالانکہ انکی شریعت میں رشوت کو ممنوع قرار دیا گیا تھا جیسا کہ بائبل میں آج بھی موجود ہے: ''امیر آدمی کی طرفداری کرتے ہوئے انصاف میں لچک پیدا نہ کرو اور کبھی بھی رشوت قبول نہ کرو کیونکہ رشوت اہل عقل و دانش کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور ان کے فیصلے کو بگاڑ دیتی ہے۔'' (استثناء:١٦:١٩)

اسلام میں بھی رشوت حرام ہے کیونکہ ''رشوت لینے والے، رشوت دینے والے اور ان دونوں کے درمیان رشوت کے معاملات طے کرانے والے تینوں پر حضور اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔'' (مسند احمد: جلد ٥: ص ٢٧٩) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس انسان کا گوشت رشوت کے مال سے پروان چڑھا ہو وہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ جہنم کی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔'' (احمد: جلد ٥: ص ٣٩٩)

کسی کا حق ضائع کرنے یا غصب کرنے کے لئے کسی جھوٹے گواہ یا حاکم کو جو مال دیا جاتا ہے اسے رشوت کہتے ہیں۔ اس صورت میں رشوت لینے والا، رشوت دینے والا اور درمیان میں سودا طے کرانے والا سب مجرم ہیں لیکن اگر کوئی آدمی اپنے حق کے حصول یعنی اپنے خون یا مال کی حفاظت کے لئے مجبوراً رشوت دیتا ہے تو یہ اس کے لئے حرام نہیں ہوگا'' (سنن

اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾

دیں یا ان سے منہ پھیر لیں، [٦٢] اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلے کریں، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ ع

۴۳۔ اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے [٦٣] حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، پھر اس کے بعد بھی وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ مؤمن نہیں ہیں۔

کبریٰ: جلد ۱۰: ص ۱۳۹) لیکن اس صورت میں بھی رشوت لینے والا ضرور گناہگار ہوگا کیونکہ وہ اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے۔

[٦٢] یعنی غیر مسلم اگر اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لئے حضورِ اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو اختیار دیا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو انکار کر دیں تاکہ وہ اپنے مذہبی رہنماؤں سے فیصلہ کرائیں۔ جبکہ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۹ میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ اگر غیر مسلم اپنا معاملہ آپ ﷺ کے پاس لائیں تو آپ ﷺ اس کا فیصلہ اپنی شریعت کے مطابق فرمائیں۔

ان دو آیات کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ غیر مسلم سائل اگر تو اسلامی ملک کا باشندہ یا ذمی ہو تو اس کا فیصلہ اسلامی حکمران کا فرض ہے کیونکہ ان کے حقوق کی نگرانی اور حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اگر غیر مسلم سائل نہ تو اسلامی ملک کا باشندہ ہو اور نہ ہی ذمی بلکہ اس کے ساتھ صرف امن کا معاہدہ ہے جیسا کہ آیت نمبر ۴۲ کے سائل تھے تو اس کا فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اسلامی حکمران کو اختیار ہے کیونکہ ان کے حقوق کی نگرانی اسلامی حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (احکام القرآن: جلد اول: ص ۸۸) بہرحال اسلامی حکمران جب بھی فیصلہ کرے تو اسلامی اصولوں اور انصاف کو پیش نظر رکھے یعنی امن عامہ اور اجتماعی نظم و ضبط کے معاملات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرے لیکن غیر مسلموں کے ذاتی اور خالص مذہبی مسائل میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کے اپنے مذہبی رہنماؤں سے فیصلہ کرایا جائے۔

[٦٣] یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہودی آپ ﷺ پر ایمان بھی نہیں رکھتے اور اس کے باوجود فیصلہ کرانے کا مطالبہ بھی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے اور اس میں زنا کی سزا رجم لکھی ہوئی ہے۔ دراصل ان کا مقصد شرعی مسئلہ پوچھنا نہیں

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ

۴۴۔ بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے، [٦٤] اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار نبی تورات کے مطابق یہود کے فیصلے کرتے تھے اور اللہ والے اور علماء (بھی اسی کے مطابق حکم دیتے تھے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے [٦٥] اور وہ اس پر گواہ تھے، سو تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو [٦٦] اور تھوڑی قیمت کے

ہے بلکہ وہ سزائیں کمی اور سہولت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے تورات کے مطابق انہیں اسلامی حکم سنایا تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنی مفاد پرستی میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب پر ان کا ایمان ہی نہیں رہا تھا، نہ تورات پر نہ ہی قرآن مجید پر۔

[٦٤] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تورات میں نور اور ہدایت ہے۔ (قرآن: ۵:۴۴) انجیل میں نور اور ہدایت ہے۔ (قرآن: ۵:۴۶) قرآن نور ہے۔ (قرآن: ۷:۱۵۷) قرآن ہدایت ہے۔ (قرآن: ۲:۱۸۵) ان مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری کتابیں ہدایت اور نور کا سرچشمہ ہیں یعنی ان کی تعلیمات انسان کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لا کھڑا کرتی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اس کی رضا حاصل کرنے کے راستے بالکل عیاں ہو جاتے ہیں اور جو بھی خلوصِ نیت کے ساتھ ان راستوں پر چل نکلتا ہے وہ مقصدِ حیات کو پا لیتا ہے۔

[٦٥] بنی اسرائیل کے انبیاء، اولیاء اور علماء تورات پر عمل پیرا تھے اور اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تورات کی حفاظت کی ذمہ داری اولیاء و علماء کے سپرد تھی۔ جب تک وہ اس ذمہ داری کو ادا کرتے رہے تو تورات ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ رہی لیکن بعد میں جب یہ ہدایت و نور کا صحیفہ دنیا پرست علماء اور خود نما عبادت گزاروں کے قبضہ میں آ گیا تو انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر اس میں تحریف شروع کر دی جس کی وجہ سے تورات کی اصلی حالت گم ہو گئی، مگر قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ (قرآن: ۱۵:۹) اس لئے قرآن مجید آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اُترا تھا۔

[٦٦] یہودی علماء اس بات کے گواہ تھے کہ تورات اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان کے سر پر ہے، نیز اس کتاب میں حضور اکرم ﷺ کا تعارف اور رجم کی سزا موجود ہیں، مگر اس کے باوجود وہ حکام کے ڈر اور دولت کے لالچ میں احکام خداوندی کو چھپاتے تھے۔ قرآن مجید ان کو متنبہ کر رہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو دنیاوی مفادات پر قربان نہ کرو اور یہ حکم صرف یہود کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر اس بندے کیلئے وارننگ ہے جو

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

بدلے میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔[۶۷]

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور ہم نے یہود کے لئے تورات میں (یہ حکم) لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لئے قصاص ہے،[۶۸] پھر جو شخص اس قصاص کو معاف کردے تو وہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہے،[۶۹] اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا اہل کتاب۔

[۶۷] اس آیت میں لکھا ہے: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔'' اگلی آیت نمبر ۴۵ میں ہے: ''ایسے لوگ ظالم ہیں۔'' اور پھر آیت نمبر ۴۷ میں ہے۔ ''ایسے لوگ فاسق ہیں:'' ایک ہی جرم کی تین مختلف سزائیں کیوں؟ اس کے جواب میں مفسرین لکھتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہوئے ان کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (تفسیر بیضاوی) کیونکہ انکار کا تعلق دل اور عقیدہ سے ہے اور جو دل سے تصدیق نہ کرے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ (تفسیر روح المعانی) البتہ جو احکام خداوندی سے انکار تو نہیں کرتے مگر عملاً نافرمانی کرتے ہیں تو وہ ظالم اور فاسق ہیں۔ (تفسیر بیضاوی) اور اپنی نافرمانی کے معیار کے مطابق سزا کے مستحق ہوں گے مگر وہ کافر نہیں ہین کیونکہ وہ دل سے احکامِ خداوندی کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

[۶۸] سیکڑوں سال گزر گئے اور تورات میں بہت زیادہ حذف و اضافہ بھی کیا گیا۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے تورات کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ آج بھی تورات میں کئی مقامات پر موجود ہے، اور یہ قرآن مجید کے سچا اور برحق ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے، چنانچہ بائبل میں لکھا ہے: ''ہر قاتل کو ضرور قتل کیا جائے ــــ۔ کسی کو زخمی کرنے کی سزا یہ ہے کہ اسے بھی اسی طرح زخمی کیا جائے یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے ویسا ہی اسے نقصان پہنچایا جائے۔'' (بائبل: احبار: ۲۴:۱۹تا۲۰)

[۶۹] جو آدمی قصاص یعنی بدلہ لینے کے اپنے حق کو معاف کردے تو یہ اجر و ثواب کا موجب ہے اور معاف کرنے والے کے

وَقَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا [۷۰] جو اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ بھی اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور (یہ انجیل) پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی۔[۷۱]

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے انجیل میں نازل کیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

۴۸۔ اور (اے رسولِ مکرم) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی

گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ نے بھی فرمایا: ''جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگایا گیا اور وہ اس کو صدقہ کر دے (یعنی زخمی کرنے والے کو معاف کر دے) تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔''

(احمد: جلد ۵: ص ۳۱۶)

[۷۰] بنی اسرائیل میں انبیائے کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ پہلے ایک وقت میں ایک سے زائد انبیاء بھی آتے رہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی اور نبی نہیں تھا۔ آپ انبیائے بنی اسرائیل کے آخر میں تشریف لائے اور اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کی کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔

[۷۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی اور وہ بھی تورات کی طرح سراپا نور و ہدایت تھی۔ جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ تھی اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہو گئی ہے، لہٰذا اب سب لوگ انجیل پر ایمان لے آئیں اور اس کے احکام کے مطابق اپنے فیصلے کریں اور انجیل کی تعلیمات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ جب وہ تشریف فرما ہوں تو ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور جو انجیل والا حضورِ اکرم ﷺ پر ایمان نہ لائے وہ دراصل اپنی انجیل کی تعلیمات سے انحراف کر رہا ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے [۷۲] اور اس کی محافظ ہے، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، [۷۳] اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور راہِ عمل بنائی ہے، [۷۴] اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا [۷۵] لیکن وہ تمہیں اس چیز میں آزمانا چاہتا ہے جو اس نے

[۷۲] گزشتہ آیات میں تورات اور انجیل کا ذکر تھا جو ہدایت اور نور کا سرچشمہ تھیں لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ان کتابوں میں اس حد تک تحریف کی گئی کہ ان کا الہامی کتاب ہونا مشکوک ہو گیا، لہٰذا کسی ایسی مضبوط دلیل کی ضرورت تھی جو خود بھی محفوظ ہو اور پہلی کتب کے کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت بھی فراہم کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا جو اپنے نزول اور بیان کے اعتبار سے سراسر حق ہے اور اپنے وجود کے اعتبار سے روزِ اول کی طرح محفوظ ہے۔ یہ پہلی کتابوں کی صداقت کی گواہی بھی دیتا ہے اور ان کی اصل تعلیمات کی وضاحت اور حفاظت بھی کرتا ہے۔

[۷۳] گزشتہ آیات میں اہل تورات اور اہل انجیل کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کیا کریں اور اس آیت میں وہی حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جا رہا ہے کہ آپ اپنے فیصلے قرآنی تعلیمات کے مطابق کریں۔ یہ دراصل امتِ مسلمہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ احکام خداوندی کے برعکس کسی انسان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنا سراسر گمراہی ہے جس کی اجازت جب کسی پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

[۷۴] سب آسمانی کتابیں ہدایت و نور کا سرچشمہ ہیں ان کا نازل کرنے والا بھی ایک ہے اور ان کا مقصد و مدعا بھی ایک ہے۔ اسی لئے وہ عقائد و کلیات جن پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے وہ تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں لیکن شریعت کے احکام و اعمال میں اختلاف کی وجہ مختلف ادوار کے مخصوص حالات تھے یا اس کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا مریض صحت مند ہو جائے لیکن ایک ہی مرض میں مبتلا دو مریضوں کے لئے ان کے طبعی اور جسمانی احوال کے پیش نظر دو مختلف علاج تجویز کرتا ہے یعنی ایک مریض کو اپریشن کا مشورہ دیتا ہے جبکہ دوسرے کے لئے دواء تجویز کرتا ہے کیونکہ اس کی صحت اپریشن کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف احکام نازل فرمائے اور مقصد ایک ہی تھا کہ انسان اپنے خالق حقیقی کا فرمانبردار بندہ بن جائے جو کہ اس کی پیدائش کا اصل مقصد ہے۔

[۷۵] اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ سب انسانوں کو ایک ضابطہ کا پابند کر کے ایک امت بنا دیتا جیسا کہ

تمہیں دی ہے، لہٰذا تم نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو، [۷۶] تم سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا اس کے بارے میں جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

وَ اَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور (پیارے نبی!) آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق ان کے درمیان فیصلے کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں یہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے برگشتہ نہ کردیں، [۷۷] اور اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے

علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبراً سب کو اسلام کا پابند کر دیتا اور کسی کے لئے مجال انکار ہی نہ رہتی لیکن اللہ تعالیٰ نے جبر کو اس لئے پسند نہیں کیا تا کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے کہ کون اپنے اختیار سے حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اس سے روگردانی کرتا ہے۔

[۷۶] بعض لوگ اپنے ظاہری وقار اور دنیاوی فساد کی خاطر حقائق کو مسخ کرتے ہیں اور اپنا مدعا حاصل کرنے کے لئے جعلی دلائل سے اختلافات کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اللہ تعالیٰ سب کو متنبہ فرما رہا ہے کہ جھوٹی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے سچائیوں کے حصول میں آگے بڑھو، کسی کو ناحق تنگ کرنے کے بجائے نیکیوں میں سبقت حاصل کرو اور دنیا کی اس عارضی زندگی کے مال و متاع میں گم ہونے کے بجائے آخرت کی دائمی زندگی کے آرام و سکون کے لئے سرگرمی کا مظاہرہ کرو کیونکہ آخر کار ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور ہر چیز بالکل عیاں ہو جائے گی۔

[۷۷] حضور اکرم ﷺ معصوم اور خطاؤں سے پاک ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (قرآن: ۳:۱۳۲) اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ (قرآن: ۴:۸۰) لہٰذا آپ خدائی احکام کے برعکس کسی اور کی خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتے، لیکن اس آیت میں آپ کو مخاطب کر کے دراصل اُمتِ مسلمہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ احکام خداوندی کے برعکس کسی انسان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنا سراسر گمراہی ہے جس کی اجازت جب کی

انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینے کا اردہ کرلیا ہے،[۷۸] اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔

پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

جمہور مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یہود کے اکابر علماء ایک دفعہ اکٹھے ہوئے اور فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس چلیں اور انہیں ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں آخر وہ بشر ہی تو ہیں (انہیں دھوکا دینا کیا مشکل ہے)، چنانچہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: ''اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے مذہبی رہنما ہیں، اگر ہم نے آپ کا دین قبول کرلیا تو وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے بلکہ ہمیں دیکھ کر سارے یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم آپ کے پاس آج اس لئے آئے ہیں کہ ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں کے ساتھ کچھ جھگڑا ہے، ہم ان کو فیصلہ کے لئے آپ کے پاس لے آئیں گے، اگر آپ فیصلہ ہمارے حق میں کر دیں تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔'' حضورِ اکرم ﷺ نے ان کی یہ پیشکش ٹھکرا دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی)

اگر کوئی آدمی اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ نعوذ باللہ حضورِ اکرم ﷺ ان کی خواہشات کے مطابق فیصلہ کرنے والے تھے تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو تنبیہ فرمائی ہے تو یہ اس کی کج فہمی ہوگی، کیونکہ مستند حوالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ یہود کی پیشکش پہلے ٹھکرا چکے تھے، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ تو یہ آیت حضورِ اکرم ﷺ کی شانِ عصمت کے خلاف نہیں بلکہ آپ کی خدا خوفی، استقامت اور اتباعِ حق کی ایک مضبوط دلیل اور آپ کی حوصلہ افزائی کا ایک واضح ثبوت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ آپ کو فرما رہے ہیں کہ آپ نے ہمیشہ کی طرح آج بھی بہت اچھا فیصلہ سنایا ہے اور آئندہ بھی ایسے ہی فیصلوں پر قائم رہیں۔

یہ آیت تو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور اس وقت ہزاروں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر حضورِ اکرم ﷺ اس استقامت کا مظاہرہ ہجرت سے پہلے اس وقت بھی کر چکے تھے جب آپ کے ساتھ گنتی کے چند مسلمان تھے اور مکہ کے سرداروں نے آپ کو دولت، سرداری اور مکہ کی حکومت کی اس شرط پر پیشکش کی کہ آپ اس نئی دعوت سے باز آجائیں، مگر آپ نے فرمایا: ''اگر آپ سورج لا کر میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع کریں کہ میں توحید کی دعوت کو چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔'' (سیرت ابن کثیر: جلد اول: ص ۴۷۴)

[۷۸] اگر وہ قرآن اور آپ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کریں تو ان کے سارے گناہوں کی سزا تو انہیں آخرت میں ملے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیا میں بھی ان کے بعض گناہوں کی سزا دینے کا ارادہ کرلیا ہے، چنانچہ بہت جلد ان میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا اور بعض کو مدینہ کی پاک سرزمین سے جلاوطن کر دیا گیا۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۗ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

۵۰۔ تو کیا یہ لوگ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، [۷۹] اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر اور کس کا حکم ہو سکتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾

۵۱۔ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، [۸۰] وہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا تو وہ ان ہی میں (شمار) ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۗ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾

۵۲۔ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے وہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں خطرہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے، [۸۱] پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ (تمہیں) فتح دے یا اپنی طرف سے (کامیابی کی) کوئی اور بات (ظاہر کر دے) تو پھر

[۷۹] یہ کیسے عجیب لوگ ہیں جو تورات اور قرآن کے واضح احکامات کے باوجود جاہلیت کے احکام کو اپنانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے احکام سب سے بہتر ہیں لیکن اس حقیقت کو اہل یقین و ایمان ہی تسلیم کرتے ہیں، اہل کفر و شرک تو اپنی عقل نارسا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور نتیجتاً ساری عمر بے یقینی کے اندھیروں میں سرگرداں رہتے ہیں۔

[۸۰] اہل کتاب یا دیگر غیر مسلم جو اسلام سے بغض رکھتے ہیں اور اہل ایمان کو نقصان پہنچانے میں سرگرم رہتے ہیں ان کے ساتھ گہری دوستی قائم کرنا اور انہیں راز دار بنانا سخت منع ہے کیونکہ ان میں باہم کتنے ہی اختلاف کیوں نہ ہوں اسلام دشمنی میں وہ سب متحد ہو جاتے ہیں۔ ان کی اسلام دشمنی پر آگاہی کے باوجود جو ان کے ساتھ دوستی رکھے یا راز داری کے مراسم قائم کرے وہ بھی ان ہی میں شمار ہوگا لیکن جو غیر مسلم معتدل مزاج ہوں اور اہل اسلام کو بالواسطہ یا بلاواسطہ تنگ نہ کرتے ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔ (قرآن: ۶۰:۸) ویسے انسانیت کے ناطے تمام بنی نوع انسان کے ساتھ اچھے مراسم کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ بدگمانیوں کا خاتمہ ہو اور امن و سکون کی فضا پیدا ہو۔

[۸۱] اہل کتاب میں سے بعض لوگ بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر ان کی دلی ہمدردیاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ تھیں۔ ان کی خصوصی

وہ اس پر نادم ہو جائیں گے جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور (اس وقت) ایمان والے کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت سے سخت قسمیں اٹھا کر کہا تھا [۸۲] کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

محافل میں کثرت سے شریک ہوتے اور انہیں اپنی ہمدردی کا یقین دلاتے۔ جب مسلمانوں نے منافقین کو روکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود یہود و نصاریٰ کو راز دار کیوں بناتے ہیں تو وہ منافق بظاہر تو یہ جواب دیتے کہ اہل کتاب کے ساتھ ہمارا میل جول صرف ظاہری ہے تا کہ کل اگر کوئی قحط یا تنگی کی مصیبت آ جائے تو ہمیں ان سے قرض اور تعاون مل سکے گا لیکن در اصل انہیں خطرہ تھا کہ کل اگر مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو پھر ان کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی، لہٰذا انہیں کفار کے ساتھ بھی رابطہ رکھنا چاہیے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامل فتح عطا فرمائے گا، اسلامی ریاست قائم ہو گی جس میں امن و سکون اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گا اور منافقین کے نفاق کا پول بھی کھول دیا جائے گا تو اس وقت یہ منافقین اپنے دلوں میں کفار سے دوستی رکھنے پر نادم ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہود جو کبھی مدینہ کی سیاست پر غالب تھے بالآخر انہیں ذلیل و خوار ہو کر مدینہ سے نکلنا پڑا اور وہ کفار جو مکہ مکرمہ پر قابض تھے انہیں بھی اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑا۔

[۸۲] اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو فتح اور غلبہ عطا فرمایا اور منافقین کا نفاق بھی ظاہر ہو گیا تو مسلمان ازراہِ حیرت و تعجب کہنے لگے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں اٹھا اٹھا کر کہا کرتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ ان کے دل کافر تھے۔ ان کی یہ تمام سرگرمیاں بے کار ثابت ہوئیں یعنی کفار کی شکست کے بعد ان کی دوستی سے بھی منافقین کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور نفاق کے ظہور کے بعد مسلمانوں کا اعتماد بھی کھو بیٹھے، نیز مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے جو نیک اعمال وہ کرتے تھے وہ بھی نفاق کی وجہ سے بے کار تھے، لہٰذا نہ دنیا میں عزت رہی اور نہ آخرت میں بلکہ ہر جگہ حسرت اور نقصان ہی مقدر بنا۔ اہل نفاق کے لئے یہ آیت لمحہ فکریہ ہے کیونکہ ہر منافق کا بالآخر یہی انجام ہوتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾

۵۴۔ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے، [۸۳] وہ مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ تمہارا دوست تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایمان والے ہیں [۸۴] جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) جھکنے والے ہیں۔

---

[۸۳] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی فلاح اور بقا اسی میں ہے کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور جو لوگ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوں گے تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے اس اقدام سے اسلام تو ختم نہیں ہو گا ہاں وہ خود خسارے میں رہیں گے۔ ان کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے مخلص لوگوں کو اقتدار میں لے آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ اہل ایمان کے لئے نرم اور اہل کفر کے لئے سخت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اسلام کی سربلندی کے لئے کوشش کرتے ہوئے کسی کے طعنہ اور ملامت سے نہیں ڈریں گے اور یہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوگا۔ ان خوش نصیب لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مرتدین کی سرکوبی کے لئے اپنا فرض پوری کامیابی سے سرانجام دیا۔

[۸۴] گزشتہ آیات میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ گہری دوستی رکھنے سے منع فرمایا گیا تھا حالانکہ کسی کے ساتھ گہری دوستی کے مراسم پیدا کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے تاکہ انسان اپنے نجی مسائل اور مشکلات میں اس سے تعاون اور رہنمائی حاصل کر سکے، اس لئے اس آیت میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ گہری دوستی کے مستحق اللہ تعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص ایمان والے ہیں اور ان کی دوستی ہی انسان کو دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ پر گامزن کرتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

۵۷۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے (خواہ وہ) ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں یا دوسرے کافر ہوں، [۸۵] اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

۵۸۔ اور جب تم نماز کی طرف بلاتے ہو (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ اسے مذاق اور کھیل بناتے ہیں، [۸۶] اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔

---

[۸۵] مذہب ایک مقدس امانت ہے جس کو انسان کا دل منتخب کرتا ہے۔ اسی لئے انسان کو اپنے مذہب اور مذہبی شخصیات سے قلبی لگاؤ ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کے مذہب کی توہین کرے تو وہ دراصل اس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اسلامی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں بلکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا مذاق اُڑاتے ہیں کیونکہ یہ احکام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے مقرر فرمائے ہیں، نیز جو اسلام کا مذاق اُڑاتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی دشمنی اور حقارت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے عقائد کو چیلنج کرتے ہیں اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کرتے ہیں تو ایسے فتنہ پرور لوگوں سے نفرت اور دشمنی کرنی چاہیے تاکہ ان کی حوصلہ شکنی ہو۔ وہ کسی دوستی اور رازداری کے لائق نہیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے دہشت گرد غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

[۸۶] گزشتہ شریعتوں میں اذان کا رواج نہیں تھا، مختلف اشاروں اور آوازوں کے ذریعہ اوقاتِ عبادت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اذان کی ابتدا کی جو نہ صرف ایک آواز تھی بلکہ ترغیب کی ایک مکمل دعوت تھی تو بجائے اس کے کہ وہ اس سے سبق حاصل کرتے اُلٹا وہ اذان کا مذاق اڑانے لگے جو کہ ان کی کج فہمی اور نادانی کی دلیل ہے۔

اذان کا مقصد

اذان صرف نماز کے لئے ایک وقتی دعوت ہی نہیں بلکہ اسلام کے پورے نظامِ حیات کا اعلان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی، توحید و رسالت کی گواہی اور نماز و فلاح کی یاد دہانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں اور نافرمانوں کے

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ آپ فرمایئے: اے اہل کتاب! تم ہم سے صرف اس لئے دشمنی کرتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے [۸۷] اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَ

۶۰۔ آپ فرمایئے: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے؟ [۸۸] وہ

درمیان پہچان کی کسوٹی ہے۔ اہل اطاعت اذان سنتے ہی دنیاوی کام چھوڑ کر رازقِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوجاتے ہیں اور مال وزر کے پجاری اپنے فانی اور عارضی محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، نیز جو مسلمان کسی دنیاوی افسر یا وزیر کی دعوت پر خوش ہوتے ہیں اور سارے کام چھوڑ کر اس کے ہاں جانے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن ساری کائنات کے خالق اور مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے اور مسجد میں حاضری کی کوشش نہیں کرتے انہیں اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

اذان کی فضیلت میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمتیں نازل کرتے ہیں اور مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اسی مقدار میں اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور کائنات کی خشک یا تر جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے وہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اسے ان کے ثواب جتنا ثواب ملتا ہے۔''

(نسائی: ۶۴۷: کتاب الاذان: باب ۱۴)

[۸۷] اہل کتاب سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کیا صرف اس لئے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ پر، قرآن کریم پر اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اگر یہی وجہ ہے تو پھر مسلمانوں کی مخالفت کے بجائے ان کی اطاعت ضروری ہے ورنہ تورات و انجیل کی بھی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ تورات و انجیل میں حضور اکرم ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کی ہدایت موجود تھی، لہٰذا حضور اکرم ﷺ پر ایمان نہ لانے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تورات و انجیل کے بھی نافرمان ہیں لیکن بعض اہل کتاب، تورات و انجیل کی نشاندہی کے مطابق حضور اکرم ﷺ پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئے، لہٰذا وہ نافرمان نہیں ہیں۔

[۸۸] مسلمان تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ یہودی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے منکر تھے۔ یہود و نصاریٰ دونوں، حضور اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے منکر تھے اور عقیدۂ اسلام کو شر اور برائی سے تعبیر

جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنایا اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی، ان کا درجہ اور بھی زیادہ بُرا ہے اور سیدھے راستے سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

٦١۔ اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ آئے اور کفر ہی کے ساتھ چلے گئے، [٨٩] اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے تھے۔

کرتے تھے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ بُرے وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لائیں دراصل بدترین اور شریر تو وہ لوگ تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اور غضب کو نازل کیا۔ ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔ یہی وہ لوگ تھے جو راہِ راست سے بھٹک گئے، شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بدترین درجہ وٹھکانہ کے مستحق قرار پائے۔

مذکورہ صفات کے آئینے میں غور کیا جائے تو بدترین لوگ وہ تھے جنہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کیا۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے نتیجہ میں بندر اور خنزیر بنائے گئے اور آج بھی وہی لوگ بدترین ہوں گے جو اِن غضب زدہ لوگوں کے نقش قدم پر چلیں گے۔ ان کے برعکس اہل اسلام تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب انبیائے کرام علیہم السلام کا احترام کرتے ہیں اور احکام خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پر امید ہیں۔

نوٹ: یہود میں سے جن لوگوں نے یوم سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی تو ان کو بندر بنا دیا گیا اور عیسائیوں میں سے جن لوگوں نے نزولِ مائدہ (دسترخوان) کے باوجود ناشکری اور نافرمانی کی تو ان کو خنزیر بنا دیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی) موجودہ بندر اور خنزیر ان کی نسل سے نہیں ہیں کیونکہ انہیں مسخ کے چند روز بعد ہلاک کر دیا گیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ سے بھی موجودہ بندروں اور خنازیر کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا یہ انہی کی نسل میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو مسخ کر کے پھر اس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔
(مسلم: ٦٧٧٢: کتاب القدر: باب ٧)

[٨٩] بعض یہودی، حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے پاس آ کر کہتے کہ وہ مومن ہیں اور اسلام کے تمام احکام کی تصدیق کرتے

وَتَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۶۲۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ گناہ، زیادتی اور حرام خوری میں بڑے سرگرم ہیں، بہت ہی برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

۶۳۔ ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے، [۹۰] بہت ہی برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

ہیں حالانکہ ان کے دل کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اور صرف زبان سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نفاق سے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ کفر کے جس حال میں آپ کے پاس آتے ہیں اسی کفر کی حالت میں لوٹ جاتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی انہوں نے دل سے اسلام کو قبول نہیں کیا، اسی لئے حضور اکرم ﷺ کی صحبت اور نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے اپنے دلوں کے دروازوں پر کفر کے تالے لگا رکھے ہیں جو صرف کفر کی چابی سے کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔

[۹۰] گزشتہ آیت میں عام یہود کو گناہ، ظلم اور حرام خوری پر تنبیہ کی گئی تھی کہ یہ برے کام ہیں اور ان کا انجام بھی برا ہوگا، لہٰذا ان سے اجتناب کرو، لیکن اس آیت میں بالخصوص مذہبی رہنماؤں یعنی ان یہودی علماء اور مشائخ کو تنبیہ کی جارہی ہے جو عوام کو گناہ اور حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ اگرچہ اس آیت کا تعلق یہود سے ہے مگر اس کا حکم عام ہے اور ہر مذہبی رہنما کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ مشائخ وعلماء کے لئے پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کہیں نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆ علامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے: ایک فرشتہ کو حکم دیا گیا کہ فلاں بستی کو تباہ کردو۔ اس نے عرض کی: اس میں تو فلاں عبادت گزار بندہ رہتا ہے۔ حکم ہوا کہ تباہی کی ابتدا اسی سے کرو کیونکہ ہماری نافرمانیوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ کبھی غضب سے متغیر نہیں ہوا۔ (تفسیر قرطبی وتفسیر بحر محیط)

☆ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کو ظلم سے باز رکھنے کے لئے اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو عذاب میں مبتلا کردے گا۔ (ترمذی: ۲۱۶۸: ابواب الفتن: باب ۸)

☆ اس قسم کی صورت حال کی عملی مثال بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس کی حدود کو توڑنے والے کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے کشتی میں بیٹھنے کے لئے قرعہ اندازی کی تو ان میں سے بعض کو اوپر والی منزل میں اور بعض کو نیچے والی منزل میں جگہ ملی تو جو لوگ کشتی کی نچلی منزل میں تھے وہ

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ

٦٤۔ اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، [۹۱] ان ہی کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں اور اس (گستاخانہ) قول کی وجہ سے ان پر لعنت ہو، [۹۲]

جب پانی پینا چاہتے تو ان کو بالائی منزل والے لوگوں میں سے گزرنا پڑتا۔ انہوں نے کہا: اگر ہم اپنی نچلی منزل میں ہی کشتی میں سوراخ کرلیں تو (آسانی سے پانی بھی آجائے گا اور) ہم اوپر والوں کو اپنے گزرنے کی تکلیف بھی نہیں دیں گے۔ اب اگر اوپر والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے چھوڑ دیا تو (پوری کشتی پانی سے بھر جائے گی اور) سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والوں نے ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو بالائی منزل اور زیریں منزل والے سب لوگ نجات پا جائیں گے۔ (بخاری: ۲۴۹۳: کتاب الشرکۃ: باب ٦) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک گروہ غلط راہ پر چل نکلے اور ایسے کام کرنے لگے جو ملک وملت کے لئے تباہی کا سبب بنتے ہیں تو قوم کے ذمہ دار لوگوں (علماء، مشائخ اور سیاسی وسماجی رہنماؤں) کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ روکیں ورنہ پوری قوم تباہ وبرباد ہو جائے گی۔

نوٹ: اس آیت میں ان علماء ومشائخ کا ذکر ہے جو برائیوں کو روکنے کے لئے نہ تو ہاتھ اور زبان استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی برے لوگوں کو دل سے برا جانتے ہیں لیکن جو مخلص علماء ومشائخ اپنی استطاعت کے مطابق برائیوں کو روکنے کے لئے ہاتھ اور زبان کو استعمال کرتے ہیں اور بے بسی کی صورت میں اپنی دلی بےزاری کسی نہ کسی طرح ظاہر کر دیتے ہیں تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے چاہے لوگ ان کی تلقین وتدبیر پر عمل کریں یا نہ کریں۔

[۹۱] اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ کے یہود نے جب مسلمانوں کی غربت اور تنگدستی دیکھی اور ساتھ یہ بھی سنا کہ اللہ تعالیٰ قرضِ حسن بھی مانگتا ہے تو کہنے لگے: محمد ﷺ کا خدا فقیر یعنی محتاج اور غریب ہے۔ (تفسیر قرطبی) اور اس آیت میں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی وہ بخیل ہے اور اپنے بندوں پر خرچ نہیں کرتا۔ اسی لئے تو مسلمان افلاس وغربت کا شکار ہیں۔ علامہ طبری لکھتے ہیں: اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو تسلی بھی دی ہے کہ آپ ان کی گستاخیوں سے رنجیدہ نہ ہوا کریں، یہ تو ایسے سرکش ہیں جو مجھے بھی فقیر اور بخیل کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

[۹۲] یا تو یہ خبر دی گئی ہے کہ دراصل یہودی خود فقیر اور بخیل ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس گستاخی کی وجہ سے مردود ہو گئے ہیں یا بطورِ بددعا انہیں کہا جا رہا ہے کہ انہی کے ہاتھ تنگ ہو جائیں یعنی وہ خود فقیر وبخیل ہو جائیں اور ان پر اس بدزبانی کی وجہ سے لعنت پڑے، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی ایسی پھٹکار پڑی کہ انہیں تنگدست ہو کر مدینہ چھوڑنا پڑا اور مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے ایسا کرم فرمایا کہ قیصر وکسریٰ کی حکومتوں اور خزانوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۭ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، [۹۳] اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کردے گا، [۹۴] اور ہم نے ان کے درمیان

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی تردید بندۂ مؤمن کی ذمہ داری ہے اور ایسے گستاخ کے لئے بددعا کرنا قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے اور وہ شخص بھی ایسے ہی سلوک کا مستحق ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے جیسے قرآن مجید کی ایک پوری سورت ابولہب کے خلاف نازل ہوئی۔

[۹۳] اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔ ہاتھوں کا بندھا ہوا ہونا بخل سے کنایہ ہے اور دونوں ہاتھوں کا کھلا ہوا ہونا جود و عطا کی کثرت سے کنایہ ہے، تو ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ یہود کے لغو اعتراض کا رد فرما رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ وہ فقیر اور بخیل نہیں بلکہ غنی اور بہت زیادہ سخی ہے۔ جب چاہتا ہے، جو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے غیر محدود خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کئے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں آئی ---''

(بخاری: ۷۴۱۹: کتاب التوحید: باب ۲۲)

ابوسعود نے کہا: کسی کے رزق میں کمی کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیضان میں نقص ہے بلکہ اس انسان کے اپنے گناہوں کی نحوست یا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی تھا۔ (صفوۃ التفاسیر) اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ ہمارے بس سے باہر ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی انسان کی غربت کی وجہ اس کی شامتِ اعمال ہو۔ کبھی یہ غربت اس کے بہتر مستقبل کا پیش خیمہ یا کسی بڑی مصیبت سے نجات کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ بعض دفعہ ایک ہی قسم کی تکلیف کے دو مختلف اور متضاد اسباب اور مقاصد ہو سکتے ہیں جیسے چور کا ہاتھ اس لئے کاٹا جاتا ہے کہ اس کی بداعمالی کی اسے سزا دی جائے اور بیمار کا ہاتھ اس لئے کاٹا جاتا ہے تاکہ اس کا بقیہ جسم اس بیماری سے محفوظ ہو جائے۔ اب ہاتھ کاٹنے کا نقص تو ایک ہے مگر مختلف اسباب کی وجہ سے مقاصد اور نتائج مختلف ہیں یعنی چور شرمندہ ہوتا ہے جبکہ مریض کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

[۹۴] یہودی علماء نے دنیاوی لالچ اور امیر لوگوں کے تحفظ کے لئے ایسے احکام گھڑ لئے تھے جو تورات میں نہیں تھے، اس لئے ان کے رد میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں اور ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد اکثر یہود اس کا انکار کر دیتے، لہٰذا جتنا قرآن مجید نازل ہوتا جائے گا اُتنا ہی وہ قرآن کا انکار کرنے کی وجہ سے کفر اور سرکشی میں آگے بڑھتے رہیں گے، کیونکہ

وَيَسۡعَوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۴﴾

قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے، [٩٥] جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے [٩٦] اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۶۵﴾

٦٥۔ اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔ [٩٧]

قرآن مجید حق اور سچ بات کہتا ہے اور حق بات کو وہی تسلیم کر سکتا ہے جس کا ذہن وضمیر سلامت ہو لیکن جس کے ذہن میں فتور اور ضمیر پر تعصب کے پردے ہوں اسے حق بھی ناقص نظر آتا ہے جیسے بعض بیماروں کو مٹھائی کڑوی محسوس ہوتی ہے۔ اس میں مٹھائی کا قصور نہیں ہے بلکہ مریض کی بیماری نے اس کے ذوق کو ناقص کر دیا ہے اس لئے اسے ہر چیز ناقص محسوس ہوتی ہے۔

☆ نیز قرآن مجید نے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل کو بالکل واضح کر دیا اور بعض حق پرست یہود نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو اس سے بھی یہود کے حسد وعناد میں اضافہ ہوگا جس کے نتیجہ میں وہ کفر وسرکشی میں مزید آگے بڑھتے جائیں گے۔

☆ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن نعمتوں سے نوازا ہے یہ حسد کے مارے یہود کے لئے کسی عذاب سے کم نہیں ہیں۔ ان نعمتوں کو دیکھ کر اہل ایمان کی تصدیق اور نیکیوں میں اضافہ ہوگا جبکہ یہود کے انکار اور سرکشی میں اضافہ ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

[٩٥] یہود کے مسلسل کفر وسرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہودی فرقوں کے درمیان دینی معاملات میں ایسی دشمنی اور عناد پیدا فرما دیا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

[٩٦] جب بھی یہود نے حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے درمیان اختلاف پیدا کر دیا۔ (تفسیر ابن عباس) جس کی وجہ سے ان کی سازش کی آگ خود بخود بجھ گئی اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم وہ زمین میں فساد پھیلانے یعنی لوگوں کو راہِ راست سے بہکانے میں سرگرم ہیں اور اس فساد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہود کو پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر ابن عباس)

[٩٧] اہل کتاب نے تورات وانجیل میں تحریف کی، نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو پہچان لینے کے بعد بھی آپ کی تکذیب کی اور اہل ایمان کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان کے باوجود اگر اب بھی وہ حضور اکرم ﷺ پر ایمان

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

٦٦۔ اور اگر وہ تورات، انجیل اور اس (کلام اللہ) کو قائم رکھتے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے،[٩٨] ان میں سے ایک جماعت اعتدال پسند ہے، اور ان میں سے اکثر برے کام کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

٦٧۔ اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا (اس کو) پہنچا دو، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا، [٩٩] اور

لے آئیں اور ہر قسم کی برائیوں سے سچی توبہ کر لیں تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر کے انہیں سکونِ قلب عطا فرمائے گا اور آخرت میں جنت میں داخل کر کے اپنی نعمتوں سے مالا مال فرمائے گا۔

[٩٨] گزشتہ چند آیات سے خطاب ان اہل کتاب کو کیا جا رہا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ جب اسلام پھیلنا شروع ہوا اور لوگوں کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ بڑھ گئیں تو اہل کتاب کے دنیاوی کاروبار کو سخت دھچکا لگا اور وہ غربت و افلاس کا شکار ہونے لگے۔ اس آیت میں قرآن مجید نے ان کی غربت کی وجہ بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ تورات و انجیل کے احکام کے پابند رہتے اور ان میں بیان کردہ بشارات کی روشنی میں قرآن مجید پر ایمان لے آتے تو وہ غربت کا شکار نہ ہوتے اور زمین و آسمان کی نعمتوں سے مالا مال رہتے لیکن ان میں کچھ لوگ حقیقت پسند بھی تھے جو قرآن مجید پر ایمان لے آئے اور عزت و وقار سے زندگی بسر کی، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے بعض یہودی ساتھی، اسی طرح شاہِ حبشہ یعنی نجاشی اور اس کے بعض عیسائی ساتھی۔ (تفسیر ابن عباس)

نوٹ: یہ دنیاوی خوشحالی کا وعدہ اہل کتاب کے صرف ان مخصوص لوگوں کے ساتھ ہے جو آپ کے زمانے میں موجود اور آپ کے مخاطب تھے۔ ویسے یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں کہ جو بھی مخلص اور ایماندار ہو گا وہ ہمیشہ خوشحال رہے گا ہاں اتنا ضرور ہے کہ مخلص ایماندار کی دنیاوی زندگی اطمینان بخش، پاکیزہ اور قابل رشک ہوتی ہے چاہے دنیاوی حالات کے اعتبار سے وہ خوشحال ہو یا تنگدست۔ اس سلسلہ میں انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی بڑا حسین نمونہ ہیں۔ ان میں سے بعض دولت مند اور بعض تنگدست تھے مگر ہر حال میں ان کے کردار پاکیزہ اور قابل تقلید ہیں۔

[٩٩] اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو اس کی مخلوق تک پہنچا دیں اور اگر بفرضِ محال کسی ایک حکم کی بھی تبلیغ رہ گئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا نہیں کیا۔ جس طرح نماز کا کوئی ایک رکن

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٦٧

اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا،[١٠٠] بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔[١٠١]

چھوڑنے سے پوری نماز باطل ہو جاتی ہے اور قرآن مجید کی کسی ایک آیت کے انکار سے پورے قرآن مجید پر ایمان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی نبی اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کی تبلیغ میں کمی کر دے تو اس کی ساری تبلیغ کالعدم قرار پائے گی۔

خطاب کا یہ اسلوب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی اہمیت بتانے کے لئے اختیار کیا گیا ہے، ورنہ کسی نبی کے بارے میں یہ تصور کرنا ہی گناہ ہے کہ وہ احکامِ خداوندی کی تبلیغ میں کسی ادنیٰ خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، چہ جائیکہ امام الرسل اور مبلغ اعظم نبی آخر الزمان کے بارے میں یہ سوچا جائے۔ آپ نے اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کیا ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام ﷺ کی موجودگی میں جب اللہ تعالیٰ نے تکمیل اسلام کا اعلان فرمایا تو اسی موقع پر حضورِ اکرم ﷺ نے تکمیل تبلیغ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: (اے میرے صحابہ!) تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کی: ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپ نے تبلیغ اور نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ اس پر آپ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ عرض کیا: اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا (میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا)۔

(مسلم:٢٩٥٠: کتاب الحج: باب ١٩)

نوٹ: اس آیت میں اہل علم کے لئے بھی درسِ عبرت ہے کہ وہ شریعت کے احکام کو پوری دیانتداری کے ساتھ بیان کریں اور لالچ یا خوف میں آ کر کسی شرعی حکم میں خیانت نہ کریں۔

[١٠٠] کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ نے کئی بار آپ کو شہید کرنے کی سازشیں کیں مگر ہر بار اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا)۔ تب رسولِ اکرم ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس چلے جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (ترمذی:٣٠٤٦: ابواب تفسیر القرآن: باب ٥)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی حالانکہ اسلام کی تبلیغ میں آپ کو بے شمار تکالیف سے واسطہ پڑا جو مبلغین اسلام کے لئے ایک حسین نمونہ ہیں، جیسے طائف میں قدم مبارک لہولہان ہوئے اور غزوۂ اُحد میں پیشانی زخمی ہوئی لیکن اس کے باوجود نہ تو آپ کی تبلیغ اسلام میں کوئی کمی واقع ہوئی اور نہ ہی آپ کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہوا کیونکہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ تھا۔

[١٠١] یعنی وہ کافر جنہوں نے مسلسل انکار کی وجہ سے اپنے ذہن و ضمیر کی صلاحیتوں کو اس قدر ناکارہ بنا دیا ہے کہ ان کے اندر حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی ہے تو وہ کیسے ہدایت پا سکتے ہیں۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ آپ فرمایئے: اے اہل کتاب! تم کسی (صحیح) چیز پر نہیں ہو [۱۰۲] جب تک کہ تورات، انجیل اور اس (قرآن) کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کر دے گا، [۱۰۳] پس آپ کافروں پر افسوس نہ کریں۔

---

[۱۰۲] اہل کتاب کا دعویٰ یہ تھا کہ ان کے پاس اپنی اپنی آسمانی کتابیں ہیں اس لئے وہ پہلے ہی حق پر ہیں۔ انہیں حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ تورات یا انجیل پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں وہ اصل میں کسی آسمانی دین پر نہیں ہیں کیونکہ تورات اور انجیل میں تو قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے احکام موجود ہیں اور جو قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتا وہ دراصل اپنی آسمانی کتاب یعنی تورات یا انجیل کا بھی نافرمان ہے، تو پھر وہ کیسے حق پر ہو سکتا ہے؟

[۱۰۳] جس طرح کلام الٰہی کے اقرار سے انسان کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح کلام الٰہی کے انکار سے انسان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے، چونکہ قرآن مجید کے احکام، اہل کتاب کے مفادات سے ٹکراتے تھے اس لئے وہ انکار کر دیتے اور اس انکار سے ان کی سرکشی میں اضافہ ہو جاتا، مگر ان کے انکار سے حضور اکرم ﷺ غمگین ہوتے کہ آخر وہ اپنے نفع و نقصان میں تمیز کیوں نہیں کرتے، تو اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں، ان کے اسلام نہ لانے میں آپ ﷺ کی تبلیغ کا کوئی قصور نہیں، دراصل یہ اپنی سرکشی کے عذاب میں مبتلا ہیں۔

☆ قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے جو زمین میں مدفون بیج کو اُگا کر زیادہ کرتی ہے لیکن اس کی حقیقت کو تبدیل نہیں کرتی یعنی گندم کے بیج سے گندم اور گھاس کے بیج سے گھاس کا پودا ہی نمودار ہوگا۔ اسی طرح جن کے دلوں میں سرکشی کا تخم دفن ہے قرآن ان کی سرکشی کو نمایاں اور زیادہ کرتا ہے اور جن کے دلوں میں اطاعت کے جذبات موجزن ہیں قرآن ان کی اطاعت شعاری میں اضافہ کرتا ہے۔

نوٹ: اس مضمون کی مزید وضاحت کے لئے اسی سورت میں حاشیہ نمبر ۹۴ ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ بے شک مسلمان (کہلاتے) ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا عیسائی، جو بھی اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۱۰۴]

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، (مگر) جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو اُن کی نفسانی خواہشات کے خلاف تھا تو انہوں نے (انبیاء کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور انہوں نے گمان کر لیا کہ (انہیں) کوئی عذاب نہیں ہوگا، پس وہ اندھے اور بہرے بن گئے،[۱۰۵] پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر بھی ان میں اکثر اندھے اور بہرے بن گئے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

---

[۱۰۴] یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ صرف وہی جنتی ہیں باقی سارے لوگ دوزخی ہیں لیکن اس آیت نے وضاحت کر دی کہ جنت کسی گروہ کی وراثت نہیں بلکہ ہر وہ شخص اس کا مستحق ہے جس کا ایمان صحیح اور عمل صالح ہو چاہے اس سے پہلے اس کا تعلق کسی بھی گروہ سے ہو، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی دنیاوی مقصد کے لئے اسلام کا نام استعمال کرنا کافی نہیں بلکہ نجات کا اصل دار و مدار ایمانِ صحیح اور عمل صالح پر ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو اہل کتاب اپنی اپنی کتاب کے زمانے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اپنی اپنی شریعت کے مطابق نیک اعمال کئے انہیں کوئی غم نہیں ہوگا اور وہ جنت میں جائیں گے، مثلاً نزولِ انجیل سے پہلے تورات کے صحیح پیروکار اور نزولِ قرآن سے پہلے انجیل کے صحیح پیروکار بھی جنت کے مستحق ہوں گے لیکن اب صرف قرآن مجید کی اطاعت ہی نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔

[۱۰۵] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ احکامِ خداوندی کی اطاعت کریں گے لیکن جب بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے احکام لے کر آئے جو ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف تھے تو وہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: بے شک مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، [۱۰۶] حالانکہ مسیح علیہ السلام نے کہا تھا: ''اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے،'' بے شک جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور بعض کو شہید کر دیا۔ اس قدر شدید جرائم کے باوجود وہ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ اس سے کوئی فتنہ برپا نہیں ہوگا اور ان سے ایسے شدید مظالم کے بارے میں کوئی باز پرس نہیں ہوگی گویا وہ احکام خداوندی اور اپنے مظالم کے برے انجام سے بالکل بہرے اور اندھے بن گئے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں پکڑا اور مصائب میں گھر گئے تو توبہ کرنے لگے۔ اس قدر شدید جرائم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں معاف کر دیا، لیکن جونہی حالات سازگار ہوئے تو ان میں سے اکثریت نے دوبارہ سرکشی اختیار کرلی اور احکام خداوندی سے اندھے اور بہرے بن بیٹھے مگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب آگاہ ہے اور وہ اپنے جرائم کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

اس کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلی دی جارہی ہے کہ اگر آج کے اہل کتاب آپ کی مخالفت میں سرگرم ہیں تو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کے اسلاف تو ان سے بھی بڑھ کر تھے حتیٰ کہ انہوں نے بعض انبیاء کو شہید بھی کر دیا جن میں حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی شامل تھے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بادشاہ وقت ہیرودیس نے اس لئے شہید کروا دیا کہ بادشاہ اپنے بھائی کی منکوحہ بیوی سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ مذہبی اعتبار سے یہ شادی جائز نہیں ہے۔ (بائبل: مرقس: باب ٦: آیات ١٧ تا ٢٨)

[۱۰۶] جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھتے ہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے، بعض تثلیث کے قائل ہیں یعنی وہ تین میں سے ایک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ''خدا نے ذات عیسیٰ میں حلول کیا اور وہ ان کے ساتھ متحد ہو گیا تو عیسیٰ خدا ہو گیا۔'' (تفسیر خازن) یعنی جس طرح دودھ اور پانی متحد ہو جائیں تو پانی بھی دودھ بن جاتا ہے اسی طرح خدا کے اتحاد سے عیسیٰ بھی خدا ہو گیا۔

اس آیت میں اس تیسرے فرقے کی تردید کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔ دراصل ایسا عقیدہ رکھنے والے کافر ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے منکر ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا بلکہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: بے شک اللہ تین (خداؤں) میں سے تیسرا ہے [۱۰۷] حالانکہ ایک معبود (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اور اگر وہ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انہیں درد ناک عذاب ضرور پہنچے گا۔

ان کا دعویٰ تو یہ تھا کہ وہ خدا کے بندے ہیں اور صرف اسی کی عبادت کرنا ہی صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔'' (قرآن ۱۹:۳۰) ''بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور آپ سب کا بھی رب ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔'' (قرآن ۱۹:۳۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دمشق (شام) میں جب سفید منارے کے قریب نازل ہوں گے۔ (ترمذی: ۲۲۴۰: ابواب الفتن: باب ۵۹) تو زمین پر اُترنے کے بعد ان کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم اُمتی (حضرت امام مہدی) کی اقتدا میں (صبح کی) نماز ادا کریں گے۔ (بخاری: ۳۴۴۹: کتاب احادیث الانبیاء: باب ۴۹) اور ایک ہی خدا کی عبادت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے ہر رکعت میں (ایاک نعبد) اور صراطِ مستقیم کی دُعا (اھدنا الصراط المستقیم) پر آمین کہیں گے اور اسی صراطِ مستقیم یعنی اسلام کی تبلیغ میں اپنی بقیہ زندگی گزار کر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ (ترمذی: ۳۶۱۷: ابواب المناقب: باب ۱) (اور یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ آج ۹ مئی ۲۰۰۳ء بروز جمعۃُ المبارک میں (مصنف) یہ سطور دمشق (شام) میں اس سفید مشرقی منارہ کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہا ہوں جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔)

حیرت کی انتہا ہے کہ مریم کا بیٹا بھی کہتے ہیں اور پھر ان کو خدا بھی سمجھتے ہیں۔ جو اپنی پیدائش میں ماں کا محتاج ہے وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ دراصل خدا وہ ہے جو مریم وعیسیٰ علیہما السلام اور ساری کائنات کا رب ہے۔ وہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں ہر صورت میں خدا کی عبادت کرنا ہے اور صرف اُسی کی۔
(لوقا: ۴:۸)

[۱۰۷] تثلیث ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر تقریباً سارے عیسائی متحد ہیں لیکن اس کی تعبیر اور تفصیل میں اختلاف کا شکار ہیں۔ ایک فرقے کا دعویٰ ہے کہ اللہ، عیسیٰ اور مریم تین خدا ہیں۔ (تفسیر کبیر) دوسرا فرقہ کہتا ہے: اللہ، عیسیٰ اور جبرائیل تین خدا ہیں (تفسیر کبیر) یعنی اللہ کو باپ، عیسیٰ کو بیٹا اور جبرائیل کو مقدس روح کہتے ہیں، پھر ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ کامل خدا ہے اور یہ تین مل کر صرف ایک خدا ہے یعنی تین میں ایک خدا اور ایک میں تین خدا، حالانکہ عملی طور پر ایک کا تین اور تین کا ایک ہونا ممکن نہیں ہے، جیسے ایک سیب ایک ہی ہے وہ تین نہیں ہوسکتا اور تین سیب تین ہی ہیں وہ ایک نہیں ہوسکتے۔

اَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهٗ ؕ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔

بہر حال تثلیث ایک ایسا معمہ ہے جس کو سلجھانے کے لئے عیسائی علماء گذشتہ ۱۹۰۰ برس سے سر کھپا رہے ہیں مگر آج تک اس کی کوئی معقول اور قابل فہم تعبیر پیش نہیں کر سکے، اور نہ ہی آئندہ پیش کر سکیں گے کیونکہ یہ نظریہ حقیقت کے خلاف ہے اور عیسائی دنیا کی اپنی غلط فہمیوں کی پیداوار ہے۔ اس کا اصل اور آسان حل وہی ہے جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے یعنی تین خداؤں سے باز آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے وہی تنہا عبادت کے لائق ہے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں اور وہی زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے اہم حکم کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: (سب سے اہم حکم یہ ہے) کہ ہمارا خدا ایک اور صرف ایک ہے، تو اپنی پوری طاقت، روح اور دل و دماغ کے ساتھ اس سے محبت کر۔ (مرقس: ۱۲: ۲۸ تا ۳۰) مقدس صحیفے یہی کہتے ہیں کہ صرف پروردگار خدا کی عبادت کر اور صرف اسی کی اطاعت کر۔ (متی: ۴: ۱۰)

تثلیث کی تعریف اور تاریخ کے متعلق انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے الفاظ بھی غور طلب ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تثلیث کے عقیدہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آپ کے کئی سو سال بعد بعض غلط فہمیوں نے تثلیث کی صورت اختیار کر لی:

Trinity: In Christian doctrine, the unity of Father, Son and Holy Spirit as three persons in one god-head. Neither the word Trinity nor the explicit doctrine appears in the New Testament, nor did Jesus and his followers intend to contradict the Shema (the Jewish confession of faith in the one god of humankind) in the Old Testament. The doctrine developed gradually (after the ascension of Jesus Christ), over several centuries and through many controversies. (Encyclopaedia Britannia: 15th edition 1995)

عیسائی عقیدہ کے مطابق تثلیث کی تعریف یہ ہے کہ باپ، بیٹا اور مقدس روح تینوں متحد ہو کر ایک خدا ہیں۔ لیکن عہد نامہ جدید (انجیل) میں نہ تو تثلیث کا لفظ ہے اور نہ ہی اس عقیدہ کی صراحت ہے اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں نے عہد نامہ قدیم میں بیان کردہ یہودی عقیدہ توحید کی تردید کی ہے، بلکہ تثلیث کے عقیدہ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج کے بعد) کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی بہت سی بحثوں کے ذریعہ بتدریج نشوونما پائی ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا: اشاعت ۱۵: ۱۹۹۵ء) ان تصریحات کے باوجود بھی جو تثلیث سے باز نہیں آئیں گے ان کے لئے دردناک

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَ أُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾

٧٥۔ مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول، [١٠٨] ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی تھیں، وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، آپ دیکھئے ہم کیسی وضاحت سے ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر دیکھئے وہ کیسے اُلٹے پھر رہے ہیں۔

عذاب ہوگا اور جو صدقِ دل سے توبہ کرلیں گے اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ گناہ معاف فرمادے گا۔

[١٠٨] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے کے چند دلائل جن کا اشارہ اس آیت میں ملتا ہے:

١۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں جب کہ خدا کی شان یہ ہے کہ نہ اس کے والدین ہیں اور نہ ہی اولاد، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہوسکتے۔

٢۔ جو شخص اپنی پیدائش میں ماں کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا کسی کا محتاج نہیں ساری خدائی اس کی محتاج ہے۔

٣۔ جس کی ماں ہو وہ حادث ہے یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا بعد میں پیدا ہوا اور جس شخص کی یہ صفت ہو وہ مخلوق ہے خدا نہیں کیونکہ خدا تو ہمیشہ سے ہے اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا مان لیا جائے تو ان کی پیدائش سے پہلے کون خدا تھا؟

٤۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے خدا کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش باپ کے بغیر ہوئی ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ خدا ہونا چاہیے کیونکہ ان کی پیدائش ماں اور باپ دونوں کے بغیر ہوئی ہے اور تخلیق آدم علیہ السلام تخلیق عیسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ عجیب ہے، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی بھی خدا نہیں کہتا۔ دراصل ان دونوں کی پیدائش قدرت خداوندی کا مظاہرہ ہے اور ان کے بندہ ہونے اور خدا نہ ہونے کی دلیل ہے۔

٥۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے تھے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

٦۔ جس طرح پہلے رسول آئے اور اپنا مقررہ وقت گزار کر اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کو دوام و بقا حاصل نہیں تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنا مقررہ وقت گزار کر ایک دن اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے انہیں بھی دوام و بقا حاصل نہیں ہے، لہٰذا کوئی رسول بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام پہلے موجود نہیں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا اور مقررہ وقت کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

٧۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے والے رسولوں نے بھی معجزات دکھائے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خشک لکڑی کی لاٹھی میں جان ڈال کر اسے زندہ سانپ بنادیا۔ (قرآن: ٢٦: ٣٢ تا ٤٥) اور حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی

برآمد کر دی۔ (قرآن: ۷: ۷۳) مردوں کو زندہ کرنے سے لاٹھی کا زندہ سانپ بنا دینا اور پتھر سے زندہ اونٹنی برآمد کرنا زیادہ عجیب چیزیں ہیں کیونکہ مردہ تو کبھی زندہ تھا جبکہ پتھر اور لاٹھی کبھی زندہ ہی نہیں تھے، مگر ان عظیم الشان معجزات کے باوجود وہ خدا نہیں بلکہ خدا کے رسول ہیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے عظیم معجزات کے باوجود خدا نہیں بلکہ اس کے رسول ہیں۔

۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھاتے تھے کیونکہ کھانا پینا انسانی ضرورت ہے اور جو شخص اپنی نشوونما اور بقا میں کھانے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا ان ضروریات وحاجات سے پاک ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے تو وہ خدا ہیں، کیونکہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں اس لئے انہیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال اپنی تخلیق وبقا میں فرشتے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں اس لئے وہ بھی خدا نہیں ہو سکتے۔

ان عام فہم دلائل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں، لیکن عیسائی پھر بھی اگر انہیں خدا کہنے پر اصرار کرتے ہیں تو انہیں بائبل کی درج ذیل آیات پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

1. Jesus shouted, "Eli, Eli, Lama Sabachthani," which means, "My God, my God, why have you forsaken me?" (The Living Bible:1975:Mathew:27:4-6)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بلند آواز سے چلا کر کہا: اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

2. Remember how he spoke unto you when he was yet in Galilee, saying, The Son of Man (the Messiah) must be delivered into the hands of sinful men, and be crucified, and the third day rise again.

(The Holy Bible-1954-Luke:24:6-7)

یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا تو اس نے تم سے کہا تھا: ضرور ہے کہ آدم کا بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) گناہگار لوگوں کے حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اُٹھے۔

3. And as they were telling about it, Jesus himself was suddenly standing there among them, and greeting them (peace be unto you:The Holy Bible-1954). But the whole group was terribly frightened, thinking they were seeing a ghost. "Why are you frightened?" he asked "why do you doubt that it is really I ?" look at my hands! look at my feet! you can see that it is I, myself. touch me and make sure that I am not a ghost, for ghosts do not have bodies, as you see that I do! as he spoke, he held out his hands for them to see and

showed them his feet. Still they stood there undecided , filled with joy and doubt. Then he asked them, "Do you have anything here to eat?" They gave him a peice of broiled fish and he ate it as they watched. (The Living Bible-1975-Luke:24:36-43)

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع بذاتِ خود ان کے درمیان آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا: تم پر سلامتی ہو، مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور میرے بارے میں کیوں شبہ کرتے ہو؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں بذاتِ خود موجود ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو اور یقین رکھو کہ میں روح نہیں ہوں کیونکہ میرا (گوشت اور ہڈیوں پر مشتمل) جسم ہے جبکہ روح کا کوئی جسم نہیں ہوتا اور یہ کہہ کر یسوع نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ ابھی وہ خوشی اور شک کے عالم میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے کہ یسوع نے ان سے پوچھا: کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ تو انہوں نے یسوع کو بھنی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا دیا اور یسوع نے ان کے سامنے مچھلی کا ٹکڑا کھایا۔

بائبل کی مذکورہ آیات سے درج ذیل نتائج نکلتے ہیں:

١۔ پہلے حوالہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو مشکل گھڑی میں کسی اور خدا کو کیوں پکارتے۔ دراصل حقیقی خدا وہی ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پکار رہے تھے۔

٢۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام ایسے خدا ہیں کہ وہ اپنی مشکل کشائی کے لئے کسی اور خدا کے محتاج ہیں تو پھر ایک عام بندے اور عیسیٰ علیہ السلام میں کیا فرق ہوا؟

٣۔ دوسرے حوالہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے اعتراف کیا ہے کہ وہ آدم کے بیٹے ہیں اور گناہگار لوگوں کے ہاتھوں سولی پر چڑھائے جائیں گے، لہٰذا ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا ان کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

٤۔ جو شخص اپنا تحفظ نہ کر سکے اور دشمن اسے سولی پر چڑھا دیں وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے؟

٥۔ جو شخص تین دن قبر میں مردہ رہے اس کو اگر خدا مان لیا جائے تو خدا کے بغیر ان تین دنوں میں یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟

٦۔ تیسرے حوالہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ ہڈیوں اور گوشت سے بنے ہوئے انسان ہیں۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ وہ روح نہیں ہیں کیونکہ روح کا کوئی جسم نہیں ہوتا اور ان کا جسم ہے، لہٰذا وہ انسان ہیں خدا نہیں ہیں۔

٧۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو ایک انسان کے لئے ضروری ہیں۔ انہیں بھوک بھی لگتی ہے اور انہوں نے لوگوں کے سامنے مچھلی کھا کر اس کا عملی مظاہرہ بھی کر دیا، پھر بھی انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہنا عقل سے بہت دور کی بات ہے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ آپ فرمائیے: کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ ہی نفع کا؟ [۱۰۹] اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے سب کچھ جاننے والا ہے۔

نوٹ: حضرت مریم علیہا السلام بھی خدا نہیں ہیں۔ وہ پیدا ہوئیں، لہٰذا حادث تھیں۔ انہوں نے خوراک سے نشوونما پائی، لہٰذا محتاج تھیں اور اس دنیا سے چلی گئیں، لہٰذا فانی تھیں۔ یہ ساری صفات مخلوق کی ہیں اس لئے حضرت مریم علیہا السلام خدا نہیں بلکہ خدا کی مقبول اور راست باز بندی تھیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو صدیقہ (بہت ہی سچ بولنے والی خاتون) فرمایا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ہیں۔ صدیق کا مرتبہ بہت بلند ہے لیکن نبی کا درجہ صدیق سے بھی برتر ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ میں ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ لوگ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہیں۔'' قرآن مجید کی اس ترتیب سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ سب سے بلند مرتبہ نبی کا ہے، اس کے بعد صدیق کا، پھر شہید کا اور شہید کے بعد صالح کا مرتبہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر نبی صدیق ہے لیکن ہر صدیق نبی نہیں جیسے ہر نبی ولی ہے لیکن ہر ولی نبی نہیں، نیز قرآن مجید نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ سارے انبیاء اور رسول مرد تھے ان میں سے کوئی بھی عورت نہیں ہے۔ مزید تشریح کے لئے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۴۲ کا حاشیہ نمبر ۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۰۹] موجودہ بائبل کے مطابق عبادت کا مستحق صرف لارڈ خدا ہے۔ (متی: ۴:۱۰) اور لارڈ خدا صرف ایک ہے۔ (مرقس: ۱۲:۲۹) اور لارڈ کا معنی ہے: مالک اور حکمران یعنی لارڈ خدا وہ ہے جو اپنی ملکیت میں تصرف کا کامل اختیار رکھتا ہے۔ برے کو سزا دے اچھے کو انعام دے الغرض جو چاہے کر سکتا ہے اور وہی درحقیقت عبادت کے لائق ہے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے کی ایک اور دلیل بیان کی گئی ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ (تفسیر بیضاوی) تو پھر وہ خدا اور عبادت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے تو پھر ساری رات خدا سے دعا کیوں کرتے۔ (لوقا کی انجیل: ۶:۱۲) اور اپنی مشکل گھڑی میں خدا کو کیوں پکارتے۔ (متی کی انجیل: ۲۷:۴۶)

بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی سے پرندے بنا کر اڑائے، مردوں کو زندہ کیا، کوڑھیوں کو شفا دی اور مادر زاد اندھوں کو بینا کیا۔ (قرآن: ۳:۴۹) حضرت داؤد علیہ السلام کا پہاڑوں پر اختیار تھا۔ (قرآن: ۲۱:۷۹) حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا پر اختیار حاصل تھا۔ (قرآن: ۲۱:۸۱) شیطان چھو کر انسان کو مخبطی بنا سکتا ہے۔ (قرآن: ۲:۲۷۵) کفار کو شیاطین روشنی

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۠ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ آپ فرمایئے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کرو [۱۱۰] اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ بھی کر چکے ہیں اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں۔

سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (قرآن: ۲:۲۵۷)

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مخلوق بھی دوسروں کو نفع و نقصان پہنچا سکتی ہے لیکن مخلوق کے جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں یہ اختیارات نہ دیتا تو وہ کسی کو نفع یا نقصان نہ پہنچا سکتے، لہٰذا کوئی مخلوق ذاتی طور پر کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہے۔

الغرض عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ذاتی طور پر مختار کل ہے اور اس کی ساری صفات ازلی اور ابدی ہیں وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور اس کی نیت بھی جانتا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر مخلوق کی صفات نہ تو ذاتی ہیں اور نہ ہی ازلی و ابدی، لہٰذا کوئی مخلوق عبادت کی مستحق نہیں ہے۔

[۱۱۰] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ دین میں حد سے تجاوز نہ کرو یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو کیونکہ یہ حق کے خلاف ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد بعض گمراہ لوگوں کی سازش سے یہ عقیدہ عیسائیت کے اندر داخل کیا گیا تھا، لہٰذا تم ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان کے مشرکانہ عقائد سے توبہ کر کے سیدھے راستے پر واپس آ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے جس کو جو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کو اسی مرتبہ پر رکھنا ہی حق اور صراط مستقیم ہے۔ اس میں مجرمانہ حد تک کمی یا زیادتی دونوں گمراہی کا سبب ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کمی کرنے کی وجہ سے یہود گمراہ ہوئے اور ان کی شان میں زیادتی کرنے کی وجہ سے عیسائی گمراہ ہوئے اور ایسا ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ کسی عظیم ہستی کو ماننے والے اس کی محبت و عقیدت میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور حسد کرنے والے اس کی شان میں کمی کے مرتکب ہوتے ہیں، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا:

اے علی! تیری وجہ سے دو آدمی ہلاک ہوں گے: حد سے زیادہ محبت کرنے والا اور انتہائی بغض رکھنے والا، اور فرمایا: اے علی! تیرے ساتھ محبت نہیں کرے گا مگر مؤمن اور تیرے ساتھ بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔

(تفسیر الشعراوی: رواہ الطبرانی فی الاوسط)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸

۷۸۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا[۱۱۱] ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔[۱۱۲]

[۱۱۱] جو کسی بھی آسمانی کتاب یا سچے نبی کی نافرمانی کریں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیے جاتے ہیں چاہے وہ دنیا کی کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں لیکن یہاں سیاق و سباق کی مناسبت سے صرف بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا ہے اور ہر نبی نے کفار کو ان کے برے انجام سے آگاہ فرمایا، لیکن یہاں خاص طور پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ ان کی بددعا سے بنی اسرائیل کے کفار پر ایسی لعنت برسی کہ انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جو لعنت بنی اسرائیل پر کی گئی اس کے لئے بائبل کے درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: خداوند! تُو آ اور ان متکبر لوگوں کا انتظام کر جنہوں نے غریب لوگوں کو تنگ کر رکھا ہے ۔۔۔ ان کے منہ میں بے ادبی، جھوٹ اور فراڈ کے سوا کچھ نہیں، وہ اپنے غلط منصوبوں پر فخر کرتے ہیں اور رات کی تاریکی میں مسافروں کو قتل کرتے ہیں ۔۔۔ خداوند! آ اور ان کو پامال کر دے ۔۔۔ خداوند! تو ان کی برائیوں کو جانتا ہے اب ان کو سزا دے ۔۔۔ ان برے لوگوں کے بازو توڑ دے اور ان کا تعاقب کر یہاں تک کہ ان کا آخری آدمی تک تباہ ہو جائے۔

(زبور: باب ۱۰: ہولی بائبل ۱۹۵۴: اور لیونگ بائبل ۱۹۷۵)

تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے اجتماع اور اپنے حواریوں سے کہا: یہ یہودی مذہبی لیڈر اور فریسی جو موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ کرو ممکن ہے وہ صحیح کہہ رہے ہوں لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ جو وہ لوگوں کو کہتے ہیں وہ خود اس پر عمل نہیں کرتے ۔ وہ سب کچھ دکھلاوے اور اپنے آپ کو مقدس ظاہر کرنے کے لئے کرتے ہیں......

اے ریاکار مذہبی لیڈرو اور فریسیو تم پر افسوس! کیونکہ نہ تو تم لوگوں کو آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونے دیتے ہو اور نہ ہی خود داخل ہوتے ہو ۔۔۔ اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے بیٹے ہو۔ غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو اور زہریلے سانپوں کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟''

(متی کی انجیل: باب ۲۳: ہولی بائبل ۱۹۵۴، لیونگ بائبل ۱۹۷۵)

[۱۱۲] بنی اسرائیل کی نافرمانی اور زیادتی کی داستانیں بائبل کے اندر بکثرت موجود ہیں ۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

بنی اسرائیل نے بہت سے برے کام کئے جن سے خداوند بہت غضب ناک تھا کیونکہ انہوں نے بتوں کی پوجا کی

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾

٧٩۔ وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے، [١١٣] جو وہ کرتے تھے بہت ہی برا کام تھا جو وہ کرتے تھے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

٨٠۔ ان میں سے اکثر کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، [١١٤] بہت ہی برا ہے جو انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے (وہ یہ) کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو گیا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

باوجودیکہ خداوند نے انہیں خصوصی طور پر بار بار وارننگ دی۔ خداوند نے بنی اسرائیل اور یہوداہ کی طرف بار بار نبی بھیجے تاکہ وہ برے کاموں سے باز آ جائیں ۔۔۔ لیکن بنی اسرائیل نے ایک نہ سنی ۔۔۔ انہوں نے خداوند کے احکام، معاہدوں اور وارننگز کو پس پشت ڈال دیا ۔۔۔ اور بچھڑے، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش شروع کر دی حتیٰ کہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تھانوں پر آگ سے جلانا شروع کر دیا ۔۔۔ جس سے خداوند غضب ناک ہو گیا۔
(٢ سلاطین: ١٧: ١٢ تا ١٧: ہولی بائبل ١٩٥٤: لیونگ بائبل ١٩٧٥)

[١١٣] ایک آدمی خود تو نیک کام کرتا ہے مگر اس کے آس پاس برائی کا بازار گرم ہے اور وہ طاقت ہونے کے باوجود لوگوں کو برائی سے نہیں روکتا تو اس کا یہ فعل بذاتِ خود ایک ایسی برائی ہے جو اسے بھی بروں کی صف میں شامل کر دیتی ہے، جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ خاص گناہگاروں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ ہاں جب وہ اپنے درمیان برائی کو دیکھیں اور وہ اس کے خلاف احتجاج کر سکتے ہوں مگر نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ خاص مجرموں کے ساتھ عام لوگوں کو بھی مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ (مسند احمد ٤: ص ١٩٢)

برے لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں لیکن ہر قوم کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ ان پر پردہ نہ ڈالے بلکہ ان کی نشاندہی کرے۔ وہ مجرموں کو تحفظ فراہم نہ کرے بلکہ قانون کے حوالہ کرے اور ان کی حوصلہ شکنی کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کرے۔ جب کوئی قوم مجرموں سے چشم پوشی کرتی ہے تو پھر رفتہ رفتہ پوری قوم جرائم کی لپیٹ میں آ جاتی ہے اور ہر ایک کی زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ٦٣ کا حاشیہ نمبر ٩٠ ملاحظہ فرمائیں۔

[١١٤] اہل کتاب ہونے کی وجہ سے یہود اور مسلمانوں میں کئی مشترک اقدار ہیں جن میں سب سے اہم اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان ہے۔ مسلمان اور یہود دونوں اس عقیدہ میں مشترک ہیں۔ اب حق تو یہ بنتا تھا کہ یہود اور مسلمان اکٹھے ہو کر کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں آتے، کیونکہ دونوں توحید پرست تھے مگر مدینہ کے یہود بڑے عجیب لوگ

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

٨١۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور نبی پر اور اس پر جو اس نبی پر نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ

٨٢۔ آپ اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور اہل ایمان سے دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں،

ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کو ماننے والے مسلمانوں کو چھوڑ کر مکہ کے ان کافروں اور مشرکوں کے ساتھ دوستی اور ہمدردی کے رشتے استوار کرتے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی نبی کو مانتے ہیں۔

یہود کے ان افعال سے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان ہی نہیں رکھتے کیونکہ اگر ان کا توحید پر محکم یقین ہوتا تو کفار (خدا کے منکروں) کا ساتھ دے کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دیتے کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے دینوں میں کفار سے گہری دوستی کی ممانعت ہے حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے غیر اسرائیلی لوگوں کو کتوں سے تشبیہ دی اور ان کی ہمدردی سے انکار کر دیا تھا۔

(متی کی انجیل: باب ١٥: آیت نمبر ٢٦: لیونگ بائبل ١٩٧٥)

قرآن مجید نے ہر ایسی قوم کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کیا ہے جو اسلام یا مسلم دشمنی میں براہ راست یا بالواسطہ سرگرم ہو اور اگر کوئی غیر مسلم قوم ایسی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہو تو قرآن مجید نے ان کے ساتھ حسن سلوک اور منصفانہ برتاؤ کی ترغیب دی ہے اور ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوش خبری سنائی ہے جو پر امن غیر مسلموں کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔
(قرآن: ٦٠: ٨ تا ٩)

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر دنیا کی ہر قوم آج عمل پیرا ہے۔ کوئی قوم اپنے دشمن کے ساتھ دوستی کے مراسم استوار نہیں کرتی اور نہ ہی کسی غیر دشمن قوم کے ساتھ خواہ مخواہ تعلقات خراب کرتی ہے۔

یہ آیت ان مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کفار کا ساتھ دیتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ بلاشبہ پُرامن غیر مسلم اقوام کے ساتھ اچھے تعلقات اور دوستانہ مراسم پیدا کرنے سے اسلام نہیں روکتا اور حضور اکرم ﷺ نے اپنے دور میں اس پر عمل بھی کیا ہے لیکن مسلمانوں کی قیمت پر کسی غیر مسلم قوم کا ساتھ دینا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وَّرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

[۱۱۵] یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔

[۱۱۵] اگرچہ سارے کفار اسلام دشمنی میں سخت ہیں مگر یہود و مشرکین کی اسلام دشمنی کے مقابلہ میں نصاریٰ کا رویہ کچھ نرم ہے، لہٰذا دوستی کے اعتبار سے عیسائی لوگ مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی تین وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ عیسائیوں میں قسیس یعنی اہل علم ہیں جو کسی کی بات سننے اور اس میں غور کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور جب ان پر حق واضح ہو جائے تو قبول کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے جبکہ یہود اپنے تعصب کی وجہ سے حق کو حق جانتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتے۔

۲۔ عیسائیوں میں راہب یعنی درویش متقی لوگ بھی ہیں جو دنیا کو چھوڑ کر ساری زندگی عبادت میں گزار دیتے ہیں جبکہ یہود دنیا پرستی کے زیادہ حریص ہیں۔

۳۔ عیسائی غرور نہیں کرتے یعنی تواضع اور رواداری سے پیش آتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھی یہی تھی یعنی: خود غرض اور دوسروں سے بڑا بننے کی کوشش نہ کرو۔ عاجزی اختیار کرو اور دوسروں کو اپنے سے بہتر خیال کرو۔

(فلپیوں ۲:۳: لیونگ بائبل: ۱۹۷۵)

جن عیسائی حضرات میں یہ صفات پائی جاتی تھیں وہ ہر دور میں اسلام کے قریب رہے اور ان میں سے اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی ایک تاریخی مثال حبشہ کے عیسائی علماء اور راہب تھے جو قرآن مجید کی تلاوت سن کر مسلمان ہو گئے۔ اس کی تفصیل آئندہ آیت کے ضمن میں ملاحظہ کریں۔

آج بھی جن عیسائی حضرات میں ان تین صفات میں سے ایک بھی پائی جائے تو وہ یہود کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں، جیسے فرانس کا مورس بکائی اور امریکہ کا مائیکل ایچ ہارٹ۔ جنہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتابوں میں اسلام کی عظمت کو اجاگر کیا ہے۔ جنوری ۲۰۰۱ء میں جب مجھے فلسطین جانے کا موقع ملا تو میں نے اس کے مشہور اور عظیم شہر بیت اللحم میں خود مشاہدہ کیا کہ وہاں مسلمان اور عیسائی اتفاق سے رہتے ہیں اور جب کبھی یہود سے لڑائی کا موقع آئے تو عیسائی مسلمانوں کے شانہ بشانہ یہودیوں کے خلاف لڑتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں جب امریکہ اور برطانیہ نے صدام حسین کے خاتمہ کے لئے عراق پر حملہ کیا تو ان کو سب سے زیادہ حمایت یہودیوں کی حاصل تھی جبکہ عیسائی حکمرانوں کی اکثریت نے اقوام متحدہ میں اس کی مخالفت کی اور امریکہ و یورپ میں لاکھوں عیسائی عوام نے بازاروں میں نکل کر ان کے خلاف احتجاج کیا۔

ان متقی عیسائیوں کے برعکس مسلمانوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین ہیں کیونکہ وہ ان صفات سے محروم ہیں جو عیسائی حضرات میں پائی جاتی ہیں یعنی:

۱۔ یہود علم کے تقاضوں سے ہٹ کر تعصب اور عناد کا شکار ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام جیسی مقدس ہستیوں کو بھی قتل

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، [۱۱۶] وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے تو ہم کو (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔

کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

۲۔ وہ خدا کی رضا جوئی اور عبادت کے بجائے دولت کمانے میں سرگرم رہتے ہیں اور ہر وہ ذریعہ استعمال کرتے ہیں جس سے دولت میں اضافہ ہو۔

۳۔ وہ انکساری اور رواداری کے بجائے تکبر کا شکار ہیں اور اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کے متعلق فرمایا:

کہ وہ ریاکار، سانپ اور زہریلے سانپ کے بچے ہیں۔ (متی کی انجیل: باب ۲۳) اور حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ وہ متکبر، بے ادب، جھوٹے اور دھوکہ باز ہیں۔ (زبور: باب ۱۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم، ترک دنیا اور تواضع قابل قدر صفات ہیں اور ان کے اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں چاہے وہ اہل اسلام میں ہوں یا غیر مسلموں میں جبکہ جہالت، حب دنیا اور تکبر قابل نفرت صفات ہیں اور ان سے نجات لازمی ہے۔

رہبانیت

اس آیت میں راہب ہونا ایک قابل تعریف صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے، لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ اسلام رہبانیت کو پسند کرتا ہے یا اسلام عیسائیت کے رہبانیت کے تصور سے کلی طور پر متفق ہے۔ اسلام جہاں رہبانیت کے چند پہلوؤں (حب دنیا کی نفی اور رجوع الی اللہ وغیرہ) کو پسند کرتا ہے وہیں رہبانیت کی ناروا پابندیوں، بے جا مشقتوں اور افراط وتفریط مثلاً رزق حلال کمانے، اچھا کھانے پینے اور شادی سے مکمل اجتناب وغیرہ سے براءت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی۔ (احمد: جلد ۶: ص ۲۲۶) مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا۔ (سنن دارمی: کتاب النکاح: باب ۳) اسلام دنیا کو بالکل چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی معبود حقیقی کو بھول کر اور عبادت کو چھوڑ کر صرف دنیاوی عیش وعشرت کو برداشت کرتا ہے۔ اسلام دنیا اور عبادت دونوں میں توازن کا درس دیتا ہے کیونکہ انسان کی کامیاب زندگی کے لئے دونوں ضروری ہیں۔

[۱۱۶] اگرچہ ان آیات کا حکم عام ہے لیکن ان کے نازل ہونے کی وجہ حبشہ کے وہ عیسائی علماء اور راہب تھے جن کو نجاشی نے حضور

اکرم ﷺ سے ملاقات کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ یہ واقعہ حدیث، تفسیر اور تاریخ کی کتب میں بالتفصیل موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ کفارِ مکہ کے مظالم بڑھتے جا رہے ہیں اور مکہ میں مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں کیونکہ وہاں کا بادشاہ اصحمہ نجاشی اگرچہ عیسائی ہے مگر بڑا رحمدل اور انصاف پسند ہے۔ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے، چنانچہ نبوت کے پانچویں سال مہاجرین کا پہلا قافلہ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا۔ قافلہ سالار حضرت عثمان غنی ؓ تھے اور حضورِ اکرم ﷺ کی لختِ جگر حضرت رقیہ رضی اللہ تعالی عنہا حضرت عثمان غنی ؓ کی زوجہ بھی اس ہجرت میں شامل تھیں۔ جب یہ مسلمان مہاجر حبشہ پہنچے تو نجاشی نے انہیں بڑے احترام سے خوش آمدید کہا اور ٹھہرنے کے لئے پرامن جگہ عطا فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ حبشہ روانہ ہوا جو عورتوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی مردوں پر مشتمل تھا۔ جب مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلی گئی تو مشرکین مکہ کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں مسلمان اپنی طاقت جمع کر کے ہم پر دھاوا بول دیں، چنانچہ انہوں نے دو سفیر (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ) نجاشی کے پاس بھیجے اور انہیں بڑے نفیس اور قیمتی تحائف بھی دیئے تا کہ وہ بادشاہ اور اس کے درباریوں کو دے کر ان کی حمایت حاصل کریں، چنانچہ حبشہ پہنچ کر مکہ کے سفیروں نے نجاشی سے عرض کی:

''ہمارے شہر مکہ میں ایک دیوانے نے نبوت کا دعوی کر دیا ہے (نعوذ باللہ)۔ کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ کر بہت فساد پھیلا رہے ہیں، ان میں سے بعض آپ کے ملک میں آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان احمقوں نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک نیا دین گھڑا ہے۔ ہمیں مکہ کے سرداروں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں اپنے ملک سے نکال دیں ورنہ یہ تیرے ملک میں بھی فساد پھیلا سکتے ہیں۔''

نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور اپنے عیسائی علماء کو بھی بلا لیا جو بادشاہ کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔ اب نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا: وہ کیسا دین ہے جس کے لئے تم نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا ہے؟ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے کہا: ''اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کرتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے، رشتوں کو توڑتے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے اور کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ تعالی نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیجا جس کے نسب، صداقت، امانت اور طہارت کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ تعالی کی طرف دعوت دی تا کہ ہم بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی عبادت کریں، سچ بولیں، امانتوں کا پاس رکھیں، رشتوں کو ملائیں، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کریں اور بے حیائی سے باز آ جائیں۔ ہم نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے اور اس وجہ سے مکہ والے ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور ہم ان سے تنگ آ کر آپ کے ملک میں امن تلاش

وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے [۱۱۷] حالانکہ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر دے۔ [۱۱۸]

کرنے آئے ہیں۔'' پھر نجاشی نے پوچھا: ''تمہارا قرآن ہمارے عیسیٰ ؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

اس پر حضرت جعفر ؓ نے سورۃ مریم کی چند آیات تلاوت کیں جن کو سن کر نجاشی اور اس کے مصاحب رونے لگے۔ ان کی داڑھیاں اور ان کے سامنے پڑے انجیل کے اوراق بھی تر ہو گئے۔ اس پر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ ؑ پر نازل ہوا تھا ایک ہی سورج کی کرنیں ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے مکہ کے سفیروں کے تحفے واپس کر دیئے اور ان کو صاف جواب دے دیا کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنے ملک سے نکلنے کا کبھی حکم نہیں دے سکتا۔

حضرت جعفر ؓ کی اس گفتگو سے حبشہ کے بادشاہ، حکام اور عوام کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت پیدا ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور وہاں اسلامی معاشرہ وجود میں آ گیا اور مہاجرین حبشہ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم کر لیا تو نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ ستر عیسائی علماء اور راہبوں کا ایک وفد مدینہ بھیجا اور جب حضور اکرم ﷺ نے اس وفد کے سامنے سورہ یٰسین کی تلاوت کی تو عیسائی علماء و راہبوں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ حق کو پہچان کر مسلمان ہو گئے۔ (تفسیر فتح القدیر) اور روتے ہوئے کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم تیرے کلام کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں اور تیری بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ ہم کو ان خوش نصیب اہل ایمان کے زمرہ میں شامل فرما دے جو تیری توحید اور تیرے انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کی گواہی دینے والے ہیں۔ جب عیسائی مذہبی لیڈروں کا یہ وفد مدینہ سے واپس حبشہ پہنچا اور نجاشی کو حضور اکرم ﷺ سے ملاقات اور اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی تو بادشاہ نجاشی بھی مسلمان ہو گیا اور آخر دم تک مسلمان رہا حتیٰ کہ جب نجاشی فوت ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے اس کی نماز جنازہ پڑھو، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی جبکہ نجاشی کی میت حبشہ میں تھی۔ (بخاری و مسلم: کتاب الجنائز)

[۱۱۷] حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حبشہ کے علماء اور راہب جب اسلام قبول کر کے مدینہ سے واپس اپنے وطن لوٹے تو یہود نے ان کو طعنہ دیا اور ملامت کی (تفسیر البحر المحیط) کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا تو اس پر ان نو مسلموں نے یہود کو جو جواب دیا وہ اس آیت میں مذکور ہے یعنی ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق پر ایمان کیوں نہ لائیں، جب وہ رسول ہمارے پاس آ گیا اور ہم نے اسے پہچان بھی لیا تو ایمان لانا ضروری تھا جو ہم لے آئے اور اب ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر دے۔ ان کے اس قول (تصدیق حق) کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت عطا فرمائی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کی یہی جزا ہے اور جو لوگ حق کو تسلیم نہیں کرتے ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

[۱۱۸] جن خوش نصیب حضرات کا مذکورہ آیات میں ذکر کیا گیا اور انہیں جنت کی خوش خبری سے بھی نوازا گیا، ایمان لانے کے بعد

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی جنتیں عطا کیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور نیک لوگوں کی یہی جزا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾ ع

۸۶۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھلایا تو وہی دوزخی ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

۸۷۔ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام قرار نہ دو[۱۱۹]

ان کے دل کی تمنا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک لوگوں میں شامل کر دے۔ اس سے نیک لوگوں کی صحبت کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے نیکوں کی سنگت کے متعلق چند انبیائے کرام علیہم السلام کی دعائیں بھی ذکر کی ہیں، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام دعا کرتے ہیں: ''اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔'' (قرآن: ۱۲: ۱۰۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں: ''مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔'' (قرآن: ۲۶: ۸۳) حضرت سلیمان علیہ السلام عرض کرتے ہیں: ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں شامل کرلے۔'' (قرآن: ۲۷: ۱۹)

الغرض نیک لوگوں کی صحبت، سنگت اور ان کے زمرے میں شمولیت ایک عظیم نعمت اور سعادت ہے جس کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی دعائیں کیں۔ کاش ہم بھی آج اس کی اہمیت کو سمجھیں اور فضول مجلسوں سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو دور رکھیں۔

[۱۱۹] انسان اپنی مملوکہ چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ اختیار دے رکھا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ چیز حلال ہو، اور کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق ہے، یا پھر یہ اختیار اللہ تعالیٰ کی عطا اور وحی کے واسطہ سے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ اعظم ہیں۔ اب اگر کوئی انسان اپنے اختیار سے کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کی کوشش کرے تو وہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں تصرف کرنے کا مرتکب ہوگا جو کہ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔

لہٰذا بندۂ مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی حلال چیز کے حرام ہونے کا نہ عقیدہ رکھے، نہ زبان سے اسے حرام کہے، نہ حرام کی طرح اس سے اجتناب کرے، نہ اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دے اور نہ کسی حرام چیز کی نذر مانے۔ ہاں ایک شخص اگر کسی حلال چیز کو اپنی جسمانی یا روحانی بیماری کے علاج کے لئے عارضی طور پر اس سے اجتناب کرے تو اس میں کوئی حرج

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾

اور حد سے نہ بڑھو، [۱۲۰] بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

۸۸۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور پاکیزہ رزق تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ، [۱۲۱] اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔

نہیں ہے جیسے ذیابیطس کے مریض کو ڈاکٹر کہے کہ میٹھی چیز کھانا چھوڑ دے تاکہ اس کی شوگر کنٹرول میں رہے یا کسی بے نماز مرید کو شیخ طریقت کہے کہ تین دنوں کے لئے اپنے گھر کو چھوڑ دے اور مسجد میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھ کر کثرت سے استغفار کرے تاکہ اسے نماز کی عادت پڑ جائے۔

حدیث اور تفسیر کی کتب میں کئی واقعات مذکور ہیں جو ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔ ان کو پڑھنے سے ان آیات کا مفہوم سمجھنے میں اور بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ میں یہاں ان میں سے دو کا ذکر کر رہا ہوں۔

۱۔ ایک دفعہ تین جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کیں اور ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے کنارہ کشی کروں گا شادی نہیں کروں گا۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے اور فرمایا: ''تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ سن لو۔ خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔''

(بخاری: کتاب النکاح: باب ۱)

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ صحیح خبر نہیں پہنچائی گئی کہ تو سارا دن روزہ رکھتا ہے اور ساری رات عبادت میں گزار دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ خبر درست ہے (میں ایسا ہی کرتا ہوں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو، رات کو عبادت بھی کرو اور نیند بھی کرو کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔'' (بخاری: کتاب النکاح: باب ۸۹)

[۱۲۰] حد سے بڑھنے کا مفہوم بڑا وسیع ہے مثلاً کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا یا کسی حرام چیز کو حلال قرار دینا یا کسی حلال چیز کے استعمال میں افراط و تفریط سے کام لینا یہ ساری چیزیں حد سے بڑھنے کے ضمن میں آتی ہیں اور جو بھی ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا مستحق قرار پائے گا لہٰذا اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ افراط و تفریط سے اجتناب کرتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی اختیار کریں یہی دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

[۱۲۱] حلال

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ

۸۹۔ اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا، [۱۲۲] لیکن ان قسموں پر تم سے مؤاخذہ کرے گا جن کو تم نے پختہ کیا، تو اس (قسم کو توڑنے) کا کفارہ [۱۲۳] دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں

حلال سے مراد وہ چیزیں ہیں جو شریعت میں حرام نہ ہوں۔ حرام چیزوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ بذاتِ خود حرام ہو جیسے کتا اور گدھا وغیرہ۔

۲۔ کسی حادثہ کی وجہ سے حرام ہو جیسے مردار مرغی اور مردار بکری وغیرہ۔

۳۔ حصول کا طریقہ حرام ہو جیسے رشوت اور چوری وغیرہ کا مال۔

طیب

طیب سے مراد عمدہ اور پاکیزہ چیزیں ہیں جو گلی سڑی اور گندی نہ ہوں۔ بعض چیزیں حلال ہوتی ہیں مگر بہت پرانی یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے ان کا رنگ، ذائقہ اور اثر بدل جاتا ہے اور ان کا استعمال طبیعت اور صحت دونوں کے لئے مضر ہو سکتا ہے لہٰذا ان سے اجتناب کیا جائے۔

اس آیت میں حلال اور طیب چیزیں کھانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیزیں حلال ہیں انہیں کھا جاؤ، ایسا نہیں۔ حکم یہ ہے کہ حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ یعنی ساری نہ کھا جاؤ بلکہ جو ضرورت ہے اور جتنا ضرورت ہے اُتنا کھاؤ۔ اسراف یعنی ضائع اور فضول خرچی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان میں سے کچھ صدقہ وخیرات بھی کرو۔

[۱۲۲] غیر ارادی یا عادت کے طور پر جو قسمیں زبان سے نکل جاتی ہیں ایسی قسموں پر نہ کفارہ ہے اور نہ مؤاخذہ (گناہ) ہوگا لیکن جو قسمیں دانستہ اور پورے ارادے کے ساتھ کھائی جائیں اگر ان کو پورا نہ کیا جائے تو ان کو توڑنے پر مؤاخذہ (گناہ) ہوگا اور کفارہ بھی دینا پڑے گا۔ قسم چاہے دانستہ توڑی جائے یا نادانستہ ٹوٹ جائے دونوں صورتوں میں کفارہ لازم ہو جاتا ہے، البتہ کفارہ کی ادائیگی قسم توڑنے کے بعد ہی ہوگی۔ قسم توڑنے سے پہلے اگر کفارہ دے دیا جائے تو وہ معتبر نہیں ہوگا کیونکہ کفارہ لازم ہونے کا سبب قسم توڑنا ہے، جب تک قسم نہ ٹوٹے کفارہ واجب ہی نہیں ہوتا جیسے وقت سے پہلے نماز نہیں ہوتی اسی طرح قسم ٹوٹنے سے پہلے اس کا کفارہ بھی ادا نہیں ہوتا۔

[۱۲۳] اس آیت سے کفارہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ کفارہ کا لغوی معنیٰ ہے ''چھپانے والی چیز'' کسی نیک کام کو گناہ کا کفارہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیکی اس گناہ کو چھپا لیتی ہے۔

کفارہ کی تین صورتیں ہیں:

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، اور جو (ان میں سے کوئی چیز) نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، [۱۲۴] اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔ [۱۲۵]

۱۔ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا جو وہ اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے۔

۲۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے۔ کپڑوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیسے اور کتنے ہوں۔ میرے نزدیک کھانے کی طرح یہ بھی درمیانے درجے کے ہونے چاہییں جو وہ اپنے گھر والوں کو پہناتا ہے۔

۳۔ یا غلام آزاد کرنا جو کہ اس دور میں ناپید ہو چکا ہے کیونکہ اسلامی اصولوں کی برکت سے غلامی کا رواج بتدریج ختم ہو گیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے سورہ نساء کی آیت نمبر ۳ کا حاشیہ نمبر ۷ ملاحظہ فرمائیں۔

اگر مذکورہ تین صورتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو تین دن کے لگاتار روزے رکھے جائیں تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا کیا کہنا۔ بندہ جرم کر کے اپنے نامۂ اعمال کو داغدار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس داغ کو ڈھانپنے کی ایسی میٹھی سزا تجویز کرتا ہے جس سے اس کا جرم بھی چھپ جاتا ہے اور مسکینوں کو کھانا یا کپڑے دینے کی صورت میں غریب پروری کے صلہ میں ان کی دعائیں لیتا ہے اور روزے رکھنے کی صورت میں روزے کی برکتوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''روزہ دار کے منہ سے جو بو آتی ہے بارگاہِ خداوندی میں وہ کستوری سے بھی زیادہ محبوب ہے۔'' (مسلم: کتاب الصیام) سبحان اللہ! بندہ ایک طرف اپنے گناہ معاف کرا رہا ہے اور دوسری طرف اس کے منہ کی بو خدا کے قرب اور خوشنودی کا سبب بن رہی ہے۔ الحمدللہ رب العالمین

[۱۲۴] یعنی قسم اٹھانے سے پہلے پوری طرح غور وفکر کر لو کہ اس قسم سے کسی کی حق تلفی یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تو نہیں ہو گی کیونکہ ایسی قسموں کا توڑنا ضروری ہے۔ تفصیلات کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۴ کا حاشیہ نمبر ۱۸۳ ملاحظہ فرمائیں، البتہ جب کسی صحیح معاملہ میں بالارادہ قسم کھالی جائے تو پھر اس کی پوری طرح پابندی اور حفاظت ضروری ہے اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔

[۱۲۵] اس آیت میں قسم اور اس کے کفارہ کا بیان ہے۔ غیر ارادی قسموں کو تو اللہ تعالیٰ بالکل معاف کر دیتا ہے، ان پر کوئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰

۹۰۔ اے ایمان والو! یہ شراب [۱۲۶] اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کے کاموں سے ہیں، سوان سے بچو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱

۹۱۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

مؤاخذہ نہیں ہوگا اور دانستہ قسم اٹھانے والے بھی اگر اپنی قسموں کو توڑ دیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کفارہ کی تین صورتیں بتائی ہیں ان میں سے جو بھی اس کے لئے آسان ہو اس پر عمل کر سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اور اگر تینوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو صرف تین دن کے روزے رکھ کر بھی کفارہ ادا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے کہ کس قدر سہولتیں اور آسانیاں فراہم کر رہا ہے، اس کے باوجود بھی ہم اس کا شکر ادا نہ کریں تو ہم سے بڑھ کر ناشکر گزار کون ہوگا؟

[۱۲۶] سب سے پہلے اس آیت میں بیان کردہ پانچ عربی الفاظ کا مفہوم ملاحظہ کریں، پھر شراب کے متعلق کچھ تفصیل سے عرض کروں گا:

خمر: سے مراد ہر وہ شراب ہے جو انسانی عقل کو ڈھانپ دے اور اس کے ہوش وحواس کو معطل کر دے۔

میسر: سے مراد ہر قسم کا جوا ہے جس میں ایک انسان کو تو بغیر محنت کے بہت سی دولت مل جاتی ہے جب کہ کئی نادان پوری زندگی کی کمائی ضائع کر بیٹھتے ہیں، پھر ساری عمر بھیک مانگتے ہیں اور اس برے فعل پر پچھتاتے رہتے ہیں۔

انصاب: سے مراد بت اور پتھر ہیں جن کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کے لئے جانور بھی ذبح کئے جاتے تھے (صفوۃ التفاسیر) دوسرے لفظوں میں یہ بت پرستی تھی۔

ازلام: سے مراد وہ تیر ہیں جن سے فال نکالی جاتی یا جوا کھیلا جاتا تھا۔ (تفصیل کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ۳ کا حاشیہ نمبر ۹ ملاحظہ کریں۔)

رجس: کا معنی ناپاکی، گندگی اور پاخانہ ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ یہ لفظ حرام، عذاب، برے کام اور کفر کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (الرجس: القذر ویُعبّر به عن الحرام والفعل القبیح والعذاب والکفر: لسان العرب) قرآن مجید میں رجس کا لفظ دس مقامات پر موجود ہے اور ہر جگہ مذکورہ معانی میں سے کسی ایک پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیت میں ناپاک اور حرام کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

شراب کے متعلق چند احادیث اور روایات

۱۔ عرب میں شراب عام تھی اور لوگوں کا ایکدم شراب چھوڑ دینا مشکل تھا، اس لئے حرمتِ شراب کا حکم بتدریج نازل ہوا۔ محمد بن قیس ﷛ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ ﷺ سے ان کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمایئے: ان دونوں میں بڑی خرابی ہے، اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ سورہ بقرہ: آیت نمبر ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا: اس آیت میں ہمارے لئے رخصت ہے، لہٰذا ہم شراب پئیں گے اور جوا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں گے حتیٰ کہ مغرب کی نماز میں ایک امام نے سورہ کافرون اس طرح شروع کی: قل یاایھاالکافرون اعبدماتعبدون۔۔۔

(اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو) اور اسے پتہ نہ چلا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ (حالانکہ دانستہ ایسا پڑھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے) تب یہ آیت نازل ہوئی:

یاایھاالذین آمنوا لاتقربوا الصّلوۃ وانتم سُکاری (اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ سورہ نساء: آیت نمبر ۴۳)، پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انہیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''شراب اور جوا ۔۔۔ ناپاک ہیں ۔۔۔ کیا تم باز آنے والے ہو؟ (سورہ مائدہ: آیات ۹۰ تا ۹۱) ان آیات کے نزول کے بعد مسلمانوں نے کہا: اے رب! ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔

(تفسیر جامع البیان لابن جریر طبری۔ سنن نسائی: کتاب الأشربة: باب ۱)

۲۔ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں: جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت شراب کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حضرت عمر ﷛ نے قسم اٹھا کر فرمایا تھا کہ اس آیت نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ (تفسیر البحر المحیط)

۳۔ احادیث و روایات اور دیگر آیات جن میں حرمتِ شراب کے شواہد ملتے ہیں اگر وہ موجود نہ ہوں تو بھی صرف یہی دو آیات حرمتِ شراب کے لئے کافی ہیں کیونکہ جس شدت کے ساتھ شراب کی مذمت ان آیات میں بیان کی گئی ہے کسی اور چیز کی مذمت میں اتنا زور نہیں ہے۔

۴۔ قرآن مجید کے اولین مخاطبین صحابہ کرام ﷡ تھے جو اہل زبان تھے، حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے براہ راست قرآن مجید سنتے تھے اور اگر کسی حکم میں شبہ ہوتا تو وضاحت کے لئے سوال کرتے تھے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا تو انہوں نے توبہ کا اعلان کر دیا اور دوبارہ تاکید کے ساتھ اقرار کیا: ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ کیونکہ انہیں شراب کی حرمت میں اب کوئی شبہ نہیں تھا۔

۵۔ اس آیت کے نزول کے بعد جب صحابہ کرام ﷡ کو شراب کی حرمت اور شراب پینے والے کے انجامِ بد کا یقین ہو گیا تو

اپنے مرنے والے مسلمان بھائیوں کے متعلق پریشان ہو گئے اور پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا جو اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے فوت ہو چکے ہیں حالانکہ وہ شراب پیتے تھے۔'' تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ (ان احکام کے نازل ہونے سے پہلے) کھا پی چکے۔'' (مسند احمد: جلد اول: ص ۲۳۴) کیونکہ اس وقت شراب پینا گناہ نہیں تھا، لہٰذا وہ نافرمان نہیں تھے بلکہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ تھے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر ان کے زمانہ میں شراب حرام کی جاتی تو وہ بھی شراب چھوڑ دیتے جس طرح تم نے چھوڑ دی ہے۔'' (تفسیر درمنثور و تفسیر ابن کثیر)

۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب شراب کو حرام کر دینے والی یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہنے لگے، شراب حرام کر دی گئی ہے اور اسے شرک کی مثل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بتوں کے لئے جانور ذبح کرنے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے جو کہ شرک ہے۔ (تفسیر قرطبی)

۷۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں منادی کردے: خبردار! غور سے سن لو! بے شک شراب حرام کر دی گئی ہے۔ (یہ اعلان سنتے ہی) شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے حتیٰ کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ (تفسیر قرطبی)

۸۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دائمی شراب پینے والا بت پرست کی طرح ہے۔ (ابن ماجۃ: ۳۳۷۵: ابواب الأشربۃ: باب ۳) یعنی بتوں کی پوجا کرنا بھی حرام ہے اور شراب پینا بھی حرام ہے۔

۹۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: والدین کا نافرمان، دائمی شراب پینے والا اور احسان جتانے والا۔ (نسائی: ۲۵۶۳: کتاب الزکوۃ: باب ۶۹)

۱۰۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اس کو کشید کرنے والے پر، کشید کرانے والے پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کو اُٹھانے والے پر، اُس شخص پر جس کے لئے شراب اُٹھا کر لائی جائے، اس کے بیچنے والے پر، اس کے خریدنے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر۔ (تفسیر ابن کثیر)

۱۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر اپنے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! شراب کو حرام کرنے والا حکم نازل ہو گیا اور شراب پانچ چیزوں سے ہے: انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جو سے اور شراب سے مراد وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ دے۔ (بخاری: ۴۶۱۹: تفسیر القرآن: سورہ مائدہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان فرمایا اور کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس سے حرمتِ شراب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہوتا ہے۔

۱۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شراب سے اجتناب کرو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی ماں ہے (یعنی اس سے کئی برائیاں جنم لیتی ہیں)۔ تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا، اس پر ایک بدکار عورت فریفتہ ہو گئی، اس نے اپنی خادمہ اس عابد کی طرف بھیجی اور گواہی دینے کے بہانے اسے اپنے پاس بلوایا۔ جب وہ عابد اس کے پاس پہنچا تو خادمہ نے دروازہ

بند کر دیا۔اس عابد نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے۔اس کے پاس ایک بچہ ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔اس عورت نے کہا: خدا کی قسم! میں نے تجھے گواہی کیلئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تو میرے ساتھ بدکاری کرے یا اس شراب سے ایک پیالہ پیئے یا اس بچہ کو قتل کرے۔اس عابد نے (تینوں میں سے شراب کو کم تر برائی تصور کرتے ہوئے) کہا: مجھے اس شراب کا ایک پیالہ پلا دے۔اس عورت نے اس عابد کو ایک پیالہ شراب پلائی۔اس نے کہا: اور پلاؤ، پھر اس نے (بے ہوشی میں) اس عورت سے بدکاری کی اور اس بچے کو بھی قتل کر دیا، لہٰذا شراب سے اجتناب کرو، خدا کی قسم! شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ (نسائی: ۵۶۶۹: کتاب الأشربة: باب ۴۴)

۱۳۔ ایک دفعہ حضرت عمر ﷺ کو اطلاع ملی کہ شام میں کچھ لوگوں نے شراب پی اور ساتھ دعویٰ بھی کیا کہ شراب حلال ہے۔ حضرت علی ﷺ اور حضرت عمر ﷺ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔اگر وہ توبہ نہ کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ شراب کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھے وہ کافر ہے۔

(تفسیر البحر المحیط و احکام القرآن للجصاص)

۱۴۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ نے اس آیت کو شراب حرام کرنے والی آیت کے نام سے یاد کیا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے پڑھا اور اس آیت کا مطلب حرمت شراب بتایا۔صحابہ کرام ﷺ نے قرآن مجید حضور اکرم ﷺ سے پڑھا اور اس آیت کو حرمتِ شراب کا اعلان سمجھا۔اب چودہ سو سال بعد کسی عام عالم سے قرآن پڑھنے والے اگر شراب کو حرام کہنے سے انکار کریں تو فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں کہ ان میں سے کون صحیح ہے؟

شراب کے متعلق بائبل کا بیان

1. Now the Lord instructed Aaron, "Never drink wine or strong drink when you go into the Tabernacle, lest you die; and this rule applies to your sons and to all your descendants from generation to generation. Your duties will be to arbitrate for the people, to teach them the difference between what is holy and what is ordinary, what is pure and what is impure. (The Living Bible 1975: Leviticus:10:8-10)

اب خداوند نے ہارون (علیہ السلام) کو حکم دیا: جب تم عبادت خانہ میں جاؤ اور تمہیں مرنے کا خطرہ نہ ہو تو کبھی بھی شراب نہ پیو۔یہ حکم تیرے بیٹوں اور تیری اولاد سے آنے والی تمام نسلوں کے لئے نافذ العمل ہے۔تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ تم لوگوں کو پاک اور ناپاک کا فرق بتاؤ۔

2. Don't let the sparkle and the smooth taste of strong wine deceive you. For in the end it bites like a poisonous serpent; it stings like an adder. You will

see hallucinations and have delirium tremens, and you will say foolish, silly things that would embarrass you no end when sober. You will stagger like a sailor tossed at sea, clinging to a swaying mast.

(The Living Bible 1975:Proverbs:23: 31-34)

جگمگ کرتے خوش گوار شراب کو یہ موقع نہ دو کہ وہ تمہیں دھوکہ دے کیونکہ آخرکار شراب ایک زہریلے سانپ کی طرح کاٹتا ہے۔ اس میں فریبِ نظر اور دیوانگی ہے۔ تو حماقت اور بے وقوفی کی باتیں کرے گا اور جب تو ہوش میں آئے گا تو یہ باتیں تجھے پریشان کریں گی۔ تو سمندر میں پھینکے گئے ملاح کی طرح ڈگمگائے گا جو کہ ڈگمگاتی لکڑی کے شہتیر کے ساتھ چمٹا ہوا ہو۔

3. Don't drink too much wine, for many evils lie along that path; be filled instead with the Holy Spirit, and controlled by him.

(The Living Bible 1975:Ephesians:5:18)

زیادہ شراب نہ پیو کیونکہ اس میں بہت سی برائیاں ہیں۔ اس کے بجائے مقدس روح سے اپنے آپ کو شرابور رکھو۔

شراب پینا حرام ہے

۱۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں شراب کے متعلق حرام کا لفظ نہیں ہے، لہٰذا شراب پینے کو حرام کہنا درست نہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن مجید میں شیر، چیتا، کتا، بلی اور چیل وغیرہ کا گوشت کھانے کے متعلق بھی حرام کا لفظ نہیں ہے تو جو لوگ حدیث کی رو سے کتے اور بلی کا گوشت کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ (مسلم:۴۹۹۶: کتاب الصید: باب ۳، ابن ماجہ: ۳۲۵۰: ابواب الصید: باب ۲۰) انہیں حدیث کی رو سے شراب کو حرام سمجھنے میں کیا رکاوٹ ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔'' (مسلم:۵۲۱۹: کتاب الاشربۃ: باب ۷)

۲۔ قرآن مجید میں شراب پینے کے متعلق رجس کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ حرام کا ہم معنیٰ ہے۔ (لسان العرب) لہٰذا شراب حرام ہے۔

۳۔ رجس کا لغوی معنیٰ گندگی اور پاخانہ ہے اور یہ ایسا بدیہی حرام ہے جس کو مسلمان اور غیر مسلم دونوں فطری طور پر حرام سمجھتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں، لہٰذا کسی چیز کو رجس کہہ دینا اسے حرام کہنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

۴)۔ سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۴۶ میں مردار اور خنزیر کے گوشت کو حرام کہا گیا ہے اور اس کی وجہ بیان کی گئی کہ وہ رجس (ناپاک) ہیں اور اس آیت میں شراب کو بھی رجس کہا گیا ہے۔ اب اگر مردار اور خنزیر کا گوشت رجس ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تو شراب بھی حرام ہے کیونکہ قرآن مجید نے اس کو بھی رجس کہا ہے۔

۵۔ کوئی بھی حرام کام جس کے ارتکاب سے انسان گھبراتا ہے شراب کا نشہ اس کے لئے آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ

شراب کا نشہ حرام کام کے ارتکاب کا سبب بن سکتا ہے اس لئے شراب حرام ہے، جیسا کہ ایک صحابی نے شراب کے نشہ میں قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھا جس سے کفر لازم آتا ہے اور ایک عابد نے شراب کے نشہ میں بدکاری اور قتل ناحق کا ارتکاب کیا۔ (ان کے حوالہ جات اسی حاشیہ میں گزر چکے ہیں۔)

۶۔ شرابی جنت میں نہیں جائے گا۔ (نسائی: ۲۵۶۳: کتاب الزکوۃ: باب ۶۹) اور جنت میں وہی نہیں جاتا جو حرام کام کرتا ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۷۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو بت پرستی کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور بت پرستی حرام ہے، لہٰذا شراب بھی حرام ہے۔

۸۔ یہ شیطانی کام ہے اور شیطان انسان کو حرام کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۹۔ نماز سے روکنا حرام ہے۔ (تفسیر ابن عباس: سورۃ الجمعۃ) اور شراب کا نشہ نماز میں رکاوٹ بنتا ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۱۰۔ اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے اور شراب کا نشہ اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۱۱۔ شراب کے ذریعہ شیطان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض پیدا کرنا حرام ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۱۲۔ شراب کے ذریعہ شیطان انسانوں میں عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت پیدا کرنا حرام ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

نوٹ: شراب کے نشہ میں انسان ایسی راز کی باتیں کہہ جاتا ہے جو آپس میں بغض اور عداوت کا سبب بن جاتی ہیں۔

۱۳۔ شراب دولت کو ضائع کرتی ہے اور اپنی دولت کو ضائع کرنا حرام ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۱۴۔ شراب سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں جیسے Cirrhosis of liver اور دانستہ اپنے آپ کو بیمار کرنا حرام ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۱۵۔ عقل انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے اور شراب کے نشہ میں انسان جانور بن جاتا ہے تو جو چیز انسان کو جانور بنا دے اسے حرام نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

۱۶۔ عقل انسان کو حرام سے بچاتی ہے لیکن شراب عقل کو ضائع کرتی ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

۱۷۔ شراب سے اجتناب کرنے کا حکم ہے اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

۱۸۔ شراب سے اجتناب کرنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے ارتکاب میں دنیا و آخرت کی ناکامی ہے اور جو چیز دونوں جہاں میں ناکامی کی موجب ہو وہ حرام ہے۔

۱۹۔ شراب کے نشہ میں انسان ایسی راز کی باتیں کہہ جاتا ہے جن سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ جو چیز انسان کی زندگی کے لئے خطرہ ثابت ہو سکے اسے حرام نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

۲۰۔ بائبل میں لکھا ہے کہ شراب کا نشہ انسان کے لئے بے وقوفی، حماقت اور دیوانگی کا باعث ہے جو بالآخر انسان کو

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور محتاط رہو، [۱۲۷] پھر اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف (احکام کو) صاف طور سے پہنچا دینا ہے۔

لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا

۹۳۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ (ان احکام کے نازل ہونے سے

زہریلے سانپ کی طرح کاٹتا ہے۔ (لیونگ بائبل: امثال: ۲۳: ۳۱۔ ۳۴) زہریلے سانپ کے قریب جانا حرام ہے، لہٰذا شراب کے قریب جانا بھی حرام ہے۔

۲۱۔ الغرض جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ناپاک، پلید اور شیطانی عمل فرمایا اور ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اگر وہ حلال ہیں تو پھر حرام کون سی چیزیں ہوں گی؟

نوٹ: شراب کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ کا حاشیہ نمبر ۲۷۸ ملاحظہ فرمائیں۔

شرابی کی سزا

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لئے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا اسے جوتے، ڈنڈے اور مکے وغیرہ مارے جاتے۔ (تفسیر قرطبی) البتہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شرابی لایا گیا تو اسے تقریباً ۴۰ ڈنڈے مارے گئے۔ (مسلم: ۴۴۵۲: کتاب الحدود: باب ۸) حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ (بخاری: ۶۷۷۳: کتاب الحدود: باب ۲) حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی زمانے میں بھی چالیس کوڑوں کی سزا ہی برقرار رہی، پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ شراب پینے سے باز نہیں آتے اور اس کے مفاسد بڑھتے جا رہے ہیں تو صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے اسی کوڑے سزا مقرر کر دی۔ (بخاری: ۶۷۷۹: کتاب الحدود: باب ۴) اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ شرابی جب مدہوش ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور تہمت لگاتا ہے اور تہمت کی سزا قرآن مجید میں اسی کوڑے ہے، لہٰذا شرابی کو بھی اسی کوڑے لگائے جائیں۔ (تفسیر الستار)

[۱۲۷] یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام قرآن مجید میں نازل فرمائے یا جن احکام کی نشاندہی حضور اکرم ﷺ نے حدیث پاک میں فرمائی، تم ان سب کی نافرمانی سے بچو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا اور ان احکام سے روگردانی کی تو پھر یاد رکھو حضور اکرم ﷺ کا جو فرضِ تبلیغ تھا وہ تو انہوں نے پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کر دیا ہے اب تمہارے پاس کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۟ ع

پہلے) کھا پی چکے [۱۲۸] جبکہ وہ پہلے بھی (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے، پھر (ان احکام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے، پھر (ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے، اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۟

۹۴۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے شکار سے ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں [۱۲۹] تاکہ اللہ یہ جان لے (پہچان کرادے) کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، سو جس نے (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

---

[۱۲۸] جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام ؓ اپنے مرنے والے مسلمان بھائیوں کے متعلق پریشان ہو گئے اور پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا جو اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے فوت ہو چکے ہیں حالانکہ وہ شراب پیتے تھے۔'' تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ (ان احکام کے نازل ہونے سے پہلے) کھا پی چکے۔'' (مسند احمد: جلد اول: ص ۲۳۴) کیونکہ اس وقت شراب پینا گناہ نہیں تھا، لہٰذا وہ نافرمان نہیں تھے بلکہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ تھے اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''اگر ان کے زمانہ میں شراب حرام کی جاتی تو وہ بھی شراب چھوڑ دیتے جس طرح تم نے چھوڑ دی ہے۔'' (تفسیر درمنثور و تفسیر ابن کثیر) نیز اس آیت میں صحابہ کرام ؓ کو تسلی دی جارہی ہے کہ جو مسلمان اس حکم کے نزول سے پہلے شراب پیتے تھے انہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ پہلے اس کی اجازت تھی۔ ہاں اس حکم کے نازل ہونے کے بعد جو شراب پئیں گے وہ قابل گرفت ہوں گے اور جو توبہ کر کے تقویٰ اور احسان کے راستہ پر گامزن رہیں گے ان سے گذشتہ شراب پینے پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ، تقویٰ اور اچھے کاموں کے عوض ان سے محبت کرے گا۔

[۱۲۹] اہل عرب کو شکار سے ایک خصوصی دلچسپی تھی کیونکہ ان میں سے اکثر جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے گزر اوقات کیا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو، اور تم میں سے جس نے جان بوجھ کر شکار کو قتل کیا تو اس کی جزا یہ ہے [۱۳۰] کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے (اور وہ) یہ کہ چند مساکین کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا چکھے، جو گزر چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، [۱۳۱] اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے انتقام لینے والا ہے۔

کرتے تھے، لیکن احرام کی حالت میں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں شکار کرنے سے منع فرما دیا تو یہ ان کے لئے بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ شکار کثرت سے موجود ہوں اور ان کو پکڑنا یا نشانہ بنانا بالکل آسان ہو۔ اس حکم سے اہل ایمان کا امتحان لیا جا رہا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ کون اللہ تعالیٰ سے ڈر کر شکار سے باز رہتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے دردناک عذاب کا مستحق بنتا ہے، نیز حلال شکار سے عارضی طور پر اجتناب کرنے سے انسان کے اندر ضبطِ نفس کا جذبہ مضبوط ہو جاتا ہے جو بالآخر اسے حرام کاموں سے اجتناب کرنے میں مدد دیتا ہے۔

[۱۳۰] حالتِ احرام میں شکار کرنا منع ہے لیکن اگر کوئی انسان احرام کی حالت میں جان بوجھ کر شکار کو مار ڈالے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ درج ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل کرے:

۱۔ شکار کردہ جانور کی قیمت کا اندازہ اس علاقے کے دو معتبر آدمی کریں جس علاقے میں وہ شکار کیا گیا، پھر شکار کرنے والا اس قیمت سے جانور خریدے اور اس جانور کو حرم میں لا کر ذبح کرے اور وہاں کے فقراء میں اس کا گوشت تقسیم کر دے۔

۲۔ یا اس قیمت سے غلہ خریدے اور دو کلوگرام گندم یا چار کلوگرام کھجور فی کس کے اعتبار سے اسی علاقے میں یا حرم شریف میں لا کر مسکینوں میں تقسیم کر دے۔

۳۔ یا اس کی قیمت سے دو کلوگرام گندم فی کس کے اعتبار سے جتنے مسکینوں میں وہ غلہ تقسیم ہو سکتا ہے اتنے روزے رکھے یعنی اس کی قیمت سے اگر دس کلوگرام گندم مل سکتی ہے تو یہ گندم پانچ مسکینوں میں تقسیم ہو گی، لہٰذا یا تو پانچ مسکینوں میں یہ گندم تقسیم کر دے یا پانچ روزے رکھ لے۔

[۱۳۱] اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے جس کسی نے احرام کی حالت میں شکار کیا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے لیکن اس

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لئے اور خشکی کا شکار تم پر حرام کیا گیا ہے جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، [۱۳۲] اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ

۹۷۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنایا ہے [۱۳۳] اور حرمت والے مہینہ

حکم کے بعد جس نے احرام کی حالت میں شکار کیا تو وہ توبہ کرے اور مذکورہ تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ اس کا تاوان بھی ادا کرے اور اگر وہ تاوان ادا نہیں کرے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے انتقام اور عذاب کا شکار ہوگا۔

نوٹ: موذی جانور مثلاً سانپ، بچھو اور باؤلا کتا وغیرہ کو احرام کی حالت میں بھی مارنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ انسانی جان کے لئے خطرہ ہیں جس کی حفاظت فرض ہے۔

[۱۳۲] حج وعمرہ پر انسان اس لئے جاتا ہے تاکہ زندگی کے کچھ ایام صرف اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے وقف کردے، اس لئے ایسی چیزوں سے اسے منع کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں رکاوٹ بن سکتی ہیں جن میں سے ایک شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں خشکی کا شکار منع کردیا کیونکہ اس کے مواقع بہت زیادہ تھے لیکن پانی کے شکار کی اجازت دے دی کیونکہ اس کا موقع بہت کم میسر آتا ہے۔ حرم شریف کی حدود میں تو کوئی دریا یا نہر ہے ہی نہیں کہ ان میں شکار کیا جائے، البتہ وہ لوگ جو سمندر کے راستے سے مکہ حاضری دیتے ہیں انہیں احرام کے بعد محدود وقت کے لئے سمندر میں شکار کا موقع مل سکتا ہے اور بعض دفعہ سمندر میں زادِ راہ ختم ہو جانے سے شکار ان کی ضرورت بھی بن سکتا ہے، لہٰذا انہیں سمندری شکار کی اجازت ہے تاکہ وہ شکار سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

اس آیت کے آخر میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو کیونکہ ایک دن سب کو اس کے حضور جمع ہونا ہے جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

نوٹ: خشکی کا شکار صرف احرام کی حالت میں حرام ہے۔ احرام کھولنے کے بعد اس کی اجازت ہے۔ پانی کا شکار ہر حالت میں جائز ہے چاہے احرام میں ہو یا بغیر احرام کے۔ حرم شریف کا شکار ہر حال میں حرام ہے چاہے احرام میں ہو یا بغیر احرام کے کیونکہ حرم میں رہنے والے جانور اللہ تعالیٰ کی امان میں ہیں۔

[۱۳۳] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی چیز کعبہ جو کہ عزت والا گھر ہے۔ دوسری چیز حرمت والے

وَالْقَلَآئِدَ ۗ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

کو اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ

۹۸۔ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے [۱۳۴] اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا (بھی) ہے۔

چار مہینے ہیں یعنی رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجۃ اور محرم۔ (ذوالقعدۃ اور ذوالحجۃ میں لوگ حج کے لئے سفر کرتے۔ محرم میں حج سے واپس جاتے اور رجب میں عمرہ کے لئے سفر کرتے)۔ تیسری چیز قربانی کے جانور جن کو حاجی حرم شریف میں ذبح کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور چوتھی چیز وہ جانور جن کو حاجی حرم شریف میں ذبح کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جاتے اور ان کے گلے میں قربانی کی نشانیاں آویزاں کر دیتے تھے۔

ان مذکورہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص عزت اور عظمت عطا فرمائی ہے یعنی ان چیزوں کو لوگوں کی امن و سلامتی، حفظ و بقاء اور طلب معاش کا سبب بنایا، نیز بہت سے دینی اور دنیاوی معاملات بھی ان سے وابستہ کر دیئے۔

عرب کے اکثر لوگ غریب تھے۔ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے اور اکثر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے۔ تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے۔ نہ کوئی حکومت تھی اور نہ کوئی قانون بلکہ ہر طرف بدامنی اور خوف و ہراس کا دور دورہ تھا۔ اگر سارا سال حالات ایسے ہی رہتے تو کمزور قبیلے ظلم کی چکی میں پس کر رہ جاتے اور غریب بے چارے بھوک سے مر جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اس نے اہل عرب پر کرم فرمایا اور ان کے دلوں میں کعبہ، حرمت والے مہینے اور قربانی کے جانوروں کا احترام پیدا کر دیا جس کی بدولت سال کا تیسرا حصہ یعنی پورے چار مہینے وہ لوٹ مار اور قتل و غارت سے باز آ جاتے اور اس طرح پورے ملک میں تجارتی قافلے امن و سکون کے ساتھ سفر کرتے اور غریب لوگ ان چار ماہ میں تجارت کے ذریعہ سال بھر کی معیشت جمع کر لیتے اور حرم شریف میں تو بہت بڑی سالانہ منڈی کا انتظام ہوتا تھا۔ اس طرح اہل عرب کی معاشی کفالت کا سامان پیدا ہو جاتا اور قربانی کے جانور حرم شریف میں پہنچ جاتے اور اس بے آب و گیاہ علاقہ کے غریب لوگوں کی معیشت کو بھی سہارا مل جاتا اور حرم شریف کو تو پورے سال کے لئے ایسی عزت عطا فرمائی کہ باپ کا قاتل بھی اگر وہاں آ جاتا تو اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا جاتا۔ ان دنیاوی مفادات کے علاوہ حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ کعبہ تھا اور قربانی کے جانور حرم شریف تک لے جانے کا ذریعہ حرمت والے مہینے تھے ورنہ قافلوں کو لوٹ لیا جاتا۔

[۱۳۴] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے اور جو توبہ کر کے فرمانبردار بن

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ رسول پر تو صرف پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہے، [۱۳۵] اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

۱۰۰۔ آپ فرمادیجئے! ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو اچھی لگتی ہو، [۱۳۶] اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

جائے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کو دیکھ کر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ خلوصِ نیت سے توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ اسی طرح اس کی وسیع رحمت کو دیکھ کر نافرمانی کی جرأت نہ کرو ورگرنہ اس کی سزا بھی بہت سخت ہے۔ الغرض ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھنا اور دوسری طرف اس کی سزا سے ڈرتے رہنا ایسا حسین توازن ہے جس سے انسان کے ایمان میں نکھار اور اس کے اعمال میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ امام ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر مؤمن کے خوف (خداوندی) اور اس کی امید (رحمت) کا وزن کیا جائے تو دونوں کا وزن برابر ہوگا۔ (زہرۃ التفاسیر)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نرمی کی آیت سختی کی آیت کے ساتھ اور سختی کی آیت نرمی کی آیت کے ساتھ ذکر فرمائی تاکہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی رغبت اور اس کی سزا کا خوف پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے باطل امید نہ کرنے لگے اور اپنے آپ کو تباہی میں نہ ڈالے۔ (تفسیر درمنثور)

[۱۳۵] حضورِ اکرم ﷺ کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانوں تک پہنچادیں جو آپ نے پوری دیانتداری کے ساتھ پہنچادیا۔ اب اس پر عمل کرنا انسانوں کی ذمہ داری ہے اور جو اس پر عمل نہیں کرتے انہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن، ان کے قول و فعل اور ان کے نفاق و اخلاص سے خوب آگاہ ہے اور اسی کے مطابق وہ انسانوں کو ثواب اور عذاب دے گا، یعنی جو حضورِ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے فیضیاب ہوں گے اور جو اس کا انکار کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے دوچار ہوں گے۔

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پوری دیانتداری کے ساتھ پہنچادیا، اب امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پیغامِ حق کو آنے والی نسلوں تک پہنچائے اور اس میں کمی بیشی نہ کرے اور جو اس میں سے کچھ چھپانے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے ظاہر و باطن سے خوب آگاہ ہے اور ان کی نیتوں کے مطابق انہیں جزا اور سزا دے گا۔

[۱۳۶] دنیا میں ناپاک چیزیں بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی انسان ان کی کثرت سے مرعوب ہوکر ان کو اچھا تصور کرنے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ

۱۰۱۔ اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں، [۷-۱۳] اور اگر تم ایسے وقت پوچھو گے جب قرآن نازل کیا جارہا

لگے یا ان کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر ان کا گرویدہ ہوجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ناپاک چیزیں اچھی ہوگئی ہیں۔ بلکہ جس طرح خیر وشر، روشنی وتاریکی، عالم وجاہل اور دوزخی وجنتی برابر نہیں ہوسکتے اسی طرح ناپاک چیزیں بھی پاک چیزوں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔

الغرض کسی چیز کے اچھا یا برا ہونے میں کسی انسان کی ذاتی پسند کا دخل نہیں ہے اور نہ ہی کسی چیز کی کثرت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اچھی ہے۔ دراصل جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند کرے وہی پاک بھی ہے اور اچھی بھی، چاہے وہ بہت کم ہو اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرے وہ ناپاک بھی ہے اور بری بھی چاہے وہ بہت زیادہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی خاصیت اور انسانی ضرورت دونوں سے بخوبی آگاہ ہے اور انسان کے لئے وہی چیزیں پسند کرتا ہے جو اس کے لئے مفید ہیں، لہٰذا اہل عقل کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور ناپاک سے دامن بچا کر پاک لوگوں اور پاک چیزوں سے وابستہ رہنا چاہیے تاکہ فلاح دارین کے مستحق قرار پائیں۔

[۷-۱۳] بعض لوگ حضور اکرم ﷺ سے عجیب وغریب اور غیر ضروری سوالات پوچھتے جو حضور اکرم ﷺ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سوالات سے منع فرمایا، مثال کے طور پر:

۱۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے ازراہِ مذاق سوال کرتے تھے۔ کوئی کہتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کوئی پوچھتا: میری اونٹنی گم ہوگئی ہے وہ کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (بخاری: تفسیر القرآن: سورہ المائدہ) صحابہ کرام ﷺ کا بارگاہ نبوی کا ادب واحترام ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسے سوالات کرتے ہوں گے۔ غیر شعوری طور پر اور لاعلمی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو تو الگ بات ہے، البتہ اس وقت منافقین بھی بظاہر مسلمان ہی شمار ہوتے تھے اس لئے میرے خیال میں ایسی ناشائستہ حرکات کے اصل محرک منافقین ہی ہوں گے۔

۲۔ حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ سے بکثرت سوال کرتے اور بار بار اصرار کرتے، تو ایک دن حضور اکرم ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا: آج تم جس چیز کے متعلق مجھ سے سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے بارے میں کھول کر بیان کروں گا۔ (پوچھو کیا پوچھتے ہو؟) حضرت انس ﷺ کہتے ہیں: یہ سن کر میں نے دائیں بائیں دیکھا ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے ہوئے رو رہا تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ ﷺ جن کے نسب کے متعلق لوگ شبہ کرتے تھے اُٹھے اور عرض کی: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ (آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ سوال میرے علم سے بالاتر ہے بلکہ اپنے خداداد وسیع علم کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے ---
(مسلم: ۶۱۲۳: کتاب الفضائل: باب ۳۷)

عَنۡهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾

ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے ان (گزشتہ فضول سوالات) کو معاف کر دیا ہے، [۱۳۸] اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہٰذا حج کرو، تو ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال (حج فرض ہے)؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ اور سہ بارہ اپنا سوال دہرایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہوتا۔ (مسلم: ۳۲۵۷: کتاب الحج: باب ۷۳)

نبی اس مقدس انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب اور مستقبل کی خبریں دیتا ہے۔ (المنجد) لہٰذا اس کی بارگاہ میں ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جن کا اظہار تمہارے لئے مشکلات پیدا کر دے اور پھر پچھتانے لگو کہ کاش یہ سوال نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ ان کا باپ کون ہے؟ خدانخواستہ اگر ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے کوئی اور ہوتے تو وہ خود بھی رسوا ہو جاتے اور ان کی ماں کی ناموس بھی داغدار ہو جاتی۔ اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا: کیا ہر سال میں حج کرنا فرض ہے؟ اگر آپ ہاں فرما دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان اس کے سوال کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہو جاتے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں ان کو ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے ان میں ملوث نہ ہو اور بعض چیزوں کے متعلق دانستہ سکوت فرمایا ہے ان کے متعلق بحث نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی: جلد ۱۰: ص ۱۲)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال بالکل نہ کیا جائے بلکہ کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لئے، کسی حکم کی وضاحت کے لئے اور کسی اشتباہ کو دور کرنے کے لئے سوالات کرنے جائز ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے سوال کرو۔ (قرآن: ۱۶: ۴۳) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہالت (ایک بیماری ہے اور اس) کی شفا سوال کرنا ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۳۳۶: کتاب الطہارۃ: باب ۱۲۵) اور اس آیت کے آخری حصہ میں بھی اس طرف اشارہ ہے: ''اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔'' یعنی نزول قرآن کے وقت جو حکم مجمل یا سمجھ سے بالاتر ہو اس کے متعلق سوال کرو تا کہ وضاحت کر دی جائے۔

[۱۳۸] اس حکم کے نزول سے پہلے جو بے مقصد سوالات تم پوچھا کرتے تھے اور ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچی اللہ تعالیٰ

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، پھر وہ لوگ ان (میں بیان کردہ) احکام کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ [۱۳۹]

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، [۱۴۰] لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

نے تمہاری اس کوتاہی کو معاف کر دیا ہے لیکن آئندہ ایسے فضول سوالات نہ کرو جو حضورِ اکرم ﷺ کی طبیعت پر گراں گزریں۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تو بہت اعلیٰ اور ارفع ہے مسلمان کو تو کسی عام آدمی سے بھی ایسی فضول اور بے مقصد گفتگو نہیں کرنی چاہئے جس سے اس کی دل آزاری ہو۔ اس لئے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ (ترمذی: ۲۳۱۷: ابواب الزھد: باب ۱۱)

[۱۳۹] یعنی تم سے پہلے بھی بعض قوموں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام سے ایسے غیر ضروری سوالات کئے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کے بجائے اپنے کفر پر قائم رہے اور احکام خداوندی پر عمل کرنے کے بجائے بے عملی میں سرگرم رہے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے اونٹنی کا سوال کیا اور جب وہ اونٹنی آ گئی تو اس ظالم قوم نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم قوم کو ہلاک کر دیا۔ (قرآن: ۷: ۷۳ تا ۷۸) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت کے ذریعہ تنبیہ کی ہے کہ وہ سوالات میں پہلی اُمتوں کے راستہ پر نہ چلیں اور حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرو اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو بجا لاؤ جتنی تمہاری استطاعت ہے کیونکہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (مسلم: ۶۱۱۳: کتاب الفضائل: باب ۳۷)

[۱۴۰] اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کرتے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا اپنے اوپر حرام کر لیتے۔ ان جانوروں کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں:

۱۔ بحیرۃ

اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ اگر نر ہوتا تو اس اونٹنی کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا یا اسے ذبح کرنا اپنے اوپر حرام کر لیتے۔ جس کسی کے کھیت میں وہ اونٹنی جاتی سبھی اس کا احترام کرتے اور کوئی اسے روکتا نہیں تھا۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ۝۱۰۴

۱۰۴۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ اس (دین) کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور آؤ (اس کے) رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہم کو تو وہی (طریقہ) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، [۱۴۱] اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوں (تو کیا پھر بھی یہ اپنے باپ دادا کی ہی پیروی کریں گے۔)

۲۔ سائبة

اگر کوئی آدمی سفر پر جاتا یا بیمار ہوتا تو وہ نذر مانتا کہ اگر وہ خیریت سے گھر آ گیا یا بیماری سے صحت یاب ہو گیا تو اس کی فلاں اونٹنی سائبہ ہو گی اور اس کا دودھ، گوشت اور اس پر سواری بحیرہ کی طرح حرام تصور کرتے۔

۳۔ وصیلة

ان کی بکری اگر بچی جنتی تو اسے اپنے لئے رکھ لیتے اور بچہ جنتی تو وہ بتوں کا ہوتا اور اگر ایک شکم سے بچی اور بچہ دونوں جنتی تو پھر بچی کو بھی بچے کے ساتھ ملا کر بتوں کی نذر کر دیتے۔ بتوں کے نام پر چھوڑی ہوئی اس بکری کو وصیلہ کہتے تھے۔

۴۔ حام

وہ اونٹ جس کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہو جاتے اس کی سواری وغیرہ بھی اپنے اوپر حرام کر لیتے اور اسے حام کہا جاتا۔ مذکورہ جانوروں کا دودھ اور گوشت وغیرہ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا مگر کفار اپنے من گھڑت تصورات سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور دعویٰ یہ کرتے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان جانوروں کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ دراصل یہ لوگ خود بے وقوف ہیں اور حلال چیزوں کو بلا وجہ حرام قرار دے کر ان نعمتوں کو ضائع کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے استفادہ سے محروم کر رہے ہیں۔

نوٹ: مذکورہ جانور دراصل حلال ہیں اور یہ جانور جب مال غنیمت کی صورت میں اہل ایمان کے قبضہ میں آ جاتے تو وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کر کے کھایا کرتے تھے۔ صرف بحیرہ اور وصیلہ وغیرہ کے ناموں سے شہرت انہیں حرام نہیں کر سکتی بشرطیکہ ذبح کرنے یا کرانے والے کا مقصد غیر اللہ کی عبادت نہ ہو۔ اسی طرح اگر جانور کو صدقہ، عقیقہ، ولیمہ، قربانی اور ایصالِ ثواب کے لئے کسی بزرگ یا والدین کے نام سے پکارا جائے اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے اور اگر ہم ان جانوروں کو اس لئے حرام قرار دیں کہ وہ غیر اللہ کی طرف منسوب ہیں تو پھر وصیلہ اور بحیرہ وغیرہ بھی حرام ہونے چاہییں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حلال قرار دیا ہے، لہٰذا اہل اسلام کو بھی عقل سے کام لینا چاہیے اور کفار کی طرح حلال جانوروں کو حرام قرار دینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

[۱۴۱] کفار کو جب شرک اور بت پرستی سے باز آنے اور قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے لئے دعوت دی جاتی

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۵۔ اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، [۱۴۲] اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

تو کہتے: ہمیں تمہاری رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے تو صرف وہ راستہ کافی ہے جس پر ہمارے باپ دادا چلا کرتے تھے اور ہم صرف اپنے باپ دادا کی ہی تقلید کریں گے، اور جب کوئی خوش نصیب دعوتِ حق کو قبول کرتے ہوئے مسلمان ہو جاتا تو کفار اس پر طعنوں کی بارش برسا دیتے کہ تو نے اپنے باپ دادا کو بے وقوف قرار دیا اور ان کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ان کے باپ دادا جاہل اور گمراہ ہوں تو کیا وہ پھر بھی اپنے باپ دادا ہی کی پیروی کریں گے یعنی اگر ان کے باپ دادا اہل علم اور ہدایت یافتہ ہوتے تو ان کی پیروی درست تھی لیکن جب ان کے اسلاف خود گمراہ ہوں تو ان کی پیروی ان کو بھی گمراہی میں لے جائے گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے پاس اپنے کفر پر قائم رہنے کے لئے اپنے باپ دادا کی تقلید کے علاوہ کوئی اور عقلی یا نقلی دلیل نہیں تھی اور کسی نظام کی صداقت کے لئے یہ دلیل ناکافی ہے اور دنیا کا کوئی اہل عقل و دانش اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں جاہل اور گمراہ لوگوں کی تقلید سے منع کیا گیا ہے چاہے وہ گمراہ کسی کے باپ دادا ہی کیوں نہ ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ تقلید تو صرف اہل علم اور ہدایت یافتہ لوگوں کی مناسب ہے چاہے وہ ہدایت یافتہ لوگ کسی بھی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ صحیح عالم اور ہدایت یافتہ وہی ہوگا جس کا قول وفعل قرآن وسنت کے مطابق ہو تو ان کی تقلید کرنے والا دراصل قرآن وسنت پر عمل کرتا ہے۔

ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مقلدین اپنے امام کے قول پر اس لئے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کے امام کا قول ہے بلکہ اس قول پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ان کا قول قرآن وسنت کی کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہے، اور ائمہ کرام کی خدا خوفی اور نیک نفسی کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے کہا: اگر ہمارا کوئی قول کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو ہمارا قول مسترد کر دو اور حدیث پر عمل کر دو ہی ہمارا مذہب ہے، نیز ایک عام آدمی کا علم اتنا وسیع نہیں ہوتا کہ وہ قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کر سکے، اس لئے اسے کسی ایسے عالم باعمل کی طرف رجوع کرنا ہی پڑتا ہے جو قرآن وحدیث کا عالم ہوتا کہ انسان اس کی تقلید کرتے ہوئے قرآن وسنت کا منشاء پورا کر سکے۔ الغرض کسی کو اپنا رہبر و مقتدا بنانے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لو کہ جس مقصد کے لئے تم اس کو رہبر بنا رہے ہو کیا وہ اس مقصد کا پورا علم رکھتا ہے؟ اور اگر علم رکھتا ہے تو کیا اس کا عمل اپنے علم کے مطابق ہے؟ اگر اس کا علم صحیح اور عمل درست ہے تو اس کی پیروی ذریعہ نجات ہے۔

نوٹ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط قرآن مجید کی طرف آنا کافی نہیں بلکہ صاحب قرآن نبی مکرم ﷺ کی طرف بھی رجوع ضروری ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس ہی قرآن مجید کے ثبوت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

[۱۴۲] مسلمانوں نے کفار کو اسلام کی طرف بلانے کی پوری کوشش کی لیکن وہ اپنے باپ دادا کی جہالت اور گمراہی پر قائم رہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا شَهَادَةُ بَيۡنِكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ حِيۡنَ الۡوَصِيَّةِ اثۡنٰنِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ اَوۡ اٰخَرٰنِ مِنۡ غَيۡرِكُمۡ اِنۡ اَنۡتُمۡ ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ

۱۰۶۔ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت قریب) آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو آپس میں تمہاری گواہی کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو عادل آدمی (گواہ ہوں) یا اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور وہاں تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے تو

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، اس کے باوجود اگر وہ گروہ گمراہی پر مُصر ہیں تو تمہیں ان کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی اصلاح اور سلامت روی میں سرگرم رہو۔ اگر تم خود راہِ راست پر ثابت قدم رہے تو کسی کی گمراہی تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گی، اور بالآخر سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں ہر ایک کے اعمال اس کے سامنے ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ نیک لوگ اپنی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور برے لوگ اپنی برائیوں کے عذاب سے پریشان ہوں گے۔

اس آیت سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو۔ انہیں برائی سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے خطبہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تم یہ آیت (قرآن: ۵: ۱۰۵) تلاوت کرتے ہو اور اس کا مطلب غلط سمجھتے ہو۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔'' اور ہیثم کی روایت ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں، پھر وہ نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔''

(ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۳۳۸ رترمذی: حدیث نمبر ۳۰۵۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: کچھ لوگ قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کو مشرک بھی کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تیرا یہ خیال ہو کہ میں تمہیں حکم دوں کہ ان سے جا کر لڑائی کرو۔ ہرگز نہیں بلکہ انہیں نصیحت کرو اور اختلاف سے منع کرو، پس اگر وہ تیری بات ماننے سے انکار کر دیں تو پھر تم ان کی فکر چھوڑ دو اور اپنی فکر کرو۔ (تفسیر دُرِّ منثور)

ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے لیکن اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ لوگ اپنی خواہشات کے غلام بن جائیں اور داعی کے لئے مشکلات اور خطرات پیدا کر دیں تو پھر داعی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی فکر کرے اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے، خواہش کی

فَاَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِىۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى‌ۙ وَلَا نَكۡتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الۡاٰثِمِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾

غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں) [۱۴۳] اگر تمہیں ان پر شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو روک لو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ''ہم اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے اگر چہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم اللہ تعالیٰ کی گواہی نہیں چھپائیں گے (اگر ہم ایسا کریں تو) یقیناً ہم گناہگاروں میں شمار ہوں گے۔''

پیروی کی جارہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور عام لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو۔'' (ترمذی: حدیث نمبر ۳۰۵۸)

[۱۴۳] حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں ایک خاص واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو ان آیات کے نازل ہونے کا سبب بنا۔ وہ واقعہ کچھ اس طرح ہے:

ایک مسلمان جس کا نام بُدَیل ؓ تھا وہ دو عیسائی حضرات یعنی تمیم اور عدی کے ہمراہ تجارت کی غرض سے ملک شام گیا۔ بُدَیل ؓ شام پہنچا تو اچانک بیمار ہو گیا اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان کے اندر چھپا دی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے اپنے دونوں عیسائی ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ چنانچہ بدیل ؓ کا انتقال ہو گیا۔ تمیم اور عدی نے اس کا سامان کھولا۔ اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سنہری نقش ونگار تھے۔ وہ انہوں نے نکال لیا اور بقیہ سامان مدینہ پہنچ کر بدیل ؓ کے گھر پہنچا دیا۔ گھر والوں نے جب سامان کھولا تو انہیں سامان کی فہرست مل گئی جس کے مطابق چاندی کا پیالہ غائب تھا۔ میت کے اہل خانہ نے تمیم اور عدی سے پوچھا کہ میت نے اپنا کچھ مال فروخت کیا تھا یا نہیں؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا، تو میت کے اہل خانہ نے کہا کہ سامان سے جو فہرست ملی ہے اس کے مطابق چاندی کا پیالہ غائب ہے۔ جس پر تمیم اور عدی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد ان دونوں کو مسجد میں بلایا اور ان سے کہا: میت کے وارثوں کا دعویٰ ہے کہ تم نے چاندی کا پیالہ غائب کر دیا ہے۔ جب انہوں نے انکار کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے قسم لی۔ انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ انہیں چاندی کے پیالے کے متعلق کوئی علم نہیں۔ کچھ عرصہ بعد وہ پیالہ مکہ مکرمہ کے ایک سنار کے پاس پایا گیا اور اس نے بتایا کہ اس نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا تھا۔ چنانچہ جب مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا تو تمیم اور عدی نے دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے یہ پیالہ بدیل ؓ سے خرید لیا تھا۔ اب معاملہ برعکس ہو گیا کیونکہ تمیم اور عدی پیالے کے مدعی بن گئے حالانکہ وہ پہلے لاعلمی کا اظہار کر چکے تھے اور ان کے پاس پیالہ خریدنے کا کوئی گواہ نہیں تھا اس لئے

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے ہیں تو ان کی جگہ دو اور گواہ کھڑے ہوں ان لوگوں میں سے جن کا حق پہلے گواہوں نے ضائع کیا ہے، پھر (یہ نئے دونوں گواہ) اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ''ہماری گواہی ان دو کی گواہی سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، (اگر ہم ایسا کریں تو) یقیناً ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔''

بدیل ؓ کے وارثوں سے قسم لی گئی کہ یہ پیالہ ان (تمیم اور عدی) کا نہیں بلکہ بدیل ؓ کا ہے۔ تمیم اور عدی نے خیانت کی ہے اور ان کی خیانت سنار کے بیان سے ظاہر بھی ہو چکی ہے، لہٰذا ہماری گواہی ان سے زیادہ درست ہے۔ میت کے وارثوں کی قسم کے بعد تمیم اور عدی کی جھوٹی قسموں کو مسترد کر دیا گیا اور حضور اکرم ﷺ نے ان سے ہزار درہم لے کر بدیل ؓ کے وارثوں کو دے دیئے۔

ان تین آیات کو اِعراب، معنیٰ اور حکم کے اعتبار سے قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں شمار کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی) ان آیات سے درج ذیل احکام کی نشاندہی ہوتی ہے:

۱۔ جب کسی مسلمان کی موت کا وقت قریب آ جائے اور وہ وصیت کرنا چاہے تو وہ دو قابل اعتبار مسلمان گواہوں کی موجودگی میں وصیت کرے تا کہ بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

۲۔ اگر سفر کی حالت میں کسی مسلمان کی موت کا وقت قریب آ جائے اور وہ وصیت کرنا چاہے تو وہ بھی دو قابل اعتبار مسلمان گواہوں کی موجودگی میں وصیت کرے لیکن پردیس میں اگر مسلمان گواہ دستیاب نہ ہوں تو غیر مسلم گواہوں کے سامنے بھی وصیت کر سکتا ہے۔ اگرچہ مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قبول نہیں لیکن بعض فقہاء کے نزدیک پردیس میں وصیت کے لئے کافر کو گواہ بنایا جا سکتا ہے جب کہ کوئی مسلمان گواہ دستیاب نہ ہو سکے۔

۳۔ اگر میت کے وارثوں کو گواہوں پر خیانت کا شبہ پڑ جائے اور وہ خیانت کے منکر ہوں تو ان دونوں گواہوں سے نماز کے بعد مسجد میں لوگوں کے سامنے قسم لی جائے جس میں وہ دونوں گواہ اقرار کریں کہ وہ رشوت کا مال لے کر جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور نہ کسی رشتہ داری کی وجہ سے حق بات کو چھپائیں گے بلکہ ہر صورت میں سچی گواہی دیں گے۔ اس صورت میں وارث مدعی ہیں اور گواہ منکر ہیں اس لئے ان سے قسم لی جا رہی ہے کیونکہ اسلام میں مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو منکر سے قسم لی جاتی ہے۔

۴۔ بعد میں اگر ثابت ہو جائے کہ گواہوں نے جھوٹی قسم کھا کر وارثوں کے بعض مال پر ناجائز قبضہ کر لیا اور دعویٰ یہ کیا کہ ان کا قبضہ درست ہے (جیسا کہ تمیم اور عدی نے بدیل ؓ کے پیالے پر ناجائز قبضہ کر لیا اور پھر خریدنے کا جھوٹا دعویٰ کر

ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ‌ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ۝۱۰۸

۱۰۸۔ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں [۱۴۴] یا اس بات سے خوف کریں کہ (ورثاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو، اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

يَوۡمَ يَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا‌ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ۝۱۰۹

۱۰۹۔ جس دن اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر (ان سے) پوچھے گا: تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ وہ عرض کریں گے: ہمیں کوئی علم نہیں، [۱۴۵] بے شک تو ہی سب غیبوں کو جاننے والا ہے۔

دیا) ایسی صورت میں جھوٹے دعویداروں سے گواہ طلب کئے جائیں گے اور گواہ دستیاب نہ ہونے کی صورت میں میت کے وارث ان کے دعویٰ کے خلاف قسم اٹھائیں گے اور ان کی قسم سے سابق گواہوں کی جھوٹی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی اور وارثوں کی قسم کے مطابق فیصلہ صادر کر دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں جھوٹے گواہ مالک ہونے کے مدعی تھے اور وارث ان کے دعویٰ کے منکر تھے اس لئے وارثوں سے قسم لی گئی۔

[۱۴۴] یعنی نماز کے بعد مسجد میں لوگوں کے سامنے قسم لینے کا طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح گواہ جھوٹ بولنے سے اجتناب کریں گے اور وارث بھی کسی ناجائز چیز کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ دونوں کو علم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے گھر میں لوگوں کے سامنے اگر جھوٹی قسم اٹھائی اور کل کو جھوٹ ظاہر ہو گیا تو سب لوگوں کے سامنے رسوائی ہوگی جیسے تمیم اور عدی کی رسوائی ہوئی۔

[۱۴۵] اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے بنی نوع انسان کو اکٹھا فرمائے گا لیکن اس آیت میں صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے ذکر پر اس لئے اکتفا کیا کیونکہ امتیں انبیائے کرام علیہم السلام کے تابع شمار کی جاتی ہیں اور قیامت کے دن وہ بھی اپنے نبیوں کے ساتھ موجود ہوں گی۔ (تفسیر روح المعانی) لہٰذا امتوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کرے گا کہ ان کی تبلیغ کے جواب میں ان کی امتوں نے کیا کہا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود امتوں کے جواب سے خوب آگاہ ہے۔ اس پر انبیائے کرام علیہم السلام از راہ ادب و تعظیم عرض کریں گے: ہمیں کوئی علم نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اور کامل علم کے مقابلہ میں ہمارا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو ہماری نسبت بہتر جانتا ہے کیونکہ وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے احوال سے لاعلم ہیں۔ جن انبیائے کرام علیہم السلام کی

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَى ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡكُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّكَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا ۚ

۱۱۰۔ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اور اپنی والدہ پر میرا انعام یاد کرو، [۱۴۶] جب میں نے روح القدس (جبریل علیہ السلام) کے ذریعے

تکذیب کی گئی، جن کو زخمی یا قتل کیا گیا وہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی ان تکالیف سے کیسے لاعلم ہو سکتے ہیں، لیکن پھر بھی اپنی امتوں پر شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود خاموش ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جو سلوک ان کی امتوں کے ساتھ کرنا چاہتا ہے کرے۔ میدانِ حشر میں ہمارے شکوہ سے ان کی سزا میں کہیں زیادتی نہ ہو جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں از راہ ادب اور اپنی امت پر شفقت کی خاطر لاعلمی کا اظہار کریں گے لیکن درحقیقت وہ اپنی امتوں کے احوال سے لاعلم نہیں ہیں، وگرنہ وہ اپنی امتوں پر گواہی کیسے دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے آئیں گے اور (اے حبیبِ مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لے آئیں گے۔'' (قرآن: ۴:۴۱) اس آیت میں سوال اگرچہ انبیائے کرام علیہم السلام سے پوچھا جا رہا ہے لیکن مقصد نافرمان امت کی سرزنش اور تحقیر ہے جیسا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے سوال کرے گا کہ کس گناہ کے بدلے میں اسے قتل کیا گیا؟ (قرآن: ۸۱:۸) یہ سوال بھی اگرچہ زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جا رہا ہے لیکن مقصد قاتل کی سرزنش اور تحقیر ہے۔ اس میں امتِ مسلمہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ قیامت کے دن کی جوابدہی کے لئے ابھی سے تیاری کرے۔ اس ضمن میں ایک حدیث ملاحظہ کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن کسی آدمی کا قدم اس وقت تک میزانِ عدل سے علیحدہ نہ ہو سکے گا جب تک اس سے پانچ سوالوں کا جواب نہ لیا جائے:

۱۔ اس نے اپنی عمر کن کاموں میں صرف کی۔ (اچھے یا برے)؟

۲۔ اس نے اپنی جوانی کس کام میں صرف کی۔ (اچھے یا برے)؟

۳۔ اس نے اپنا مال کہاں سے کمایا۔ (حلال طریقہ سے یا حرام سے)؟

۴۔ اس نے اپنا مال کہاں خرچ کیا۔ (اچھے کاموں میں یا برے کاموں میں)؟

۵۔ اس نے اپنے علم پر کیا عمل کیا۔ (اپنے علم پر کتنا عمل کیا)؟ (ترمذی: ۲۴۱۶: ابواب صفۃ القیامۃ: باب ۱)

[۱۴۶] قیامت کے دن نعمتیں یاد کرنے اور ان کا ذکر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھول گئی ہیں۔ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف حجت قائم کی جا رہی ہے تا کہ یہود کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس کو قتل کرنے کی وہ سازشیں کیا کرتے تھے وہ تو اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی ہیں اور عیسائیوں کو پتہ چل جائے کہ جن کو وہ خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور نبی ہیں۔

وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ

تمہاری مدد کی، تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی، اور جب میں نے تمہیں کتاب، حکمت، توراۃ اور انجیل کا علم دیا، اور جب تم میرے حکم سے کیچڑ سے پرندے کی سی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا ہے یعنی حضرت مریم سلام اللہ علیہا وہ خوش نصیب ماں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ عظیم نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی عظمتوں سے نوازا، مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید اور مدد کے لئے بھیجا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تاکہ یہودی انہیں قتل نہ کر سکیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے اور بچپن میں بھی کلام کیا اور پختہ عمر میں بھی کلام کریں گے۔ ماں کی گود میں کلام کرنا تو یقیناً ایک معجزہ ہے لیکن پختہ عمر میں کلام کرنا کوئی عجیب بات نہیں۔ سارے انسان اس عمر میں بات کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پختہ عمر زندگی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو جوانی اور بڑھاپے کے درمیان ہے یعنی جب بال سفید ہونا شروع ہو جاتے ہیں کیونکہ جب تک سارے بال سیاہ یا پیدائشی رنگت والے ہوں وہ جوانی ہے اور جب سارے بال سفید ہو جائیں تو وہ بڑھاپا ہے۔ ان کے درمیان والی عمر کو پختہ عمر کہا جاتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پختہ عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھا لئے گئے تھے، لہٰذا جب وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لا کر پختہ عمر کو پہنچ کر کلام کریں گے تو آپ کا دوبارہ زمین پر آ کر کلام کرنا بھی ایک خصوصی معجزہ ہوگا۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں بھی ایسا ہی علم و حکمت سے لبریز کلام کیا جیسا کہ پختہ عمر میں آپ عاقلانہ کلام کریں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی۔ کتاب سے مراد یا تو لکھنا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا یا جنس کتاب مراد ہے یعنی پہلے عام آسمانی کتابوں کا ذکر کر کے پھر تورات و انجیل کا ذکر کیا جیسے قرآن مجید میں پہلے جملہ فرشتوں کا ذکر کر کے پھر جبریل امین علیہ السلام کا ذکر کیا حالانکہ وہ جملہ فرشتوں میں شامل ہے مگر خصوصی فضیلت کے اعتبار سے دوبارہ ذکر کر دیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث پاک ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی کیونکہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد آپ قرآن و حدیث کی تبلیغ فرمائیں گے۔ (تفسیر نعیمی)

۴۔ کیچڑ سے پرندے کی سی صورت بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا۔

۵۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست کر دیتے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے۔

موجودہ بائبل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزات کا ذکر موجود ہے، مثلاً:

1. The home was filled with mourning people, but he said, "Stop the weeping! She is not dead; she is only asleep!" ... Then he took her by the hand and called, "Get up, little girl!" And at that moment her life returned and she jumped up. (Luke:8:52-55:The Living Bible:1975)

ایک سردار کی بچی مرگئی اور اس کا گھر رونے والے لوگوں کے ساتھ بھر گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر میں گئے اور لوگوں کو کہا: ''رونا بند کر دو، وہ مردہ نہیں، صرف سو رہی ہے۔'' ۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پکار کر کہا: ''اے لڑکی اُٹھ! اسی لمحہ اس کی زندگی واپس آگئی اور وہ اُٹھ بیٹھی۔''

2. Large crowds followed Jesus as he came down the hillside. Look! a leper is approaching. He kneels before him, worshipping. "Sir," the leper pleads, "If you want to, you can heal me." Jesus touches the man, "I want to," he says; "Be healed." And instantly the leprosy disappears. (Matthew:8:1-3: The Living Bible:1975)

جب عیسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ سے اترے تو لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم آپ کے ساتھ ہولیا، دیکھو ایک کوڑھی عبادت کرتے ہوئے اس کے سامنے جھک گیا اور عرض کی: جناب! اگر آپ چاہیں تو آپ مجھے تندرست کر سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کوڑھی کو اپنے ہاتھ سے چھوا اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ تو تندرست ہو جائے اور فوراً اس کا کوڑھ غائب ہو گیا یعنی وہ تندرست ہو گیا۔

3. Then he touched their eyes and said, "Because of your faith it will happen." And suddenly they could see.

(Matthew: 9:29-30: The Living Bible 1975)

دو اندھے آدمیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: ہمارے اوپر رحم فرما! تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی آنکھیں چھو کر کہا: تمہارے عقیدہ کے مطابق تمہارے لئے ہو جائے اور اچانک ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ دیکھنے لگ گئے۔

4. They rushed over and woke him up. "Master, Master, we are sinking!".

بِاِذْنِيْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور تم میرے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست کر دیا کرتے تھے، اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے) نکالا کرتے تھے اور میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل سے بچایا تھا[۱۴۷] جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے، تو ان میں سے کافروں نے کہا: یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

They shouted. So he spoke to the storm: "Be quiet," he said, and the wind and waves subsided and all was calm! ... And they were filled with awe and fear of him and said to one another, "Who is this man, that even the winds and waves obey him?" (Luke:8:24-25:The Living Bible 1975)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشتی میں سو گئے اور اچانک ہوا اور پانی کا اتنا زبردست طوفان اُمڈ آیا کہ ان کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ شاگردوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جلدی سے جگایا اور چلا کر کہا: صاحب! صاحب! ہم ڈوب رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اٹھ کر ہوا اور پانی کو رُکنے کا حکم دیا تو وہ دونوں تھم گئے اور امن ہو گیا ۔۔۔ یہ دیکھ کر شاگردوں پر خوف طاری ہو گیا اور گھبرا کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: یہ کون آدمی ہے کہ ہوا اور پانی بھی اس کا حکم مانتے ہیں؟

5. And there are also many other things which Jesus did, the which, if they should be written everyone, I suppose that even the world itself could not contain the books that should be written. (John:21:25: The Holy Bible 1954)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے ان کا ایک شاگرد کہتا ہے: ''اور بھی بہت سے کام جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی یعنی وہ اتنی زیادہ ہوتیں کہ دنیا میں سمانہ سکتیں۔''

[۱۴۷] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روشن معجزات کو دیکھ کر یہودیوں نے آپ کو جادوگر کہنا شروع کر دیا اور مخالفت میں اس حد تک آگے نکل گئے کہ آپ کو قتل کرنے اور سولی دینے کا فیصلہ کر لیا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی سازشوں سے بچا لیا اور زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ تفصیلات کے لئے سورۃ النساء کی آیات نمبر ۱۵۷ تا ۱۵۹ ملاحظہ کریں۔ آپ کو قتل کرنے کی یہودی

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور (یاد کرو) جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے [۱۴۸] اور آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر سکتا ہے؟ [۱۴۹] (حضرت عیسیٰ نے) کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

سازشوں کے چند نمونے موجودہ بائبل میں بھی مذکور ہیں، مثلاً:

1. At that point the Jewish leaders picked up stones to kill him. But Jesus was hidden from them, and walked past them and left the Temple.
(John:8:59: The Living Bible 1975)

تب یہودی لیڈروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے پتھر اُٹھائے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے اور ان کے درمیان سے گزر کر ہیکل سے باہر نکل گئے۔

2. Once again they started to arrest him. But he walked away and left them.
(John:10:39:The Living Bible 1975)

ایک دفعہ پھر یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کو چھوڑ کر دور نکل گئے۔

[۱۴۸] حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر جاری ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں (حواریوں) کے دل میں ایمان کی رغبت پیدا کر دی اور جونہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو حواری آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کو گواہ بنا کر اعلان کر دیا کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ ہر وہ خوش نصیب انسان مسلمان ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبیوں پر کامل ایمان رکھتا ہے۔

[۱۴۹] اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک تھا یعنی وہ آسمان سے مائدہ (پکا پکایا کھانا) نازل کر سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس طرح کے اسلوب کلام کا صرف یہی معنی نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مائدہ نازل کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا کیا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ مائدہ نازل کرنا پسند کرے گا؟ (تفسیر

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۝۱۱۳

۱۱۳۔ حواریوں نے کہا: ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس مائدہ سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔[۱۵۰]

روح المعانی) بالکل اسی طرح کے الفاظ بخاری شریف میں بھی موجود ہیں جس میں ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "أتستطيع أن تريني كيف كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يتوضأ"۔ (بخاری: ۱۸۵: کتاب الوضوء: باب ۳۸) کیا آپ مجھے (عملاً کر کے) دکھا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وضو کس طرح کرتے تھے؟ اس سوال کا مطلب یہ نہیں کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وضو کرنے کا علم رکھتے ہیں یا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ علم تو رکھتے ہیں لیکن کیا ان کے پاس فرصت ہے اور وہ پسند کریں گے کہ اس وقت مجھے وضو کر کے دکھائیں، اور آج کل انگریزی میں تو یہ اندازِ تکلم بہت عام ہے: Can I borrow your pen? (کیا میں آپ کا قلم ادھار لے سکتا ہوں؟) اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ قلم دینے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس وقت اپنا قلم مجھے دینا پسند کریں گے، یا اس کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اگر ایک طالب علم پروفیسر کو کہے: اگر آپ پرنسپل صاحب کو کہیں تو کیا پرنسپل صاحب میرے گھر کھانا کھانے کے لئے آسکتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پرنسپل صاحب طالب علم کے گھر جانے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں بلکہ سوال کا مقصد یہ ہے کہ کیا ایک طالب علم کا پرنسپل صاحب کو دعوت دینا مناسب ہے یا نہیں؟ کیا کالج کے اصول وضوابط اس سے مانع تو نہیں کہ پرنسپل صاحب کسی طالب علم کے گھر جائیں؟ اسی طرح حواریوں کے سوال کا یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مائدہ نازل کرنے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ مائدہ نازل کرنا مناسب سمجھے گا؟ (بحر محیط) کیا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے نزولِ مائدہ کی دعا کرنا پسند کریں گے؟ (تفسیر کبیر) کیا اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لے گا؟ (روح المعانی) کیا ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا سوال کرنا جائز ہے؟ (تفسیر کبیر)

حواریوں کی اس درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بلاضرورت معجزات کا مطالبہ کر کے اپنے آپ کو امتحان میں نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ پہلی امتوں کی طرح تم بھی اس عظیم نعمت کا کما حقہ شکر ادا نہ کر سکو اور پھر ناشکری کی سزا کے مستحق قرار پاؤ، لہٰذا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ قدرت کے مقرر کردہ ذرائع کے مطابق رزق حلال تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ رکھا ہے اسی پر قناعت کرو اور گھر بیٹھے پکے پکائے آسمانی کھانے کا مطالبہ نہ کرو۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں بلکہ مریم کا بیٹا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جو معجزات کا ظہور ہوتا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اسی لیے حواریوں نے نزولِ مائدہ کا مطالبہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہیں کیا بلکہ پوچھا: کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول کر لے گا اور ہم پر مائدہ نازل کرنا پسند کرے گا؟

[۱۵۰] حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے مطالبہ کی تائید میں چار وجوہات بیان کیں:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما [۱۵۱] تاکہ وہ ہم سب (یعنی) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن ہو جائے، [۱۵۲] اور

۱۔ ہمیں آپ کی نبوت یا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں۔ ہم تو اپنی بھوک کا علاج اور آسانی کھانے کی برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

۲۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس معجزہ کے مشاہدہ کے بعد ہمارے دلوں کو مزید اطمینان نصیب ہوگا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان قلب کے لئے عرض کیا تھا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا؟ (قرآن: ۲:۲۶۰)

۳۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں لیکن اس معجزہ کے مشاہدہ سے ہمیں آپ کی صداقت کی ایک اور قوی دلیل مل جائے گی۔

۴۔ اب تک جن معجزات کا آپ سے ظہور ہوا ہے ان کا تعلق زمین سے ہے، لیکن نزول مائدہ کا تعلق آسمان سے ہوگا، لہٰذا یہ معجزہ دیگر معجزات کے مقابلہ میں زیادہ حیران کن ہوگا، اور جب ہم اس معجزہ کے عینی شاہد ہو جائیں گے اور دوسرے لوگوں کو اس معجزہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کریں گے تو ان کے لئے ہدایت قبول کرنا اور آسان ہو جائے گا۔

[۱۵۱] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب حواریوں کے دلائل سنے تو دعا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے غسل کر کے کمبل کا لباس پہن کر نماز پڑھی اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کیا: ''اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور سرخ رنگ کا ایک دسترخوان لوگوں کے سامنے نازل فرمایا جس کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری سب سجدہ میں گر گئے تاکہ اس غیبی رزق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ (تفسیر درمنثور)

[۱۵۲] خوشی کے دن کو عید کہا جاتا ہے، یعنی جس دن مائدہ نازل ہوگا وہ دن ہمارے لئے اور ہم سے بعد میں آنے والے سب عیسائیوں کے لئے عید کا دن ہوگا، کیونکہ مائدہ اتوار کے دن نازل ہوا۔ اسی لئے اتوار کا دن عیسائیوں کے لئے عید کی حیثیت رکھتا ہے (تفسیر خازن اور روح المعانی) جیسا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ اس دن روزہ نہ رکھو، ہاں اگر جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد روزہ رکھنا ہے تو درمیان میں جمعہ کو بھی روزہ رکھ سکتے ہو۔'' (احمد: جلد ۲: ص ۳۰۳)

اس آیت کی تفسیر میں صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے:

''اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس روز کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکر الٰہی

تیری طرف سے ایک نشانی ہو جائے، [۱۵۳] اور ہم کو رزق (مائدہ) دے اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں اس مائدہ کو تم پر نازل کرنے والا ہوں، [۱۵۴] پھر تم میں جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہاں والوں میں کسی کو بھی نہ دوں گا۔

بجالانا طریقۂ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجالانا اور اظہار فرح وسرور کرنا مستحسن ومحمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔'' (خزائن العرفان)

[۱۵۳] یعنی آسمان سے مائدہ کا نازل ہونا ایسا نشان ہوگا جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی دلیل ہوگی اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت ہوگا۔

[۱۵۴] جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ مائدہ بالفعل نازل ہوا تھا، اور اگر یہ کہا جائے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا تھا تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزولِ مائدہ کے لئے دُعا مانگنا، اسے عید اور نشان قرار دینا اور اللہ تعالیٰ کا اس دعا کو قرآن مجید میں پورے اہتمام کے ساتھ بیان کرنا ایک عجیب سی بات لگتی ہے، لہٰذا میری رائے بھی یہی ہے کہ مائدہ بالفعل نازل ہوا تھا اور اس آیت کے الفاظ بھی نزولِ مائدہ کی تائید کرتے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک میں اس مائدہ کو تم پر نازل کرنے والا ہوں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (تفسیر خازن) اور اس آیت میں بیان کی گئی تنبیہ بھی اسی رائے کی تائید کرتی ہے یعنی جب میں یہ وعدہ پورا کروں تو تمہیں اس عظیم نعمت پر میرا شکر ادا کرنا ہوگا اور اگر تم میں سے کسی نے بھی میری اس نعمت کی ناشکری کی تو میں اسے ایسی سخت سزا دوں گا جو بعد میں تمام جہان والوں میں کسی کو بھی نہ دوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جادوگر کہنے والوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ یہ سزا نزولِ مائدہ سے پہلے تو کچھ لوگوں کو دی جا چکی تھی لیکن نزولِ مائدہ کے منکروں کو بندر و خنزیر بنانے کے بعد جہان والوں میں کسی اور کو نہیں دی گئی۔

امام ترمذی کی روایت بھی اسی رائے کی تائید کرتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''آسمان سے جو

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دو خدا بنا لو؟ [۱۵۵] عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: تو پاک ہے میری مجال نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے (بالفرض) ایسی بات کہی ہوتی تو تجھے اس کا علم ضرور ہوتا کیونکہ تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے، بے شک تو ہی سب غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔

مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں خیانت نہ کریں اور نہ اس کو کل کے لئے بچا کر رکھیں۔ انہوں (ان میں سے بعض) نے خیانت بھی کی اور اگلے دن کے لئے بچا کر بھی رکھا۔ (تو یہ مائدہ اٹھا لیا گیا۔ بحر محیط) پس ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔'' (ترمذی: ۳۰۶۱: ابواب تفسیر القرآن: باب ۵)

[۱۵۵] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے: ''کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟'' حالانکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، لیکن اس سوال سے ان عیسائیوں کی سرزنش مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: یا اللہ! تو پاک ہے۔ میری مجال نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے بالفرض ایسی بات کہی ہوتی تو تجھے اس کا علم ضرور ہوتا کیونکہ تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بے شک تو ہی سب غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ میں نے تو انہیں صرف وہی کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا اور وہ یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

نوٹ: حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کہنے کا بائبل میں کوئی اشارہ نہیں ملتا لیکن بعد میں حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ''مادر خدا'' کی اصطلاح وضع کی گئی اور جب قرآن مجید نازل ہوا تو اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کے مجسمے کلیساؤں میں رکھے جاتے تھے اور بعض عیسائی فرقے ان کے سامنے عبادت کے وہ مراسم بھی ادا کرتے تھے جو صرف خدا کے سامنے ادا کئے جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کو کسی نہ کسی شکل میں خدا سمجھتے تھے۔ عیسائی حضرات اگرچہ خدا کی عبادت کرتے تھے لیکن خدا کی عبادت کے ساتھ اگر غیر خدا کی عبادت بھی کی جائے تو یہ خدا کی عبادت نہیں بلکہ شرک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تنہا عبادت کے لائق ہے۔ اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنے سے خدا کی عبادت کی نفی ہو جاتی ہے اور شرک لازم آ جاتا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ میں نے انہیں نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا (اور وہ یہ) کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور میں ان پر نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھا لیا[۱۵۶] تو تُو ہی ان پر نگہبان تھا، اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں، [۱۵۷] اور اگر تو ان کو بخش دے تو بلا شبہ تو ہی غالب اور دانا ہے۔

---

[۱۵۶] حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: یا اللہ! جب تک میں اپنی امت میں رہا میں ان کی نگہبانی کرتا رہا اور انہیں بار بار صرف ایک خدا کی عبادت کی تلقین کرتا رہا، لیکن جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ بعض لوگ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُٹھائے جانے کو ان کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُٹھائے جانے کا اگرچہ ایک معنیٰ موت بھی ہے لیکن احادیث اور دیگر آیات کی روشنی میں یہی ترجمہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر زندہ اٹھا لیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے عیسیٰ! یقیناً میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔'' (قرآن: ۳:۵۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دمشق میں آسمان سے اتریں گے۔ (ترمذی: ۲۲۴۰: ابواب الفتن: باب ۵۹) اور امام مہدی علیہ السلام کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ (بخاری: ۳۴۴۹: کتاب احادیث الانبیاء: باب ۴۹) اور اسلام کی تبلیغ میں بقیہ زندگی گزار کر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ (ترمذی: ۳۶۱۷: ابواب المناقب: باب ۲)

[۱۵۷] حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: یا اللہ! جن لوگوں نے میرے بعد تیری نافرمانی کی اگر تو انہیں سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور ان میں سے توبہ کرنے والوں کو اگر تو بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ تو غالب اور دانا ہے۔ تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تو ہی قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہے جو چاہے کرے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ''اے میرے رب! جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ میں سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔'' (قرآن: ۱۴:۳۶) پھر یہ آیت تلاوت کی: ''اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بلا شبہ تو ہی غالب اور دانا ہے۔'' (قرآن: ۵: ۱۱۸) اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور کہا: اے اللہ! میری امت، میری امت۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی،[۱۵۸] ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

۱۲۰۔ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے،[۱۵۹] اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پاس جاؤ اور ان سے پوچھو انہیں کیا چیز رلاتی ہے؟ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی (کہ آپ امت کی فکر میں رو رہے ہیں)۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کریں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔
(مسلم:۴۹۹: کتاب الایمان: باب ۸۷)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ نیز اس حدیث کا مفہوم قرآن مجید کی اس آیت کے بھی موافق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' (قرآن:۵:۹۳)

[۱۵۸] جو اہل ایمان اپنے اقوال اور افعال میں سچے ہیں اکثر انہیں سچائی کا فائدہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے لیکن بعض دفعہ اس دنیا میں اس کا بدلہ ظاہر نہیں ہوتا، البتہ قیامت کے دن سچائی کا بدلہ بہر صورت ملے گا جس کی وجہ سے انہیں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو گی جو کہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر سچ بولنا لازم ہے کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جو انسان سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور جو انسان جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (مسلم:۶۶۳۹: کتاب البر: باب ۲۹)

[۱۵۹] جب زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو ظاہر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا وہ خدا کی مخلوق اور مملوک ہیں خدا نہیں ہیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعۃ الکرم، برطانیہ

بعد از فجر بروز جمعرات ۴ دسمبر ۲۰۰۳ء بمطابق ۱۰ شوال ۱۴۲۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الانعام (۶)

یہ سورت مکی ہے کیونکہ یہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ مشرکین مکہ نے اپنی جاہلانہ رسوم کے پیش نظر بعض مویشیوں کو حلال اور بعض کو حرام کرلیا تھا۔ اس سورت میں ان فاسد خیالات کی تردید کی گئی ہے جن کی بنیاد پر وہ بعض مویشیوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیتے تھے۔ اس لئے اس کا نام انعام (مویشی) رکھا گیا ہے۔

ہجرت سے پہلے مکہ میں نہ تو اسلامی حکومت تھی اور نہ ہی وہاں پر یہود اور عیسائی آباد تھے بلکہ مکہ کے تقریباً سارے لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ اس لئے اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو آسان اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتداہی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بیان سے ہورہی ہے یعنی خدا وہ ہے جس نے زمین و آسمان کو تخلیق کیا۔ تاریکی اور روشنی کو بنایا اور لوگوں کو مٹی سے پیدا کیا، مگر مشرکین مکہ بت پرستی پر ایسا اندھا عقیدہ رکھتے تھے کہ توحید کی بات سننے کو تیار نہیں تھے بلکہ اسلامی عقائد کا مذاق اُڑاتے اور عجیب وغریب قسم کی حجت بازیاں کرتے یعنی اللہ تعالیٰ لکھی ہوئی کتاب نازل کیوں نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر لکھی ہوئی کتاب ان کی آنکھوں کے سامنے آسمان سے نازل ہو اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیں پھر بھی اس کو جادو کا کرشمہ کہہ کر انکار کردیں گے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی اقوام نے معاندانہ رویہ اختیار کیا، لہٰذا آپ ان کے تعصب اور عناد سے کبیدہ خاطر نہ ہوں اور اپنی تبلیغ پوری استقامت سے جاری رکھیں کیونکہ آپ کی نماز و قربانی اور زندگی و موت سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وقف ہیں اور یہی کامیابی کا اصل راز ہے۔ جو بندۂ مؤمن اس راز حیات سے آگاہ ہوجاتا ہے اور اپنی عبادت اور زندگی و موت اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کردیتا ہے وہ مقصد تخلیق کی معراج کو پالیتا ہے۔ یارب العالمین! تیرے اس عاجز و خطاکار بندہ نے بھی بزعم خویش اپنی زندگی، موت اور توانائیاں آپ کے سچے دین کے لئے وقف کررکھی ہیں تو اس میں برکت، صداقت اور استقامت عطا فرما۔ آمین

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعۃ الکرم، برطانیہ

آیاتہا ۱۶۵ | ۶ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ۵۵ | رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

۱۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا، پھر بھی کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔[۱]

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

۲۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا،[۲] پھر اس نے (موت کا) وقت مقرر کیا، اور (قیامت کا) معین وقت

---

[۱] سب تعریفوں کا حقیقی مستحق اللہ تعالیٰ ہے جس نے زمین و آسمان کی صورت میں ایک وسیع کائنات بنائی۔ آسمان کے ستارے ہوں یا چاند، زمین کے پتھر ہوں یا انسان، سبھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے نمونے ہیں، پھر دن اور رات کی صورت میں روشنی اور تاریکی کا ایک حسین سلسلہ بنایا تاکہ انسان دن کی روشنی میں زمین و آسمان کی نعمتوں سے استفادہ کرے اور رات کی تاریکی میں سوکر آرام و سکون حاصل کرے۔ الغرض اس کائنات کی ہر چیز کا حقیقی خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہو سکتی، اس حقیقت کو کفار بھی جانتے ہیں کہ زمین و آسمان کسی انسان یا بت کی پیداوار نہیں لیکن اس قدر واضح دلائل کے باوجود بھی یہ کفار کیسے عجیب لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ اپنے محسن حقیقی سے انحراف کرتے ہیں اور اس کی بنائی ہوئی چیزوں یعنی انسان، چاند، ستارے یا پتھر وغیرہ کو خدا کے برابر کرتے ہیں۔ وہ یا تو مخلوق کے درجہ کو بڑھا کر خدا کے برابر کرتے ہیں یا خدا کے مرتبہ کو گھٹا کر مخلوق کے برابر کرتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں خلاف عقل ہیں۔ جس طرح کوئی کرسی کاریگر کے برابر نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی کاریگر اپنی بنائی ہوئی کرسی کے برابر ہو سکتا ہے۔ (کیونکہ کرسی تو کاریگر کے ہنر کا ایک نمونہ ہے۔ وہ اس جیسی سینکڑوں کرسیاں اور بھی بنا سکتا ہے۔ اس کے برعکس ہزاروں کرسیاں مل کر بھی ایک کاریگر پیدا نہیں کر سکتیں) اسی طرح کوئی مخلوق خدا کے برابر نہیں ہو سکتی اور نہ خدا مخلوق کے برابر ہو سکتا ہے۔ خدا بہر صورت خدا ہے، وہ خالق اور بے مثال ہے اور کائنات کی کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

[۲] ''اللہ تعالیٰ نے تم کو یعنی انسانوں کو مٹی سے پیدا فرمایا'' اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور تم انہی آدم کی اولاد ہو، لہٰذا تمہاری اصل بھی مٹی ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم غذا کی صورت میں جو پھل اور سبزیاں کھاتے ہو وہ زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور جن حیوانوں کا تم گوشت کھاتے ہو وہ بھی زمینی پیداوار سے پرورش پاتے ہیں اور انہی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم مادر میں جا کر انسان کی پیدائش کا سبب بنتا ہے، لہٰذا تمہاری اصل بھی مٹی ہے۔

تَمۡتَرُوۡنَ ۝ اسی کے پاس ہے، [۳] پھر بھی تم شک کرتے ہو۔ [۴]

بہر حال انسانِ اوّل کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست مٹی سے پیدا فرمایا اور اولادِ آدم کو بالواسطہ مٹی سے پیدا فرمایا۔ دونوں صورتوں میں ہر انسان کی اصل مٹی ہے، لہٰذا اسے اپنی اصل کو یاد رکھتے ہوئے تکبر سے باز رہنا چاہیے، اور تمام انسانوں کا باپ ایک ہے، لہٰذا اسے دوسروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ایک ہی باپ اور ایک ہی خمیر کے ناطے سب انسانوں کو آپس میں پیار، امن اور اتفاق سے رہنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کے لئے وہی پسند کرنا چاہیے جو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سب سے افضل ایمان کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: افضل ایمان یہ ہے کہ لوگوں سے دوستی کرو تو اللہ تعالیٰ کے لئے، دشمنی رکھو تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رکھو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے بعد کیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہی ناپسند کرو جو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اور بھلائی کی بات کرو یا خاموش رہو۔

(مسند احمد: حدیث نمبر ۲۲۴۸۳: جلد ۵: ص ۲۴۷)

بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارا باپ اور خمیر ایک ہے تو پھر ہمارے رنگ اور اطوار کیوں مختلف ہیں؟ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ مٹی کے رنگ مختلف ہیں اور اس کی سختی اور نرمی میں بھی فرق ہے، تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی مٹی کے اجزاء اکٹھے کر کے حضرت آدم کی تخلیق کی، اس لئے مٹی کے مختلف رنگوں اور کیفیات کی مناسبت سے انسانوں کے رنگوں اور مزاج میں فرق ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی بھر (مٹی) سے پیدا فرمایا جس میں ساری زمین کے اجزاء شامل کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم علیہ السلام زمین (کے رنگ و مزاج) کے مطابق سرخ، سفید، سیاہ اور مخلوط رنگ کے اور نرم خو، سخت مزاج، بدخصائل اور پاکیزہ اخلاق والے ہو گئے۔'' (ترمذی: تفسیر القرآن: سورۃ بقرہ: حدیث نمبر ۱)

[۳] اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی موت کا ایک وقت مقرر کیا۔ اس سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے۔ اور قیامت کا معین وقت اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اس سے مراد انسان کی موت سے لے کر وقوعِ قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے جس کے بعد یہ دنیا فنا ہو جائے گی اور ایک نئی دنیا یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہوگا۔

بعض دفعہ انسان کو بیماری یا کسی خاص علامت کی وجہ سے اپنی موت کے وقت کا علم ہو سکتا ہے، لیکن قیامت کا یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ کوئی دوسرا اس کے بتائے بغیر اپنی عقل و فراست سے یا قیاس آرائیوں سے اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔

[۴] کفار و مشرکین، قیامت یعنی دوبارہ زندہ ہونے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کیا جا سکے گا؟ اس آیت میں ان کے شک کو دور کرنے کے لئے ایک عام فہم دلیل دی جا رہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ تمہیں مٹی اور نطفہ سے پیدا کر لیا تو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے میں کیا مشکل ہے؟ تمہیں تو پھر بھی مادہ یعنی مٹی سے

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

۳۔ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی،[۵] وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال کو جانتا ہے اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو ان کو بھی جانتا ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④

۴۔ اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤

۵۔ جب حق ان کے پاس آیا تو بے شک انہوں نے اس کو بھی جھٹلایا، سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔[۶]

پیدا کیا لیکن اللہ تعالیٰ تو اتنی بڑی طاقت والا ہے کہ اس نے زمین و آسمان جیسی عظیم کائنات کو بغیر کسی مادہ کے صرف حکم دے کر پیدا کر دیا جو بہر صورت انسان کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس (حقیقت) کو نہیں جانتے۔'' (قرآن: ۴۰:۵۷)

اللہ تعالیٰ جب زمین و آسمان کو بغیر مادہ کے پیدا کر سکتا ہے تو انسان کے چند بکھرے ہوئے ذرات کو اکٹھا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ اس کی مزید تشریح کے لئے ایک حدیث پاک ملاحظہ کریں: ''ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی راکھ سمندر میں بکھیر دینا۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو سمندر نے اپنے اندر موجود ساری راکھ جمع کر دی اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے بکھری ہوئی ساری راکھ اکٹھی کر کے پیش کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اس راکھ کو زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔''

(بخاری: کتاب التوحید: باب ۳۵)

[۵] یعنی آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ یہ نظام کائنات اسی ایک خدا کی اجازت اور حکمت سے رواں دواں ہے، لہٰذا وہی تنہا عبادت کے لائق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ انسانوں کے تمام پوشیدہ اور ظاہری احوال سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے۔ دل کی گہرائی میں چھپے ہوئے خیالات، زبان سے نکلنے والے کلمات اور اعضاء سے سرزد ہونے والے اعمال سب اس کے سامنے بالکل عیاں ہیں، لہٰذا ہر انسان کو اپنے عقیدہ و عمل میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن اس کو پچھتانا نہ پڑے کیونکہ اس دن نہ تو کوئی انسان اپنی غلطیوں کو چھپا سکے گا اور نہ ہی ان کی سزا سے بچ سکے گا۔

[۶] اسلام کے خلاف کفار مکہ کے تعصب اور عناد کا عالم یہ تھا کہ جب بھی ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی یا قرآن مجید کی کوئی آیت یا حضور اکرم ﷺ کا کوئی معجزہ ظاہر ہوتا تو وہ اس میں غور کرنے کے بجائے اس سے منہ پھیر لیتے اور بغیر سوچے سمجھے

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝۶

۶۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (باغوں کے) نیچے نہریں جاری کر دیں، پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا [۷] اور ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کر دیں۔

وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷

۷۔ اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں (لکھی ہوئی) کتاب نازل کرتے اور وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے، [۸] تب بھی کفار کہتے کہ یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے۔

اس کو جھٹلا دیتے بلکہ اس کا مذاق بھی اڑاتے، حالانکہ اگر وہ قرآن مجید کی آیات اور حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں غور و فکر کرتے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت نمایاں نظر آ جاتی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں وارننگ دی ہے کہ آج تو وہ قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جلد مرنے کے بعد جب وہ ان کی صداقت کا مشاہدہ کریں گے اور ان کو جھٹلانے کا عذاب دیکھیں گے تو وہ اپنی ہٹ دھرمی پر پچھتائیں گے مگر اس وقت کا پچھتاوا بے سود ہوگا، لہٰذا انہیں چاہیے کہ آج اپنی عقل کو استعمال کریں اور حق کو قبول کر کے فلاحِ دارین حاصل کریں تاکہ کل پچھتانے کی نوبت نہ آئے۔

[۷] اس آیت میں کفارِ مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے یعنی تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم سے پہلے کئی اقوام (مثلاً قوم عاد و ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط) کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر اقتدار عطا فرمایا۔ موسلا دھار بارشوں اور نہروں کے ذریعہ ان کی زمین کو ایسا سرسبز و شاداب بنایا کہ وہ تم سے زیادہ خوشحال تھے، لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ و برباد کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو زمین کا اقتدار عطا کر دیا۔

اسی طرح اے کفارِ مکہ! اگر تم نے بھی ان تاریخی حقائق سے عبرت حاصل نہ کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ہی قائم رہے تو تم بھی مکہ کے اقتدار سے محروم ہو سکتے ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کفار مکہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس میں ہمارے لئے بھی درسِ عبرت ہے۔ اگر ہم نے بھی احکامِ خداوندی پر عمل کرنے میں کوتاہی کی تو ہمیں بھی ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

[۸] جو کتابیں لکھی ہوئی نازل ہوئیں ان کا نزول لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہوا؟۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو لکھی ہوئی تورات

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧

۸۔ اور انہوں نے کہا کہ اس رسول پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو (ان کا) معاملہ ختم ہو چکا ہوتا۔[۹] پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا

۹۔ اور اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بناتے تو اس کو مرد (کی شکل میں)

عطا فرمائی تو کسی نے تورات کو آسمان سے اُترتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کوہ طور پر تنہا حضرت موسیٰ تھے جب انہیں تورات عطا کی گئی۔ اور جو لوگ تورات پر ایمان لائے انہوں نے حضرت موسیٰ کی زبان پر ہی اعتماد کیا لیکن حجت بازوں نے نیا مطالبہ کر دیا کہ اے موسیٰ! ہم تو اس وقت ایمان لائیں گے جب ہمیں خدا سامنے نظر آئے گا۔

اس لئے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کفار مکہ کی ہٹ دھری سے پریشان نہ ہوں۔ یہ آپ سے لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ اس لئے نہیں کرتے کہ انہیں آپ کی نبوت یا صداقت پر کوئی شبہ ہے۔ دراصل یہ آپ کی زبان پر کامل اعتماد رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے آپ کی زبان سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سنی لیکن انہوں نے اپنے ذہن وضمیر پر گہرے پردے ڈال رکھے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جس انسان کو تعصب نے گھیر رکھا ہو اس پر کسی دلیل یا نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر قرآن مجید کو ان کی آنکھوں کے سامنے کاغذ پر لکھا ہوا آسمان سے اتارا جائے اور وہ اس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر پوری طرح اطمینان بھی کر لیں جب بھی یہ اس کی تصدیق نہیں کریں گے بلکہ یہ کہہ کر انکار کر دیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے کیونکہ انہوں نے آپ پر ایمان نہ لانے کا پیشگی فیصلہ کر رکھا ہے صرف حجت بازی کے لئے عجیب وغریب سوال کرتے ہیں۔

[۹] کفار کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نازل ہو، جو آپ کی صداقت کی گواہی دے اور وہ فرشتہ کفار کو نظر بھی آئے، حالانکہ فرشتے تو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی فرشتے موجود ہوتے تھے اور وحی لانے کے لئے بھی فرشتہ (یعنی جبریل امین) مقرر تھا لیکن انسانی آنکھ فرشتے اور جن کو اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتی حتیٰ کہ انبیائے کرام علیہم السلام، حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرات صحابہ کرام نے بھی فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا۔ یہ شرف صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ انہوں نے جبریل امین کو دو بار اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔

اس آیت میں نزول فرشتہ کے متعلق کفار کے مطالبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر انہیں فرشتہ اس کی اصلی شکل میں دکھا دیا جاتا تو یہ اس کی ہیبت وسطوت کی تاب نہ لا سکتے اور فوراً فنا ہو جاتے (تفسیر قرطبی) اور انہیں اتنی بھی مہلت نہ ملتی کہ وہ فرشتے کی بات سنتے اور اس میں غور کر سکتے۔

البتہ دو مواقع ہیں جہاں فرشتے اپنی اصل شکل میں نظر آ سکتے ہیں: ایک موت کا وقت اور دوسرا قیامت کا دن۔ (تفسیر ابن کثیر: سورت نمبر ۲۵ آیت نمبر ۲۲) لیکن ان دونوں مواقع پر کسی مہلت یا رخصت کی گنجائش نہیں ہوگی یعنی نہ تو موت کا وقت مؤخر ہوگا اور نہ

عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝٩

ہی بناتے اور ہم انہیں اسی شبہ میں مبتلا کر دیتے جس میں وہ اب مبتلا ہیں۔[۱۰]

وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝١٠ ع

۱۰۔ اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر رسولوں کا مذاق اڑانے والوں کو اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔[۱۱]

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ انْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝١١

۱۱۔ آپ فرمایئے! تم زمین میں سیر کرو، پھر دیکھو کہ (رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔[۱۲]

ہی قیامت کے دن کفار کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ ان دونوں مواقع پر کفار پریشان ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی۔'' (قرآن: ۲۵: ۲۲)

[۱۰] یعنی اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو اس کی دو صورتیں تھیں: ایک تو یہ کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آتا تو اس صورت میں فرشتہ کی ہیبت و جلال کی وجہ سے لوگ استفادہ نہ کر سکتے بلکہ دیکھتے ہی فنا ہو جاتے اور دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ مرد کی شکل میں آتا جیسے جبریل امین حضور اکرم ﷺ کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے اور صحابہ کرام نے بھی انہیں انسانی شکل میں دیکھا تو اس صورت میں کفار وہی اعتراض کرتے جو آپ پر کر رہے ہیں کہ یہ تو ہماری طرح انسان ہیں، اس کی بات اس وقت مانیں گے جب آسمان سے فرشتہ نازل ہو کر ہمارے سامنے اس کی تصدیق کرے۔

[۱۱] حضور اکرم ﷺ اسلام کے پیغامِ امن و رحمت کی تبلیغ کرتے مگر کفار آپ کا مذاق اُڑاتے۔ اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کا مذاق اڑایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مذاق اڑانے والے کفار کو عبرت ناک سزائیں دیں۔

اسی طرح آپ کا مذاق اڑانے والے بھی سزا سے نہ بچ سکیں گے۔ ابن جریر طبری نے کفارِ مکہ کے بہت سے نام ذکر کئے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کا انجام بہت برا ہوا۔ (تفسیر ابن جریر: سورہ الحجر: زیر آیت نمبر ۹۵)

[۱۲] اس آیت میں کفار کو حکم دیا جا رہا ہے کہ زمین کی سیر کرو اور دیکھو کہ انبیائے کرام کو جھٹلانے والوں کا حشر کیا ہوا۔ ان کی آباد بستیوں کو کس طرح کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ تباہ شدہ اقوام کے آثار کو دیکھ کر اور تاریخی حقائق کو پڑھ کر عبرت حاصل کرو اور حضورِ اکرم ﷺ کی تکذیب سے باز آ جاؤ، ورنہ تم بھی اس تکذیب کی سزا سے نہ بچ سکو گے۔ اس آیت کے ضمن میں اہل علم لکھتے ہیں کہ عبرت حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا مستحب اور باعث ثواب ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ آپ (ان سے) فرمایئے: کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ آپ فرمایئے (سب کچھ) اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اس نے رحم کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، [۱۳] وہ تم کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا، اس میں کوئی شک نہیں ہے، (مگر) جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

---

[۱۳] پیارے نبی ﷺ! کفار کو بتا دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کا مالک اور حاکم ہے، اور یہ اس کا محض فضل و کرم ہے کہ اس نے مخلوق پر رحم کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے۔ اگر انبیائے کرام علیہم السلام تشریف نہ لاتے تو انسان جانوروں کی طرح زندگی گزارتے۔ آج پوری دنیا میں جو بھی اچھے اصول موجود ہیں یہ کسی نہ کسی نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بتائے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دانائی کی ہر بات اہل ایمان کی گمشدہ چیز ہے۔ وہ جہاں بھی ہو اس کا حاصل کرنا اہل ایمان کا حق ہے۔'' (ترمذی: ابواب العلم: باب ۱۹) کیونکہ ابتدا میں ہر دانائی کی بات کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کے ذریعے اہل ایمان کو دی گئی، بعد میں اگر وہ اسے ضائع کر بیٹھا ہے تو دراصل اس کا مالک تو اہل ایمان ہی ہے۔ نیز کفار کو مہلت دینا اور ان کی کوتاہیوں پر فوری گرفت نہ کرنا بھی اس کی رحمت کا مظاہرہ ہے تاکہ کفار کو سوچنے اور توبہ کرنے کا موقع مل سکے۔ الغرض جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں اس وقت تک ان میں بسنے والی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وسیع دامن سایہ فگن رہتا ہے۔ سورج، بارش، ہوا وغیرہ کی صورت میں اس کی رحمت ہر ایک کے لئے عام ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے یا نہ لائے سب اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے استفادہ کر رہے ہیں، مگر جب یہ زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے اور قیامت کا دن قائم ہوگا، اس میں سارے لوگ جمع کئے جائیں گے۔ وہ جزا و سزا کا دن ہوگا، وہاں صرف وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا احساس کیا اور اس پر ایمان لائے اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ناقدری کی تو انہوں نے کفر اختیار کر کے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا، لہٰذا وہ اپنی ہٹ دھرمی اور حق ناشناسی کی وجہ سے ہمیشہ عذاب جہنم میں مبتلا رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (بخاری: بدء الخلق: باب ۱)

(۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں۔ ان میں سے ننانوے (۹۹) حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھ لئے جن کے ذریعہ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا اور صرف ایک حصہ دنیا کے انسانوں، حیوانوں اور پرندوں میں تقسیم کیا۔ اسی سے والدین اپنی اولاد

پر اور جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں۔ (مسلم: کتاب التوبۃ: باب ۴)

(۳) ایک شخص سفر کر رہا تھا، اس کو پیاس لگی، وہ ایک کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا۔ جب وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے ترمٹی کو چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے خیال کیا کہ اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی (لہٰذا وہ دوبارہ کنویں میں اترا)، اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا، پھر موزہ کو اپنے منہ سے پکڑ کر کنویں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول فرمایا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہر تر جگر والی چیز (ہر جاندار پر رحم کرنے) میں ثواب ہے۔

(بخاری: کتاب الشرب: باب ۹)

(۴) بنی اسرائیل سے ایک بدکار عورت نے ایک گرم دن میں ایک کتے کو کنویں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالی ہوئی تھی۔ اس عورت نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کتے کو پلایا تو اس نیک کام کی وجہ سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔

(مسلم: کتاب السلام: باب ۴۱)

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں: ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد میں ہم نے ایک چھوٹی سی چڑیا کے دو بچے پکڑ لئے۔ چڑیا ہمارے سروں پر منڈلانے لگی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: تم میں سے کس نے اس کے بچے پکڑ کر اس کو ستایا ہے اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔

(ابوداؤد: حدیث نمبر ۲۶۷۵: کتاب الجہاد: باب ۱۲۲)

(۶) ۸ھ میں جب اہل مکہ نے صلح نامہ حدیبیہ کو توڑ دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کرنے کے لئے دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتیا دیکھی جس نے ابھی ابھی چند بچے جنے تھے اور وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے۔ اس خیال سے کہ فوج کا کوئی سپاہی انہیں اذیت نہ پہنچائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی جمیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اس کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لئے اس کے پاس کھڑا رہے تاکہ لشکر اسلام کا کوئی مجاہد اس کتیا اور اس کے بچوں کو اذیت نہ پہنچائے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: جلد ۵: ص ۳۲۲) اندازہ کریں جو مذہب ایک کتیا کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا وہ انسانوں کے خلاف دہشت گردی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیم اور تربیت کا اثر تھا کہ فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب قاہرہ سے اسکندریہ جانے کا فیصلہ کیا تو آپ نے فوج کو اپنا خیمہ (فسطاط) اکھاڑنے کا حکم دیا مگر جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے خیمے کے اوپر والے حصہ میں ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے ہیں تو اس نے کہا: اس کبوتری نے ہمارے پڑوس میں پناہ لی ہے، لہٰذا جب تک اس کے بچے بڑے ہو کر اڑ نہ جائیں اس وقت تک اس خیمہ کو نہ اکھاڑا جائے۔ بعد میں اس جگہ شہر آباد ہو گیا اور اس کا نام اس خیمہ کی وجہ سے فسطاط رکھا گیا۔

(المنتظم فی تواریخ الملوک والامم لابن جوزی: جلد ثالث: ص ۱۹۴)

وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

۱۳۔ اور اسی کا ہے جو کچھ رات اور دن میں بس رہا ہے، اور وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭

۱۴۔ آپ فرمایئے: کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنا لوں[۱۴] جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا (وہ کھانے سے پاک ہے)، آپ فرمایئے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں[۱۵] اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

---

(۷) ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا اور اس کو جہنم میں داخل کرنے کا فیصلہ دیا گیا کیونکہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور وہ بلی بھوک سے مرگئی۔ (بخاری: کتاب الشرب: باب ۹) جو مذہب ایک بلی کا قتل برداشت نہیں کرسکتا وہ انسان کا قتل کیسے برداشت کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت ہی مہربان ہے۔ بعض دفعہ اہل ایمان کی معمولی سی نیکی پر اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی بھر کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اس کا قہر و غضب حرکت میں آجاتا ہے۔ اسی لئے رحمت کی احادیث کے آخر میں غضب کی ایک حدیث بھی لکھ دی ہے تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر رکھتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے غضب کو سمجھنے کے لئے سورہ فاتحہ کی آیت نمبر ۳ اور حاشیہ نمبر ٦ بھی ملاحظہ کریں۔

[۱۴] کفار نے حضور اکرم ﷺ کے اسلام سے دست بردار ہونے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کیا۔ دنیاوی لالچ دیا، سوشل بائیکاٹ کیا اور شہید کرنے کی سازشیں کیں مگر آپ نے واضح اعلان کر دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں۔ کیونکہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ ساری دنیا کو رزق دیتا ہے اور خود کھانے سے پاک اور بے نیاز ہے۔ جس کی یہ شان ہو وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ نہ کوئی اور عبادت کے لائق ہے اور نہ ہی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں گا۔

[۱۵] اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ سب سے پہلے ایمان لائیں، اس لئے حضور اکرم ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ آپ اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ نبی کے واسطہ سے بعد میں مسلمان بنتے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ

قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ آپ فرمائیے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک عظیم (قیامت کے) دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔[۱۶]

مَنۡ یُّصۡرَفۡ عَنۡهُ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جس شخص سے اس دن عذاب ہٹا دیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ نے بہت رحم فرمایا، اور یہ کھلی کامیابی ہے۔[۱۷]

آپ ﷺ سب مخلوق سے پہلے مسلمان ہیں۔ (البحر المحیط) اس تفسیر کی تائید میں درج ذیل احادیث ملاحظہ کریں جن میں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) میں خلق کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اوّل ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب نبیوں کے آخر میں ہوں۔

(کنز العمال: جلد ۱۱: حدیث نمبر ۳۲۱۲۶)

(۲) میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(ترمذی: ابواب المناقب: باب ۱، کنز العمال: جلد ۱۱: حدیث نمبر ۳۱۹۱۷)

(۳) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی: سورت انعام: زیر آیت ۱۶۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے حتیٰ کہ جبرائیل و میکائیل ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے جب حضورِ اکرم ﷺ کی روح مبارک اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز تھی۔ اس نکتہ کو علامہ آلوسی نے بڑے حسین انداز میں بیان فرمایا ہے:

"عاجزی، فرمانبرداری اور محبت کے میدان میں سب سے پہلے جو روح سجدہ ریز ہوئی وہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی روح تھی اور حضورِ اکرم ﷺ بلا واسطہ اپنے مولائے کریم پر ایمان لائے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام حضورِ اکرم ﷺ کے واسطے سے ایمان لائے، پس حضورِ اکرم ﷺ عالم ارواح میں تمام انبیاء و رسل کے رسول ہیں اور وہ سب حضورِ اکرم ﷺ کے اُمتی ہیں۔"

(تفسیر روح المعانی: سورہ انعام: زیر آیت ۳۵)

[۱۶] حضورِ اکرم ﷺ گناہوں سے معصوم ہیں اس لئے آپ سے نافرمانی کا صادر ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی قیامت کے دن آپ ﷺ کو عذاب ہوگا بلکہ آپ کی شفاعت سے بے شمار گناہگاروں کا عذاب دور ہوگا، لیکن اس آیت میں حضورِ اکرم ﷺ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کا سردار ہونے کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کروں تو عذابِ الٰہی کا خطرہ ہے، تو عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت نہیں کرنی چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

[۱۷] قیامت کے دن کا عذاب انتہائی سخت اور خوفناک ہے۔ جس شخص سے یہ عذاب ٹل گیا تو یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت کرم ہوگا اور یہ کھلی کامیابی ہے، لہٰذا اس زندگی میں ایسے اعمال کرنے میں بھرپور کوشش کرنی چاہیے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا سبب بنیں

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس نقصان کو دور کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں، [۱۸] اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، [۱۹] اور وہ بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اور اس کے غضب سے بچا کر جنت میں لے جائیں۔

[۱۸] اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو نقصان پہنچائے یعنی کسی حکمت کے تحت اس کو غربت، ذلت، بیماری یا کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس کے مصائب دور کر سکے، اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نفع پہنچائے یعنی اسے صحت، عزت، راحت اور دولت عطا فرمائے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس سے چھین سکے کیونکہ وہی قادر مطلق ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر نہ چاہے تو کسی دوا سے بھی شفا نہیں ہو سکتی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مصیبت کو دور نہیں کر سکتا حالانکہ اکثر انسان دوستوں کی مدد سے مصائب پر قابو پالیتا ہے۔ ڈاکٹر کی دوا سے تندرست ہو جاتا ہے اور اللہ والوں کی دعا سے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی دعائیں رد نہیں کرتا جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ''میرا بندہ جب نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور اس کے سوال کو رد نہیں کرتا، جو کچھ وہ مانگے عطا کر دیتا ہوں۔''
(بخاری: کتاب الرقاق: باب ۳۸)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے دو گناہگاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کئے تاکہ ان سے برزخ کا عذاب دور ہو جائے۔ (بخاری: کتاب الوضوء: باب ۵۵) اور حضرت علی کی آنکھوں کو شفا دے دی۔ (بخاری: کتاب فضائل اصحاب: باب ۹)
اب اس آیت کے حکم اور ہمارے مشاہدات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کی مشکلات آسان کرتا ہے اور بندے جب ایک دوسرے کی مشکلات میں مدد کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان میں مدد کی صلاحیت پیدا نہ کرتا تو وہ مدد نہ کر سکتے، لہٰذا حقیقی مشکل کشا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اسباب اس کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ ان کا مدد کرنا ان سے مدد لینا در اصل اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہے۔

[۱۹] اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں۔ تاریخ میں نمرود اور فرعون کی مثالیں موجود ہیں جو اپنے آپ کو خدا کہتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑا تو مچھر اور پانی کے سامنے بے بس ہو کر زندگی کی بازی ہار بیٹھے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ (ان سے) پوچھو: کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ (کی)، وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے، اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تا کہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں، [۲۰] کیا واقعی تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا بھی ہیں؟ آپ فرمایئے: میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا، آپ فرمایئے: وہ تو صرف ایک خدا ہے اور بے شک میں ان (بتوں) سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (نبی) کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، [۲۱] (مگر) جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

[۲۰] کفار مکہ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ اپنی نبوت پر گواہ پیش کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی آپ ﷺ ان کفار کو بتا دیں کہ میری نبوت کا گواہ اللہ تعالیٰ ہے اور وہ سب سے زیادہ سچا اور معتبر گواہ ہے اور اس کی گواہی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس نے مجھ پر قرآن مجید نازل فرمایا جو کہ زندہ جاوید معجزہ ہے۔ اگر میں نبی نہ ہوتا تو مجھ پر قرآن مجید نازل نہ ہوتا۔ نیز اس نے مجھ پر قرآن مجید اس لئے نازل فرمایا تا کہ میں اس قرآن کے ذریعے تمہیں اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچاؤں اور اس کے عذاب سے ڈراؤں۔ اس کے باوجود اگر تم میری دعوت کو تسلیم نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں کو مانتے ہو تو میرا اعلان سن لو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور صرف ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے، لہٰذا میں ان بتوں کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو۔

[۲۱] تورات اور انجیل میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور صفات کا تذکرہ بہت واضح اور نمایاں تھا۔ اسی لئے یہودی اور عیسائی علماء حضور اکرم ﷺ کو آپ کی صفات کے آئینہ میں بطور نبی اس طرح پہچانتے تھے جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ اس سلسلہ میں تین یہودی علماء کی تصدیق سورہ بقرہ کی آیات نمبر ۸۹ اور ۱۴۶ کی تفسیر میں لکھی جا چکی ہے۔ یہاں عیسائی علماء اور راہبوں کی گواہی ملاحظہ کریں۔

(۱) وَرَقہ بن نوفل: پہلی وحی کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جس نے زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ وہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتا تھا۔ وہ عمر رسیدہ اور نابینا ہو چکا تھا۔ ورقہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ نے کیا دیکھا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ سنا دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہ راز دان ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش کہ میں جوان ہوتا اور جب آپ کو آپ کی قوم مکہ سے نکالے گی کاش میں اس وقت زندہ ہوتا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ لوگ مجھے مکہ سے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں! جو بھی یہ بھلائی کا پیغام لاتا ہے اس کے ساتھ دشمنی کی جاتی ہے۔ اگر میں اس وقت زندہ ہوا تو آپ کی زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد جلد ہی ورقہ فوت ہو گیا۔

(بخاری: کتاب بدء الخلق: حدیث نمبر ۳)

(۲) بحیریٰ راہب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب بارہ سال کے قریب پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ جب یہ قافلہ وادی بُصریٰ میں داخل ہوا تو بحیریٰ کے نام سے مشہور ایک عیسائی راہب نے اپنی خانقاہ سے دیکھا کہ اس عربی قافلہ میں ایک بچہ ہے جس پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ٹکڑا ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ بحیریٰ اس دور میں عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم تھا۔ اس نے جب اپنی خانقاہ کے دریچہ سے یہ منظر دیکھا تو اسے خیال آیا کہ جس صادق و امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم منتظر ہیں اور جس کی علامات ہماری کتابوں میں مرقوم ہیں کہیں یہ بچہ وہی تو نہیں۔ اسے قریب سے دیکھنا چاہیے تا کہ اس کی نشانیوں کے بارے میں پورا وثوق ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر قافلہ والوں کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کے قافلہ کے تمام افراد کو میں دعوت دیتا ہوں کہ آج کھانا میرے ہاں تناول فرمائیں، جب قافلے والے کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے سب کو رخصت کر دیا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابو طالب کو روک لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نیند اور بیداری کی کیفیات کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو حالت اسے بتاتے اس سے ان صفات کی تصدیق ہوتی جاتی تھی جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کے پاس تھیں۔ آخر میں اس نے کمر مبارک سے کپڑا اٹھایا اور اس نے مہر نبوت کو بعینہٖ اس صورت میں دیکھا جو اس کے پاس تھی اور بے ساختہ جھک کر مہر نبوت کو چوم لیا۔

اس کے بعد بحیریٰ نے جناب ابو طالب سے پوچھا: اس بچے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیریٰ نے کہا: یہ آپ کا بیٹا نہیں ہے اور نہ اس کا باپ زندہ موجود ہو سکتا ہے۔ تب جناب ابو طالب نے کہا: یہ میرا بھتیجا ہے۔ تو بحیریٰ نے کہا: آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن واپس لوٹ جائیں اور یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں۔ اگر انہوں نے دیکھ لیا اور ان کو ان حالات کا علم ہو گیا جن کا مجھے علم ہوا ہے تو وہ ان کو نقصان پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے۔ آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہو گی۔ یہ سارے جہانوں کا سردار ہے، یہ رب العالمین کا رسول ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ چنانچہ جناب ابو طالب قافلے کے ساتھ شام گئے اور جلدی جلدی کاروبار سے فراغت پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر واپس مکہ لوٹ آئے۔ یہ واقعہ تھوڑے بہت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے: (السیرۃ النبویہ لابن ہشام: جلد اول ص ۱۶۶۔ تاریخ اسلام: شمس الدین الذہبی: جلد اول ص ۵۵۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر: جلد اول ص ۲۸۳۔ سبل الہدیٰ والرشاد للامام محمد الشامی: جلد

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے، [۲۲] بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

دوم ص ۱۸۹۔ ضیاء النبی: پیر محمد کرم شاہ الازہری: جلد دوم ص ۱۰۷)

(۳) حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کی زبان سے قرآن مجید سن کر کہا کہ عیسیٰ اور محمد ﷺ کی تعلیمات میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے، یہ ایک ہی سورج کی کرنیں ہیں اور جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حبشہ کے نجاشی نے ستر عیسائی علماء اور راہبوں کا ایک وفد مدینہ بھیجا تا کہ وہ حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کر کے مزید معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ اس وفد نے جب حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سورہ یاسین کی تلاوت سنی تو ان ستر علماء اور راہبوں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ حق کو پہچان کر مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۸۳ کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

المختصر یہودی اور عیسائی علماء کو حضور اکرم ﷺ کی آمد کا یقین تھا اور وہ اپنی مشکلات میں حضور اکرم ﷺ کے نام کے وسیلے سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ (قرآن: ۲:۸۹) اور جب حضور اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے تو کئی یہودی اور عیسائی علماء آپ پر ایمان لے آئے لیکن اکثر نے آپ کو پہچاننے کے باوجود آپ کا انکار کر دیا بلکہ عوام سے حضور اکرم ﷺ کی صفات کو چھپانا شروع کر دیا۔ اس طرح انہوں نے حق کا انکار کر کے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا، لہٰذا وہ اپنے تعصب کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے۔

[۲۲] اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے، جیسے کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعے اپنا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو شرک کرنے والے پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم قرار دیا ہے۔ (قرآن: ۵:۷۲) پھر وہ خود شرک کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ نیز قرآن مجید میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔ (قرآن: ۳۱:۱۳) اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو ماننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کا انکار کر دینا۔ یہ بھی بہت بڑا ظلم ہے۔ جیسے کفار مکہ قرآن پاک کی صداقت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا صرف تعصب کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اس کی آیتوں کا انکار کرے دونوں صورتوں میں وہ ظالم ہے۔ اور ظالم آخرت میں تو یقیناً ناکام ہوگا ہی، تاہم اس دنیا میں بھی ظلم کا انجام برا ہوتا ہے، لہٰذا کسی بھی شخص کو ظلم میں ملوث ہونے سے پہلے اس کے انجام پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ظلم عظیم ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا بھی آخرت کا خسارہ اور جہنم کا راستہ ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور (یاد کرو) جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے کہیں گے: کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن (کے خدا ہونے) کا تم دعویٰ کرتے تھے؟[۲۳]

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ پھر نہیں ہوگا ان کا کوئی عذر سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے! ہم مشرک نہیں تھے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ دیکھو انہوں نے اپنے نفسوں پر کیسا جھوٹ بولا اور غائب ہو گئیں ان سے (وہ چیزیں) جو وہ گھڑا کرتے تھے۔

''جو شخص دانستہ مجھ پر جھوٹ بولے یعنی جو بات میں نے نہیں کہی وہ میری طرف منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''
(بخاری: کتاب العلم: باب ۳۸)

[۲۳] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو جمع کر کے پوچھے گا: کہاں ہیں وہ تمہارے بت جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا کرتے تھے۔ آج ان کو بلاؤ تا کہ وہ تمہیں قیامت کے عذاب سے بچائیں، لیکن بت تو خود بے بس ہیں، وہ اس دن مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ (قرآن: ۲:۱۶۶) اب مشرکین کی ذلت و رسوائی کی کوئی حد نہیں رہے گی کیونکہ جن بتوں کو وہ اپنا سہارا سمجھتے تھے وہ ساتھ چھوڑ گئے اور ان سے لگائی ہوئی امیدیں بھی غائب اور باطل ہو گئیں تو گھبرا کر جھوٹ کا سہارا لیں گے یعنی جن بتوں کی دنیا میں وہ پوجا کرتے تھے ان سے لاتعلقی کا اعلان کر دیں گے اور جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ شرک نہیں کرتے تھے۔ اس واضح غلط بیانی پر ان کی زبانوں کو سیل کر دیا جائے گا یعنی ان کی زبانوں سے بولنے کی قوت سلب کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کو دے دی جائے گی اور وہ حقیقت حال صاف صاف بیان کر دیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر) کہ ان کی زبانوں نے جھوٹ بولا یہ واقعی دنیا میں شرک کرتے تھے۔ اس کی مثال اس چور کی سی ہے کہ جب وہ چوری کر رہا تھا تو سیکورٹی کیمرہ اس کی نقل و حرکت کو محفوظ کر رہا تھا اور عدالت میں چور نے جب اپنی چوری سے انکار کیا تو سیکورٹی کیمرہ کی فلم نے اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا۔ اسی طرح میدان حشر میں جو جھوٹ بولنے کی کوشش کرے گا اس کے ہاتھ پاؤں اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دیں گے۔

ان آیات میں شرک کرنے والوں کے لئے درسِ عبرت ہے تا کہ وہ آج شرک سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لیں ورنہ قیامت کے دن پشیمان ہوئے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵

۲۵۔ اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر) کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں، [۲۴] اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ آپ کی بات نہ سمجھیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کردی ہے، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ جب وہ بحث کرتے ہوئے آپ کے پاس آئیں گے تو جنہوں نے کفر اختیار کر لیا وہ کہیں گے: یہ (قرآن) تو محض پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیاں ہیں۔

---

[۲۴] بعض کافر حضور اکرم ﷺ کی باتیں بڑے غور سے سنتے مگر چونکہ ان کا ارادہ ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ اسلام پر نکتہ چینی اور عیب جوئی تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی بدنیتی کی سزا کے طور پر ان کے دلوں اور کانوں پر گمراہی کے ایسے پردے ڈال دیئے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے اور جب قرآن کے بارے میں بحث کرتے تو صاف کہہ دیتے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں بلکہ پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیاں ہیں۔

دراصل یہ ان کافروں کی بات ہے جو حضورِ اکرم ﷺ کو سچا سمجھتے تھے مگر کسی تعصب کی وجہ سے انکار کرتے تھے تو اس قسم کے کفار معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اس ضمن میں اسلام کے سخت ترین دشمن ابوجہل کا ایک قول غور طلب ہے۔

ایک کافر شخص نے ایک دن تنہائی میں ابوجہل سے ملاقات کی اور اس سے پوچھا: کیا محمد (ﷺ) تیرے خیال میں جھوٹے ہیں؟ اس پر ابوجہل نے کہا: ”محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں حالانکہ ہم خود انہیں صادق وامین کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا لیکن بات یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے خاندان کے پاس پہلے ہی حاجیوں کی میزبانی اور مشورہ کے اہم اور اعلیٰ مناصب ہیں۔ اب اگر نبوت بھی ان میں آجائے تو ہمارے لئے کیا باقی رہے گا۔“

(امتاع الاسماع: تقی الدین المقریزی: جلد اول ص ۹۱)

اس آیت کے ضمن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی کفار کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کردی تو پھر وہ کیسے ایمان لا سکتے تھے؟

دراصل کفار خود حضورِ اکرم ﷺ سے کہا کرتے تھے: ”جس (دین) کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو، ہمارے دلوں پر اس کے لئے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے۔“ (قرآن ۴۱:۵) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں پر زبردستی پردے نہیں ڈالے بلکہ یہ کفار کا اپنا سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر سنی ان سنی کر

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ اور وہ (لوگوں کو) اس (رسول) سے روکتے تھے اور خود بھی اس (رسول) سے دور بھاگتے تھے، [٢٥] دراصل وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور اگر آپ (ان کفار کو اس وقت) دیکھیں جب وہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم (دنیا میں) واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں گے اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں گے۔

دیتے اور تعصب کی وجہ سے اس میں غور و فکر نہ کرتے اس لئے وہ خود اس سزا کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کی اس بیماری کا صرف اعلان کیا ہے اور اس کی نسبت اپنی طرف اس لئے کر دی کیونکہ ہر چیز کا اصل خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۱ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[٢٥] بعض کافر اس قدر متعصب تھے کہ وہ خود بھی حضور اکرم ﷺ سے دور رہتے اور لوگوں کو بھی منع کرتے کہ حضور اکرم ﷺ کے قریب نہ جائیں اور الزام یہ عائد کرتے کہ (خدا کی پناہ) وہ جادوگر ہے۔ اس نے ایک نیا دین بنا لیا ہے اور جو بھی اس کے قریب جاتا ہے وہ اپنے خاندان کا مذہب چھوڑ کر اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے، لیکن حق سے روگردانی کرنے والے بالآخر ناکام ہوئے اور وہ حق کو پھیلنے سے روک نہ سکے۔ اس سلسلہ میں طفیل بن عمرو الدوسی کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

طفیل قبیلہ دوس کا سردار اور قادر الکلام شاعر تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ آیا تو قریش کے سرداروں نے اسے کہا: ''اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ ہمارے ہاں ایک شخص ہے جس نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہمارے اتحاد کو اس نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کی گفتگو میں جادو کا اثر ہے۔ اس نے بیٹے اور باپ کو، بھائی اور بھائی کو، خاوند اور بیوی کو جدا جدا کر دیا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے جس کا ہم شکار ہیں اس لئے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ اس کے ساتھ گفتگو نہ کرنا اور ہرگز اس کی کوئی بات نہ سننا۔'' (سیرت ابن ہشام: جلد دوم: ص ۲۲) چنانچہ طفیل جب مسجد حرام میں جانے لگتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا تا کہ حضور اکرم ﷺ کی آواز اس کے کانوں میں نہ پڑے۔ طفیل خود بیان کرتا ہے کہ: ''ایک دن حضور اکرم ﷺ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور میری مرضی کے بغیر ان کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی تو میں نے اپنے آپ سے کہا: میں ایک عقل مند آدمی ہوں، شاعر بھی ہوں اور کلام کے حسن و قبح کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس شخص کی بات سننے سے مجھے روکنے والا کون ہے۔ اگر اس نے اچھی بات کہی تو قبول کر لوں گا اور اگر کوئی قبیح بات کہی تو اسے مسترد کر دوں گا۔ چنانچہ جب طفیل

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ بلکہ ان کے سامنے ظاہر ہو گیا جو وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، اور اگر وہ (دنیا میں) واپس بھیج دیئے جائیں تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے [۲۶] اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

نے حضور اکرم ﷺ کی زبان سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو قرآن مجید کی حقانیت کو جان کر فوراً مسلمان ہو گیا۔"

(سیرت ابن ہشام: جلد دوم: ص ۲۲)

[۲۶] اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا: پیارے نبی! ذرا اس ہولناک منظر کی طرف توجہ فرمائیں جب کفار کو جہنم کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا تا کہ انہیں جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے، تو وہ اس دردناک عذاب کو دیکھ کر گھبرا جائیں گے اور بصد حسرت یہ آرزو کریں گے: اے کاش! انہیں ایک بار دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب نہیں کریں گے اور سچے دل سے ایمان لا کر اہل ایمان میں شامل ہو جائیں گے، لیکن درحقیقت وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ بفرض محال اگر انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر کا راستہ ہی اختیار کریں گے اور یہاں وقتی طور پر جھوٹ اس لئے بول رہے ہیں کہ جن حقائق کو وہ دنیا میں چھپایا کرتے تھے اب وہ ان کے سامنے ظاہر ہو گئے ہیں اور ان کی سزا یعنی جہنم کی آگ بھی سامنے دکھائی دے رہی ہے، لہٰذا اس آگ سے بچنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہے ہیں ویسے انہیں ایمان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ میدان حشر میں کفار جب جہنم کی آگ اور اپنے کفر کی سزا کا مشاہدہ کر چکے ہوں گے تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ دنیا میں آ کر وہ پھر احکام خداوندی کا انکار کر دیں گے اور اپنے آپ کو جہنم کا مستحق بنا دیں؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کسی حقیقت کا انکار صرف لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو ایک حقیقت کا اچھی طرح علم ہوتا ہے مگر تکبر، تعصب، بغض، عناد، لالچ یا نفس پرستی کی وجہ سے انکار کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی مہلک بیماریاں ہیں جو انسان کو انجام سے غافل کر دیتی ہیں، مثال کے طور پر:

۱۔ اہل کتاب حضور اکرم ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ (قرآن: ۶: ۲۰) مگر تعصب کی وجہ سے انکار کر دیا۔

۲۔ حضرت موسیٰ کے معجزات دیکھ کر فرعونیوں کے دل یقین کر چکے تھے مگر تکبر اور ظلم کی وجہ سے انکار کر دیا۔ (قرآن: ۲۷: ۱۴)

اس کا ایک اور جواب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کرتے سے کفر ان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے اور وہ اسے چھوڑنا چاہیں تب

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ع

۳۰۔ اور کاش آپ دیکھیں جب وہ (کفار) اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) سچ نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! ہمارے رب کی قسم! (یہ سچ ہے)۔[۲۷] اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اب اپنے کفر کی وجہ سے عذاب (کا مزہ) چکھو۔

بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ان عادی مجرموں کی طرح ہیں جو کئی بار سزا بھگتنے کے بعد بھی جرائم سے باز نہیں آتے۔ جب انہیں سزا ملتی ہے تو گھبرا کر کہتے ہیں کہ آئندہ یہ جرم نہیں کریں گے مگر جونہی سزا بھگت کر جیل سے باہر آتے ہیں تو پھر انہی جرائم کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

[۲۷] کفار اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہونے یعنی آخرت پر ایمان نہیں رکھتے لیکن میدان حشر میں جب انہیں عملاً دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا آخرت سچ نہیں ہے؟ تو وہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور وہ ایک ایسی حقیقت کا انکار کر بھی کیسے سکیں گے جسے وہ کھلی آنکھوں، عملی صورت میں اپنی ذات پر وارد ہوتا دیکھ رہے ہیں لیکن اس روز کا اقرار انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ توبہ کا وقت اب ختم ہو چکا ہے، لہٰذا انہیں کفر کی سزا کے طور پر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضری کی صورت

سلیمان بن عبدالملک ایک دفعہ مدینہ منورہ حاضر ہوا اور حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ ابوحازم نے جواب دیا: نیک آدمی اس صورت میں حاضر ہوگا جیسے کوئی آدمی تجارت کی غرض سے دور دراز سفر پر گیا اور کافی عرصہ کے بعد بہت سا منافع لے کر گھر واپس آیا تو اہل خانہ اس کو دیکھ کر خوش ہیں اور وہ اہل خانہ کو دیکھ کر خوش ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کی ملاقات اور کامیاب تجارت پر خوش ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن نیک آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو دیکھ کر اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی نیکیوں پر خوش ہوگا۔ ایسا خوش نصیب جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا، اور برا آدمی اس صورت میں حاضر ہوگا جیسے کوئی غلام اپنے مالک کی چوری کر کے بھاگ گیا ہو اور مالک نے اس کی گرفتاری کے لئے پیادے روانہ کئے ہوں اور وہ اس چور غلام کو پکڑ کر لے آئیں۔ اب غلام اپنی حماقت پر شرمندہ ہے اور مالک اس کی نمک حرامی پر غضب ناک ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن برا آدمی اپنی حماقتوں پر شرمندہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کی نمک حرامی پر غضب ناک ہوگا۔ ایسا بے وقوف جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس دوران سلیمان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنا حال جان لیتا کہ ان دونوں صورتوں میں سے کس صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے میری پیشی ہوگی؟ ابوحازم نے کہا: یہ معلوم کرنا بالکل آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور برے لوگ دوزخ (کے عذاب) میں ہوں گے۔'' (قرآن: ۸۲: ۱۴-۱۳) اب تم خود ہی اپنے اعمال کا جائزہ لے لو کہ آیا تم نیک لوگوں میں سے ہو یا برے لوگوں میں سے؟ سلیمان نے کہا: اگر انجام کار اعمال پر منحصر ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کس لئے ہے؟ اس پر ابوحازم نے فرمایا: اس

قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ‌ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً قَالُوۡا يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا ۙ وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ‌ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ۞

۳۱۔ بے شک خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو جھٹلایا، [۲۸] یہاں تک کہ اچانک جب ان کے پاس قیامت آ پہنچے گی تو کہیں گے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو ہم سے اس زندگی میں ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، خوب سن لو! بہت برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

سوال کا جواب بھی قرآن سے پوچھ لو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔'' (قرآن: ۷:۵٦) یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنانے کے لئے بھی نیک کاموں اور نیک لوگوں کی صحبت کا وسیلہ ضروری ہے۔
(حلیۃ الاولیاء: جلد ۳: ص ۲۷۱)

[۲۸] روزِ قیامت پر ایمان لانا اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا جب یہ ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور پھر سارے لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔ اس روز اعمال کا حساب و کتاب اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ یہ عقیدہ انسان کو ہر وقت متنبہ کرتا رہتا ہے کہ اس کی ہر حرکت نوٹ ہو رہی ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق باز پرس ہوگی، لہٰذا احساسِ جواب دہی اسے برے کاموں سے باز رکھتا ہے۔ اس آیت میں عقیدۂ قیامت کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اس روز ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے قانون عدل و انصاف کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس ملاقات یعنی روزِ قیامت اور اس میں ہونے والے حساب و کتاب کا انکار کرتے ہیں وہ یقیناً خسارے میں ہیں کیونکہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور جب قیامت اچانک آ پہنچے گی تو کف افسوس ملیں گے کہ کاش وہ قیامت کا انکار نہ کرتے لیکن اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

نیز قیامت کے دن منکرین قیامت کے گناہ جب ظاہر ہو جائیں گے تو فرطِ ندامت سے ان کی حالت یہ ہوگی جیسے کوئی بھاری بھرکم بوجھ ان پر لاد دیا گیا ہو اور وہ اس کی گرانی کے نیچے دبے چلے جا رہے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو وارننگ دی ہے کہ قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ بہت برا ہے، لہٰذا آج حق کو تسلیم کرنا اور گناہوں سے بچنا ہی عقل مندی ہے۔ کل کا پچھتاوا بے سود ہوگا۔

ابن جریر نے عمرو بن قیس سے روایت کیا ہے کہ مؤمن اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا: کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: نہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خوشبو بہت نفیس اور صورت بہت حسین بنائی ہے۔ وہ کہے گا: تم بھی دنیا میں اسی طرح تھے، میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ میں دنیا میں بہت عرصہ تم پر سوار رہا، آج کے دن تم

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے،[۲۹] اور بے شک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو پرہیز گار ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ (پیارے نبی!) ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ کرتی ہیں، دراصل وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔[۳۰]

مجھ پر سواری کرو، اور کافر کا عمل نہایت بُری صورت اور بدبو کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا: کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: نہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بڑا بدصورت اور بدبودار بنایا ہے۔ وہ کہے گا: تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا، میں تمہارا بُرا عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

چنانچہ نیک انسان اپنے نیک اعمال پر سوار ہو کر عزت و احترام کے ساتھ جنت میں جائے گا مگر بُرے انسان پر اس کے بُرے اعمال سوار ہوں گے اور اسے ذلیل و خوار کر کے جہنم میں لے جائیں گے۔

[۲۹] اس آیت میں دنیا کی زندگی سے مراد کافر کی زندگی ہے کیونکہ کافر اس فانی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور وہ آخرت اور اعمال کی جواب دہی پر ایمان نہیں رکھتا اس لئے اس کی زندگی لہو و لعب اور نفسانی خواہشات کے گرد گھومتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ کافر کی زندگی ہے کیونکہ کافر اپنی زندگی غرور اور باطل میں ضائع کر دیتا ہے لیکن مؤمن کی زندگی اعمالِ صالحہ سے لبریز ہوتی ہے اس لئے وہ لہو و لعب نہیں ہے۔'' (تفسیر قرطبی)

قرآن و حدیث میں جہاں بھی اس دنیا کی زندگی اور اس کے مال و متاع کی مذمت کی گئی ہے وہ ان لوگوں کی زندگی ہے جو اس دنیا کو نفسانی خواہشات کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بالآخر نارِ جہنم کے سزاوار قرار پاتے ہیں، لیکن جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے وہ اس دنیا کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بالآخر جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ان کے لئے یہ دنیا نعمت ہے اور اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درج ذیل دعا کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (قرآن: ۲:۲۰۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں سب کچھ بُرا نہیں ہے۔ اگر ہم حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس دنیا کو خدا کے حکم کے مطابق استعمال کریں تو اس دنیا سے اچھائی بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

[۳۰] کفار جب پیغامِ خداوندی کی تکذیب کرتے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے تو آپ کو بہت رنج اور غم ہوتا۔ اس آیت میں

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

۳۴۔ اور آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں، [۳۱] سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد انہیں آ پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے، اور آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

۳۵۔ اور اگر ان لوگوں کی روگردانی آپ پر گراں گزرتی ہے تو آپ اگر زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں تا کہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں (تو کر لیں لیکن پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے)، [۳۲] اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، (تو اے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ:

(۱) وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے۔ وہ اب بھی آپ کو صادق اور امین سمجھتے ہیں اور اپنی قیمتی امانتیں آپ کے پاس جمع کراتے ہیں، البتہ وہ صرف میرے پیغام کی تکذیب کرتے ہیں جیسا کہ ابوجہل کہا کرتا تھا: ''ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے کیونکہ آپ کی صداقت ہمارے نزدیک مُسلم ہے۔ ہم تو صرف اس پیغام کی تکذیب کرتے ہیں جو آپ ہماری طرف لے کر آئے ہیں۔''

(تفسیر کشاف اور صفوۃ التفاسیر)

(۲) آپ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہتے آپ تو صرف میرا پیغام پہنچاتے ہیں، لہٰذا وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ میرے پیغام کا انکار کرتے ہیں۔

[۳۱] اس آیت میں پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ کفار کا انکار کوئی نئی بات نہیں آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے اور ان کی خبریں بھی آپ کے پاس آ چکی ہیں، تو جس طرح انہوں نے کفار کی تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا اسی طرح آپ بھی صبر کریں اور جس طرح ہم نے ان کی مدد کی اسی طرح آپ کی بھی مدد کریں گے، اللہ تعالیٰ کی باتیں حق ہیں اور انہیں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

اس آیت میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ تبلیغ حق کے راستہ میں مشکلات آتی ہیں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی آئیں مگر جو ان مشکلات پر صبر کرتے ہیں اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مشن پر رواں دواں رہتے ہیں وہ ایک دن اللہ تعالیٰ کی مدد کو پا لیتے ہیں۔

[۳۲] حضور اکرم ﷺ کی بہت خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، لہٰذا جب کفار لایعنی قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے اور دعوتِ

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ (حق کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (غور سے) سنتے ہیں، اور مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔[۳۳]

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور انہوں نے کہا: اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ فرمایئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ کوئی معجزہ نازل کرے[۳۴] لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى

۳۸۔ اور زمین پر چلنے والا ہر جانور اور اپنے دو پروں سے اُڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق ہیں،[۳۵]

حق سے روگردانی کرتے تو ان کی روگردانی حضورِ اکرم ﷺ پر گراں گزرتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی! اگر آپ زمین کی تہ میں سرنگ کھود کر یا آسمان کی بلندیوں میں سیڑھی لگا کر ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کر سکیں تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ پہلے کئی معجزات (جیسے شق قمر، درختوں اور پتھروں کی گواہی وغیرہ) دیکھ چکے ہیں اور صرف تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور تعصب اور ہٹ دھرمی لا علاج بیماریاں ہیں۔ جس شخص کو یہ لگ جائیں اسے کسی عقلی یا علمی دلیل سے رام نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا اور کوئی بھی کافر نہ ہوتا مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو مجبور نہ کیا جائے تاکہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے کہ کون اپنے اختیار سے حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اس سے روگردانی کرتا ہے، تاہم جو ہدایت قبول نہیں کرتا آپ کو اس کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے اپنی نادانی کی سزا ملنی چاہیے، لہٰذا ہر انسان کو عقل سے کام لینا چاہیے اور نادانوں سے دور رہنا چاہیے۔

[۳۳] پیارے نبی! جو لوگ آپ کی بات غور سے سنتے ہیں وہ تو ہدایت قبول کر لیتے ہیں لیکن جو روگردانی کرتے ہیں آپ ان کے بارے میں غمگین نہ ہوں وہ دراصل مُردوں کی طرح ہیں۔ انہوں نے اپنی غور و فکر کی صلاحیتیں مردہ کر دی ہیں اور انہیں اپنی اس کوتاہی کا احساس اس وقت ہوگا جب انہیں قبروں سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، مگر اس وقت کا احساس بے سود ہوگا کاش ہم آج پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتوں میں غور و فکر کریں۔

[۳۴] کفارِ مکہ کا کہنا یہ تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ پر کوئی ایسا معجزہ نازل کیوں نہیں کیا گیا جو ان کو اسلام لانے پر مجبور کر دیتا۔ اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے کہ لوگ خود اپنی مرضی سے ہدایت قبول کریں۔ یہ وہ حکمت ہے جس کو اکثر کفار نہیں سمجھتے۔

[۳۵] زمین پر چلنے والے جانور اور فضا میں اُڑنے والے پرندے بھی ہماری طرح مخلوق ہیں جو مختلف قسموں اور گروہوں میں تقسیم ہیں۔

الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۞

ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا، پھر وہ سب اپنے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞

۳۹۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی (وہ) بہرے اور گونگے ہیں[۳۶] اندھیروں میں (سرگرداں ہیں)، اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کردے، اور جسے چاہے سیدھے راستے پر گامزن کردے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں بھی عبادت کا شعور رکھا ہے اور وہ بھی اپنے اپنے انداز کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (قرآن: ۲۴:۴۱) قرآن مجید ایک جامع کتاب ہے اور اس میں کسی بھی ایسے اصول کو نظر انداز نہیں کیا گیا جو انسان کی فلاح کے لئے ضروری ہے۔ نیز اس میں انسان کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس بیدار کرنے کے لئے کئی مثالیں بیان کی گئی ہیں، جیسا کہ اس آیت میں جانوروں اور پرندوں کا ذکر ہے، کیونکہ قیامت کے روز یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جمع کئے جائیں گے اور ان کو بھی انصاف کی عدالت سے گزرنا پڑے گا۔ اس میں انسانوں کے لئے وارننگ ہے کہ اگر جانوروں کو کسی دوسرے جانور سے زیادتی پر گرفت ہوگی تو انسان کیسے بچ سکے گا۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ شوکانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، قیامت کے دن تمام جانور اور پرندے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور جس نے کسی دوسرے پر زیادتی کی ہوگی اس سے بدلہ لیا جائے گا حتیٰ کہ اگر کسی سینگ والے جانور نے بغیر سینگ والے جانور پر زیادتی کی ہوگی تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا، پھر تمام جانوروں اور پرندوں کو مٹی بنا دیا جائے گا۔ جانوروں کا یہ انجام دیکھ کر کافر تمنا کرے گا: کاش! میں بھی مٹی بن جاتا۔ (تفسیر فتح القدیر) اور دوزخ کے دائمی عذاب سے بچ جاتا مگر اس دن کا پچھتاوا بے سود ہوگا۔

[۳۶] اللہ تعالیٰ کا کلام کامل اور حق ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ کلام الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں دراصل وہ تعصب اور جہالت کی تاریکیوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے کان حق بات سننے کے لئے تیار نہیں اس لئے وہ بہرے ہیں اور ان کی زبان حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتی اس لئے وہ گونگے ہیں۔ اب جو شخص جہالت کی تاریکیوں میں سرگرداں ہو اور حق سننے اور حق کہنے کے وقت جان بوجھ کر بہرہ اور گونگا بن جائے وہ ہدایت کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

بے شک اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ ہدایت اور گمراہی اس کے قبضہ واختیار میں ہے لیکن وہ اسی کو گمراہ کرتا ہے جو دانستہ ہدایت سے روگردانی کرے اور جو حق کی تلاش میں کوشش کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہدایت کے راستے عیاں کر دیتا ہے۔ عام لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ افعال کا اصل خالق تو اللہ تعالیٰ ہے مگر خیر وشر کا فاعل بندہ ہے وہ اپنی مرضی سے ان کا ارتکاب کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔

تقدیر کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی پیدائش سے پہلے ہر نیکی اور بدی اپنے ازلی علم کے ساتھ لکھ دی ہے۔ جیسا ہونے والا تھا اور ہر انسان اپنی مرضی اور خوشی سے جو کچھ کرنے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کے مطابق اسے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا، اس کا نام تقدیر یا قضاء ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے ویسا ہی ہمیں کرنا پڑتا ہے اور ہم ویسا کرنے پر مجبور ہیں بلکہ جیسا کام ہم اپنے ارادہ سے کرنے والے تھے ویسا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا، یہی تقدیر ہے۔ اس مشکل مسئلہ کو مزید آسان انداز میں سمجھنے کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر سات کی تفسیر میں حضرت محمود غزنویؒ کا واقعہ ملاحظہ کریں۔

تقدیر کے متعلق افراط و تفریط

تقدیر کا مسئلہ جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک اور پیچیدہ بھی ہے، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے تقدیر کے بارے میں بحث و تکرار سے منع فرمایا۔ اس کے باوجود بعض لوگوں نے اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش کی اور افراط و تفریط کا شکار ہو کر گمراہ ہو گئے۔ ان کے دو مشہور مذہب ہیں جن کو جبریہ اور قدریہ کہا جاتا ہے۔

۱: جبریہ

ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے، وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرسکتا، بس جو بھی نیکی یا برائی اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھ دی ہے انسان وہی کرنے پر مجبور ہے۔ یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور برائی کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ اگر انسان کے پاس نیکی کرنے کا اختیار نہ ہوتا تو انبیائے کرام علیہم السلام کو نیکی کی تبلیغ کے لئے مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نیکی اور بدی کرنے میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے درجِ ذیل مثال سے اس عقیدہ کی تردید کی ہے:

جبریہ عقیدے کا حامل ایک مسافر کسی باغ کے پاس سے گذر رہا تھا۔ اسے بھوک لگی تو باغ میں داخل ہو کر انگور کھانے شروع کر دیئے۔ باغ کے مالک نے پکڑلیا اور پوچھا: ''میری اجازت کے بغیر آپ نے یہ جرأت کیوں کی؟'' وہ کہنے لگا: خدا کی اجازت کے بغیر پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ خدا کا باغ، خدا کا بندہ، خدا کے حکم سے کھا رہا ہے۔ میرا تو کوئی اختیار نہیں خدا سے پوچھ وہ مجھے کیوں کھلا رہا ہے؟ باغ کے مالک نے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر ڈنڈے مارنے شروع کر دیئے۔ وہ چیخ و پکار کرنے لگا کہ تم ظلم کر رہے ہو۔ مالک نے کہا: میں تو تیری طرح مجبور محض ہوں۔ خدا کے ڈنڈے، خدا کے حکم سے تم پر برس رہے ہیں۔ اس کاروائی کے بعد اس نے اپنے اس غلط عقیدہ سے توبہ کرلی۔

اس واقعہ کو لکھنے کے بعد حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے انسان! اگر تو کتے کو پتھر مارے تو کتا پتھر کو نہیں کاٹتا بلکہ تجھے کاٹتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور محض ہے اور تو مختار ہے۔ ارے کم عقل! کتا تجھ میں اور پتھر میں فرق کرتا ہے اگر تو اس فرق کو نہ سمجھے تو تُو پھر کتے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ آپ فرمایئے: بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟[۷-۳۷] اگر تم سچے ہو۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ؏ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ چاہے گا تو اس تکلیف کو دور کر دے گا جس کے لئے تم اسے پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک بناتے تھے۔

۲: قدریہ

ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مختار کل ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ عقیدہ بھی اسلام کے خلاف ہے کیونکہ مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل مثال سے اس عقیدہ کی تردید کی ہے:

ایک دفعہ ایک آدمی حضرت علی بن ابی طالب ؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ انسان مختار کل ہے۔ آپ نے فرمایا تم ایک ٹانگ اوپر اٹھاؤ۔ اس نے اٹھالی۔ آپ نے فرمایا۔ اس ٹانگ کو اوپر رہنے دو اور اب دوسری ٹانگ بھی اوپر اٹھالو۔ وہ کہنے لگا اس طرح تو میں گر جاؤں گا تو آپ نے فرمایا۔ بس اتنا ہی اختیار انسان کے پاس ہے کہ وہ ایک ٹانگ اٹھا سکتا ہے اگر مختار کل ہوتا تو دونوں اٹھالیتا۔

(اسلامی عقائد: تالیف محمد امداد حسین پیرزادہ)

تقدیر کے متعلق صحیح موقف

اہل سنت و جماعت کے نزدیک مذکورہ دونوں نظریات اسلام کے خلاف ہیں دراصل انسان نہ تو پتھر کی طرح مجبور محض ہے اور نہ خدا کی طرح مختار کل ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اچھے اور برے دونوں کام کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اس کے ساتھ عقل اور تمیز بھی عطا کی ہے اور اسی لئے اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ اچھے اور برے کو پہچان سکے۔ اب انسان اپنی مرضی سے اچھا کام کر سکتا ہے جس کا اسے ثواب ملے گا اور اپنی مرضی سے برائی بھی کر سکتا ہے جس کی اسے سزا ملے گی۔ البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں انسان بے بس ہے مثلاً زندگی و موت، کہاں پیدا ہوگا، کہاں مرے گا، شکل کیسی ہوگی وغیرہ مگر ان چیزوں کے متعلق انسان سے باز پرس بھی نہ ہوگی۔

[۷-۳۷] مشرکین عرب کا معاملہ بڑا عجیب تھا۔ ایک طرف تو وہ بتوں کو خدا کا شریک بناتے اور ان کی پوجا کرتے لیکن دوسری طرف جب کسی سمندری طوفان میں ان کی کشتی پھنس جاتی، سارے مادی سہارے ٹوٹ جاتے اور انہیں موت سامنے نظر آتی تو پھر بتوں کو بھول جاتے اور خالق حقیقی کو پکارتے۔ ان آیات میں مشرکین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ دنیاوی عذاب کے وقت تم جس خدا کو مجبوراً پکارتے ہو یا قیامت کے دن بتوں کی بے بسی دیکھ کر جس خدا کو پکارو گے وہی حقیقی خدا ہے۔ اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ اس آیت کی مزید تشریح کے لئے سورہ یونس (۱۰) کا حاشیہ نمبر ۲۳ ملاحظہ کریں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان اُمتوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں۔[۳۸]

فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ جب اُن کے پاس ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے عاجزی کیوں اختیار نہیں کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آراستہ کر دیا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے ان چیزوں پر جو انہیں دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ نا اُمید ہو کر رہ گئے۔[۳۹]

---

[۳۸] کفارِ مکہ کے اسلام نہ لانے سے حضور اکرم ﷺ غمگین رہتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لئے گزشتہ امتوں کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں جب تنگی اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا تا کہ وہ مشکلات سے گھبرا کر سرکشی سے باز آ جائیں تو انہوں نے تکالیف دیکھنے کے بعد بھی توبہ نہ کی بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے کیونکہ شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو اس طرح حسین بنا کر پیش کیا کہ انہیں اپنی بُرائی بھی اچھائی نظر آنے لگی تو ظاہر ہے جو قوم اپنی برائی کو بھلائی سمجھنے لگے اسے ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟ اسی طرح شیطان نے کفارِ مکہ کے دلوں میں یہ بات پختہ کر دی ہے کہ ان کے باپ دادا صدیوں سے بتوں کی پوجا کرتے آ رہے ہیں۔ وہ بھی غلط کیسے ہو سکتے ہیں؟ آج کل بعض اپنی غلط روش کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کئی تاویلات اور توجیہات کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ دراصل شیطانی وساوس ہیں۔ غلطی ہر حال میں غلطی ہے چاہے اپنے کریں یا بیگانے اور جتنا جلد ممکن ہو سکے اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ موت کسی بھی وقت آ سکتی ہے اور اس کے بعد پچھتانا بے سود ہوگا۔

[۳۹] بعض دفعہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو سختی اور تکلیف میں اس لئے مبتلا کرتا ہے تا کہ ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ سرکشی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بن جائیں لیکن اس کے باوجود جو قوم نصیحت حاصل نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیاوی رزق کے دروازے کھول دیتا ہے تا کہ ہر قسم کی فراوانی دیکھ کر اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس ہو اور وہ سرکشی سے باز آ جائے لیکن اس کے باوجود بھی جو قوم اس دنیا کی رنگینیوں میں مست رہتی ہے اور ظلم سے باز نہیں آتی تو پھر اچانک اللہ تعالیٰ کی گرفت آتی ہے اور اسے ہر طرف سے مایوس کر کے رکھ دیتی ہے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵

۴۵۔ پس ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا، اور سب تعریفیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶

۴۶۔ (پیارے نبی!) ان سے فرمایئے: بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں واپس لا دے، [۴۰] دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۷

۴۷۔ آپ ﷺ فرمایئے! یہ تو بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا اعلانیہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیا جائے گا۔ [۴۱]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہے اور اس کے باوجود دنیاوی شان وشوکت اور رزق کی فراوانی سے لطف اندوز ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے بلکہ اس کے لئے آزمائش اور ڈھیل ہے۔ مثال کے طور پر قارون کے پاس دولت کی اتنی فراوانی تھی کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا مگر جب اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آئی تو خزانوں سمیت زمین میں دفن کر دیا گیا۔ اسی طرح فرعون کے خاندان میں ہزاروں سال تک مصر کی حکومت رہی۔ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا تھا اور اس نے ہزاروں بے گناہ بچوں کو ذبح کرا دیا مگر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آئی تو فرعون کو لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ اس کی حکومت اور اس کی فوجیں اسے خدا کے عذاب سے نہ بچا سکیں۔ آج بھی دنیا کے حالات کچھ ایسے ہی ہیں کہ دولت وحکومت ان لوگوں کے پاس ہیں جو ظالم ہیں مگر یہ صورت حال ہمیشہ نہیں رہے گی ظالم لوگ بالآخر ناکام ہوں گے اور ان کے ظلم کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

[۴۰] پیارے نبی! مشرکین مکہ کو فرمایئے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں کی قوت بصارت اور کانوں کی قوت سماعت سلب کر لے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے یعنی ان کی سوچنے اور سمجھنے کی قوت سلب کر لے تو ان کے بتوں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ یہ چیزیں انہیں واپس دلا سکیں، اور اس حقیقت کو مشرکین اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اندھا پیدا کیا ہے اسے کوئی بینا نہیں کر سکتا لیکن اس قدر عام فہم اور واضح دلائل کے بعد بھی یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

[۴۱] پیارے نبی ﷺ! مشرکین مکہ کو فرمایئے کہ اگر ان کے پاس رات کی تاریکی میں اچانک یا دن کی روشنی میں اعلانیہ اللہ تعالیٰ کا

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوش خبری سنانے کے لئے اور (جہنم سے) ڈرانے کے لئے، [۴۲] پھر جو ایمان لے آئیں اور اصلاح کر لیں تو انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب پہنچے گا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ

۵۰۔ آپ فرمائیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں [۴۳] اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ

عذاب آجائے تو ایسے ظالم لوگ ہی ہلاک ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جب یہ زندگی گئی تو وہ فی الواقع ہلاک ہو گئے اور آخرت میں ان کے لئے دائمی عذاب کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگرچہ ایسے عمومی عذاب میں اہل ایمان بھی اس دنیاوی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں مگر اس عذاب یا آزمائش کے بدلے میں ان کی زندگی کی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور آخرت کی دائمی زندگی میں عظیم ثواب اور بلند درجات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

[۴۲] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے یعنی رسول نیک کاموں کے ثواب کی خوشخبری سناتے ہیں تاکہ لوگوں کو نیکی کی ترغیب ہو اور برے کاموں کے عذاب سے ڈراتے ہیں تاکہ لوگ برائی سے باز رہیں، لہٰذا جو لوگ ایمان لا کر نیک کام کرتے ہیں وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس قدر پُر امید ہوتے ہیں کہ انہیں کسی غم یا خوف کا اندیشہ نہیں ہوتا مگر جن لوگوں نے قرآن کی آیات کو جھٹلایا تو انہیں اس نافرمانی کے صلہ میں عذاب سے واسطہ پڑے گا۔

[۴۳] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر دور اور قرآن مجید کی ہر آیت ایک مستقل معجزہ ہے۔ نیز کفار مکہ کے مطالبہ پر چاند کو دو ٹکڑے بھی کیا گیا لیکن اس کے باوجود متعصب اور ضدی کفار اپنے کفر پر جمے رہے اور نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہے، مثلاً ان کے دو مطالبات یہ تھے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو تمام دنیا کے خزانے ہمارے لئے جمع کر دیں اور مستقبل میں پیش آنے والے تمام مفید اور نقصان دہ حالات سے ہمیں قبل از وقت آگاہ کر دیں تاکہ ہم ان کے مطابق تیاری کر لیں۔

اس آیت میں ان مطالبات کا جواب دیا گیا ہے یعنی تم جو مجھ سے خزائن دنیا اور مستقبل کے حالات بتانے کا مطالبہ کرتے ہو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ میرا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کا مالک ہوں اور از خود غیب جانتا ہوں۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ سارے خزانوں کا حقیقی مالک اور ہر غیب کا اصل علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور جو خزانے اور غیب اس نے مجھے عطا کئے ہیں ان کی

اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ؕ اَفَلَا

ہوں، [۴۴] میں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف نازل کی جاتی ہے، آپ فرمایئے: کیا اندھا

تقسیم اور تعلیم بھی اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق کرتا ہوں۔

حضورِ اکرم ﷺ نے کئی معجزات دکھائے، غیب کی خبریں بھی بتائیں، چاند کو دو ٹکڑے کیا، درختوں اور پتھروں نے حضورِ اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی گواہی دی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار کے مذکورہ مطالبات بھی پورے ہو سکتے تھے مگر ان کا جواب نفی میں دلانے سے مراد یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور خضوع کا اظہار کریں تاکہ لوگ آپ کے متعلق وہ اعتقاد نہ کرلیں جو حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا گیا تھا۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت سے حضورِ اکرم ﷺ کے علم غیب کی نفی پر استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ذاتی اور غیر محدود علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس نبی کو چاہتا ہے علم غیب عطا فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے رسول کے جس کو وہ پسند کرلے۔'' (قرآن: ۷۲: ۲۷-۲۶) نیز نبی کا معنیٰ ہی غیب اور مستقبل کی خبریں دینے والا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔'' (قرآن: ۳: ۴۹)

اسی طرح اس آیت سے حضورِ اکرم ﷺ کے مالک و مختار ہونے کی نفی کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی طرح لامتناہی خزانوں کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اگر میرے جیسے گناہ گار بندے کو اللہ تعالیٰ نے چند غریب لوگوں کی مدد کرنے کا خزانہ اور اختیار دے رکھا ہے تو اپنے نبی ﷺ کو کتنا اختیار دیا ہوگا ہمارے حساب و کتاب کے پیمانے اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ وہ اختیار اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اگرچہ محدود ہے لیکن ہماری نسبت سے لامحدود ہے، جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک میں اپنے حوض کو اب دیکھتا ہوں اور بے شک زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا کی گئی ہیں۔'' (بخاری: کتاب الجنائز: باب ۷۳) جو ہستی اس دنیا میں رہتے ہوئے حوضِ کوثر کو دیکھ لے اور جس کو اللہ تعالیٰ زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دے اس کے علم غیب اور خزانوں کا صحیح اندازہ انسان نہیں کر سکتا یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کا پیارا نبی ﷺ ہی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا علم غیب اور کتنے خزانے عطا فرمائے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو: ''بے شک میں تقسیم کرنے والا اور خازن ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔'' (بخاری: الخمس: باب ۷)

[۴۴] کفار کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے، یہ کیسا رسول ہے؟ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اگر یہ فرشتہ ہوتا تو ہم اس کو نبی مان لیتے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: نبی انسان ہوتے ہیں اور میں بھی ایک انسان ہوں فرشتہ نہیں ہوں۔

تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ؑ

اور دیکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں،[۴۵] کیا تم غور نہیں کرتے؟

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱

۵۱۔ اور اس (قرآن) سے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کی طرف جمع کئے جانے سے ڈرتے ہیں[۴۶] درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوگا،[۴۷] (انہیں ڈرایئے) تاکہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔

اس آیت سے یہ وہم نہ ہو کہ فرشتہ نبی سے افضل ہوتا ہے۔ فرشتہ اگرچہ دکھائی نہیں دیتا، کھانے پینے سے پاک ہے۔ جو شکل چاہے اختیار کر سکتا ہے اور سفر کے لئے سواری کا محتاج نہیں مگر پھر بھی نبی سے افضل نہیں بلکہ فرشتے تو حضرت آدم کے علم کے سامنے لاجواب ہو گئے اور انہیں حضرت آدم کی تعظیم کے لئے سجدہ ریز ہونا پڑا تھا۔ اسی طرح شیر، گھوڑا، سانپ اور پرندے ایسے کام کر لیتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جانور انسانوں سے افضل ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت شکوک و شبہات سے بالاتر ہے کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور وہ تمام جانوروں پر حکومت کر رہا ہے۔

[۴۵] جس طرح اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح حقائق میں غور و فکر کر کے توحید و رسالت پر ایمان لانے والے اور حقائق سے آنکھیں بند کر کے گمراہی میں سرگرداں رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے، لہٰذا عقل کے ناخن لو اور حقائق میں غور و فکر کر کے حق تلاش کرنے کی کوشش کرو۔

[۴۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ جو لوگ واضح دلائل کے باوجود اپنے عناد اور کفر سے باز نہیں آتے آپ ان سے مزید بحث و تکرار کی بجائے ان لوگوں کی طرف زیادہ توجہ فرمائیں جو کسی نہ کسی صورت میں قیامت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حساب و کتاب سے ڈرتے ہیں۔ نبی کی تبلیغ کا دائرہ اگرچہ قیامت کا اقرار اور انکار کرنے والے دونوں قسم کے لوگوں تک وسیع ہوتا ہے مگر قیامت پر ایمان رکھنے والوں سے ہدایت قبول کرنے کی توقع زیادہ ہے اس لئے اس آیت میں خاص طور پر ان کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

[۴۷] قیامت کے دن کفار کا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوگا، البتہ اللہ والوں کی دوستی قیامت کے دن بھی قائم رہے گی۔ (قرآن: ۴۳:۶۷) اور وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت بھی کریں گے۔ (قرآن: ۲:۲۵۵۔ ۳۴:۲۳) یعنی اہل ایمان کو ایمان کی برکت سے انبیاء، علماء، شہداء، حفاظ اور کمسن بچوں وغیرہ کی شفاعت نصیب ہوگی اور چونکہ یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی اس لئے حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی اہل ایمان کا شفیع ہوگا۔

وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ ؕ مَا عَلَيۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ وَّ مَا مِنۡ حِسَابِكَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَتَطۡرُدَهُمۡ فَتَكُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اوران (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ ہٹاؤ جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں درآں حالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں، [۴۸] ان کے حساب سے کوئی چیز آپ پر نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے حساب سے کوئی چیز ان پر ہے، پھر بھی اگر آپ انہیں دور ہٹائیں تو آپ بے انصافی کرنے والوں سے ہوجائیں گے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لِّيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈال دیا تا کہ وہ (مالدار کافر) کہیں: ''کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے؟'' [۴۹] (اے کافرو!) کیا اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟

---

[۴۸] مشرکین قریش کی ایک جماعت حضورِ اکرم ﷺ کے پاس سے گزری۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار وغیرہم غریب اور مسکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے۔ مشرکین نے کہا: اے محمد (ﷺ)! تم نے اپنی قوم میں سے انہی لوگوں کو پسند کیا ہے۔ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے کیا ہم ان مسکین لوگوں کے ساتھ بیٹھیں؟ تم ان کو دور ہٹادو تو شاید ہم آپ کی پیروی کریں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن جریر) مقصد یہ ہے کہ ان کفار کے ایمان کی امید میں اہل ایمان کو اپنی مجلس سے دور نہ کریں۔ اگر یہ کفار ایمان نہ لائے تو قیامت کے دن ان کفار کا حساب وکتاب آپ سے نہ ہوگا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے اوراسی طرح آپ کا حساب ان سے نہیں ہوگا یعنی کفار سے آپ کی تبلیغ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، لہٰذا اگر آپ ان مسکین اہل ایمان کو نکالیں گے تو ان کی دل آزاری ہوگی جو کہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کے واسطہ سے اہل ایمان کو یہ درس دیا ہے کہ غریب اہل ایمان کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قدر ایمان اور تقویٰ کی ہے، نسل اور دولت کی نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی گواہی دی ہے اور دوسرا جو لوگ حضورِ اکرم ﷺ کا قرب چاہتے ہیں وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حضورِ اکرم ﷺ کا قرب عطا فرمائے گا۔

[۴۹] ابتداء میں اکثر غریب لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یہ چیز کفار کے سرداروں اور مالداروں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بن گئی۔ وہ ان غریبوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے: کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا یعنی اسلام اگر واقعی اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا تو

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ (ان سے) فرمایئے: تم پر سلام ہو، [۵۰] تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت فرمانا لازم کرلیا ہے کہ تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی بُرائی کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۵۵﴾ ع

۵۵۔ اور اسی طرح ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں (تاکہ صالحین کا راستہ معلوم ہوجائے) اور مجرمین کا راستہ واضح ہوجائے۔ [۵۱]

سب سے پہلے ہم مالداروں کو اس کی توفیق ملتی کیونکہ ہم ہر لحاظ سے ان ناداروں سے بہتر ہیں۔'' لیکن ان کافروں کو کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک اور مال و دولت نہیں دیکھتا۔ اسے تو صرف وہ لوگ پسند ہیں جو شکر گزار ہیں اور جو تکبر، ناشکری اور کفر اختیار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کے مستحق نہیں ہیں۔

[۵۰] وہ نادار مسلمان جو کفارِ مکہ کے طعنوں اور مظالم کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم رہتے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لئے اپنے پیارے نبی ﷺ کو فرمایا: جب یہ اہل ایمان آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں سلام کرنے میں پہل کریں۔ نیز انہیں خوش خبری سنائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنی رحمت کا دامن اور کشادہ کردیا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی غلطی کر بیٹھے اور پھر نادم ہوکر توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اس آیت کا نزول اگرچہ ابتدائی دور کے نادار مسلمانوں کی عزت افزائی کے لئے ہوا مگر اس کا حکم عام ہے۔ آج بھی جو مسلمان عمداً یا غلطی سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر خلوصِ نیت سے توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''گناہ سے توبہ کرنے والا انسان ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔''

(ابن ماجۃ: ابواب الزہد: باب ۳۰)

[۵۱] اللہ تعالیٰ نے آیات کو کھول کر بیان کردیا تاکہ صالحین اور مجرمین کا راستہ واضح ہوجائے یعنی جو لوگ ان آیات پر غور و فکر کرکے ایمان لے آئیں وہ صالحین ہیں اور ان کا راستہ صحیح ہے، لہٰذا اس پر عمل کیا جائے، اور جو لوگ واضح آیات کے باوجود جان بوجھ کر ایمان نہیں لاتے وہ مجرمین ہیں اور ان کا راستہ غلط ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

[۵۲] کفارِ مکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کی خواہش اور کوشش تھی کہ کوئی ایسا راستہ تلاش کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ بھی ان کے

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِـعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ آپ فرمایئے: بے شک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو، [۵۲] آپ فرمایئے: میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا (نعوذ باللہ اگر میں ایسا کروں) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ

۵۷۔ آپ فرمایئے: بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر قائم ہوں جس کو تم نے جھٹلایا ہے، جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، [۵۳]

بتوں کی عبادت کرنے پر تیار ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: پیارے نبی! ان کفار کو واضح کر دو کہ مجھے بتوں کی عبادت سے منع کیا گیا ہے۔ اگر میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے بتوں کی عبادت شروع کر دوں تو میں خود گمراہ ہو جاؤں گا، لہٰذا میں اس روشن دلیل یعنی مقدس وحی پر قائم ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے۔

[۵۳] کفار کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ اگر قرآن مجید سچی کتاب ہے تو ہمارے انکار پر اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر مسلط کرے۔ (قرآن: ۸:۳۲) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم فرمایا: ان کفار کو کہہ دو کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کر رہے ہو اس کا اختیار میرے پاس نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر منحصر ہے چاہے تو کسی ظالم کو جلدی سزا دے دے اور چاہے تو اس کی ساری سزا آخرت کے لئے موخر کر دے لیکن اگر اس کا اختیار میرے پاس ہوتا تو میں تمہارے مطالبے پر یہ معجزہ دکھا کر اسی وقت فیصلہ فرما دیتا مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس ظالم کو کس وقت سزا دینا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ ان کے سامنے حق بیان کر دیا جائے اور عذاب نازل نہ کیا جائے۔

اس کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر میرے پاس حضرت موسیٰ اور حضرت نوح جیسا جلال ہوتا تو اب تک تم پر عذاب آ چکا ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (قرآن: ۲۱:۱۰۷) اس لئے میں نزول عذاب کی دعا مانگنے والا نہیں ہوں۔ اس کی تائید میں درج ذیل احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ اگر آپ حکم دیں تو اس ساری بستی کو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے مگر آپ نے فرمایا: "نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے عبادت گزار پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔" (بخاری: کتاب بدء الخلق: باب ۷)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے خلاف دعا مانگیں تو آپ نے

اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے،[۵۴] وہی حق بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ آپ فرمائیے: اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا،[۵۵] اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ اس کتابِ مبین میں ہے۔

فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم: کتاب البر: باب ۲۴)

[۵۴] کسی چیز کے بارے میں حکم کا حقیقی اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی اور کا حکم نہ مانا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو حکم کا اختیار دے رکھا ہے ان کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا بھی واجب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہیں۔'' (قرآن: ۴:۵۹) نیز ان کا حکم حکمِ الٰہی اور ان کی اطاعت اطاعتِ خداوندی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' (قرآن: ۴:۸۰)

[۵۵] غیب کے خزانوں کی چابیاں یعنی غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس علم غیب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خشکی اور تری یعنی زمین و سمندر میں جو کچھ بھی ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے حتیٰ کہ درختوں سے جب کوئی پتا گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے۔ نیز زمین کی تاریکیوں میں چھپا ہوا ہر دانہ اور ہر خشک و تر چیز اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ یا قرآن مجید میں لکھ دی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔'' (قرآن: ۱۶:۸۹) لہٰذا کائنات کی ہر چیز چاہے وہ چھوٹی ہے یا بڑی، ظاہر ہے یا پوشیدہ اللہ تعالیٰ کو اس کا کامل اور تفصیلی علم ہے، اس کے سوا اور کوئی از خود نہیں جانتا۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی اور کو غیب کا علم عطا نہیں کرتا بلکہ وہ قادرِ مطلق ہے جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے غیب کا

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور وہی ہے جو رات کو تمہیں (عارضی) وفات (نیند) دے دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تمہیں (نیند سے) اٹھاتا ہے تاکہ (تمہاری زندگی کی) مقررہ مدت پوری کر دی جائے، [۵۶] پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

علم عطا کر دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وہ غیب جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جس کو وہ پسند کر لے۔" (قرآن: ۷۲: ۲۸۔ ۲۷) رسولوں کے علاوہ عوام کو علم غیب سے آگاہ کیوں نہیں کیا جاتا، اس سوال کے جواب کے لئے سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۷۹ اور حاشیہ نمبر ۱۲۶ ملاحظہ کریں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میرے اوپر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمہارا خشوع اور بے شک میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔" (بخاری: کتاب الاذان: باب ۸۸) رکوع نماز کی ظاہری صورت کو اور خشوع باطنی کیفیت کو کہا جاتا ہے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ہر چیز کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور جو چیز نگاہوں سے غائب ہے اسے بھی جانتے ہیں کیونکہ نماز میں آپ ﷺ کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے صفوں میں ہوتے تھے اس کے باوجود آپ ان کے ظاہر و باطن کا علم رکھتے تھے، لیکن یہ حقیقت شکوک و شبہات سے بالاتر ہے کہ کسی نبی، فرشتہ حتیٰ کہ سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی، قدیم اور غیر محدود ہے۔ ایسا علم اللہ تعالیٰ ہی کے شایانِ شان ہے کسی اور میں اس کا ثابت کرنا شرک ہے۔ اس کے برعکس انبیائے کرام علیہم السلام کا علم عطائی، حادث اور محدود ہے۔ ایسا علم انبیائے کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، اس علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کو عطائی، حادث یا محدود کہنا کفر ہے۔

علامہ قرطبی اس تفصیل کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں: "غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور علم غیب تک پہنچانے والے ذرائع بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ کوئی اور ان کا مالک نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ جس کو غیب کا علم دینا چاہتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے اور جس کو محروم رکھنا چاہتا ہے اسے محروم کر دیتا ہے اور امور غیب پر آگاہی صرف رسولوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے جن پر علوم غیب کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔" (تفسیر قرطبی)

[۵۶] انسان رات کو آرام کرنے کے لئے سوتا ہے اور نیند میں اس کا عقل و شعور معطل ہو جاتا ہے جو کہ ایک عارضی موت کی طرح ہے اور دن کو کام کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور بیداری میں اس کا عقل و شعور واپس آ جاتا ہے جو کہ ایک طرح سے دوبارہ زندگی ملنے کے مترادف ہے۔ رات اور دن کے آنے جانے کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے اور وہ

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾

٦١۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے، [۵۷] یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس (کی روح) کو قبض کر لیتے ہیں [۵۸] اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔

موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا اور اس کے سامنے اس کی زندگی کی فلم چلا دے گا جس سے اسے اپنے سارے اعمال نظر آجائیں گے، پھر ان اعمال پر جزا و سزا کا فیصلہ صادر ہوگا، اچھے اعمال کے صلہ میں خوشی اور جنت ملے گی اور بُرے اعمال کے نتیجے میں شرمندگی اور جہنم سے واسطہ پڑے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کو بالآخر ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جہاں اس کی زندگی کے سارے اعمال ظاہر کر دیئے جائیں گے، لہٰذا آج اسے ہر غلط اقدام سے پہلے بار بار سوچنا چاہیے تاکہ کل میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

[۵۷] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ نیز اس نے بندوں کی نگرانی کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو انسان کی نیکیاں اور برائیاں نوٹ کرتے ہیں، ان کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ (قرآن: ۸۲:۱۱) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں، ایک اس کی دائیں طرف جو نیکیاں لکھتا ہے دوسرا بائیں طرف جو اس کی برائیاں لکھتا ہے۔ (تفسیر کبیر) اس میں حکمت یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا نامہ اعمال لکھا جا رہا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا تو اس کے اندر خوف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بُرائیاں کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔

[۵۸] جب انسان کی اس فانی زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور روح قبض کرنے کے وقت میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتے۔ اس آیت سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ روح قبض کرنے والا فرشتہ صرف ایک ہے جس کو قرآن مجید میں "ملک الموت" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ (قرآن: ۳۲:۱۱) اور بعض آثار میں اس کا نام "عزرائیل" بھی بتایا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: سورہ الم السجدہ) البتہ عزرائیل کے ساتھ کئی معاون فرشتے ہوتے ہیں اس لئے ان معاون فرشتوں کی نسبت سے اس آیت میں روح قبض کرنے والے متعدد فرشتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دنیا کے مختلف حصوں میں بے شمار لوگ فوت ہوتے ہیں تو ایک عزرائیل ان مختلف جگہوں سے کیسے روحیں قبض کرتا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دُرِّ منثور میں سورہ الم السجدہ کی آیت نمبر ۱۱ کی تفسیر میں کئی روایات درج کی ہیں، ان میں سے چار ملاحظہ کریں:

(۱) حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! ملک الموت تو ایک ہے اور مشرق و مغرب میں دو لشکر لڑتے ہیں اور

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲

۶۲۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے، [۵۹] خوب سن لو! حکم صرف اسی کا ہوگا اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔ [۶۰]

ہلاک ہوتے ہیں (تو ملک الموت سب کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے؟) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کے لئے دنیا اس طرح گھیر دی ہے جس طرح ایک طشت تمہارے سامنے ہو، لہٰذا دنیا کی کوئی چیز ملک الموت سے چھوٹ نہیں سکتی۔

(۲) حضرت ابراہیم نے ملک الموت یعنی عزرائیل سے پوچھا کہ جب ایک شخص مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں یا کسی ملک میں وبا پھوٹ پڑے یا دو لشکر آپس میں لڑائی شروع کر دیں تو آپ ان کی روحیں کیسے قبض کرتے ہیں؟ ملک الموت نے کہا: میں روحوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پکارتا ہوں اور تمام روحیں میری ان دو انگلیوں کے درمیان آجاتی ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس سے دو ایسے اشخاص کے بارے میں پوچھا گیا جن میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ایک ہی وقت میں فوت ہوئے تو ملک الموت دو مختلف جگہوں سے ایک ہی وقت میں کیسے روحیں قبض کرتا ہے؟ فرمایا: ملک الموت کے سامنے مشرق، مغرب، ہوا، سمندر اور تاریکیاں ایسے ہی ہیں جیسے کسی آدمی کے سامنے دسترخوان ہو وہ جہاں سے چاہے لے لیتا ہے۔

(۴) ملک الموت کے سامنے زمین سمیٹ کر طشت کی طرح کر دی گئی ہے، لہٰذا وہ جس جگہ سے چاہتا ہے روح کو پکڑ لیتا ہے۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ ملک الموت کے لئے ظاہر و باطن اور دور و نزدیک میں کوئی فرق نہیں ہے، ساری زمین سمیٹ کر دسترخوان کی طرح اس کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ ملک الموت کی بصیرت واقعی بڑی وسیع ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بصیرت کی جو وسعتیں حضور اکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں وہ فرشتوں سے کہیں زیادہ ہیں، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا ہے اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔'' (مسلم: حدیث نمبر ۲۸۸۹) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صرف زمین ہی نہیں بلکہ آسمانوں کا علم بھی عطا فرمایا، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا۔'' (ترمذی: تفسیر القرآن: حدیث نمبر ۳۲۳۳)

[۵۹] قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو زندہ فرمائے گا تو فرشتے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے۔ اس دنیا میں تو نمرود اور فرعون جیسے کئی ظالم لوگ ناحق مالک بن کر اپنا حکم چلاتے رہے ہیں اور حقیقی مالک کو تسلیم نہیں کیا، مگر قیامت کے دن ہر خاص و عام اور کافر و مؤمن کو مشاہدہ ہو جائے گا کہ حقیقی مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس دن صرف اسی کے حکم کے مطابق فیصلے ہوں گے اور اس کا کوئی فیصلہ عدل و انصاف کے خلاف نہیں ہوگا۔

[۶۰] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے بے شمار انسانوں کا حساب و کتاب اور پھر ہر انسان کی زندگی کا پورا ریکارڈ چیک کرنا، اس پر تو بہت لمبا عرصہ لگے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے

کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرنا جہالت ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے اور ایک انسان سے حساب لیتے وقت دوسرے انسانوں سے غافل نہیں ہوتا۔ جس طرح سورج ایک وقت میں دنیا کی ہر چیز کو اپنی روشنی سے منور کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ایک وقت میں دنیا کے ہر انسان کو اپنی توجہ سے فیضیاب کرتا ہے۔ اگر ملک الموت کو دنیا کے مختلف حصوں سے روحیں قبض کرنے میں کوئی وقت نہیں لگتا تو اللہ تعالیٰ جو ملک الموت کا خالق ہے اس کو بھی تمام دنیا کا حساب لینے میں کسی وقت کی محتاجی نہیں ہے۔ زمان و مکان کی وسعتیں اس کی قدرت کے سامنے سمٹ جاتی ہیں اور جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ صرف اتنا فرماتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ ہو جاتا ہے۔ (قرآن: ۲:۱۱۷) حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں میں سے نصف دن کی مقدار میں لے لے گا۔ (صفوۃ التفاسیر) دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے۔ (روح المعانی) ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت اور ارادہ کا اظہار ہے ورنہ وہ کسی وقت کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ حضرت علی ﷛ سے پوچھا گیا کہ ایک وقت میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کا حساب کیسے لے گا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح اللہ تعالیٰ ایک وقت میں سب انسانوں کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک وقت میں ان کا حساب بھی لے سکتا ہے۔ (تفسیر الشعراوی)

تقسیم ایوارڈز کا سب سے بڑا اجتماع

قیامت کے پچاس ہزار سالہ طویل ترین دن میں حساب و کتاب کا مرحلہ اور جنت و دوزخ کا فیصلہ تو بالکل مختصر وقت میں مکمل ہو جائے گا، باقی سارے دن میں کیا ہوگا؟ آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کرتے ہیں:

میدانِ حشر کی گرمی اور سختی سے گھبرا کر سارے انسان حضرت آدم کے پاس جا کر عرض کریں گے: آپ ہم سب کے باپ اور سب سے پہلے نبی ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں تاکہ حساب و کتاب کا سلسلہ شروع ہو۔ وہ فرمائیں گے: آج اللہ تعالیٰ جلال میں ہے مجھے تو خود اپنی فکر لاحق ہے، لہٰذا آپ اس سفارش کے لئے کسی اور کے پاس جائیں۔ سارے انسان مختلف انبیائے کرام علیہم السلام سے یہی جواب سنتے ہوئے آخر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے پاس آئیں گے۔ رحمتِ عالم حضورِ اکرم ﷺ اس سفارش کی حامی بھر کر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یا محمد! اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مسلم: کتاب الایمان: حدیث نمبر ۳۲۶) اس تفصیل کو ایک شعر میں ملاحظہ کریں۔

خلیل و نجی، مسیح و صفی سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری، کہاں سے کہاں تمہارے لئے

اس کے بعد حساب و کتاب شروع ہوگا اور بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔ اب کفار مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے اور ان کے لئے جہنم کا اعلان ہوگا، مگر کفار کو کیا خبر کہ جن اہل ایمان کو وہ زندگی میں ستایا کرتے تھے ان کو جنت میں کیا ملے گا کیونکہ کفار تو جنت میں جا نہیں سکیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں ان کفار کے سامنے اہل ایمان کو ایوارڈز اور اعزازات سے نوازیں گے تاکہ

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ آپ فرمایئے: تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔[۶۱]

کفار کو بھی اہل ایمان کی عظمتوں کا مشاہدہ ہو جائے۔

میرے خیال میں یہ خدائی ایوارڈز کی تقسیم کا سب سے بڑا اجتماع ہوگا جس میں انسانِ اوّل حضرت آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے کافر اور مؤمن موجود ہوں گے۔ بنی نوع انسان کا اتنا بڑا اجتماع نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ قیامت کے بعد کبھی ہوگا۔ اس اجتماع میں اہل ایمان خواتین و حضرات، کمسن بچوں اور کمسن بچیوں کو ان کے مراتب کے مطابق نورانی کرسیاں، عرش کا سایہ، حق شفاعت، نورانی جبے اور نورانی تاج عنایت کئے جائیں گے، مگر اعلیٰ قسم کے ایوارڈز انبیائے کرام کو ملیں گے جو نورانی منبروں پر تشریف فرما ہوں گے۔ اس سارے اجتماع میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شان نرالی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سب سے اعلیٰ ایوارڈ مقامِ محمود عطا فرما کر اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔ (تفسیر ابن جریر: سورہ نمبر ۱۷: آیت نمبر ۷۹) اور آپ کی شفاعت سے گناہ گار اہل ایمان کی بخشش کا سلسلہ شروع ہوگا۔ وہ کیسا سہانا منظر ہوگا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

ایوارڈ یافتہ کے مخالفین کا حسد سے جلنا یا پشیمانی سے کف افسوس ملنا ایک فطری امر ہے۔ اسی لئے اس دن کافر اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا: اے کاش! میں نے رسول ﷺ کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ (قرآن: ۲۵: ۲۷) یہ آیت پوری انسانیت کے لئے لمحہ فکریہ ہے تا کہ دنیا والے آج نبی آخر الزمان ﷺ کا راستہ اختیار کر لیں ورنہ آخرت میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کیا خوب کہا میرے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

[۶۱] مشرکین عرب کا معاملہ بڑا عجیب تھا، ایک طرف تو وہ بتوں کو خدا کا شریک بناتے اور ان کی پوجا کرتے لیکن دوسری طرف جب خشکی یا سمندر کی تاریکیوں اور مصیبتوں میں گھر جاتے، سارے مادی سہارے ٹوٹ جاتے اور انہیں موت سامنے نظر آ رہی ہوتی تو بتوں کو بھول جاتے اور بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ خالق حقیقی کو مدد کے لئے پکارتے کہ اگر وہ انہیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو وہ

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ آپ فرمائیے: اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ

۶۵۔ آپ فرمائیے: وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے کوئی عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے [۶۲] یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھا

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے اور ہمیشہ کے لئے اس کے شکرگزار بندے بن جائیں گے۔ ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ان ناقدر دانوں کو ان کا وعدہ یاد دلاؤ اور ان سے پوچھو کہ جب تمہیں ہلاکت کا خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو اور جب اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو پھر تم شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو۔ یہ کیسی انسانیت ہے اور تم کیسے انسان ہو؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت بعض کافر بھی دل میں عاجزی سے یا زبان سے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں (خوشی یا غمی) میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں اور اس کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کریں۔ یاد رکھیں! ہر مسلمان کا اللہ تعالیٰ سے پہلا وعدہ یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارے گا۔

[۶۲] اوپر سے آنے والے عذاب سے مراد آسمانی عذاب ہے جیسے ابابیل پرندوں کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں نے ابرہہ کی فوج اور ہاتھیوں کو تہس نہس کر دیا اور نیچے سے آنے والے عذاب سے مراد زمینی عذاب ہے جیسے قارون اور اس کے خزانوں کو زمین ہضم کر گئی۔ فرعون اور اس کے لشکر کو پانی کی لہروں نے نگل لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اوپر والے عذاب سے مراد بُرے حکام ہیں اور نیچے والے عذاب سے مراد بُرے خدام ہیں۔ (تفسیر ابن جریر) یعنی قانون بنانے والے حکمران، اس کے نافذ کرنے والے حکومت کے ملازمین اگر دونوں ہی بُرے ہوں تو عوام کا عذاب میں مبتلا ہونا ایک لازمی امر ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بُرے حکمران کہاں سے آتے ہیں؟ ان حکمرانوں کو یا تو عوام خود اپنے ووٹوں سے منتخب کرتے ہیں یا عوام کی بُرائیوں کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کو عوام پر مسلط کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ''جیسے تمہارے اعمال (اچھے یا بُرے) ہوں گے ویسے ہی حکام تم پر مسلط کئے جائیں گے۔''

(شعب الایمان للبیہقی: جلد ۶: ص ۲۳)

۲۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں سب بادشاہوں کا مالک اور بادشاہ ہوں، سب بادشاہوں

بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

دے، [۶۳] دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (حقیقت کو) سمجھ لیں۔

کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں، جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں اور حکام کے قلوب میں ان کی شفقت ورحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکام کے دل ان پر سخت کر دیتا ہوں۔ وہ ان کو ہر طرح کا بُرا عذاب چکھاتے ہیں، اس لئے تم حکام اور امراء کو بُرا کہنے میں اپنے اوقات ضائع نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اپنے عمل کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو درست کر دے۔"

(مشکوٰۃ: کتاب الامارہ: باب ۳)

[۶۳] علامہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کی امت پر اوپر سے عذاب نہ بھیجے اور نیچے سے عذاب نہ بھیجے اور نہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرے اور نہ بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے جیسا کہ بنی اسرائیل کو چکھایا تھا، تو حضرت جبرائیل آپ کی طرف نازل ہوئے اور کہا: اے محمد! آپ نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلی دو چیزیں عطا فرما دی ہیں اور آخری دو چیزوں کے بارے میں دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا آپ کی امت پر اب نہ اوپر سے عذاب آئے گا اور نہ ان کے پاؤں کے نیچے سے ایسا عذاب آئے گا جو ان کا استیصال کر دے کیونکہ عذاب کی یہ دونوں قسمیں ہر اس امت کے لئے تھیں جس نے اپنے نبی کی تکذیب کی ہو اور اپنے رب کی کتاب کو مسترد کر دیا ہو لیکن وہ ان کو گروہوں میں تقسیم فرمائے گا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزہ چکھائے گا اور یہ آخری دو قسم کے عذاب ان لوگوں کے لئے ہوتے ہیں جو مقدس کتاب کا اقرار کرتے ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں اور انہیں یہ عذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوگا۔ (تفسیر طبری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پہلی امتوں کی طرح اب مسلمانوں پر آسمان و زمین سے کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا جو امتِ مسلمہ کو کلی طور پر صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ جزدی اور خصوصی واقعات اگر بعض علاقوں میں پیش آئیں تو ان کی نفی نہیں ہے لیکن مختلف گروہوں میں تقسیم ہونا اور آپس میں لڑائی کرنا عذاب کی ایسی صورتیں ہیں جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمارے اوپر مسلط ہیں اور جب تک ہم ان گناہوں سے سچی توبہ نہیں کریں گے ہمارا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا جائے گا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

فقہی مذاہب کا اختلاف

بعض لوگ مختلف فقہی مذاہب کو بھی اسی فرقہ بندی میں شمار کرتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف نہ تو نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہے اور نہ ہی عقائد واصول میں ہے جو کہ قابلِ مذمت ہے بلکہ یہ تو قرآن وسنت کے بتائے ہوئے اصولِ اجتہاد کے مطابق

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶۶

۶۶۔ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہ حق ہے، آپ فرمایئے: میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ [۶۴]

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

۶۷۔ ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے۔

فروعی مسائل میں ہے اور ایسا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی تھا مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ (قرطبی: تفسیر بسم اللہ) اس لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جہری نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنے کے قائل تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جہری نماز میں بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے۔ (قرطبی: تفسیر بسم اللہ) اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جہری نماز میں بسم اللہ شریف آہستہ پڑھنے کے قائل تھے اور غالباً اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو پیشگی بتادیا: ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی پیروی کرلو ہدایت پا جاؤ گے۔''
(مشکوٰۃ: کتاب المناقب)

نیز حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا اور کئی احکام سنت کے لئے چھوڑ دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں اور کئی امور رائے اور قیاس کے لئے چھوڑ دیئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: جلد ۵: ص ۱۴۲۴)

جس طرح سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف تھا مگر چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ماتحت تھیں اس لئے وہ احکام خداوندی ہی تھے۔ اسی طرح مجتہدین امت کے مذاہب میں فروعی اختلاف ہے مگر چونکہ یہ اصول قرآن وسنت کے ماتحت ہے اس لئے یہ احکام قرآن وسنت ہی کہلائیں گے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ''بے شک علماء انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔'' (ترمذی: ابواب العلم: باب ۱۹)

۲۔ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' (کنز العمال: جلد ۱۰ ص ۱۳۶)

اگر اسلام کے بنیادی عقائد میں اختلاف ہوجائے تو پھر اسلام اور کفر کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے، لہٰذا فروعی اور بنیادی اختلاف کو سمجھنے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اگر کسی کو بنیادی عقائد کی وجہ سے کافر کہا جائے تو پھر ان میں سے ایک ضرور کافر ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے اسلامی بھائی کو کافر کہا تو کفر دونوں میں سے ایک کی طرف ضرور لوٹے گا۔ اگر وہ شخص واقعی کافر ہوگیا تھا تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔ (مسلم: حدیث نمبر ۱۱۱: کتاب الایمان: باب ۲۶)

[۶۴] جب کفارِ مکہ نے قرآن مجید کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا حالانکہ وہ سچی کتاب ہے اور اس میں بیان ہونے والی ساری خبریں حق ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہوں، میرا کام دعوت وتبلیغ ہے اور تمہیں آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے، اب

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۞

۶۸۔ اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو [۶۵] یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

وَ مَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۞

۶۹۔ اور ان کافروں کے حساب میں سے کسی چیز کی ذمہ داری پرہیز گاروں پر نہیں ہے، [۶۶] البتہ نصیحت (کرنا ان کی ذمہ داری ہے) شاید وہ بھی پرہیز گار بن جائیں۔

وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ

۷۰۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دُنیوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرو [۶۷] تا کہ کوئی

اگر تم قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے تو جس بُرے انجام سے قرآن تمہیں ڈراتا ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر خود تمہارے سامنے آجائے گا۔

[۶۵] اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کے واسطہ سے امتِ مسلمہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ ایسی مجلس سے اجتناب کریں جس میں قرآن اور اسلام کی عیب جوئی کی جا رہی ہو، اور اگر کبھی غلطی سے ایسی مجلس میں جا پہنچو تو یاد آنے کے فوراً بعد اس مجلس سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ انسان اپنے ہم نشین کی عادات، اخلاق اور عقائد سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بری سوسائٹی سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک سوسائٹی بہتر ہے۔'' نیز اچھی بات کا لکھنا خاموشی سے بہتر ہے اور بُری بات لکھنے سے خاموشی بہتر ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی: حدیث نمبر ۴۹۹۳) اس آیت کی مزید تشریح کے لئے سورہ النساء کا حاشیہ نمبر ۱۴۹ ملاحظہ کریں۔

[۶۶] اگر کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے اہل ایمان کو کفار کی مجلس میں بیٹھنا پڑ جائے جو اسلام اور قرآن کی نکتہ چینی میں مشغول ہوں تو کفار کے اس گناہ کا عذاب اہل ایمان کو نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو کسی مجبوری سے وہاں گئے تھے، لیکن پھر بھی بقدرِ طاقت اور حسبِ موقع ان کفار کو اچھی نصیحت کرنا ان کی ذمہ داری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس نصیحت سے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو جائے اور وہ قرآن و اسلام کے مذاق سے باز آجائیں۔

[۶۷] مشرکین مکہ نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے۔ یعنی ایک طرف تو وہ اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف صحیح دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ دنیوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ وہ اسی

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ع

شخص اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا مددگار اور سفارشی نہ ہوگا، اور اگر وہ ہر قسم کا معاوضہ (بہت بڑا معاوضہ) بھی دے تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے ہیں، ان کے پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے بوجہ اس کفر کے جو وہ کرتے تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

۷۱۔ آپ فرمایئے: کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے؟ اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے؟ [۶۸] اس شخص کی طرح جس کو شیاطین نے زمین میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و پریشان پھر رہا ہو، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہوں (اور کہہ رہے ہوں) کہ ہمارے پاس آ جا۔ آپ فرمایئے: بے شک اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کفار سے دور رہیں اور ان کی سوسائٹی سے اجتناب کریں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو تبلیغ بھی نہ کریں بلکہ اس قرآن کے ذریعہ انہیں نصیحت کرتے رہیں تا کہ ان کے خلاف حجت قائم ہو جائے اور قیامت کے دن وہ لاعلمی کا عذر نہ کر سکیں۔ نیز نصیحت کرنے والے کو تبلیغ کا ثواب بہر حال ملتا ہے۔ سننے والا عمل کرے یا نہ کرے، جیسے مؤذن کو اذان دینے کا ثواب ضرور ملتا ہے سننے والا نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ اس تبلیغ کے باوجود بھی اگر وہ کفر پر قائم رہیں تو آخرت میں ان کا کوئی مددگار و سفارشی نہیں ہوگا اور ان سے کسی قسم کا معاوضہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ کفر یہ کرتوتوں کی وجہ سے وہ جہنم رسید ہوں گے اور ہمیشہ دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

[۶۸] مشرکین کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان اسلام کو چھوڑ کر بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سیدھے راستہ پر گامزن کر دیا ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی طرف لوٹ آئیں جو کسی کو نفع یا

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو، اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، اور جس دن وہ کہے گا کہ تُو ہو جا تو وہ ہو جائے گا، [۶۹] اس کا فرمان حق ہے، اور اسی کی حکومت ہو گی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: [۷۰] کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

نقصان نہیں پہنچا سکتے، لہٰذا جو شخص اسلام کو چھوڑ کر بت پرستی کی طرف جائے گا اس کی مثال اس شخص کی طرح ہو گی جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگل میں سیدھے راستہ پر جا رہا ہے، پھر شیطان اسے بہکا دے اور وہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر غلط راہ پر گامزن ہو جائے اور ساتھی اسے واپس سیدھی راہ کی طرف بلائیں لیکن وہ اپنے راست باز ساتھیوں کی نصیحت کی پرواہ نہیں کرتا اور جنگل میں حیران و پریشان پھر رہا ہے، ایسا نادان انسان کبھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکے گا، مگر اے مشرکین! کان کھول کر سن لو! ہم اس شاہراہِ ہدایت کو چھوڑنے والے نہیں ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں چلایا ہے اور ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اسی کی عبادت کریں کیونکہ آخر کار ہم سب اسی کی طرف جمع کیے جائیں گے۔

[۶۹] اللہ تعالیٰ نے زمین کو درست اور با مقصد پیدا فرمایا ہے تا کہ بنی نوع انسان اِن (زمین و آسمان) کے درمیان اپنی دنیاوی زندگی گزاریں اور آخرت کے لئے تیاری کریں۔ جس دن یہ دار العمل اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونکا جائے گا اور ساری کائنات فنا ہو جائے گی، پھر جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو سارے انسان زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ یہ دار الجزا کا پہلا دن ہو گا جس میں سارے فیصلے حق و انصاف کے مطابق ہوں گے، اس دن اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہو گی۔ دراصل بادشاہی تو آج بھی اسی کی ہے مگر کفار آج اس کی بادشاہی کو تسلیم نہیں کرتے لیکن اس دن کفار کو بھی مشاہدہ ہو جائے گا کہ واقعی اصل بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو ہر ظاہر اور ہر باطن سے باخبر ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

[۷۰] اس آیت کے ضمن میں پیدا ہونے والے چند سوالات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا یا چچا؟ اس میں اختلاف ہے تاہم لغت، تفسیر اور تاریخ کی اکثر کتب میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ اور چچا کا نام آزر لکھا ہے۔

(۲) اگر آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا تو قرآن مجید میں اس کو باپ کیوں کہا گیا؟ عربی زبان میں ''اب'' اور ''والد'' کے معنی ہیں: ''باپ'' مگر ''اب'' عام ہے جو سگے باپ، سوتیلے باپ، دادا، ماموں، چچا اور اُستاد پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم اس ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کے آباء یعنی حضرات ابراہیم، اسماعیل واسحاق علیہم السلام کا معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار رہیں گے۔'' (قرآن: ۲: ۱۳۳)

اس آیت میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب کے باپ نہیں بلکہ چچا ہیں۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ ''میرا باپ'' کے نام سے یاد فرمایا۔ (تفسیر الشعراوی) مگر والد صرف سگے باپ کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے ہر جگہ آزر کو حضرت ابراہیم کا ''اب'' فرمایا ہے کہیں بھی والد نہیں فرمایا۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ چچا کو باپ کہنا عمومی محاورہ ہے خصوصاً اس صورت میں جب چچا نے پرورش کی ہو اور یہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن میں یتیم ہو گئے ہوں اور چچا آزر نے آپ کی پرورش کی ہو۔ (تفسیر مظہری۔ سورہ انعام: زیر آیت ۷۶)

(۳) آزر مسلمان تھا یا کافر؟ آزر کافر تھا کیونکہ وہ مرتے دم تک بتوں کی عبادت کرتا رہا۔

(۴) آزر اگر کافر تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کیوں مانگی؟ کفار کے مرنے کے بعد ان کے لئے نجات کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ (قرآن: ۹: ۱۱۳) لیکن ان کی زندگی میں ان کے لئے ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوجہل اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی: ''یا اللہ! ان دو آدمیوں یعنی ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہے اس کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت عطا فرما۔'' (ترمذی: ابواب المناقب: باب ۱۸) کیونکہ یہ دونوں مکہ میں بااثر آدمی تھے، ان میں سے کسی ایک کے ایمان لانے سے اسلام کو تقویت ملے گی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے چچا آزر کے لئے ہدایت کی دعا اس لئے مانگا کرتے تھے کیونکہ وہ حاکم وقت نمرود کا وزیر اور اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ اس کے ایمان لانے سے اہل ایمان کو تقویت ملتی۔ نیز آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر جب آزر کی کفر پر موت ہو گئی اور اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے لئے دعا مانگنا ترک کر دی۔ (تفسیر ابن جریر: سورہ توبہ: زیر آیت نمبر ۱۱۴)

(۵) آزر کی موت کب واقع ہوئی؟ آزر کی موت اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔ آپ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی تو آزر کہنے لگا: میری قرابت داری کی برکت سے آگ نے اسے نہیں جلایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شعلہ بھیجا جس نے آزر کو جلا کر ہلاک کر دیا۔ (تفسیر روح المعانی: سورہ انبیاء: زیر آیت نمبر ۶۹) آزر کے کفر پر مرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بے زاری کا اعلان کر دیا اور اس کے لئے دعا مانگنا ترک کر دی جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۴ میں مذکور ہے۔

(۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد حضرت تارخ مسلمان تھے یا کافر؟ اہل سنت کے نزدیک حضرت تارخ مسلمان تھے اور اس کا

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵

۷۵۔ اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں [۷] تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت تارخ کے انتقال کے بعد آخر دم تک ان کے لئے دعائے مغفرت جاری رکھی۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ جب خانہ کعبہ تعمیر کر لیا تو ایک سو سال سے زائد عمر یعنی اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنے مرحوم والدین کے لئے درج ذیل دعا مانگی: ''اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب اہل ایمان کو بھی جس دن حساب قائم ہو گا۔'' (قرآن: ۱۴:۴۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو اتنا قبولِ عام نصیب ہوا کہ آج بھی مسلمان نماز میں انہی الفاظ کے ساتھ اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے اور تعمیر کعبہ کے درمیان تقریباً پچاس سال کا وقفہ ہے۔ ظاہر ہے اس دعا کا مستحق آزر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے مرے ہوئے پچاس سال گزر چکے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے کفر پر مرنے کے باعث پچاس سال پہلے اس سے بے زاری کا اعلان کر چکے تھے، لہٰذا اس دعا میں والد سے مراد حضرت ابراہیم کے حقیقی باپ حضرت تارخ ہیں۔ اگر وہ کافر ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کرتے۔

(۷) کیا نبی کا باپ کافر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے مگر اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے والدین میں سے کوئی بھی مشرک اور کافر نہیں تھا بلکہ سبھی توحید پرست تھے۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ''میں ابتدا سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک ناپاک ہیں۔'' (تفسیر روح المعانی)

۲۔ ''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں اور بدکاری سے پیدا نہیں ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حتیٰ کہ میرے باپ اور میری ماں نے مجھے جنا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔'' (تفسیر الشعراوی) یعنی آدم اور حوا علیہما السلام سے لے کر حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری مائیں اور باپ پاک یعنی توحید پرست تھے، ان میں سے کوئی بھی ناپاک یعنی مشرک نہیں تھا۔ اب آزر کو جو کہ مشرک تھا اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تسلیم کیا جائے تو نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مشرک کی اولاد قرار پاتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے، کیونکہ آپ کے سارے آباء و اجداد شرک سے پاک تھے۔

[۷] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی عظیم بادشاہی میں موجود نشانیاں اور مخلوقات یعنی سورج، چاند، ستارے، درخت، جانور، پہاڑ، سمندر اور ان کے ظاہری اور باطنی حقائق دکھائے، نیز عرش اور جنت کا بھی مشاہدہ کرایا، تاکہ آپ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہو جائیں جو صرف سن کر نہیں بلکہ ہر چیز کو دیکھ کر اس کا یقینی علم رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری) ذرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم اور مشاہدہ کا اندازہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو کتنے عظیم مقامات عطا فرماتا ہے۔ امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں درج

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ پھر جب رات (کی تاریکی) ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، انہوں نے کہا: (تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔[۷۲]

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا: (تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں ضرور گمراہ قوم سے ہو جاتا۔

ذیل حدیث نقل کی ہے جو دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں نے (خواب میں) اپنے رب تعالیٰ کو بڑی ہی حسین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! یہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: تو ہی بہتر جانتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کو جان لیا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی یعنی ''اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔'' (تفسیر ابن جریر طبری)

[۷۲] انبیائے کرام علیہم السلام اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی معصوم، توحید پرست اور کفر و شرک سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو نبی نہیں بناتا۔ (قرآن: ۲: ۱۲۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پرست تھے مگر ان کی قوم سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی عبادت کرتی تھی۔ آپ نے اپنی قوم کو شرک سے نفرت دلانے اور توحید سے عقیدت پیدا کرنے کے لئے بڑے حکیمانہ انداز میں عام فہم مثالیں بیان کیں، یعنی اے میری قوم اتم سورج، چاند اور ستاروں کو رب سمجھتے ہو اور تمہارے خیال میں یہ میرے بھی رب ہیں۔ آیئے ذرا حقائق کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں کہ کیا واقعی یہ میرے رب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ جب غروب ہو جاتے ہیں تو اس وقت تم کس کی عبادت کرو گے۔ نیز یہ خود مجبور ہیں، وقت معین پر طلوع ہوتے ہیں اور غروب ہوتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے پر قادر نہیں ہیں تو جو خود تغیر پذیر ہیں اور اپنے وجود اور اپنی حرکات میں کسی دوسری طاقت کے تابع ہیں وہ ہمارے معبود اور رب کیسے ہو سکتے ہیں، اس لئے میں تو ہمیشہ کی طرح تمہارے شرک سے بیزار ہوں اور تمہارے باطل خداؤں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی طرف توجہ کرتا ہوں جو سورج، چاند، ستاروں اور زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے تمہاری اس گمراہی سے بچائے رکھا۔

[۷۳] توحید کی ترغیب اور شرک کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل اتنے عام فہم تھے کہ ان کی قوم کے لوگ عاجز و لاجواب

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا: (تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا: اے میری قوم! میں ان سب سے بے زار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ بے شک میں نے یک سو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، [۴۳] انہوں نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے، اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو مگر یہ کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے؟

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور میں کیسے ڈروں ان سے جنہیں تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے جبکہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی، [۴۴] سو دونوں فریقوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو۔

ہو کر جھگڑنے پر اُتر آئے اور کہنے لگے: تم ہمارے خداؤں کی ہتک سے باز آجاؤ ورنہ ان کا غضب تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو کیونکہ وہ عاجز اور بے بس ہیں مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے، ہاں اگر میرا رب مجھے آزمائش میں مبتلا کرنا چاہے تو وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

[۴۴] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں ہدایت یافتہ ہو کر تمہارے جھوٹے معبودوں سے کیوں ڈروں جبکہ تم ظالم اور گمراہ ہو کر بھی معبودِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور ان چیزوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو جن کے معبود ہونے کی کوئی عقلی اور نقلی دلیل تمہارے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾

۸۲۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾

۸۳۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، [۷۵] ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۭ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾

۸۴۔ اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی)، اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ [۷۶]

پاس نہیں، لہٰذا تم اس شرک سے باز آجاؤ کیونکہ قیامت کے دن وہی گروہ امن کا زیادہ مستحق ہوگا جس نے اپنے ایمان کو شرک سے پاک رکھا اور اس دور میں وہ میرا گروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دے رکھی ہے۔

[۷۵] حضرت ابراہیم نے توحید کے ایسے واضح اور عام فہم دلائل بیان کئے جن کے سامنے ان کی قوم عاجز اور لاجواب ہوگئی۔ یہ دلائل دراصل اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے دل میں ڈالے اور یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص کرم تھا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بلند درجات عطا فرماتا ہے۔

[۷۶] ان آیات میں ۱۸ انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے حضرت نوح تو حضرت ابراہیم کے جد امجد ہیں اور باقی سب کو حضرت ابراہیم کی اولاد فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے بعض بعض کے آباء و اجداد، اولاد اور بھائی بھتیجے ہیں۔ نیز حضرت ابراہیم کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک جتنے انبیاء و رسل علیہم السلام آئے وہ سب آپ کی اولاد میں سے تھے یعنی حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے حضرت اسحاق کی اولاد سے ہزاروں انبیائے بنی اسرائیل آئے اور حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور (ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو، یہ سب صالحین میں سے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور (ہم نے ہدایت دی) اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو، اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور (ہم نے ہدایت دی) انکے باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو، اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو سیدھے راستے پر چلایا۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے، اور اگر وہ شرک کرتے تو جو اعمال وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ یہ (انبیائے کرام) وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کی تھی، پس اگر یہ لوگ (مشرکین مکہ) ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں [۷۷] تو ہم نے ان چیزوں پر ایک ایسی قوم کو مقرر کر دیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔

سارے انبیائے کرام علیہم السلام ہدایت یافتہ، اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ، صالح اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہوتا کیونکہ شرک نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ نیز سارے انبیائے کرام علیہم السلام اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے افضل ہوتے ہیں۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر چہ عزت و ذلت اور نجات و عذاب کا اصل مدار انسان کے ذاتی اعمال پر ہوتا ہے لیکن آباء و اجداد میں کسی نبی یا ولی کا ہونا یا اولاد میں علماء و صالحین کا ہونا بھی باعثِ شرف و برکت ہے۔

[۷۷] اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: جس طرح آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو کتاب و حکمت اور نبوت عطا کی گئی اسی طرح آپ کو بھی یہ شرف عطا فرمایا گیا ہے۔ اب اگر مکہ کے مشرکین آپ کی نبوت اور ہدایت کا انکار کرتے ہیں تو غم

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۹۰ ع

۹۰۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی، پس آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں، [۷۸] آپ فرمائیے: میں اس (تبلیغ قرآن) پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، یہ (قرآن) تو صرف ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لئے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا

۹۱۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا، [۷۹] آپ فرمائیے کہ وہ

نہ کریں ہم نے اہل ایمان کی ایک ایسی قوم مقرر کردی ہے جو آپ کی نبوت اور ہدایت کا انکار نہیں کرے گی جیسا کہ انصار و مہاجرین اور دیگر صحابہ کرام ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا حق ادا کردیا ہے۔

[۷۸] اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا: پیارے نبی! سارے انبیائے کرام علیہم السلام ہدایت یافتہ تھے اور آپ بھی ہدایت یافتہ ہیں، لہٰذا آپ بھی ان کا طریقہ اختیار کریں اور پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ تبلیغ پر معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے، لہٰذا آپ بھی اپنی قوم کو آگاہ کردیں کہ تمہیں جو قرآن کی تبلیغ کرتا ہوں یہ میرا پیشہ نہیں بلکہ مقصدِ حیات ہے، لہٰذا میں اس پر تم سے کوئی فیس یا معاوضہ نہیں مانگتا کیونکہ یہ قرآن تو تمام لوگوں کے لئے نصیحت اور خیر خواہی کا پیغام ہے جو ہر کسی کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ حق پر کوئی معاوضہ نہ لینا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے اور تبلیغ کے مؤثر ہونے میں اس کا بڑا دخل ہے۔

[۷۹] اس آیت کے نازل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہود کا ایک گروہ اپنے حبر (مذہبی پیشوا) مالک بن صیف کو لے کر حضور اکرم ﷺ سے بحث کرنے کے لئے آیا۔ حضور اکرم ﷺ نے مالک بن صیف سے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی، کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے حبر کو پسند نہیں کرتا؟ (جو حرام کھا کر موٹا ہوجاتا ہے) اس نے کہا ہاں یہ تورات میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تو بھی تو موٹا حبر ہے اور یہودیوں کے مال کھا کر موٹا ہوگیا ہے۔ اس پر وہ غضب ناک ہوکر کہنے لگا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ حبر کے ساتھیوں نے جب یہ بات سنی تو وہ اُسے ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات نازل نہیں کی؟ تو نے یہ کیوں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ مالک نے کہا: دراصل محمد ﷺ نے مجھے غضب ناک کردیا تھا تو میں نے یہ کہہ دیا۔ یہود نے اسے کہا: تو نے غضب میں آکر اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط بات کہہ دی اور اللہ تعالیٰ کی ناقدری کردی، لہٰذا تو اس قابل نہیں کہ تجھے حبر کے عہدے پر

وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

کتاب کس نے نازل کی تھی جس کو موسیٰ لائے تھے، وہ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے ہیں، تم ان (میں سے بہت کم) کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا لیتے ہو، [۸۰] اور تمہیں وہ علم دیا گیا جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، [۸۱] آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ (نے تورات نازل فرمائی ہے)، پھر ان کو چھوڑ دیجئے تا کہ وہ اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔

برقرار رکھا جائے، چنانچہ یہود نے اسے حبر کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ (تفسیر خازن و روح المعانی)

[۸۰] تورات صرف مذہبی رہنماؤں کے پاس ہوتی تھی اور انہوں نے تورات کی آیات کو الگ الگ کاغذات پر لکھا ہوا تھا۔ قرآن مجید کی طرح نہ تو تورات عوام کو زبانی یاد تھی اور نہ اس کے نسخے عوام کے پاس ہوتے تھے، اس لئے جب کبھی عوام کو کسی مسئلہ کی ضرورت پڑتی اور وہ مذہبی رہنماؤں کے پاس جاتے تو وہ اپنی مرضی کے جوابات والے کاغذات انہیں دکھاتے اور جو آیات ان کی مرضی کے خلاف ہوتیں وہ کاغذات تورات کے فولڈر سے نکال کر کہیں علیحدہ رکھ دیتے۔ اس طرح وہ تورات کی اکثر آیات مثلاً رجم کی سزا اور حضور اکرم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بشارات کو عوام سے چھپا لیتے تھے، مگر قرآن مجید کی حفاظت کی کیا شان ہے۔ یہ صرف علماء ہی نہیں بلکہ عوام کے گھروں اور سینوں میں بھی محفوظ ہے، لہٰذا کوئی عالم کسی آیت کی غلط تاویل تو کر سکتا ہے مگر اس کی آیات کو چھپا نہیں سکتا۔

ذاتی خواہشات کے لئے مذہبی احکام کو چھپانے اور ان کی غلط تاویل کرنے والے دین فروش صرف اہل کتاب میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں اور ان کے لئے نبی کریم ﷺ نے سخت عذاب کی خبر دی ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس سے کوئی علمی سوال پوچھا گیا اور اس نے اس علم کو چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔"

(ترمذی: ابواب العلم: باب ۳)

[۸۱] حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ یہود کو گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام اور بنی اسرائیل کے بارے میں بہت سی ایسی معلومات بھی ملیں جن کو نہ وہ خود جانتے تھے اور نہ ہی ان کے باپ دادا، نیز اس آیت میں حضور اکرم ﷺ نے پہلے خبر پر سوال کیا کہ حضرت موسیٰ پر کتاب کس نے نازل کی اور آخر میں خود ہی جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ پر قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ان واضح دلائل کے بعد بھی اگر وہ انکار کرتے ہیں تو آپ غم نہ کریں اور انہیں ان فضول بحثوں میں سرگرداں رہنے دیں۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور یہ (قرآن) کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، یہ برکت والی ہے، یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے گردو نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں، [۸۲] اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی، اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسا (کلام) نازل کروں گا جیسا اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، [۸۳] اور کاش آپ اس وقت دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور انہیں کہیں گے:) نکالو اپنی جانوں کو، آج تمہیں اس وجہ سے ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق بہتان لگاتے تھے اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

[۸۲] مکہ کے گرد و نواح سے مراد اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ساری دنیا ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ ساری دنیا کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے تشریف لائے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ) بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والے ہوں۔'' (قرآن: ۲۵:۱)

[۸۳] جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے یا جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرے یا قرآن مجید جیسا کلام نازل کرنے کا دعویٰ کرے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ اگرچہ دنیاوی زندگی میں انہیں اس ظلم کا احساس بہت کم ہوتا ہے لیکن جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور خوف ناک آواز میں انہیں کہتے ہیں کہ اپنی جانیں ہمارے حوالے کر دو تو اس وقت موت کی سختی اور قبر کی دہشت سے جو حشر ان ظالموں کا ہوتا ہے اگر دنیا والوں کو نظر آ جائے تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ تکبر نہ کرے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع ۱۲

۹۴۔ اور بے شک تم ہمارے پاس تنہا آ گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تنہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں، [۸۴] بے شک تمہارے باہمی تعلقات ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، [۸۵] وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالنے والا ہے، یہی تو اللہ تعالیٰ ہے، پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟

---

[۸۴] قیامت کے دن اہل ایمان کے ساتھ نماز، روزہ اور صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کا ثواب ہوگا مگر مشرکین بغیر کسی ثواب کے خالی ہاتھ اور تنہا ہوں گے اس لئے اللہ تعالیٰ از راہ عتاب انہیں فرمائے گا: تم تنہا آ گئے ہو، جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سارا دنیا میں ہی چھوڑ آئے ہو کچھ بھی آخرت کے لئے نہیں بھیجا اور جن کو تم اپنا سفارشی اور میرا شریک سمجھتے تھے وہ بھی تم سے جدا اور غائب ہو گئے ہیں تو آج تمہیں کون پناہ دے گا؟

[۸۵] ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت کے چند کرشمے بیان کئے گئے ہیں تاکہ انسان ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر سکے یعنی خشک دانے اور سخت گٹھلی کو چیر کر اس سے سرسبز پودے اور بلند و بالا درخت اُگانا، بے جان انڈے اور پانی کے قطرے سے جاندار چوزہ اور زندہ انسان پیدا کرنا اور اسی طرح زندہ مرغی سے بے جان انڈا نکالنا، یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے کام ہیں، پھر تم اس حقیقی خالق کو چھوڑ کر کدھر بہکے جا رہے ہو؟ کیا اور کوئی ہستی تمہیں ایسی مل سکتی ہے جو ان کاموں کو انجام دے سکے؟ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو خدا ہمیں پانی کے ایک بے جان قطرہ سے پہلی بار پیدا کر سکتا ہے تو وہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے جسم کے بے جان ذرات سے ہمیں دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾

۹۶۔ وہ صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے، [۸۶] یہ بہت غالب بہت علم والے کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

۹۷۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تا کہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو، [۸۷] بے شک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾

۹۸۔ اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، [۸۸] پھر (ہر ایک کے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے، اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ ہے، بے شک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

---

[۸۶] یعنی سورج سے شمسی مہینے اور چاند سے قمری مہینے بنتے ہیں، سورج سے نمازوں کے اوقات اور چاند سے روزہ و حج کے ایام کا حساب لگایا جاتا ہے۔ نیز سورج اور چاند خود بھی ایک ضابطہ کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔

[۸۷] اس آیت میں ستاروں کی تخلیق کا ایک فائدہ بیان کیا جا رہا ہے یعنی پہلے زمانے میں جب گھڑیاں اور قطب نما نہیں تھے تو رات کو سفر کرنے والے مسافر ستاروں کی مدد سے وقت اور سمت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔

[۸۸] اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا، پھر ہر ایک کو پہلے باپ کی صلب میں بطور امانت رکھا اور پھر کچھ عرصہ کے لئے ماں کے پیٹ میں قرار عطا فرمایا، یا اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں بطور امانت عارضی طور پر رہے گا اور آخرت میں بطور قرار دائمی رہے گا، جس طرح اس دنیا کا جسم اور نعمتیں عارضی ہیں اور آخرت کا جسم اور نعمتیں دائمی ہوں گی۔

یہاں پر ایک نکتہ قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک باپ کی اولاد ہونے کے حوالے سے سب انسان آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار اور قریبی ہیں، لہٰذا انہیں خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر اس دنیا کو پر امن اور خوشحال بنانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ نساء کی پہلی آیت کا پہلا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اُگائی، [۸۹] پھر اس سے سرسبز شاخ نکالی اور اس سے تہ بہ تہ لگے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے جو نیچے جھکے ہوئے ہیں اور انگور اور زیتون اور انار کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو، بے شک ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

۱۰۰۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے جنوں کو شریک بنایا حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے [۹۰] اور انہوں نے محض جہالت

---

[۸۹] اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ نباتات اُگائی یعنی پہلے زمین کا سینہ چیر کر نرم و نازک سبز رنگ کی شاخیں نمودار ہوتی ہیں، پھر اپنے اپنے بیج کے مطابق بعض پودے بن کر اناج کے دانے پیدا کرتے ہیں اور بعض درخت بن کر کھجور، زیتون اور انار وغیرہ کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض درختوں کی شاخیں اور پتے ملتے جلتے ہوتے ہیں لیکن ان کے پھل مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض پھلوں کی شکل و صورت باہم ایک جیسی ہوتی ہے لیکن ان کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں، مثال کے طور پر صرف مالٹوں ہی میں غور کریں جو باہر سے ایک جیسے لگتے ہیں مگر اندر سے ان کے رنگ اور ذائقے میں اختلاف ہوتا ہے، نیز بعض کے اندر بیج ہوتے ہیں اور بعض کے اندر بیج بھی نہیں ہوتے، الغرض جملہ نباتات کے زمین سے نکلنے اور پودا یا درخت بننے تک، پھر ان پر پھول لگنے سے پھل بننے اور اس کے پکنے تک کے مختلف مراحل میں غور و فکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت پر ایمان لانے کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

گذشتہ چند آیات میں انسان اور حیوان کے نطفہ و حمل سے لے کر پیدائش تک اور نباتات کی پیدائش سے لے کر درخت اور پھل بننے تک کے مختلف مراحل، نیز زمین، آسمان، دن، رات، سورج، چاند، ستارے، خشکی اور سمندر الغرض کائنات کی ہر چیز میں غور و فکر کرنے اور ان سے متعلقہ سائنسی علوم پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس غور و فکر اور تحقیق سے ایک طرف تو نئی ایجادات سے انسانی سہولیات میں اضافہ ہوگا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ کر کے اس پر ایمان اور زیادہ پختہ ہوگا۔

[۹۰] مشرکین عرب نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں بنا رکھا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو جنوں اور فرشتوں کا خالق ہے۔

عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع

سے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں، اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

۱۰۱۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی کوئی اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے، اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾

۱۰۲۔ یہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، پس تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

۱۰۳۔ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں [۹۱] اور وہ سب آنکھوں کو محیط ہے اور وہ نہایت باریک بین باخبر ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا

۱۰۴۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلائل آ گئے ہیں، سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنا نقصان کیا، [۹۲]

اسے اولاد اور جنوں کے سہاروں کی ضرورت نہیں، نیز اولاد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے، جب اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی ہی نہیں تو اس کی اولاد کہاں سے آئے گی۔

[۹۱] اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہیں اس لئے مخلوق کی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، البتہ کسی حد تک اس کا دیدار ممکن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قیامت کے دن کئی چہرے شگفتہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' (قرآن: ۷۵: ۲۳) اس دنیا میں بھی جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے دیدار کا شرف عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے نور کی خصوصی آنکھ عطا فرماتا ہے جس سے وہ دیدار کر سکتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' (ترمذی: تفسیر القرآن: سورہ الحجر) یہی وہ خصوصی نورانی آنکھ تھی جس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ اگر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار محال ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دیدار کا سوال نہ کرتے کیونکہ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ ناممکن چیز کا سوال کرے۔ (تفسیر قرطبی) دیدار الٰہی کے متعلق مزید تفصیل جاننے کے لئے تفسیر قرطبی کا یہی مقام ملاحظہ فرمائیں۔

[۹۲] بے شک قرآن مجید میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن دلائل آ چکے ہیں جس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا وہ ایمان سے

عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾

اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۵۔ اور اسی طرح ہم بار بار (مختلف انداز سے) دلائل بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ (اہل علم) بول اٹھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شکوک وشبہات کو) مٹا دیا[۹۳] اور تا کہ ہم اس (قرآن) کو اہل علم کے لئے واضح کر دیں۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾

۱۰۶۔ آپ اس کی پیروی کریں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے،[۹۴] یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور مشرکین سے کنارہ کشی کریں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

۱۰۷۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا

۱۰۸۔ اور (اے مسلمانو!) تم انہیں گالیاں نہ دو جن کی یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ حد سے تجاوز

فیضیاب ہوگا اور جو جان بوجھ کر اندھا بنا رہا وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے گا۔ بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے روشن دلائل کو احسن طریقہ سے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اب زبردستی ان کو منوانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری نہیں ہے۔

[۹۳] یعنی ہم مختلف انداز میں دلائل کو بیان کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بار بار سنواتے ہیں تا کہ اہل علم پر قرآن مجید کی صداقت واضح ہو جائے اور وہ پکار اٹھیں کہ قرآن مجید کے بارے میں پیدا ہونے والے جملہ شکوک وشبہات کا آپ نے قلع قمع کر دیا۔

[۹۴] آپ اسی صراط مستقیم پر گامزن رہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمایا ہے یعنی آپ دنیا کو تبلیغ کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور مشرکین کے اسلام نہ لانے کے خیال کو دل میں بٹھا کر غمگین نہ ہوں، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے مگر یہ ان کی آزمائش کا مسئلہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ اس سلسلہ میں آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

کرتے ہوئے بغیر جانے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے، [۹۵] ہم نے اسی طرح ہر امت کے لئے ان کا عمل مزین کر دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

---

[۹۵] اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ دوسروں کے معبودوں کو گالی نہ دیں اور ان کے بارے میں ہتک آمیز رویہ اختیار نہ کریں۔ اس حکم کے ساتھ ہی اسلام اپنے مزاج کے مطابق اس کی حکمت بھی بیان کرتا ہے کہ جواب میں وہ تمہارے خدا کو گالی دیں گے اور اس تکرار سے معاشرے میں افراتفری، بدامنی اور تشدد کا ایک سلسلہ چل نکلے گا جسے اسلام کسی صورت برداشت نہیں کرتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور (اے مسلمانو!) تم ان کو گالیاں نہ دو جن کی یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے بغیر جانے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے۔'' (قرآن: ۶:۱۰۸)

اس آیت میں غور و فکر کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کے معبودوں کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ''علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کا حکم اس امت پر ہر حال میں باقی ہے۔ جب بھی غیر مسلموں سے خدشہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ یا اسلام کو گالیاں دیں گے تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کی صلیب، ان کے دین یا ان کی عبادت گاہوں کو گالیاں دے اور کسی ایسے کام کے در پے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ، نبی مکرم ﷺ یا اسلام کو گالیاں دیں، کیونکہ یہ گناہ اور نافرمانی پر ابھارنے کے مترادف ہے۔'' (تفسیر قرطبی)

۲۔ اہل علم نے اس آیت سے سد ذرائع کا اصول بھی اخذ کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام کسی برائی اور گناہ کا سبب بنے اس کو روکنا اور ترک کرنا واجب ہے۔ (تفسیر قرطبی) چونکہ کسی کے معبود اور مذہب کو گالیاں دینا ایک برائی اور گناہ کا سبب بنتا ہے، لہٰذا اس کا ترک کرنا واجب ہے۔

۳۔ اس آیت میں مبلغین اسلام کی تربیت کی جا رہی ہے کہ وہ غیر مسلموں سے بحث کرتے وقت اخلاق کے دائرہ میں رہتے ہوئے علمی گفتگو کریں اور حد سے تجاوز نہ کریں کیونکہ اگر بداخلاقی کا مظاہرہ کیا گیا اور بات گالم گلوچ تک پہنچ گئی تو غیر مسلموں کے دل میں اسلام سے نفرت پیدا ہو جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی کئی آیات میں بتوں پر سخت تنقید کی گئی ہے اور انہیں جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ کیا یہ قرآن کے اس حکم کے خلاف نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں انسانی ہمدردی کے پیش نظر بطور مناظرہ بتوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ وہ عبادت کے

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اور انہوں نے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، [۹۶] آپ فرمایئے کہ نشانیاں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانیاں آ جائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

لائق نہیں ہیں۔ اس سے بتوں کی تذلیل اور مشرکین کی توہین مقصود نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے عدالت میں کسی گواہ پر جرح کی جائے تو اس سے مقصود گواہ کی تذلیل نہیں ہوتی بلکہ مقدمہ کی حقیقت کو سمجھنا اور سچ اور جھوٹ واضح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں جب کسی بل کے نقائص بیان کئے جاتے ہیں تو اس کا مقصد بل پیش کرنے والے کی توہین نہیں ہوتا بلکہ بل کے نقصانات سے آگاہ کرنا اور قوم اور معاشرے کو اس بل کے ضرر رساں اثرات سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل علم نے تصریح کی ہے کہ جن آیات میں بتوں پر تنقید کی گئی ہے ان کو مشرکین کی تذلیل اور ان کو چڑانے کے ارادے سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

مندرجہ ذیل حدیث اس آیت کی تفسیر ہے

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً بڑے گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو لعنت کرے۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ ﷺ! ایک انسان اپنے والدین کو کیسے لعنت کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک انسان کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے اور دوسرا واپس پہلے شخص کے والدین کو گالیاں دے۔'' (بخاری: کتاب الادب: باب ۴)

یعنی اگر پہلا شخص گالیوں کی ابتدا نہ کرتا تو دوسرا پہلے کے والدین کو گالیاں نہ دیتا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے پہلے شخص نے خود ہی اپنے والدین کو گالیاں دی ہیں کیونکہ وہی اس کا سبب بنا ہے۔ اسی طرح جو مسلمان کسی کے معبود کو گالیاں دے اور وہ بدلے میں مسلمان کے خدا کو گالیاں دے تو ایسا ہی ہے جیسے مسلمان نے خود اپنے خدا کو گالی دی ہے۔ (العیاذ باللہ)

[۹۶] مشرکین مکہ نے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھا کر کہا: اے محمد ﷺ! آج اگر آپ کوئی معجزہ دکھائیں تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: معجزات کی اصل طاقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی اجازت اور عطا سے ہی انبیائے کرام علیہم السلام معجزات دکھاتے ہیں۔ اس وقت بعض مسلمانوں کے دل میں خیال آیا کہ کیا اچھا ہو کہ آج کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تاکہ شاید یہ ایمان لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ تم ان کی قسموں کی طرف نہ جاؤ۔ یہ پہلے شق قمر کا مطالبہ کر چکے ہیں اور جب چاند توڑ کر دکھا دیا گیا تو انکار کر دیا، لہٰذا ان کا انکار کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں بلکہ تعصب اور ضد سے ہے اور اب بھی اگر ہم مزید معجزات دکھا دیں تو پھر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں جیسا کہ آگے آیت نمبر ۱۱۱ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔[۹۷]

وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ الۡمَلٰۤٮِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰى وَحَشَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ كُلَّ شَىۡءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے [۹۸] مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں۔

[۹۷] اس آیت میں کفار مکہ کے دل ونگاہ کو حق سے پھیرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور اسی طرح کئی اور مقامات پر بھی ان کی دل ونگاہ کی صلاحیتوں کو ناکارہ کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ یہاں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ودماغ کو ناکارہ بنا دیا ہے اور ان کے سمع وبصر پر پردے ڈال دیئے ہیں تو پھر ان کا قصور کیا ہے اور انہیں سزا کیوں دی جائے گی۔ اس کا تفصیلی جواب تو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ میں گزر چکا ہے۔ یہاں مختصراً عرض ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دی ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اسی طرح اہل ایمان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ان کے لئے ہدایت کی راہیں کھول دی ہیں اور ان کے دل ودماغ کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اب یہاں بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اہل ایمان کو جب ہدایت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اور نور ایمان سے اس نے نوازا ہے تو انہیں جنت کیوں عطا کی جائے گی اور وہ انعامات کے مستحق کیوں ٹھہریں گے، اس طرح تو جزا اور سزا کا تصور ہی ختم ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل ایمان نے اپنے ارادہ سے اور اہل کفر نے اپنے ارادہ سے ایمان اور کفر کی راہیں اختیار کی ہیں اور اسی ارادہ پر وہ جزا وسزا کے مستحق ٹھہریں گے، لیکن فاعل حقیقی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سب کچھ اس کی مشیت کے تابع ہے اس لئے اس کی نسبت اس نے اپنی طرف کر دی ہے۔

[۹۸] مشرکین مکہ نت نئے معجزہ کا مطالبہ کرتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ہم ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیں یہاں تک کہ فرشتے آسمان سے نازل ہو کر ان کے پاس آ کھڑے ہوں، مردے قبروں سے نکل کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور دنیا کی ہر چیز ان کے سامنے جمع کر دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ حقیقت کی طرف دلائل رہنمائی کرتے ہیں۔ معجزات تو تائیدی امور کا کام دیتے ہیں لیکن جو لوگ دلائل سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں وہ معجزات سے کیا فائدہ اٹھائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ان کی مرضی کے خلاف انہیں ایمان لانے پر مجبور کر سکتا ہے مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾

۱۱۲۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں، [۹۹] اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، پس آپ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو ان کے حال پر رہنے دیں۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

۱۱۳۔ اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے [۱۰۰] اور تا کہ اس کو پسند کر لیں اور تا کہ کرتے رہیں جو گناہ اب وہ کر رہے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾

۱۱۴۔ تو کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کی ہے، [۱۰۱] اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا گیا ہے، سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

---

[۹۹] مکہ کے شیطان نما اور سرکش مشرکین حضورِ اکرم ﷺ کی مخالفت پر ایک دوسرے کو اکساتے اور لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے انہیں سبز باغ دکھاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں شیطان صفت لوگوں نے ہمیشہ ہر نبی کی مخالفت کی ہے، لہٰذا آپ ان کی سازشوں اور افترا پردازیوں کو خاطر میں نہ لائیں اور صبر و استقامت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ میں اپنی جد و جہد جاری رکھیں۔

[۱۰۰] شیطان صفت لوگ اپنی سازش اور باطل پرستی کو بڑے دل کش انداز میں پیش کرتے ہیں تا کہ وہ لوگ جو آخرت اور اعمال کی جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل اس باطل پرستی کی طرف مائل ہو جائیں اور انکارِ آخرت کا جو غلط راستہ انہوں نے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے اسی پر گامزن رہیں اور اسلام قبول نہ کریں۔

[۱۰۱] مشرکینِ مکہ نے حضورِ اکرم ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور کہا: آپ کی صداقت کے لئے کسی یہودی عالم یا

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١١٥

۱۱۵۔ اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہوگئی، [۱۰۲] کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں ہے، اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝١١٦

۱۱۶۔ اور اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے، [۱۰۳] وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

عیسائی عالم سے فیصلہ کراتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا جس میں توحید و رسالت کے دلائل تفصیل سے مذکور ہیں۔ ان میں غور و فکر کر کے خود ہی فیصلہ کر لو، میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ نیز اہل کتاب بھی جانتے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول اور میری بعثت برحق ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں میرے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں اور وہ مجھے اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (قرآن: ۶: ۲۰)

[۱۰۲] اس آیت میں قرآن مجید کی چار صفات بیان کی گئی ہیں یعنی قرآن مجید مکمل کتاب ہے، اس کا کوئی پہلو نا تمام نہیں۔ اس کی ساری خبریں سچی ہیں، اس کے سارے احکام عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس ہستی کا کلام ہے جو خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

آج دنیا کی ہر حکومت یا قانون ساز اسمبلی اپنے ملک کے لئے قانون بناتی ہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جب اس قانون کے نقائص ظاہر ہوتے ہیں تو اس کو بدلنا پڑتا ہے یا جونہی حالات بدلتے ہیں تو نئے تقاضوں کے مطابق نئے قانون کی ضرورت پڑتی ہے مگر قرآن مجید نے جس ضابطہ حیات کا اعلان چودہ سو سال پہلے کیا تھا وہ قیامت تک دنیا کی ہر قوم، ہر ملک، ہر حال اور ہر زمانہ کے تقاضوں کو کامل طریقہ سے پورا کرتا ہے اور اس میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن مجید کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک اور اس کی حقیقتوں سے خوب آشنا ہے۔

[۱۰۳] اس دنیا میں اکثر لوگ اپنے گمان اور اپنے قیاس کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے عقائد اور اصول زندگی سب قیاس آرائیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اے لوگو! ہوشیار رہو، اگر تم نے ان کی پیروی کی تو وہ تمہیں بھی گمراہ کر دیں گے، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون گمراہ ہے اور کون ہدایت یافتہ؟

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

۱۱۷۔ بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہوتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾

۱۱۸۔ سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے [۱۰۴] اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾

۱۱۹۔ اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے [۱۰۵] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مفصل بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیا سوائے اس کے جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب حد سے تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

---

[۱۰۴] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اجازت دی ہے کہ وہ اس جانور کا گوشت کھائیں جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو بشرطیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہو جن کا کھانا حلال ہے۔

[۱۰۵] حرام چیزوں کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳، سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳، سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ اور اسی سورت میں آگے آیت نمبر ۱۴۵ میں مذکور ہے، مگر دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض اپنی خواہشات کے مطابق بعض حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کے کھانے سے منع کرتے ہیں، حیرت کی انتہا ہے۔ ان لوگوں کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ اس حلال جانور کو حرام قرار دیں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے۔ دراصل یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور میدانِ حشر میں اپنی اس زیادتی پر جوابدہ ہوں گے۔

اس آیت میں وہ لوگ خصوصی غور کریں جو اس جانور کو حرام کہتے ہیں جو ایصال ثواب کی غرض سے بزرگوں کے نام سے منسوب تھا مگر ذبح کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا لیکن اس جانور کو حلال سمجھتے ہیں جو بتوں کی وجہ سے بحیرہ یا سائبہ کے نام سے مشہور تھا مگر ذبح کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۳ ملاحظہ کریں۔

اگر کوئی شخص دشمن کے ہاتھوں مجبور ہو جائے یا بھوک کی وجہ سے اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو وہ ان حرام چیزوں میں سے بقدرِ ضرورت کھا سکتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو بحال رکھ سکے اور اس کی مجبوری کے باعث اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اور تم ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو، [۱۰۶] بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

۱۲۱۔ اور اس میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا، یقیناً یہ نافرمانی ہے، [۱۰۷] اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ

۱۲۲۔ کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکلنے والا نہیں؟ [۱۰۸] اسی

---

[۱۰۶] گناہ ہر صورت میں گناہ ہے چاہے چھپ کر کیا جائے یا اعلانیہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض معاشروں میں چھپ کر گناہ کرنا عیب نہیں سمجھا جاتا اور جب وہ منظر عام پر آجائے تو بدنامی (Scandal) بن جاتا ہے، مگر اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے پوشیدہ اور اعلانیہ ہر قسم کے گناہوں کو جرم قرار دیا ہے اور جو لوگ ان میں سے کسی کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں اس کی سزا دی جائے گی۔

[۱۰۷] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت دانستہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے اور اس کا گوشت کھانا گناہ ہے۔ اسلامی ذبیحہ کے متعلق غلط فہمیاں پھیلانے کے لئے شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں شکوک اور وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں، مگر تم ان کے وسوسوں کو خاطر میں نہ لاؤ اور اسلام پر قائم رہو، کیونکہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف شیطان کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال جانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

[۱۰۸] یہاں موت سے مراد روحانی موت اور زندگی سے مراد روحانی زندگی ہے اور ان دونوں کا تعلق ایمان، علم اور عمل صالح سے ہے، یعنی جو ان سے محروم رہا وہ چلتا پھرتا مردہ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: "آپ مردہ دلوں کو نہیں سنا

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾

طرح کافروں کے لئے وہ اعمال آراستہ کر دیئے گئے جو وہ کیا کرتے تھے۔[۱۰۹]

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو مجرم بنایا تا کہ وہ وہاں مکر وفریب کیا کریں، [۱۱۰] اور وہ اپنے آپ کو ہی فریب دیتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔

سکتے" (قرآن: ۸۰:۲۷) اور جسے یہ (ایمان، علم اور عمل صالح) نصیب ہو جائیں اس کے تن مردہ میں نئی زندگی آ جاتی ہے۔ ایسی زندگی جسے ظاہری موت بھی ختم نہیں کر سکتی۔ مثال کے طور پر وہ آیات پیش کی جا سکتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شہداء اور صالحین کی روحانی زندگیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جاہلوں کے درمیان ایک طالب علم کی مثال ایسی ہے جیسے مُردوں کے درمیان زندہ۔" (جامع صغیر: حرف طاء)

اب اس آیت کا مفہوم سمجھیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ شخص جو جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا اور مُردوں کی طرح حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا تھا اسے ہم نے ایمان، علم اور عمل صالح کے ذریعے نئی زندگی عطا فرمائی۔ اب وہ خود بھی راہ ہدایت پر گامزن ہے اور دوسروں کی بھی رہنمائی کر رہا ہے۔ کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو جہالت کی تاریکیوں میں ایسا گم ہے کہ وہاں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تعلیم یافتہ اور ان پڑھ برابر نہیں ہو سکتے۔" (قرآن: ۹:۳۹)

لہٰذا ماں باپ کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں تا کہ وہ جہالت کی تاریکیوں میں سرگرداں نہ رہیں بلکہ علم کی روشنی میں اپنی قوم کا نام روشن کریں۔

قوم اُبھرتی ہے نظامِ عقل کی تنظیم سے
عقل ہوتی ہے منور مشعلِ تعلیم سے

[۱۰۹] جس طرح علم وعمل اور نور ہدایت سے عاری شخص اپنی جہالت کے اندھیروں میں سرگرداں رہتا ہے اور اسے اپنی گمراہی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ زعم باطل میں اپنے انہی اعمال پر نازاں ہوتا ہے اسی طرح کفار کو بھی اپنے ہی اعمال خوش نما نظر آتے ہیں اور وہ انہی پر ڈٹے رہتے ہیں۔

[۱۱۰] مکہ کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کی مخالفت سے دل گیر نہ ہوں ہمیشہ سرداروں اور وڈیروں یعنی نمرود اور فرعون وغیرہ نے ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی ہے کیونکہ انہیں اپنی سرداری خطرے میں نظر آتی تھی تو وہ غریب عوام کو انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف اکساتے تھے۔

وَ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَـتَهٗ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا گیا، [۱۱۱] اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت کو رکھے؟ عنقریب مجرموں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس لئے کہ وہ مکروفریب کیا کرتے تھے۔

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ‌ ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ پس اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ، بہت تنگ کر دیتا ہے گویا وہ زبردستی آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے، [۱۱۲] اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر شیطان مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

درحقیقت وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں مگر سمجھتے نہیں کہ وہ اپنی آخرت کو اپنے ہاتھوں خود ہی برباد کر رہے ہیں۔

[۱۱۱] سرداران مکہ کے پاس جب کوئی ایسی نشانی آتی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلالت کرتی تو وہ اپنی ہٹ دھرمی کو چھپانے کے لئے بہانہ یہ کرتے ہیں کہ وہ اسی صورت میں ایمان لا سکتے ہیں جب ان کے پاس بھی رسولوں کی طرح وحی آئے اور انہیں بھی نبی بنایا جائے یا کم از کم ان کے پاس فرشتے نازل ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کو نبوت عطا کرنا اور اس پر فرشتوں کو نازل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے؟ مکہ کے جن سرداروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور براہِ راست آپ کو تکلیفیں پہنچائیں، چند ہی سالوں میں ان کی سرداریاں ختم ہو گئیں اور وہ ذلیل و خوار ہو کر ہلاک ہو گئے۔

[۱۱۲] جو شخص اسلام کو سمجھنے کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسلام کی سمجھ آسان کر دیتا ہے اور جو اسلام سے نفرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور اس کے سینہ کو اسلام کے بارے میں اتنا سخت اور تنگ کر دیتا ہے کہ اسلام کا نام سنتے ہی اس کی سانس تنگ ہو جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے اسے زبردستی آسمان کی طرف چڑھنے یعنی غیر ممکن کام کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے ان لوگوں کے لئے دلائل کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔[۱۱۳]

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کا دوست ہے بوجہ ان (نیک) اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے فائدے اٹھائے[۱۱۴] اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم ہمیشہ اس میں رہو گے مگر جسے اللہ چاہے، بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔

---

[۱۱۳] اللہ تعالیٰ نے دلائل کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ اسلام ہی سیدھا راستہ ہے۔ اب جن لوگوں نے اس نصیحت کو قبول کیا وہ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے جن کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور مددگار ہوگا اور انہیں سلامتی کے گھر یعنی جنت میں داخل کرے گا۔

[۱۱۴] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو جمع کرے گا تو شیاطین جنوں کو فرمائے گا: تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اور وہ گمراہ انسان بھی اقرار کریں گے کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے ایک دوسرے سے ناجائز فائدے اٹھاتے رہے حتیٰ کہ ان کی زندگی کی میعاد ختم ہو گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب تمہارا ٹھکانا آگ ہے تم ہمیشہ اس میں رہو گے اور صرف وہی لوگ آگ سے بچ سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ بچانا چاہے گا۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کرتے ہیں بوجہ ان (برے) اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔[۱۱۵]

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں میری آیات سناتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟[۱۱۶] وہ کہیں گے: ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

---

[۱۱۵] اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں پر ظالم حکمران مسلط کرتا ہے تاکہ ان کے برے اعمال کی انہیں سزا دی جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جیسے تم ہوگے ویسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔“ (شعب الایمان: جلد ۶: حدیث نمبر ۷۳۹۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے پوچھیں کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ اس کی ہم سے راضی ہونے کی علامت کیا ہے اور اس کی ہم سے ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ: انہیں یہ بتاؤ کہ جب میں ان کے اچھے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے راضی ہوں اور جب میں ان کے بُرے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے ناراض ہوں۔“

(شعب الایمان: جلد ۶: حدیث نمبر ۷۳۸۸)

[۱۱۶] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سرکش جنوں اور سرکش انسانوں سے فرمائے گا، کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن سے میری آیات سناتے اور آج کے دن میں ہونے والے حساب سے ڈراتے تھے؟ مشرک لوگ اس دن اپنے بُرے انجام کو دیکھ کر پہلے تو شرک سے انکار کریں گے اور خدا کی جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ شرک نہیں کرتے تھے۔ (قرآن: ۶:۲۳) اس واضح غلط بیانی پر ان کی زبان کو سیل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آج ہم ان کے مونہوں پر مہریں لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔“ (قرآن: ۳۶:۶۵) یعنی ان کے ہاتھ پاؤں حقیقت حال کو صاف صاف بیان کر دیں گے۔ اس کے بعد مشرکین کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی اور وہ اپنے خلاف گواہی دیتے ہوئے کہیں گے: ”بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔“ (قرآن: ۶۷:۹) دراصل دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے رسولوں کی پرواہ نہ کی مگر اب وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ انہوں نے واقعی رسولوں کا انکار کیا جس کی وجہ سے جہنم کے مستحق قرار پائے۔

ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ یہ (رسولوں کا مبعوث ہونا) اس لئے ہے کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے [۱۱۷] درآں حالیکہ ان کے باشندے (ہدایت سے) بے خبر ہوں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور ہر ایک کے لئے ان کے عمل کے مطابق درجات ہیں، اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

وَرَبُّكَ الۡغَنِىُّ ذُو الرَّحۡمَةِ ؕ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفۡ مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ مَّا يَشَآءُ كَمَاۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ ذُرِّيَّةِ قَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ؕ

۱۳۳۔ اور آپ کا رب بے نیاز اور رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد تمہاری جگہ جن کو چاہے لے آئے [۱۱۸] جس طرح اس نے تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا۔

اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ بے شک جس (روزِ قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے [۱۱۹] وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

---

[۱۱۷] اللہ تعالیٰ نہ تو کسی قوم پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی قوم کے ظلم کی وجہ سے فوراً ان پر عذاب نازل کرتا ہے بلکہ پہلے اس کی طرف نبی اور رسول بھیجتا ہے جو اس قوم کو ظلم کے انجام سے ڈراتے ہیں تاکہ وہ بے خبر نہ رہے اور اس کے باوجود اگر وہ قوم ظلم سے باز نہ آئے تو پھر اسے دونوں جہانوں میں عذاب کے لئے تیار رہنا چاہیے، البتہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر منحصر ہے کہ وہ اس قوم کو کب، کہاں اور کیسے سزا دیتا ہے۔

[۱۱۸] اے اہل مکہ! جس طرح پہلی نسلیں یعنی تمہارے آباء و اجداد کا کہیں نام و نشان نہیں اور ان کی جگہ اب تم موجود ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو ابھی فنا کر دے اور تمہاری جگہ جن کو چاہے یہاں لا کر آباد کر دے مگر وہ مہربان ہے تمہیں ڈھیل دے رہا ہے تاکہ تم ہی اپنی اصلاح کر لو، مگر تاریخ شاہد ہے کہ چند ہی سالوں کے بعد مکہ سے بتوں اور کافروں کا نام و نشان مٹ گیا اور وہاں مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔

[۱۱۹] اے کفارِ مکہ! اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس میں ہر ایک کے لئے اس کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ اگر کوئی ظالم اس دنیا میں اپنے مظالم کی سزا نہ پا سکا تو اس دن وہ اپنے مظالم کی سزا سے نہ بچ سکے گا اور وہ دن ضرور آنے والا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ‌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ آپ فرمائیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو تم عنقریب جان لوگے کہ اس دنیا کے گھر کا انجام کس کے لئے اچھا ہے، [۱۲۰] بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَـرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا فَقَالُوۡا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعۡمِهِمۡ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا‌ ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمۡ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ‌ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمۡ‌ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فصلوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں: یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شریکوں (معبودوں) کے لئے ہے، [۱۲۱] پھر جو حصہ ان کے شریکوں کے لئے ہے وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

---

[۱۲۰] آپ فرمائیے: اے کفار مکہ! اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے اور اپنے کفر وشرک سے باز نہیں آتے تو پھر تم اپنی مرضی کا کام کرتے رہو۔ بہر حال میں تو صرف اپنے رب کی مرضی کا کام کرتا رہوں گا مگر یاد رکھنا تمہاری مرضی کا انجام برا ہوگا اور عنقریب مرنے کے بعد تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔

[۱۲۱] مشرکین عرب کے خود ساختہ عقائد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ زمینی پیداوار اور مویشیوں کے بچوں میں سے جتنا وہ خیرات کرنا چاہتے اس میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور دوسرا حصہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حصہ کو مہمانوں اور غریبوں پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصہ کو بت خانوں کی تعمیر اور بتوں کی آرائش اور خدمت وغیرہ پر خرچ کرتے، پھر اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں موٹا اور بہتر جانور آ جاتا تو اسے بتوں کے حصہ میں منتقل کر دیتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حصہ سے کچھ فصل اتفاقاً بتوں کی طرف چلی جاتی تو اسے واپس نہ کرتے جبکہ بتوں کا کچھ حصہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا تو واپس کر دیتے اور بہانہ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے مشرکین کے اس عقیدے کی تکذیب کی ہے۔ پہلے تو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ہی غلط ہے اور پھر یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ناقص اور معمولی چیزوں کو وقف کیا جائے اور بتوں کے لئے عمدہ اور زیادہ مقدار کا انتظام کیا جائے جبکہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ آیت ان مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو اپنی ذات اور اپنے احباب کے لئے عمدہ چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کے لئے ناقص اور معمولی چیزوں کو تلاش کرتے ہیں، مثلاً ذہین اور خوبصورت بیٹے کو ڈاکٹر بننے کے لئے اور نابینے یا کند

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾

۱۳۷۔ اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لئے ان کے شریکوں (شیاطین) نے ان کی اولاد کے قتل کو آراستہ کر دیا ہے تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں،[۱۴۲] اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے، پس آپ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجئے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

۱۳۸۔ اور وہ اپنے خیال کے مطابق یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور فصل ممنوع ہے،[۱۴۳] ان کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہ جس کو ہم چاہیں ان کے خیال میں اور بعض مویشیوں پر

ذہن بیٹے کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت پیر اعظم شاہ آف بھیرہ شریف کا ایک واقعہ غور طلب ہے:

ایک دفعہ آپ اپنے حلقہ احباب میں بیٹھے تھے۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک سائل آیا اور اس نے کپڑوں کا سوال کیا۔ پیر اعظم شاہ نے اپنے ایک خادم کو گھر بھیجا کہ اس سائل کو میرے گھر سے کپڑے لا کر دو۔ کافی دیر تک جب خادم واپس نہ آیا تو خود گھر گئے اور بیوی سے پوچھا: سائل بیچارہ انتظار کر رہا ہے تو نے کپڑے کیوں نہیں بھجوائے۔ وہ کہنے لگی: گھر میں کوئی ایسا معمولی کپڑا نہیں ہے جو سائل کو دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: سارے کپڑے لے آؤ میں تجھے سائل کو دینے والے کپڑے تلاش کر کے دیتا ہوں، چنانچہ سارے کپڑے گھر کے صحن میں رکھے اور سب سے قیمتی اور اچھا کپڑا سائل کے لئے علیحدہ کر کے باقی کو آگ لگا دی اور فرمایا: بیگم! جو کپڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانے کے قابل نہیں وہ اعظم شاہ کے گھر میں نہیں رہ سکتا۔

[۱۴۲] اہل مکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور وہ سچے توحید پرست تھے مگر کچھ نسلوں کے بعد بعض شیطان صفت انسانوں نے اہل مکہ کو شرک کے راستے پر گامزن کر دیا جس کے نتیجے میں اہل مکہ بتوں کو خدا کا شریک بنا بیٹھے۔ انہی شیاطین کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا شریک اس لئے کہا جا رہا ہے کیونکہ اہل مکہ اللہ تعالیٰ کی طرح ان شیاطین کے احکام کو مقدس اور ان کی تعمیل کو عبادت سمجھتے تھے جس کی ایک مثال قتل اولاد ہے۔ یعنی شیاطین نے بتوں کی خوشنودی اور مفلسی کے ڈر سے اہل مکہ کے لئے قتل اولاد کو اس قدر خوش نما اور مقدس بنا دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کو قتل کرنا اچھا سمجھنے لگے۔ اس طرح شیاطین نے ایک تو اہل مکہ کو مشرک بنا کر ان پر دین اسماعیل علیہ السلام کو مشتبہ کر دیا اور دوسرا انہیں اپنی اولاد کا قاتل بنا کر ان کے دلوں سے انسانیت کا جذبہ ختم کر دیا حالانکہ حیوان بھی اپنے بچوں کو خود قتل کرنا برداشت نہیں کر سکتے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے اور سبھی سچے توحید پرست ہوتے مگر اللہ تعالیٰ انہیں آزمانا چاہتا ہے اس لئے انہیں مجبور نہیں کرتا، لہٰذا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی سنگ دلی اور افترا پردازیوں سے دلگیر نہ ہوں۔

[۱۴۳] اس آیت میں مشرکین مکہ کے خود ساختہ عقائد و اعمال کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۸

(انہوں نے) سواری حرام قرار دے دی اور بعض مویشیوں پر (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے، یہ (سب محض) اللہ تعالیٰ پر افترا ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں ان کی افترا پردازیوں کی سزا دے گا۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۳۹

۱۳۹۔ اور وہ کہتے ہیں: جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، [۱۲۴] اور اگر وہ مردہ (پیدا) ہو تو پھر سب (مرد و زن) اس میں شریک ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے (اس من گھڑت) بیان کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا

۱۴۰۔ یقیناً ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے حماقت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کیا [۱۲۵] اور جو رزق

۱۔ وہ اپنے مویشی اور فصل میں سے جو حصہ بتوں کے لئے مخصوص کرتے اس کا عام استعمال حرام تھا۔ ان کو صرف بتوں کے خدام اور مجاور ہی استعمال کر سکتے تھے۔

۲۔ جو مویشی بتوں کے نام پر وقف کر دیئے جاتے (جیسے بحیرہ، سائبہ وغیرہ جن کی تفصیل سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں گزر چکی ہے) وہ ان سے سواری اور بار برداری کا کام لینا حرام سمجھتے تھے۔

۳۔ جن جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز نہ سمجھتے۔

مذکورہ خود ساختہ عقائد و اعمال کے متعلق ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے جس کی عنقریب انہیں سزا ملے گی۔

[۱۲۴] مشرکین مکہ کے خود ساختہ عقائد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جن جانوروں کو وہ بتوں کے نام پر وقف کرتے تھے ان میں سے بعض کا دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف مردوں کے لئے حلال تھا اور عورتوں کے لئے حرام تھا اور اگر اسی جانور کے شکم سے مردہ بچہ پیدا ہوتا تو اس کے کھانے میں مرد اور عورتیں دونوں شریک ہو سکتے تھے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان من گھڑت بیانات کی سزا دے گا۔

[۱۲۵] زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا انہوں نے نقصان اٹھایا کیونکہ انہوں نے اپنی ہی آنے والی نسل کا خاتمہ کیا۔ یہ

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا، بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے۔

انتہائی حماقت اور جہالت کی بات ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں مال اور مویشی کی صورت میں پاکیزہ رزق دیا مگر انہوں نے بتوں کے نام پر وقف کر کے اپنے اوپر ان کا استعمال حرام کر لیا اور ساتھ جھوٹ یہ بولتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا، لہٰذا وہ گمراہ ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے، میں اس کو اس لئے نقل کر رہا ہوں تا کہ قارئین کو یہ اندازہ ہو سکے کہ اسلام نے عورت کو کتنا عظیم مقام عطا فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ باعثِ عار تھی اور زندہ در گور کر دی جاتی مگر اسلام میں وہ گھر کی ملکہ ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ ''حضورِ اکرم ﷺ کے صحابہ کرام ؓ سے ایک شخص ہمیشہ مغموم رہتا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم کیوں مغموم رہتے ہو؟ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو نہیں بخشے گا اگرچہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنا گناہ بتاؤ۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے، میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ میری بیوی نے مجھ سے سفارش کی کہ میں اس کو چھوڑ دوں (قتل نہ کروں) حتیٰ کہ وہ بڑی ہو گئی اور وہ عورتوں میں خوبصورت ترین لڑکی تھی۔ لوگوں نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیا۔ مجھے اس پر عار آیا اور میرے دل نے یہ برداشت نہ کیا کہ میں اس کا نکاح کر دوں یا بغیر نکاح کے گھر میں رہنے دوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: میں فلاں فلاں قبیلے میں اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے جانا چاہتا ہوں، اس بیٹی کو بھی میرے ساتھ بھیجو، وہ یہ سن کر خوش ہوئی۔ ماں نے بیٹی کو اچھے کپڑے اور زیور پہنائے اور مجھ سے عہد لیا کہ میں اس بیٹی کے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا۔ میں اس کو ایک کنویں کے کنارے لے گیا اور اس میں دیکھا۔ وہ لڑکی سمجھ گئی کہ میں اس کو اس کنویں میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ چمٹ گئی اور رو کر کہنے لگی: اے میرے باپ! تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اس پر رحم آیا، پھر میں نے کنویں میں دیکھا اور مجھ پر پھر عار غالب آ گیا، پھر وہ میرے ساتھ چمٹ کر کہنے لگی۔ اے میرے باپ! میری ماں کی امانت کو ضائع نہ کرو۔ میں نے پھر دوسری مرتبہ کنویں میں دیکھا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھا۔ مجھے اس پر رحم آیا لیکن مجھ پر شیطان غالب آ گیا۔ میں نے اس کو پکڑا اور اوندھے منہ کنویں میں ڈال دیا اور وہ کنویں میں چلا رہی تھی۔ اے میرے باپ تو نے مجھے قتل کر دیا۔ میں اس کنویں کے پاس ٹھہرا رہا حتیٰ کہ اس کی آواز آنا بند ہو گئی پھر میں واپس آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ؓ رونے لگے اور آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے حکم دیا جاتا کہ میں کسی شخص کو زمانہ جاہلیت کے فعل پر سزا دوں تو میں تجھے سزا دیتا۔''
(تفسیر قرطبی)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱۔ اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے[۱۲۶] جو چھپروں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور کی بیل) اور (ایسے بھی) جو چھپروں پر نہیں چڑھائے جاتے (جیسے انار کا درخت) اور کھجور کے درخت اور کھیتی جس کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار جو (شکل میں) ملتے جلتے ہیں اور (ذائقہ میں) مختلف ہیں، جب یہ (درخت اور پودے) پھل دیں تو اس میں سے کھاؤ اور جس دن اس کو کاٹو اس کا حق ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ اور (اللہ تعالیٰ نے) مویشیوں میں سے بعض بوجھ اٹھانے والے (دراز قد) اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد پیدا کئے) ہیں،[۱۲۷] اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

۱۴۳۔ (اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے) آٹھ نر اور مادہ یعنی دو (نر اور مادہ) بھیڑ کی قسم سے اور دو (نر اور مادہ) بکری کی قسم سے، آپ پوچھئے: کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر حرام کئے ہیں

[۱۲۶] اس آیت میں چند درختوں، پودوں، بیلوں اور فصلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر قسم کی نباتات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب اس نباتات کے پھل تیار ہو جائیں تو اس میں سے خود بھی کھاؤ اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق بھی نکالو یعنی کچھ حصہ غریب اور مسکین لوگوں میں بھی تقسیم کرو اور فضول خرچی نہ کرو یعنی نہ تو انہیں ضائع کرو اور نہ ہی ان کاموں میں خرچ کرو جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

[۱۲۷] اس آیت میں بڑے اور چھوٹے مویشیوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہر قسم کے حیوانات اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے ہیں، لہٰذا ان میں سے جو حلال ہیں ان کو ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ انہیں بتوں کے نام پر وقف کر کے خواہ مخواہ اپنے اوپر حرام نہ کرو اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

الْأُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ط نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

یا دونوں مادہ حرام کی ہیں یا وہ (خواہ نر ہو یا مادہ) جس کو دونوں مادہ (بھیڑ اور بکری) اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں؟[۱۲۸] مجھے دلیل کے ساتھ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْأُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ط اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ج فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

۱۴۴۔ اور (اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے) دو (نر اور مادہ) اونٹ کی قسم سے اور دو (نر اور مادہ) گائے کی قسم سے، آپ پوچھئے: کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ حرام کی ہیں یا وہ (خواہ نر ہو یا مادہ) جس کو دونوں مادہ (اونٹنی اور گائے) اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں؟ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا؟ تو اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے تاکہ بغیر جانے لوگوں کو گمراہ کرے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

۱۴۵۔ آپ فرمائیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام

[۱۲۸] ان دو آیات میں آٹھ مویشیوں کا ذکر ہے، چار نر یعنی مینڈھا، بکرا، اونٹ اور بیل اور چار مادہ یعنی بھیڑ، بکری، اونٹنی اور گائے۔ ان چاروں قسم کے نر اور مادہ مویشیوں کا گوشت کھانا حلال ہے۔ مشرکین عرب ان چار قسم کے مویشیوں میں سے بعض نر اور بعض مادہ بتوں کے نام وقف کر دیتے اور پھر عام لوگوں کے لئے ان پر سواری کرنا، بوجھ لادنا، ان کا گوشت کھانا اور دودھ پینا حرام ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی! آپ ان سے پوچھئے: اگر اللہ تعالیٰ نے نر مویشی حرام کئے ہیں تو تمہیں صرف مادہ کا گوشت کھانا چاہیے اور اگر مادہ مویشی حرام کئے ہیں تو صرف نر کا گوشت کھانا چاہیے اور اگر مادہ کے پیٹ والا بچہ حرام کیا ہے تو نر اور مادہ دونوں مادہ کے پیٹ سے آتے ہیں، لہٰذا تمہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کھانا چاہیے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں میں سے کسی کو حرام نہیں کیا اور ان کے حرام ہونے کی تمہارے پاس نہ تو کوئی علمی دلیل ہے اور نہ ہی تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کے حرام ہونے کا کوئی حکم صادر فرمایا تو پھر بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگانا بہت بڑا ظلم ہے۔

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

ہو[۱۲۹] مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ ناپاک ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو یعنی وہ جانور جس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، لیکن جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکش اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس چربی کے جو ان کی پشتوں پر ہو یا آنتوں پر ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو،[۱۳۰] یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷۔ پس اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ فرمائیے: تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے،[۱۳۱] اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔

---

[۱۲۹] اس آیت میں صرف چار چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر ہے کیونکہ یہ آیت اسلام کے ابتدائی دور یعنی مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس وقت یہی چار چیزیں حرام کی گئی تھیں۔ بعد میں مناسب اوقات پر دیگر چیزیں بھی حرام کر دی گئیں۔ تفصیلات کے لئے سورہ مائدہ کی آیات نمبر ۳ اور ۹۰ ملاحظہ کریں۔

[۱۳۰] جن یہودیوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور لوگوں کے ناحق مال کھائے ان پر اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ناخن والے جانور اور گائے بکری کی چربی کو کھانے کے لئے حرام قرار دیا، البتہ پشت، آنتوں اور ہڈیوں سے ملی ہوئی چربی کھا سکتے تھے۔ یہ ان کے لئے ایک وقتی سزا تھی۔ (تفسیر نعیمی) تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور آئندہ کوئی بھی ایسی سرکشی کی جرأت نہ کرے۔

[۱۳۱] پیارے نبی! اگر آپ کے مخالفین یعنی غیر مسلم آپ کی تکذیب کریں تو آپ ان کو فرما دیں: اب بھی وقت ہے میری تکذیب سے باز آ جاؤ تمہارا رب تمہیں معاف کر دے گا لیکن اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکۡنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَیۡءٍ ؕ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ حَتّٰی ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ قُلۡ ہَلۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡہُ لَنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸۔ اب مشرک لوگ یہ کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا [۱۳۲] اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا، آپ فرمائیے: کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے (اگر ہے) تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو، تم تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہو اور محض اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔

قُلۡ فَلِلّٰہِ الۡحُجَّۃُ الۡبَالِغَۃُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ آپ فرمائیے کہ کامل دلیل تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، [۱۳۳] پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

قُلۡ ہَلُمَّ شُہَدَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ یَشۡہَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ ہٰذَا ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَلَا تَشۡہَدۡ مَعَہُمۡ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ

۱۵۰۔ آپ فرمائیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا ہے، [۱۳۴] پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جنہوں

---

[۱۳۲] مشرکین کا ایک دعویٰ یہ تھا کہ وہ صدیوں سے بیت اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر میں شرک کرتے آرہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور نہ ہی بحیرہ اور سائبہ جیسے حلال جانوروں کو حرام قرار دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا شرک پسند ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی بعض قومیں اس شرک میں مبتلا ہوئیں اور ان پر ایسا عذاب نازل ہوا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کو شرک پسند ہوتا تو ان پر عذاب نازل نہ ہوتا۔ پیارے نبی ﷺ! ان سے پوچھو کہ ان کے پاس اس شرک کے ثبوت کے لئے کوئی علمی دلیل ہے تو پیش کریں۔ آباء واجداد کا شرک کرنا کوئی دلیل نہیں ہے مگر وہ دلیل کہاں سے لاتے کیونکہ وہ صرف وہم وگمان اور قیاس آرائیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔

[۱۳۳] آپ ﷺ فرمائیے: کامل دلیل تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس نے حق وباطل کو بالکل واضح کر دیا ہے اور وہ چاہتا تو زبردستی سب کو ہدایت دے دیتا مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ وہ انسان کو آزادی اور اختیار دے کر آزمانا چاہتا ہے۔

[۱۳۴] پیارے نبی ﷺ! ان مشرکین سے فرمائیے کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام کرنے کا کوئی گواہ یعنی کسی آسمانی

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱۔ آپ فرمائیے کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، [۱۳۵] وہ یہ کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی (کے ڈر) سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ، اور جس جان کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ، یہی باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

کتاب کی آیت یا کسی نبی کا کوئی قول ہے تو اسے پیش کریں، کیونکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ دراصل ان کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل اور گواہی نہیں ہے لیکن اگر وہ کوئی جھوٹی گواہی دینے کی کوشش کریں تو کسی بھی سننے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی جھوٹی گواہی کی تصدیق کرے یا ان کی خواہشات کی پیروی کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آخرت کے منکر ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دیتے ہیں۔

[۱۳۵] گذشتہ آیات میں ان چیزوں کا بیان تھا جو مشرکین نے اپنے گمان وقیاس کی بنیاد پر اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں کیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو فرمایا کہ آپ مشرکین کو فرمائیے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں؟ ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل نو چیزیں حرام فرمائی ہیں:

۱۔ شرک کرنا

۲۔ ماں باپ سے بدسلوکی کرنا

۳۔ مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا

۴۔ بے حیائی کا کام کرنا

۵۔ کسی کو ناحق قتل کرنا

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

۱۵۲۔ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ (یتیم) اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو اگرچہ وہ شخص رشتہ دار ہی ہو، اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرو، یہی وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے،[۱۳۶] سو تم اسی راستہ پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کیونکہ وہ راستے تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے جدا کر دیں گے، یہی وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ

۱۵۴۔ پھر ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تاکہ جس شخص

۶۔ یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا

۷۔ ناپ تول میں کمی کرنا

۸۔ ناحق بات کہنا

۹۔ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا نہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ محکم آیات ہیں، ان میں بیان کردہ احکام تمام شریعتوں میں مشترک رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز شریعت محمدی میں منسوخ نہیں ہوئی۔ (تفسیر بحر محیط) اس قسم کے احکام آج بھی بائبل کی کتاب خروج کے باب نمبر ۲۰ میں موجود ہیں۔

[۱۳۶] اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین اہل دنیا کو عطا فرمایا ہے وہی سیدھا راستہ ہے اور اہل ایمان پر اسی کی اتباع لازم ہے، اگر کوئی دوسرے راستوں کی پیروی کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور ہو جائے گا۔

ع ۱

اَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

نے نیک کام کئے اس پر نعمت کو پورا کر دیں، [۱۳۷] اور (اس میں) ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے تا کہ وہ لوگ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ اور یہ (قرآن) بھی ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ عَلٰى طَآٮِٕفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَاِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ (ہم نے یہ کتاب اس لئے بھی نازل کی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم کہنے لگو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتاب نازل کی گئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔[۱۳۸]

اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهۡدٰى مِنۡهُمۡ ۚ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ

۱۵۷۔ یا یوں کہنے لگو کہ اگر ہم پر (یہود و نصاریٰ کی طرح) کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، پس تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی طرف

---

[۱۳۷] گذشتہ آیات میں جن احکام کا بیان ہوا ہے یہ ہمیشہ تمام امتوں پر نازل ہوتے رہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تورات نازل کی گئی تو اس میں بھی ان احکام کو بیان کیا گیا تا کہ اس زمانہ کے نیک لوگوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت پوری کردی جائے، کیونکہ عام طور پر نیک لوگ ہی آسمانی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تورات اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں بنی اسرائیل کی دینی ضرورت کی ہر چیز کا مفصل بیان تھا۔ یہ ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ تھی تا کہ اس کو پڑھ کر اپنے رب سے ملاقات یعنی آخرت پر ایمان لے آئیں۔

[۱۳۸] ان آیات میں مشرکین مکہ سے خطاب ہو رہا ہے تا کہ قیامت کے دن جب ان سے شرک پر باز پرس ہو تو وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ان سے پہلے دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر تورات اور انجیل نازل کی گئی تھیں اور ہم چونکہ ان پڑھ تھے اس لئے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے قاصر تھے۔ اگر ہم پر بھی کوئی کتاب نازل کی جاتی تو ہم شرک نہ کرتے اور یہود و نصاریٰ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ قرآن مجید اگرچہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے مگر اس میں مشرکین مکہ کے لئے بھی حجت قائم ہو گئی کہ اب تو تمہارے پاس تمہاری ہی عربی زبان میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب آ گئی ہے، لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اس روشن کتاب کی تکذیب کرے۔

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

سے روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی تو اب اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور ان سے روگردانی کی، ہم عنقریب ان لوگوں کو بڑے عذاب کی سزادیں گے جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ روگردانی کرتے تھے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آئیں یا آپ کا رب خود آئے یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، [۱۳۹] (لیکن) جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے گی تو کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی نہ کرلی تھی، آپ فرمایئے: تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کررہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے [۱۴۰] آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

---

[۱۳۹] اسلام کی حقانیت پر روشن اور واضح دلائل کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ روح قبض کرنے کے لئے ان کے پاس موت کا فرشتہ آجائے یا قیامت کا دن قائم ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کرسی عدالت پر جلوہ گر ہوجائے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کی کوئی بڑی نشانی آئے جیسے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا تو پھر وہ ایمان لائیں گے؟ حالانکہ جب موت کا فرشتہ یا کوئی ایسی نشانی آجائے جس کے بعد موت سامنے نظر آرہی ہو تو پھر کسی کا ایمان لانا یا توبہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ فائدہ صرف اسی کو ہوگا جو ان نشانیوں کے ظہور سے پہلے ایمان لائے یا توبہ کرلے۔ بہرکیف اس وضاحت کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو وہ بھی انتظار کریں اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں، جونہی قیامت آئے گی تو حق و باطل ہر ایک کو واضح نظر آجائے گا۔

[۱۴۰] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی جن لوگوں نے آپ کا راستہ چھوڑ کر دین میں اپنی مرضی کے راستے بنالئے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾

۱۶۰۔ جو شخص (قیامت کے دن) ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لائے گا تو اسے صرف ایک برائی کی سزا ملے گی [۱۴۱] اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

گئے آپ سے ان کے متعلق کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ وہ خود ہی اپنی گمراہی کے ذمہ دار ہیں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہی ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دے گا۔ مختلف فقہی مذاہب کے متعلق اسی سورت میں آیت نمبر ۶۵ کا حاشیہ نمبر ۶۲ ملاحظہ کریں۔

[۱۴۱] قیامت کے دن جو شخص ایک نیکی لائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا اجر دے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کا اجر ستر، سات سو یا بے حساب گنا زیادہ بھی کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہو گا۔'' (قرآن: ۳۹:۱۰) اور یہ اس کا فضل ہے، اس کے برعکس قیامت کے دن جو شخص ایک گناہ لائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو صرف ایک گناہ کی سزا دے گا اور یہ اس کا عدل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا یعنی نہ تو کسی کے ثواب میں کمی کرے گا اور نہ کسی کے عذاب میں زیادتی کرے گا۔

اس آیت کے الفاظ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ محض نیکی یا برائی کر لینے سے جزا و سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس نیکی یا برائی کا قیامت تک قائم رہنا شرط ہے، مثلاً ایک شخص نے برائی کی مگر بعد میں توبہ کر لی یا کوئی ایسی نیکی کی جو اس کی برائی کا کفارہ بن گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔'' (قرآن: ۱۱:۱۱۴) تو اس صورت میں اس شخص کو اس کی برائی کی سزا نہیں ملے گی کیونکہ اس کی توبہ اور نیکی کی وجہ سے اس کی برائی دنیا ہی میں معاف ہو گئی تھی اور وہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اس نے برائی کی ہی نہیں۔ اسی طرح ایک شخص نے نیکی کی مگر بعد میں کوئی ایسی برائی کر بیٹھا جس کی وجہ سے اس کی نیکی ضائع ہو گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔'' (قرآن: ۲:۲۶۴) تو اس صورت میں اس شخص کو اس کی نیکی کی جزا نہیں ملے گی کیونکہ اس نے اپنی نیکی ضائع کر دی، لہٰذا نیکی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے۔

کسی چھوٹے گناہ کو معمولی نہ سمجھو کیونکہ کبھی چھوٹی سی چنگاری پورے گھر کو جلا دیتی ہے، اسی طرح چھوٹی نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو کیونکہ کبھی پانی کا ایک گھونٹ انسان کی جان بچا سکتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے عوض سے ہو اور اگر یہ نہ پائے تو اچھی گفتگو کرنے سے۔'' (بخاری: کتاب الادب: باب ۳۴) کیونکہ ''اچھی گفتگو صدقہ ہے۔'' (بخاری: کتاب الادب: باب ۳۴) ''بے شک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور انسان کو برے انجام سے بچا لیتا ہے۔'' (ترمذی: ابواب الزکوٰۃ: باب ۲۸) ''اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔'' (ترمذی:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ آپ فرمائیے: بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھائی، [۱۴۲] یعنی صحیح دین جو ابراہیم کا مذہب تھا اور وہ ہر باطل سے پاک تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲۔ آپ فرمائیے: بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے [۱۴۳] جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

ابواب الایمان: باب ۸) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نیکی میں سے کچھ بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔'' (مسلم: کتاب البر: باب ۴۳) کیونکہ ''تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تیرے لئے صدقہ کا درجہ رکھتا ہے۔''

(ترمذی: ابواب البر: باب ۳۶)

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا: تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ جس چیز کا تم کو حکم کیا گیا ہو، اس کا اگر دسواں حصہ بھی تم میں سے کسی نے چھوڑا تو وہ ہلاک ہو جائے گا، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگوں کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کا اگر دسواں حصہ بھی ان میں سے کوئی کرے گا تو نجات پا جائے گا۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۲۶۷: ابواب الفتن: باب ۷۹)

یہ حدیث ان لوگوں کے لئے امید کی کرن ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر کسی درجہ میں بھی عمل کرنے کی توفیق دی ہے انہیں اپنے عمل کو تھوڑا اور قلیل سمجھ کر چھوڑ نا نہیں چاہیے۔ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے، نا معلوم خدا کو ہماری کون سی ادا پسند آجائے جس پر ہمارا کام بن جائے۔ بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ بے عملی ترقی پذیر ہے نیکیوں کا اجر زیادہ ملے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے فساد کے وقت جس نے میری سنت پر عمل کیا اس کو ایک سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: فصل ثانی)

[۱۴۲] اے مشرکین عرب! میرے رب تعالیٰ نے مجھے دین اسلام کا راستہ دکھایا ہے جو سیدھا اور مستحکم راستہ ہے اور یہ کوئی نیا راستہ نہیں بلکہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راستہ بھی یہی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خالص توحید پرست اور ہر قسم کے شرک سے پاک تھے۔

[۱۴۳] اس آیت میں مسلمان کی زندگی کا نصب العین بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کی نماز و قربانی اور زندگی و موت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو شوق دلانے کے لئے کبھی کبھی اپنے تقویٰ اور اخلاص کا اظہار بھی ضروری ہوتا ہے بشرطیکہ ریاکاری کی نیت نہ ہو۔

لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔[۱۴۴]

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ آپ فرمایئے: کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے، اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،[۱۴۵] پھر تمہیں اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تو وہ تمہیں بتائے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

---

[۱۴۴] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اس کی تفصیل کے لئے اسی سورت میں آیت نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۵ ملاحظہ کریں۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بنیادی اور اصولی تعلیمات ہر زمانہ میں ایک جیسی ہی تھیں اور سارے انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار یعنی مسلمان ہیں، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں۔'' (قرآن: ۱۰:۷۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان رہنا۔'' (قرآن: ۲:۱۳۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا مانگی: ''اے میرے پروردگار! مجھے اس حال میں وفات دے کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔'' (قرآن: ۱۲:۱۰۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا: ''اگر تم مسلمان ہو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔'' (قرآن: ۱۰:۸۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔'' (قرآن: ۵:۱۱۱) اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے مخلص پیروکار سب مسلمان تھے اور سب کا بنیادی عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، البتہ مخصوص حالات کے پیش نظر بعض احکام میں اختلاف تھا۔

[۱۴۵] کفار مکہ نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کی اتباع کرو (اگر اس میں کوئی گناہ ہوا) تو تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے۔ (قرآن: ۲۹:۱۲) اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا [۱۴۶] اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا ہے تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے، بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

[۱۴۶] اللہ تعالیٰ نے تمہیں گذشتہ اُمتوں کا خلیفہ بنایا کیونکہ تم آخری امت ہو اور تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی تا کہ تمہیں آزمائے یعنی کسی کو دولت دی اور کسی کو غربت، کسی کو صحت دی اور کسی کو بیماری الغرض جس کو جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اسی میں اس کی آزمائش ہے کہ وہ صبر و شکر کرتا ہے یا بے صبری و ناشکری اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بہت جلد سرکشوں کو عذاب میں مبتلا کر دے مگر وہ ڈھیل دیتا ہے تا کہ جو توبہ کرے اسے بخش دیا جائے۔

الحمد للہ رب العالمین

محمد امداد حسین پیرزادہ

۲۰۰۵-۱۰-۱۷ء بروز پیر ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

جامعہ الکرم، ایٹن ہال، برطانیہ

الله نور السموات والأرض

إن الله جميل يحب الجمال

صدق رسول الله

حضرت عیسیٰ				
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ، مسیح اور ابن مریم کہنے کی وجہ	3	45	23	175
حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے	3	49	25	176
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات	3	49	26	177
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش	3	54	29	178
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش	3	55	30	179
حضرت مریم علیہا السلام پر یہود کا بہتان	4	156	163	360
حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے	4	157	164	361
حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے	4	158	165	362
حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں	4	159	166	362
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں عیسائیوں کا اختلاف	4	171	178	367
تثلیث کا عقیدہ	4	171	179	367
حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں	5	72	106	434
نزول عیسیٰ علیہ السلام	5	72	106	434
تثلیث	5	73	107	435
حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں	5	75	108	437
حضرت مریم علیہا السلام نہ خدا ہیں اور نہ نبی	5	75	108	437
حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کے لائق نہیں ہیں	5	76	109	440
حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں	5	77	110	441
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بائبل میں	5	110	146	474

اسلامی قتال کے آداب	2	190	150	98
مجاہد کی دعا	2	250	212	132
مجاہد کے لیے اجر عظیم	4	74	82	315
مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کرنا	4	75	83	316
جہاد کی ترغیب	4	84	95	321
دشمن سے محتاط رہو	4	102	112	337
جنگِ احد	3	121	75	207
شہدائے احد کی قبروں پر جانا	3	121	75	207
شہید دس مرتبہ شہید ہونے کی تمنا کرے گا	2	154	111	83
شہداء کی قبروں پر جانا	3	121	75	207
شہیدوں کو مردہ خیال بھی نہ کرو	3	169	117	227
جنت سے شہیدوں کا پیغام	3	169	117	227
شہید کی تعریف	4	69	79	313
جبر و قدر				
تقدیر کا مسئلہ	2	7	10	23
تقدیر کی ایک مثال	5	41	60	411
خیر و شر کا فاعل بندہ خود ہے	6	39	36	509
لوح محفوظ میں انسانی تقدیر کا مسئلہ	6	39	36	509
انسان اور اس کی عظمت				
خلیفہ	2	30	28	33
سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں	4	1	1	245

مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے	4	11	14	264
والدین کے ساتھ حسن سلوک	4	36	51	287
رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک	4	36	52	292
[illegible] بیوی کے حقوق و فرائض				
جنت میں عورتوں کو کیا ملے گا؟	2	25	23	30
میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں	2	187	143	96
دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کیوں؟	2	282	241	151
عورت کی کرامت اور ولایت	3	37	19	171
کسی عورت کو نبی نہیں بنایا گیا	3	42	21	173
اعمال کے اجر میں مرد اور عورت برابر ہیں	3	195	139	241
حضرت حوا کی پیدائش اور مہر	4	1	1	245
وراثت میں عورت کا بھی حق ہے	4	7	10	262
مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے	4	11	14	264
وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے دُگنا ہے	4	11	14	264
عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے خاوند کا ہے	4	11	14	264
بیوی ناپسند ہو تو بھی حتی الامکان صبر کرو	4	19	26	273
مرد عورت پر حاکم ہے	4	34	46	284
فرماں بردار بیوی کے لیے جنت کے سارے دروازے کھلے ہوں گے	4	34	47	285
بہترین خاوند وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے	4	34	47	285
عورت کو مسواک سے مارنا	4	34	48	285
اعمال کے اجر میں مرد اور عورت برابر ہیں	4	124	134	348

[illegible]				
امانت دار تاجر کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا	4	29	41	281
امانتیں ان کے حقداروں کو دو	5	58	70	416
عہد شکنی منافق کی نشانی ہے	5	1	1	375
[illegible]				
وراثت میں عورت کا بھی حق ہے	4	7	10	263
وصیت صرف تیسرے حصہ میں ہوتی ہے	4	11	13	264
وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہے	4	11	14	265
وراثت میں صرف ایک لڑکی کا حصہ کیا ہوگا؟	4	11	15	266
والدین کا وراثت میں حصہ	4	11	16	266
بیوی کی وراثت	4	12	17	267
خاوند کی وراثت	4	12	18	267
کلالہ کی وراثت	4	12	19	268
کلالہ کی تعریف	4	176	183	370
کلالہ کی وراثت کی تقسیم	4	176	184	370
وصیت کے لیے گواہ	5	106	143	471
نیکی اور گناہ				
گناہ کی تعریف	2	36	33	37
نیکی اور برائی کا ارادہ کرنا	2	284	242	155
اچھا وہ ہے جس کی عمر زیادہ اور کام اچھے ہوں	3	178	124	230
گناہ کی تعریف، صغیرہ اور کبیرہ گناہ	4	31	43	282

توکل اور ظاہری اسباب	3	165	113	225
[illegible]				
صدیق کی تعریف	4	69	79	313
تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی رخصت ہے	4	114	123	343
سچ جنت کا اور جھوٹ دوزخ کا راستہ ہے	5	119	158	484
اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا	6	21	22	489
[illegible]				
خندہ پیشانی سے ملنا	2	263	225	141
سلام کی حقیقت اور فضیلت	4	86	97	322
مسکرا کر ملنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں	6	160	141	570
[illegible]				
قسم توڑنے کا کفارہ	2	224	183	117
قرض کے لیے گواہ بنالو	2	282	241	151
زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ	4	15	22	269
قیامت کے دن ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے	4	17	23	270
سچی گواہی دو	4	135	144	352
قسم توڑنے کا بیان	5	89	122	451
قسم توڑنے کا کفارہ	5	89	123	451
حلال وحرام (شراب، خنزیر، سود، میت وغیرہ)				
شراب حرام ہے	2	219	178	112
سود کی تعریف	2	275	235	147

ماخذومراجع

کتب تفاسیر

۱۔ تفسیر ضیاء القرآن: پیر محمد کرم شاہ الازہری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان، ۱۹۹۵ (۵ جلدیں)

۲۔ الدر المنثور: امام جلال الدین السیوطی: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ (۸ جلدیں)

۳۔ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی): محمد بن احمد الأنصاری القرطبی: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان (۳۰ جلدیں)

۴۔ التفسیر الکبیر: امام فخر الدین الرازی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۶ جلدیں)

۵۔ حاشیۃ الصاوی علی الجلالین: شیخ احمد الصاوی المالکی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۶۔ فی ظلال القرآن (اردو): سید قطب شہید: ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۶

۷۔ جامع البیان (تفسیر طبری/تفسیر ابن جریر): ابو جعفر محمد بن جریر الطبری: دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۹۸۴ (۱۵ جلدیں)

۸۔ تفسیر روح البیان: امام اسماعیل حقی: دار لفکر، بیروت، لبنان (۱۰ جلدیں)

۹۔ صفوۃ التفاسیر: محمد علی الصابونی: دار القرآن الکریم، بیروت، لبنان، ۱۹۸۱ (۳ جلدیں)

۱۰۔ تفسیر البیضاوی: امام ناصر الدین البیضاوی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ (۲ جلدیں)

۱۱۔ تفسیر فتح العزیز (تفسیر عزیزی: اردو): شاہ عبد العزیز دہلوی: علمی پریس، دہلی، انڈیا

۱۲۔ تفسیر ابن کثیر: الحافظ اسماعیل بن کثیر: دار القلم، بیروت، لبنان (۴ جلدیں)

۱۳۔ تفسیر مظہری: قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی: دار الاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۹ (۱۲ جلدیں)

۱۴۔ تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی: مکتبہ اسلامیہ، گجرات، پاکستان

۱۵۔ تفسیر روح المعانی: امام شہاب الدین السید محمود البغدادی: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۸ (۱۰ جلدیں)

۱۶۔ تفسیر الشعراوی: محمد متولی الشعراوی: دار اخبار الیوم، قاہرہ، مصر، ۱۹۹۱ (۱۴ جلدیں)

۱۷۔ تفسیر الحسنات: علامہ ابو الحسنات القادری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان (۷ جلدیں)

۱۸۔ تفسیر الخازن: امام علاء الدین البغدادی: دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۹۷۹ (۷ جلدیں)

۱۹۔ تنویر المقباس: عبداللہ بن عباس: المکتبۃ الشعبیۃ، قاہرہ، مصر، ۱۹۷۲

۲۰۔ البحر المحیط: محمد بن یوسف الغرناطی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۱ جلدیں)

۲۱۔ مدارک التنزیل (تفسیر النسفی): امام عبداللہ بن احمد النسفی: دار النفائس، بیروت، لبنان، ۱۹۹۶

۲۲۔ خزائن العرفان: سید محمد نعیم الدین مرادآبادی: حفیظ بک ڈپو، دہلی، انڈیا

۲۳۔ احکام القرآن: امام احمد بن علی الجصاص: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۲۴۔ زہرۃ التفاسیر: محمد ابو زہرۃ: دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر

۲۵۔ تفسیر المنار: محمد رشید رضا: دار الفکر، بیروت، لبنان

۲۶۔ تفسیر الکشاف: محمود بن عمر الزمخشری: دار لکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷

۲۷۔ فتح القدیر: محمد بن علی الشوکانی: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۲۸۔ تفسیر القرآن العظیم: حافظ ابن ابی حاتم: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۴ جلدیں)

۲۹۔ تفسیر الجیلانی: محی الدین عبدالقادر الجیلانی الحسنی الحسینی: شرکۃ التمام، بیروت، لبنان

کتب احادیث

۳۰۔ صحیح البخاری: محمد بن اسماعیل البخاری: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۱۔ صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج القشیری: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۲۔ سنن ترمذی: محمد بن عیسٰی: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۳۔ سنن ابن ماجہ: محمد بن یزید القزوینی: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۴۔ سنن ابو داؤد: سلیمان بن الاشعث: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۵۔ سنن النسائی: احمد بن شعیب: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۶۔ مسند احمد: امام احمد بن حنبل: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۷۔ الموطا: امام مالک بن انس: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۸۔ مشکوۃ المصابیح: امام ابو محمد البغوی: قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، ۱۳۸۸ھ

۳۹۔ المعجم الکبیر: سلیمان بن احمد الطبرانی: مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ، موصل، عراق، ۱۹۸۴ (۲۵ جلدیں)

۴۰۔ المستدرک: امام الحاکم النیشاپوری: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ (۴ جلدیں)

۴۱۔ الجامع الصغیر: محمد ناصر الدین الالبانی: مکتبہ الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ (۲ جلدیں)

۴۲۔ ریاض الصالحین: یحیٰ بن شرف النووی الشافعی: دار القلم، بیروت، لبنان، ۱۹۷۰
۴۳۔ سنن الدار قطنی: علی بن عمر الدار قطنی: عالم الکتب، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ (۴ جلدیں)
۴۴۔ شعب الایمان: احمد بن الحسین البیہقی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰
۴۵۔ الترغیب و الترھیب: عبد العظیم المنذری: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۶۸
۴۶۔ السنن الکبریٰ: احمد بن الحسین البیہقی: نشر السنة، ملتان، پاکستان، (۱۰ جلدیں)
۴۷۔ المعجم الاوسط: سلیمان بن احمد الطبرانی: مکتبة المعارف، ریاض، سعودی عرب (۱۱ جلدیں)

دیگر کتب

۴۸۔ معجزات الرسول: محمد متولی الشعراوی: مکتبة الاسلامیة الشعراویة، قاہرہ، مصر
۴۹۔ الخصائص الکبریٰ: امام جلال الدین السیوطی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۱۹۷۵ (۲ جلدیں)
۵۰۔ السیرة النبویة: عبد الملک بن ہشام: دار الجیل، بیروت، لبنان، (۴ جلدیں)
۵۱۔ البدایة و النہایة: الحافظ اسماعیل ابن کثیر: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۸۲ (۷ جلدیں)
۵۲۔ المفردات: امام راغب الاصفہانی: مکتبة مصطفی البابی، مصر، ۱۹۶۱
۵۳۔ لسان العرب: ابن منظور: دار المعارف، قاہرہ مصر (۸ جلدیں)
۵۴۔ المنجد: دار المشرق، بیروت، لبنان، ۱۹۷۵
۵۵۔ شرح المواہب اللدنیة: امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی: دار الفکر، بیروت، لبنان،
۵۶۔ دلائل النبوة: احمد بن الحسین البیہقی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ (۷ جلدیں)
۵۷۔ کتاب المبسوط: شمس الدین السرخسی: دار المعرفة، بیروت، لبنان، ۱۹۸۰، (۱۵ جلدیں)
۵۸۔ الفتاویٰ العالمگیریة: علامة نظام الدین: بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان، ۱۹۸۵ (۶ جلدیں)
۵۹۔ فتاویٰ قاضی خان: حسن بن منصور الفرغانی الحنفی: بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان، ۱۹۸۵ (۶ جلدیں)
۶۰۔ رد المحتار: ابن عابدین: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ (۸ جلدیں)
۶۱۔ حاشیة الطحطاوی: امام احمد الطحطاوی: میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان
۶۲۔ مراقی الفلاح: حسن بن عمار الحنفی: میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان
۶۳۔ فتاویٰ افریقة: امام احمد رضا قادری: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، پاکستان

۶۴۔ بہارِ شریعت: علامہ محمد امجد علی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، پاکستان

۶۵۔ امداد الفقہ: محمد امداد حسین پیرزادہ: دارالسلام، قاہرہ، مصر، ۲۰۰۳

۶۶۔ اسلامی عقائد: محمد امداد حسین پیرزادہ: الکرم پبلی کیشنز، ایٹن ہال، ناٹنگھم شائر، یوکے، ۱۹۹۹

۶۷۔ کنز العمال: علامہ علاء الدین البرہان فوری: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ (۱۶ جلدیں)

۶۸۔ مجمع الزوائد: علی بن ابی بکر الہیثمی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ (۱۰ جلدیں)

۶۹۔ نزہۃ المجالس (اردو) عبدالرحمٰن صفوری شافعی: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان

۷۰۔ نور الایضاح: الشیخ حسن بن علی: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، پاکستان

۷۱۔ قصیدۃ البردہ: امام بوصیری: انگریزی ترجمہ: محمد امداد حسین پیرزادہ، الکرم پبلی کیشنز ایٹن ہال ناٹنگھم شائر، یوکے

۷۲۔ السیرۃ النبویۃ: الحافظ اسماعیل بن کثیر: دار الفکر، بیروت، لبنان

۷۳ ضیاء النبی: پیر محمد کرم شاہ الازہری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۵ھ (۷ جلدیں)

۷۴۔ صراط مستقیم: شاہ اسماعیل دہلوی: اسلامی اکیڈمی، لاہور، پاکستان

۷۵۔ القول الجمیل (اردو): شاہ ولی اللہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، پاکستان

۷۶۔ سبل الہدیٰ والرشاد: امام محمد بن یوسف الشامی: وزارۃ الاوقاف، قاہرہ: مصر (۱۲ جلدیں)

۷۷۔ المنتظم فی تواریخ الملوک والامم: امام عبدالرحمٰن الجوزی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۳ جلدیں)

۷۸۔ تاریخ الاسلام: مورخ شمس الدین الذہبی: دار الکتاب العربی، بیروت (۵۲ جلدیں)

۷۹۔ امتاع الاسماع: تقی الدین المقریزی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۱۵ جلدیں)

۸۰۔ حلیۃ الأولیاء: امام ابو نعیم الاصفہانی: درالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۱۲ جلدیں)

English Books

81) **Miracles of the Qur'an** : *Muhammad Mutawali ash-Sha'raawi Published by Daar-ul-Taqwa Ltd. Londom*

82) **Encyclopedia Britannica** : *Peter B. Norton Joseph Espsito, USA, 1995, 15th-edition (32 volumes)*

83) **Islam & the West** : *H.R.H. Charles Prince of Wales, Printed by Uniskill Ltd. Eynsham, Oxford, UK.*

84) **Muhammad at Madinah** : *Montgomery Watts. Oxford University Press, 2006.*

85) **Oxford Encyclopedia Dictionary** : *Published by Oxford University Press, USA, 1991.*

86) **Shari'ah the Islamic Law** : *Abdur Rahmaan Doi (Zia-un-Nabi)*

87) **The Holy Bible** : *Published by Collins, London, 1954.*
88) **The Living Bibble :** *British Edition, 1975.*
89) **The Hutchinson Encyclopedia** : *1999 Edition.*
90) **The New Universal Encyclopedia** : *Caxton Publishing Co, Ltd. London.*
91) **The English Pig** : *Published by The Hambledon Press, London 1998.*
92) **American Government** : *Lowi & Ginsberg. Published by W.W.Norton Publications 1998.*
93) **Fream's Agriculture** : *Printed by Butler & Tanner Ltd. London, 16th Edition 1983.*
94) **Oxford Advanced Learner's Dictionary** : *4th Edition 1989.*
95) **The Hans Wehr Dictionary of Modern Written Arabic:** *Edited by J. M. Cowan, 3rd Edition.*

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا